

انشائیہ
جون ایلیا

[illegible] زندگی اور انعام سفر
ایک صاحب [illegible]

کافرنعت
ڈاکٹر ساجد امجد

[illegible]

آپ کے خط
[illegible]

[illegible]

شیش محل
اسماء قادری

[illegible]

[illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible] شاہکار
[illegible]

[illegible]

کرشمہ
سلیم انور

[illegible]

واپسی
[illegible]

[illegible]

صلح جو
ملک صفدر حیات

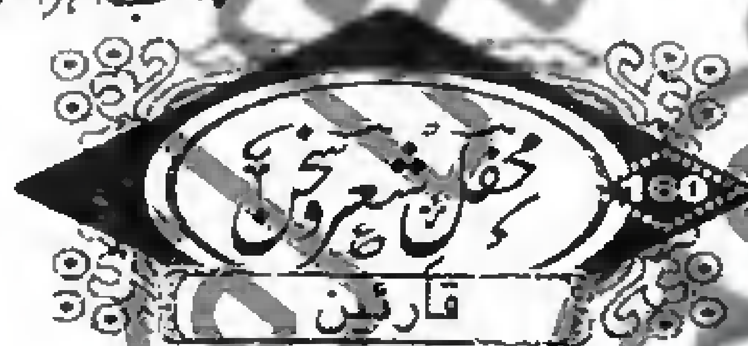
[illegible]

[illegible]
E-mail: [illegible]





محبت کی ایک انوکھی روداد جس
کا انجام ہر آنکھ کو اشکبار کر گیا



آپ کے ہاتھوں سجی ایک بزم رنگا رنگ
آپ کی پسند آپ کے ذوق سے ہم آہنگ



گھمنڈ اور تکبر کی انتہا کو چھو لینے
والے ایک بے ضمیر کا قصہ



مغرب سے درآمد شدہ ایک
ڈکیتی کا سنسنی خیز احوال



ایک عزم بازی گر کی بازی گری...... سنسنی
خیز واقعات پر مشتمل ایک دلربا طویل داستان



ناکامیوں کی بھیڑ میں ایک
تخلیق کار کی فتح کا قصہ



کٹھن مراحل سے بے خوف و خطر
گزرنے والے ایک نیک انسان کا ماجرا



گھر، خاندان، اور دلوں کے
ٹوٹنے کا [illegible]



[illegible] اور جبر کے [illegible]
[illegible] داستان

پبلشر و پرنٹر: ذیشان رسول ۔ مقامِ اشاعت: گراؤنڈ فلور C-63 فیز II ایکسٹینشن ڈیفنس مین کورنگی روڈ کراچی 75500
پرنٹر: جمیل حسن • مطبوعہ: ابن حسن پرنٹنگ پریس ہاکی اسٹیڈیم کراچی

انشائیہ

جون ایلیا

"حاصل کلام ۔ 1"

دوسری جنگِ عظیم کے دوران میں نازیت، فسطائیت اور غلبہ خواہی نے جو زمین گیر تباہی مچائی تھی۔ اس کی وحشت ناکی کے زیرِ اثر عالمی دائرے میں زندگی پسندی، امن طلبی، انسانیت پرستی اور عوام دوستی کا ایک پُر احساس رجحان پیدا ہوا تھا، وہ اس کے بعد بھی چند دہوں تک جاری رہا۔

اس رجحان کے سبب ساری مہذب دنیا میں ایک فرخندہ اور فرنام ادب وجود میں آیا جو شائستگی کا بیش بہا سرمایہ ہے۔ زندگی پسندی، امن طلبی، انسانیت پرستی اور عوام دوستی کو اس ادب کے سرچشمے کی جاوداں جاوید حیثیت حاصل ہے۔

اسی دور میں "عالمی معاشرے" کے مثالی تصور نے ایک جاں افروز اور دل انگیز فروغ پایا اور انسانی دانش نے اپنی تاریخ اور تقویم میں جو انسانیت پرور خواب دیکھے تھے، وہ خواب تعبیر نصیب ہوتے ہوئے محسوس ہوئے۔

پر ہے یوں کہ زمانہ ابنِ آدم کے حق میں کم ہی مہربان ثابت ہوا ہے۔ ابنِ آدم (بلکہ اس موقع پر انسان کا لفظ استعمال کیا جانا چاہیے) کی معلوم تاریخ اور معلوم تاریخ سے پہلے دراز ترین دور انسان کے لیے بے حد ہمت آزما اور جاں فرسا رہا مگر روحِ انسانی نے "فطرت، دیوی دیوتاؤں" اور خود انسانیت دشمن انسانوں کے جبر سے کبھی ہار نہیں مانی۔ یہاں میں اپنی نظریاتی احتیاط پسندی کی رعایت رکھتے ہوئے یہ بات بھی کہہ دوں کہ روحِ انسانی کا فطرت "دیوی دیوتاؤں" اور خود انسانیت دشمن انسانوں کے جبر سے ہار نہ ماننا بھی روحِ انسانی کے وجود کا ایک جبر تھا اور جبر شاید آئندہ بھی کارفرما رہے گا۔

میں دوسری جنگِ عظیم اور اس کے چند دہوں کے بعد تک کی بات کر رہا تھا۔ اب جو بات کہنی ہے، وہ یہ ہے کہ سرمایہ داری، نسل نوازی اور عقیدہ پرستی اس دور میں بھی پوری طرح چپکی نہیں بیٹھی تھیں۔ ہاں، ان کے کھل کھیلنے میں بہت کمی آ گئی تھی اور یہ امر ناگزیر تھا مگر اس دور کے بعد سرمایہ داری نے اپنے مددگار تاریخی رویّوں کے ساتھ پھر کھل کھیلنا شروع کر دیا اور یہ انسانیت سوز عالمی ناٹک اس وقت تک، اس لمحے تک اپنے اداکاروں کی ماہرانہ ہنرمندی کے ساتھ جاری ہے۔

اس عہد کی نئی نسل میں جو خوف ناک برافروختگی، مدہوش برہمی، سنگین ترین دہشت گردی، بے حد مہیب ہلاکت پسندی اور انتہائی شرم آور اقدار شکنی پائی جاتی ہے، وہ کسی شوق اور اتفاق کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ اس عہد کی غلبہ یاب سیاسی اور سماجی بے تدبیری اور مجرمانہ سوچ کا اندوختہ ہے۔

پہلے سے کہیں زیادہ پُرپیچ اور پُرفن سرمایہ دارانہ تصورِ حیات، انسانی تاریخ کے شریفانہ مثالیوں اور خوابوں کو زہرِ ہلاہل پلانے پر تلا ہوا ہے۔ سقراط کو "شوکران" کا قرابہ پلایا گیا تھا اور اس عہد کی نئی نسل کے حلق میں نسلی، قومی "تہذیبی" اور مذہبی ہلاکت آگینی انڈیلی جا رہی ہے۔

برادرِ عزیز معراج رسول جو عالمی اور خاص طور پر مقامی گرد و پیش کی سیاسی اور سماجی بست و شکست کے بارے میں ایک دقت طلب تجزیے اور تحلیل سے شغف رکھتے ہیں، اپنی محبت کی وجہ سے میری اس بات کی تائید نہیں کریں گے کہ میری نگارش میرے علم اور میرے تازہ ترین مطالعے کی پیداوار نہیں ہوتی بلکہ میری شاعرانہ اور تخیلاتی انکل کی زائیدہ ہوتی ہے۔ یہ ایک ذاتی یا شعبہ جاتی بات ہے کہ میں اپنی اس شاعرانہ انکل کو ایک الوہی انکل سمجھتا ہوں۔

بہرحال معراج رسول میری اس بات کی تائید کریں یا نہ کریں، حقیقت یہی ہے کہ میری قلم فرسائی کا سارا کھیل میری انکل کا تشریح ناپذیر کھیل ہے۔ سو میری انکل یہ کہتی ہے کہ پاکستان کی نئی نسل احساس کے جس ابتلا سے گزر رہی ہے، اس پر نئی نسل کی عالمی برادری کی ذہنی کیفیت سے جدا کر کے کوئی فیصلہ صادر نہیں کرنا چاہیے ورنہ وہ فیصلہ کوئی فیصلہ نہ ہوگا بلکہ محض ایک مدعیانہ فتوا ہوگا۔

☆☆☆

عزیزانِ من!

السلام علیکم!

اپریل 2017ء کا شمارہ آپ کے ذوق کی تسکین کے لیے حاضر ہے۔ [illegible]

[illegible]



ان کی سگی بہن یعنی میری پھوپھی فوت ہوگئیں کچھ عرصہ خود بہت بیمار رہی۔ (اوہ...... اللہ آپ کو صحت دے۔ ہم آپ کے غم میں برابر کے شریک ہیں)۔ اشفاق شاہین بھی بہت زبردست تبصرہ لے کر حاضر ہوئے۔ اللہ آپ کی والدہ کو صحت کاملہ عطا کرے۔ آمین۔ پائندہ خان بھی پاکستان زندہ باد کی تشہیر کرنے والے نام کے ساتھ حاضر۔ تبصرہ بہت ہی جاندار اور جامع رہا۔ سسپنس کے تمام تبصرہ نگار ایک خاندان کی طرح ہیں۔ کہانیوں میں پہلے شیش محل پڑھنا شروع کی۔ جب ختم شد دیکھا تو ہوش آیا۔ فاروق نے رمیش کے ساتھ بہت اچھا کیا۔ فاروق، کیتھرائن، ووجے، گولو اور جگو کے ساتھ۔ فاروق اب انتقام کی راہ پر گامزن، اسد اللہ کو بھائی کے ساتھ پھوپی اور جولیٹ کے زندہ ہونے کی خوشی۔ صد افسوس جانی جیسا بہادر بھی جان سے گیا۔ معلوم نہیں اب جولیٹ کس حال میں پاکستان پہنچے گی۔ ثمر عباس کی تحریر بے خبری سر پر سے گزر گئی...... آخرکار ماروی اختتام کو پہنچ گئی۔ یہ قانون قدرت ہے کہ جو ذی روح دنیا میں آیا ہے اس نے اپنے خالق کے پاس واپس بھی جانا ہے۔ آخر مراد کتنا بھی طاقتور رہے ہے تو وہی مٹی کا پتلا، جانا اس کو بھی پڑا۔ تو اب انکل کی یاد بہت آئی۔ منظر امام انکل دردمند جیسی انمول تحریر لے کر آئے۔ ڈاکٹر ہمارے معاشرے کا بہت حساس دل رکھنے والا طبقہ ہے۔ بے شک کچھ کالی بھیڑیں ان کے اندر بھی ہوں گی۔ ماشاء اللہ میری ایک بہن اور دو بھائی ڈاکٹر ہیں۔ منظر امام انکل سے بہت گلہ ہے کہ سسپنس کے لیے شروع کے صفحات اور آخری صفحات کے لیے نہیں لکھتے، پلیز لکھیں۔ ڈاکٹر شیر شاہ سید کی تحریر معما انسانی رشتوں کی عکاس کہانی۔ اس میں حیران ہونے والی کیا بات ہے، لالہ اگر سوداگر تھا تو ساتھ ہی انسان بھی تو ہے۔ کافی عرصے کے بعد نشور ہادی کی اتنی شاندار تحریر منقسم عورت پڑھی۔ رفعت، شفیق، منظور اور خاص کر طارق جیسے کردار صرف تحریروں میں ہی ملتے ہیں۔ نہ تو رفعت جیسی طلاق شدہ عورت کو شفیق جیسا لڑکا ملتا ہے اور نہ طارق جیسا کوئی اتنا اچھا شوہر کہ بیوی کو ایسی خوشیاں دے۔ اس کے باوجود بھی تحریر بہت دلچسپ رہی...... اس بار ضیا تسنیم بلگرامی شیخ بدرالدین اسحاق پر تحریر لائیں۔ ضیا تسنیم بلگرامی کی تعریف سورج کو چراغ دکھانا ہے۔ یہ تو سسپنس کا ہی ہم سب پر احسانِ عظیم ہے کہ ہمیں اسلامی موضوع پر ایسی تحریریں پڑھنے کو ملتی ہیں جس سے دل و دماغ منور ہو جاتا ہے۔ اس بار پھر مرزا امجد بیگ ایک منفرد اور دلچسپ کیس کے ساتھ حاضر۔ اس کیس میں 1986 کے ذکر سے میں نے اندازہ لگایا ہے کہ بیگ صاحب کی عمر کم از کم اب 70 کے قریب ہوگئی۔ سلیم انور ایک بار پھر ایک نئے انداز تحریر مورونی ٹیکلس کے ساتھ حاضر۔ اچھی تحریر ہے۔ نصرت شاہنواز کی تحریر حیرت کدہ مجھے تو بہت پسند آئی زبردست کہانی ہے۔ واقعی انسان کتنا بے حس بھی ہے، ایک کتے کے لیے کتنا کچھ خرچ کیا۔ عبداللہ نے اچھا کیا...... باقی اشعار اور کترنیں بہت زبردست اور معیاری تھیں۔ (آپ کی نوازشوں کا بے حد شکریہ)۔''

✠ ساگر تلوکر، چشمہ بیراج میانوالی سے حاضرِ محفل ہیں۔ ''سسپنس میں پہلی پہلی حاضری ہے۔ سو گپ شپ تو بنتا ہے۔ (بے شک...... بھی خوش آمدید)۔ ٹائٹل گرل عام سی تھی۔ کوئی خاص تاثر قائم نہ کر پائی۔ جون ایلیا ہمیشہ کی طرح موتی بکھیر رہے تھے۔ ان سے موتیوں کی مالا لی۔ واقعی فرقہ پرستی کے بتوں کو پاش پاش کر دینا چاہیے۔ اسی میں ہماری کامیابی اور نجات ہے۔ پیارے سے لوگوں کی خوبصورت سی محفل میں داخل ہوئے۔ ابتدائیہ سے سو فیصد اتفاق کرتے ہیں۔ محفل میں بھی دوستوں سے ہیلو ہائے کی۔ عمر جادواں کی تلاش بہت عمدہ تحریر تھی۔ شیخ بدرالدین اسحاق کے ایمان افروز واقعات سے دل کو منور کیا۔ حسام بٹ کی لاتوں کے بھوت اچھی کہانی تھی۔ پھر شیش محل میں داخل ہوئے جہاں فاروق سراپا انتقام بنا ہوا ہے۔ رمیش، بھابیہ سیٹھ، فیکا اور مجو دادا کو بغیر کسی مشکل کے پچھاڑ دیا۔ فاروق کا انگلیاں کاٹنا ٹھیک نہیں لگ رہا۔ گردن کاٹنی چاہیے۔ رتن کے جنازے کے مناظر بہت اذیت ناک لگے۔ یوں لگا جیسے کوئی اپنا قریبی عزیز بچھڑ گیا ہو۔ جولیٹ ابھی تک ناکام اور پریشان پھر رہی ہے۔ پاکستان بن گیا، بہت خوش ہوئی۔ معما ممتا سے لبریز کہانی بہت اچھی لگی۔ ڈاکٹر شیر شاہ سید ہمیشہ منفرد کہانی لاتے ہیں۔ دردمند ڈاکٹر زبیری کی دردمندی نے بہت متاثر کیا۔ کاش ایسے نرم دل ڈاکٹرز ہمارے اسپتالوں میں بھی ہوتے۔ اب تو ڈاکٹر اور ڈاکو میں کوئی فرق نہیں رہ گیا۔ منقسم عورت سسپنس سے بھرپور کہانی تھی۔ ڈاکٹر شی کا کردار پراسراریت میں ڈوبا ہوا تھا۔ طارق کی قربانی نے دل جیت لیا۔''

✠ اشفاق شاہین، لاہور سے تبصرہ کر رہے ہیں۔ ''اس بار بھی ڈائجسٹ بروقت مل گیا۔ سرورق کچھ خاص نہ تھا سو پسند نہیں آیا۔ جون ایلیا کا انشائیہ ہمیں جھنجوڑنے کے لیے کافی تھا۔ اپنی محفل میں پہنچے جہاں بلقیس خان کرسیِ صدارت پر بہترین خط کے ساتھ موجود تھیں۔ زرین بخش کا مشترکہ خط بھی زبردست رہا۔ باقی تمام احباب کے خطوط بھی اس بار خوب اور تبصرے سے بھرپور تھے۔ حسب معمول سب سے پہلے شیش محل میں پہنچے۔ تو اب اسد اللہ ہنوز تلاش میں ہیں جو سانحے سے بچ گئے، فاروق کا انتقام عروج پر ہے جو کہ متوقع بھی تھا، ٹیمپو کافی تیز ہو گیا ہے۔ لگتا ہے کہ کہانی اب اختتام کی طرف گامزن ہے۔ ماروی کا اختتام بھی ہو گیا۔ اب نئی ہنگامہ خیز تحریر ''وقت'' کب سے آ رہی ہے۔ آخری صفحات کی کہانی ''منقسم عورت'' نشور ہادی کی بہترین تحریر تھی۔ ہیپا ٹزم بھی بہت تھا۔ اگرچہ ہوا وہی خوب رہا اور بہر حال اینڈ بھی عمدہ رہا اور ثابت ہوا کہ قربانی صرف عورت ہی نہیں، مرد بھی دے سکتا ہے۔ ضیا تسنیم بلگرامی نے شیخ بدرالدین اسحاق کے حالات زندگی سے ہمیں منور کیا۔ ''لاتوں کے بھوت'' مرزا امجد بیگ ہمیشہ کی طرح بہترین تحریر کے ساتھ رونق بکھیرتے نظر آئے۔ مختصر کہانیوں میں بار ِ نعم کی احساسِ جرم بہت

[illegible]



کہانی۔ انتہائی بامقصد۔ شعلہ صفت کارنامے۔ ایسا وکیل جو انسان دوست ہے قدم قدم پر بے قصوروں کا ہمدم۔ ناممکن حالات کو اپنے بس میں کرنا اور اصل مجرم کو الٹا لٹکانا، اس کہانی میں ایک مجبور عورت جو انتہائی مکار اور مکروہ رشتے دار کے چنگل میں پھنس جاتی ہے۔ اس پر ظلم یہ کہ کوئی قانونی دستاویز یا ثبوت بھی نہیں لیکن واہ...... وکیل صاحب کی چابکدستی اور ذہانت، وہ مجرم کو عبرت کا نشان بنا دیتے ہیں۔ بے خبری: ایک مختصر کہانی...... ایک عجیب و غریب غلطی یا بے وقوفی۔ بہرحال برا وقت آئے تو عقل بھی ساتھ چھوڑ جاتی ہے۔ لیکن غلطی کی جلد ہی اصلاح ہوگئی اور ایک بے قصور پر سے مصیبت ٹل گئی۔ محفلِ شعر و سخن: اس دفعہ جن اشعار کو شامل کیا گیا، وہ شاید پہلے نہ پڑھے ہوں۔ جن کے اشعار نے دل پر گہرا اثر چھوڑا وہ ہیں عنبرین احمد، ظفر عباس زیدی، جنید ملک، ظفر اقبال ظفر، رمضان پاشا، وزیر محمد خان لیکن سارے ہی تعریف کے قابل۔ حیرت کدہ: جرم و سزا کی کہانی جو ایک کتے کی موت یا قتل سے شروع ہوئی۔ بڑی بھاگ دوڑ رہی لیکن قدرتی طور پر بیچارے سراغ رساں کو سراغ ہاتھ لگ ہی گیا۔ ماروی: انتہائی طویل کہانی آخر انجام کو پہنچی۔ اب آپ کونسی سلسلہ وار کہانی پیش کرنے والے ہیں۔ (آپ اپریل کے شمارے میں پڑھ لیجیے نئی کہانی)۔ منتقم عورت: نشور ہادی اچھے لکھاری ہیں۔ یہ ایک بہترین کہانی، ہر قدم پر وفاشعاری، محبت، برداشت اور قربانی، اس ماہ کی شاہکار کہانی۔ آخر کی کہانیاں یوں بھی بڑی عمدہ ہوتی ہیں لیکن اس کہانی میں زیادہ دلچسپی تھی۔''

✠ محمد شہباز ناز، گجر کالونی سرگودھا سے تبصرہ کر رہے ہیں۔ ''بڑی خوشی ہوئی اپنے خط کے ساتھ لطیفہ اور شعر بھی شائع دیکھ کر، بہت شکریہ جناب۔ ٹائٹل گرل سبز کپڑے، کھلے بال، مسکراتا چہرہ لیے اپنے محبوب کو ویلکم کر رہی تھی۔ اس کے بعد جون ایلیا کا انشائیہ پڑھا۔ جس میں خودکشی تفرقہ بازی کے بارے میں بتایا گیا۔ سب سے پہلے نصرت شاہ نواز کی کہانی حیرت کدہ پڑھی اور پڑھ کر واقعی حیرت ہوئی کہ جب بندے کے پاس پیسا آجاتا ہے تو وہ بہت ہی مغرور بن جاتا ہے۔ وہ عام لوگوں کو کیڑے مکوڑے سمجھتا ہے حالانکہ وہ بھی انسان ہیں۔ اس طرح ناانصافی نہیں ہونی چاہیے۔ ملازموں کا پورا خیال رکھا جائے۔ ایک سبق آموز کہانی تھی۔ اس کے بعد مرزا امجد بیگ کی کہانی لاتوں کے بھوت پڑھی۔ بیگ صاحب نے بڑی چالاکی کے ساتھ جہاں آرا اور اس کے شوہر ماجد سے اپنی فیس بھی لے لی اور مقدمہ بھی ان کے خلاف لڑا۔ واہ بیگ صاحب۔ اس کے بعد ثمر عباس کی کہانی بے خبری پڑھی۔ اس بار ثمر عباس صاحب غیر ملکی کہانی لے کر آئے، اچھی تحریر تھی۔ اپنی پسندیدہ کہانی شیش محل پڑھی۔ اسماء قادری صاحبہ آپ نے اصل کردار کو ہٹا کر زیادتی کی (چلو کوئی گل نہیں) اب رین دادا کا کردار محب اللہ عرف فاروق ادا کر رہا ہے۔ بیسٹ کہانی تھی۔ بابر نعیم صاحب کی کہانی احساسِ جرم پڑھی۔ ایک سمجھ نہ آنے والی تحریر تھی۔ منظر امام صاحب کی کہانی دردمند پڑھی، عمدہ تحریر تھی۔ الیاس سیتاپوری کی کہانی عمر جادواں کی تلاش پڑھی، ہمیشہ کی طرح پہلے نمبر پر آنے والی تحریر تھی۔ سیما کمال کی کہانی پڑھی، پرچھائیاں تین ختم لیے وہ بھی اس دور میں ناممکن۔ ماروی کی آخری قسط بہت شاندار تھی۔ تمام دوستوں کے تبصرے، بہت اچھے تھے۔ دعا گو ہوں کہ اللہ پاک اس محفل کو اسی طرح آباد و شاد رکھے اور اس ادارے کو مزید ترقی نصیب فرمائے۔ آمین۔''

✠ دوست محمد چارسدہ روڈ، پشاور سے شاملِ محفل ہیں۔ ''18 تاریخ کو مارچ کا شمارہ ملا۔ کسی کو ہو یا نہ ہو لیکن سسپنس ڈائجسٹ ہمیں جتنا عزیز ہے شاید کہ کسی کو ہو۔ (بہت خوب) سب سے پہلے ٹائٹل پر نظر پڑی۔ بڑی خوبصورت غزالی آنکھوں اور لہراتے بالوں کے ساتھ حسینہ اتنے غور سے پتا نہیں کس کی باتیں سن رہی ہے۔ یہ ذاکر انکل کا کمال ہے جس کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ گزرے مہینے میں اپنا نام بلیک لسٹ میں دیکھ کر دل بڑا اداس ہوا اور وہی چند مخصوص نام تھے جن کو جگہ ملتی ہے۔ (یہ آپ کی غلط فہمی ہے۔ بروقت ملنے والے خطوط محفل کی زینت ضرور بنتے ہیں)۔ جون ایلیا صاحب نے بڑی اچھی باتیں کی ہیں۔ کاش ہم سب مسلمان ایک ہو جائیں۔ سب سے پہلے دی کنگ آف دی ہسٹری جناب الیاس سیتاپوری صاحب کی عمر جادواں کی تلاش پڑھی۔ ارغون کی جاہلیت پر بڑی ہنسی آئی۔ جو اپنی عمر بڑھانے کی فکر میں تھا مگر اس کا انجام بہت برا تھا اور شاعر کی یہ بات کہ سامان سو برس کا ہے کل کی خبر نہیں۔ تنویر ریاض کی بے نقاب گزارے لائق تھی۔ مرزا امجد بیگ صاحب کی لاتوں کے بھوت پڑھی۔ اس دفعہ اتنا مزہ نہیں آیا۔ ثمر عباس صاحب کی بے خبری اچھی اسٹوری تھی۔ اس میں شک نہیں کہ میں ثمر عباس صاحب کا فین ہوں۔ حیرت کدہ نصرت شاہنواز کی سبق آموز کہانی جس میں عبداللہ نے ٹھیک کہا کہ انسان کو انسان سمجھنا چاہیے۔ ہمارے اردگرد کتنے بھوکے ہیں مگر وہ ہمیں دکھائی نہیں دیتے۔ دردمند منظر امام صاحب کی اچھی کہانی۔ منظر صاحب ہمیشہ مختلف موضوعات پیش کرتے ہیں۔ فرید کو پتا لگ گیا کہ ہمیشہ طاقت اور دولت سے سب کچھ نہیں ہوتا۔ کاش ہمارے ڈاکٹر حضرات ڈاکٹر زبیری جیسے فرض شناس ہو جائیں۔ شیخ بدر الدین اسحاق ضیاء، تسنیم بلگرامی کی ایک اور کاوش۔ اولیاء کے واقعات پڑھ کر دل میں ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر شیر شاہ سید کی معما میں ایک بے اولاد جوڑے کی کہانی.... اللہ سب بے اولاد جوڑوں کو اولاد سے نوازے۔ (آمین)۔ منتقم عورت ہمارے فیورٹ مصنف جناب نشور ہادی صاحب کی بہترین کہانی۔ طارق نے جس طرح قربانی دی، شاید کوئی اور دے سکے۔ لیکن یہ اچھا ہوا کہ وہ ڈاکٹر شی جیسی شیطان عورت سے بچ گیا۔ آخر میں کہانی بڑی اداس کر دینے والی تھی لیکن اس طرح تو ہوتا ہے اس طرح کے کاموں میں۔ لسٹ میں بلقیس خان، نورین آفریدی، بینش صدیقی، سید عبادت کاظمی، محمد صفدر معاویہ، بابر عباس، فضل عباس اور عبدالجبار رومی انصاری کے خطوط پسند

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

بوڑھے اور بڑھیا ہی نظر آتے ہیں۔ یہ کچھ عمر کا تقاضا ہوتا ہے تو کچھ بینائی کا۔ سرجی ہر کوئی اپنی اپنی ذہنی اختراع کے جہاز اتارتا ہے۔ جو بہترین لینڈنگ کرتا ہے اسی کا جہاز یعنی خط پہلے نمبر پر آجاتا ہے۔ بہت سے پرانے پائلٹ جو جہاز چلانے میں ماہر تھے آپ نے ان کو ایسے غائب کیا ہے ان کا کوئی پتا نہیں چل رہا۔ ان پائلٹ حضرات میں رضوان تنولی، ہمایوں سعید، تفسیر عباس بابر، آغا فرید احمد خان، اعجاز احمد راحیل اور بہت سے دوسرے۔ حسب معمول سب سے پہلے ماروی سے کیا آغاز جس کا دی اینڈ کردیا گیا اور دی اینڈ بھی بڑی عجلت سے اور زبردستی کیا گیا۔ اپریل کے سسپنس میں جب میرا خط شائع ہوگا وہیں پر اپریل کے سسپنس میں حسام بٹ صاحب کی تحریر کردہ وقت بھی شائع ہوگی۔ وقت وقت کی بات ہے دیکھیں حسام بٹ صاحب وقت کے ذریعے کونسا تیر چلاتے ہیں۔ اسماء قادری صاحبہ شیش محل کو پاکستان لے آئی ہیں مگر کہانی کا ہیرو ابھی انڈیا میں ہی ہے۔ اسماء قادری صاحبہ سے ایک بار پھر میں عرض کروں گا کہ منظر نامہ ذرا چھوٹا رکھیں۔ آخری صفحات کی ذمے داری پوری کرتے ہوئے اس بار نشور ہادی صاحب منتقم عورت لے کر آئے۔ یقین کریں سرجی نشور ہادی صاحب کی تحریر نے ذرا متاثر نہیں کیا جبکہ ڈاکٹر شی کا کردار بھی زبردستی کا لگا۔ حسب معمول اور حسبِ دستور حسام بٹ نے لاتوں کے بھوت میں مرزا امجد بیگ صاحب کو جیت دلادی۔ ونڈرفل حسام بٹ کیا کہنے۔ تاریخ کے جھروکوں سے الیاس سیتاپوری مرحوم کی عمر جاوداں کی تلاش کا انتخاب کیا گیا۔ سرجی اس میں کوئی شک نہیں کہ الیاس سیتاپوری کی تحریریں سرچڑھ کر بولتی ہیں۔ اس کی ایک مثال عمر جاوداں کی تلاش ہے۔ منظر امام صاحب اس بار ایک مختصری تحریر دردمند لے کر آئے اور ہمارے دل کو دردمند کردیا۔ شاباش منظر صاحب، آپ کے ڈاکٹر صاحب نے کمال کردیا۔ سیما کمال کی پرچھائیاں بھی ایک اچھی تحریر تھی۔ ڈاکٹر شیر شاہ صاحب جب بھی آتے ہیں خاصے کی چیز لاتے ہیں۔ معما بھی ایک خوب صورت اور معیاری تحریر تھی۔ بے نقاب تنویر ریاض، موروثی نیکلس سلیم انور، احساس جرم بابر نعیم، بے خبری ثمر عباس، حیرت کدہ نصرت شاہ نواز سسپنس کے معیار کے عین مطابق تھیں۔ ضیاء تسنیم کے بارے میں بھلا کیا کہوں جن شخصیات کا ذکر ہوتا ہے ان کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا کیونکہ ان کے بارے میں کچھ کہنے کے لیے الفاظ بہت چھوٹے ہیں۔ ویل ڈن زبردست ضیاء تسنیم بلگرامی بہت اچھے۔ خدا آپ کو اس کارِ خیر کا ثواب عطا فرمائے (آمین)۔"

✽ اور لیس احمد خان، ناظم آباد، کراچی سے محفل کی رونق بنے ہیں۔ "سسپنس ڈائجسٹ کا حصول 21 فروری کو ممکن ہوسکا ادارے کی اعلان کردہ تاریخ کے برعکس۔ خیر ہم اس میں بھی راضی ہیں۔ برضا سرورق کو ہمیشہ کی طرح سراہتے ہوئے اس کے بعد انشائیہ ملاحظہ کیا۔ "ایک نعرہ" جی ہاں اب صرف نعروں پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے، عمل کرنا تو خال خال نظر آتا ہے۔ چند دن پیشتر سیہون میں دھماکا ہوگیا۔ جس میں درجنوں لوگ شہید اور سو ڈیڑھ سو کے قریب زخمی ہوگئے۔ ہفتہ بھی مشکل سے نہیں ہوا ہوگا کہ چارسدہ دھماکا ہوگیا اس میں بھی متعدد شہید و زخمی ہوگئے۔ آخر یہ سلسلہ کب تک جاری رہے گا؟ خونِ ناحق کب تک بہایا جاتا رہے گا؟ خون بہانے والے کیا یہ بھول جاتے ہیں کہ ان سارے جرموں اور ناانصافیوں کا حساب کتاب لینے والا بھی کوئی بیٹھا ہوا ہے۔ اس کا انصاف جب ہوتا ہے تو مجرم چاہے دنیا کی عدالت سے اپنے آپ کو بچالے مگر اس قادرِ مطلق کے سامنے کیسے بچ پائے گا۔ سارے دوستوں کے تبصرے خوبصورت تھے جو بھرپور آراء سے نوازتے ہیں تھے۔ عبدالجبار رومی و محمد صفدر معاویہ کا بھی شکریہ جو یاد رکھتے ہیں، سارے دوستوں کو۔ عمر جاوداں کی تلاش الیاس سیتاپوری صاحب کی ایک عمدہ تحریر تنویر ریاض کی بے نقاب بھی اچھی تحریر تھی اور دلوں کو دھڑکا دینے والی تحریر "شیش محل" روانی و کامیابی سے جاری ہے۔ لفظ لفظ میں دلچسپی و تجسس کا عنصر موجود ہوتا ہے۔ خدا خدا کرکے "ماروی" اپنے اختتام کو پہنچی۔ احساسِ جرم، بے خبری، حیرت کدہ اور منظر امام کی دردمند، معما، پرچھائیاں اچھی لگیں۔ دلوں کو ایمان کی روشنی سے جلادینے والی تحریر "شیخ بدرالدین اسحاق" بھی خوبصورت تحریر تھی۔ آخری صفحات کی تحریر منتقم عورت بہترین تحریر تھی۔ محفل شعر و سخن اور لطیفے و اقوال زریں پر مشتمل "کترنیں" بھی خوب تر تھیں۔"

✽ بلوچستان سے مہیش کمار کا محبت نامہ۔ "پہلی مرتبہ محفل یاراں میں شریک ہورہا ہوں۔ ہوسکتا ہے جگہ مل جائے۔ تاریخ کے حوالے سے آپ کی کاوشیں بہترین ہیں کیونکہ تاریخ سے سبق ملتا ہے، انسانیت کو جاننے اور انسان کو پرکھنے کا۔ دولت کے لالچی کو بے نقاب ہونے تک سب جائز نظر آتا ہے۔ موروثی نیکلس پر ایک ہی جملہ ہے، نہلے پر دہلا۔ شیش محل کو بائی پاس کرکے میں پہنچا احساس جرم پر، ڈیوڈ کارلسن کی جلد بازی ہی اسے لے ڈوبی، ورنہ قدرت نے تو اس کے لیے مستقبل شاندار کردیا تھا۔ مرزا امجد بیگ کا تو میں دیوانہ ہوں۔ لاتوں کے بھوت تو ان لوگوں پر طمانچہ ہے جو شخص اپنی بیوی کی خوشامد کے لیے، ہر رشتہ بھول جاتے ہیں لیکن بے شک وہ بہترین انصاف کرنے والا ہے۔ بے خبر سے میں بے خبر رہا اور شعر و شاعری سے دور ہوں (اس لیے معذرت) نصرت شاہنواز نے سسپنس ڈائجسٹ کے تمام قارئین کا آنکھوں دیکھا حال الفاظ میں ڈھال دیا ہے۔ ڈاکٹر لفظ کی مکمل تعریف کو منظر امام نے ایک اچھے طریقے سے پیش کیا ہے۔ معما نے ثابت کیا کہ ایک بدمعاش اسمگلر بھی ایک دردمند دل کا مالک ہوسکتا ہے۔ ویل ڈن سیما کمال [illegible] بیچاری ایک مشرقی بیوی کا کردار بخوبی نبھا رہی تھی لیکن طارق نے بھی قربانی کی حد کردی۔ ڈاکٹر شی نے اپنی کو پوشیدہ ہی رکھا گیا کہ وہ بیمار تھی یا کوئی نفسیاتی مریضہ۔ اگر وہ

[illegible]



کے ساتھ پڑھتا رہا ہوں۔ جون ایلیا کا ”ایک نعرہ“ پڑھا۔ محفل میں بجتیس خان وننگ سیٹ پر براجمان تھیں۔ زرین آفریدی، بینش صدیقی تبصرے کے شائع نہ ہونے کا شکوہ کرتی نظر آئیں۔ آخر کار میرے بھائی سید عبادت کاظمی کی آواز پر محفل میں حاضر ہوا ہوں (بہت شکریہ)۔ ایم صفدر کا طویل تبصرہ پُر مغز تھا۔ بابر عباس، فیصل عباس کا تبصرہ جاندار تھا۔ طاہر گلزار، ہمایوں سعید، ماہا ایمان، آمنہ پٹھانی اور باقی سب دوستوں سے گزارش ہے واپس آجاؤ۔ آپ کے دلچسپ تبصرے پڑھنے کو دل کرتا ہے۔ ”شیش محل“ اسما قادری صاحبہ بڑا ظلم کیا۔ اس کہانی کے اصل ہیرو کو ہی مار دیا۔ سارا خاندان نوابوں کا بھی اجڑ گیا۔ بہر حال منظر نگاری، مکالمہ نگاری سب بہترین ہے۔ فاروق اور کیمی مل کر ربن کے قاتلوں کو انجام تک پہنچا رہے ہیں۔ جولیٹ کی پریشانی کم نہیں ہو رہی ہے۔ دلچسپ پہلو یہ ہے کہ دونوں جولیٹ اور فاروق آپس میں کزن ہیں۔ ”منقسم عورت“ نشور بادی کی اچھی تحریر تھی مگر کچھ عجیب بھی لگی۔ طارق اور رفعت کی طلاق کروانا اور پھر سابقہ محبوب سے شادی کروانا، اس طرح کی بات بُری فیل ہوتی ہے۔ احمد اقبال اور مغل انکل دونوں سے سسپنس میں لکھوائیں۔ ملکی حالات بھی خطرناک صورتِ حال اختیار کرتے جا رہے ہیں۔ لاہور سمیت ملک بھر میں حالیہ دہشت گردی کی لہر کے باعث ملکی معیشت اور انسانی جانوں کا ناقابلِ تلافی نقصان ہوا۔ ان سب سے نبرد آزما ہونے کے لیے ہمیں قائد کے فرمان کے مطابق ایک ہونے کی ضرورت ہے تاکہ اس چھپے ہوئے دشمن کو ختم کیا جا سکے۔ ملکی بیروزگاری، غربت، بیماریوں کے حل کے لیے ان سیاستدانوں و حکمرانوں کے پاس کوئی حل نہیں ہے۔ ایک خوشخبری کہ لاہور میں (PSL) کا فائنل کروانے کا اعلان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ملک کو دن دونی رات چوگنی ترقی دے۔ (آمین)“

⌘ فضا شاد، ماڈل ٹاؤن، لاہور سے محفل کی زینت بن رہی ہیں۔ ”پہلے خط کی اشاعت اور کرسی صدارت کے اعزاز نے اس قدر پُرجوش کر دیا کہ ادارے کو فون کر دیا کہ شکریہ ادا کر سکوں۔ مارچ کا شمارہ ملا تو سب سے پہلے سرورق کا جائزہ لیا۔ سرورق کی خاتون جاگتے میں خواب دیکھنے میں مصروف نظر آئی۔ پس منظر میں مرد حضرات پرچھائیوں کی شکل میں جوڑ توڑ میں مصروف نظر آئے۔ ”فرقہ پرستی کے بتوں کو پاش پاش کر ڈالو“ انشائیہ کا خلاصہ اور مرکزی آئیڈیا تھا۔ انشائیہ کو سمجھنے کے لیے میں نے بادام منگوا لیے ہیں۔ اداریہ کافی سلیس رہا۔ نئے امریکی صدر کے مسلمان دشمن اقدامات کو بہت خوبصورتی سے آپ نے پیش کیا۔ اسلام کو دہشت گردی سے جوڑنا مسلمانوں کی تمام دشمن قوتوں کا مشترکہ منصوبہ و مقصد رہا ہے۔ ٹرمپ نے اس عمل کے لیے مہمیز کا کام کیا ہے۔ بجتیس خان کو کرسی صدارت پر دیکھ کر خوشی ہوئی۔ اس بار آپ کے خط کو پسندیدہ ترین کی سند مل چکی، امید ہے ادارے سے کوئی شکایت نہیں رہی ہوگی۔ آپ کی والدہ کی جلد شفایابی کے لیے دعا گو ہیں۔ زرین آفریدی، بینش صدیقی، آنکھیں اور منہ کھلے نہ رکھیں ورنہ اسپتال والے لے جائیں گے۔ تبصرہ آپ کو پسند آیا یہ میرے لیے اعزاز کی بات ہے۔ میں نے تو بہت ڈرتے ڈرتے لکھا تھا۔ عمرے کی مبارک باد قبول فرمائیں۔ غلام یٰسین نوناری! میرے تبصرے نے آپ کو کسی کی یاد دلا دی تو سمجھیں میری محنت وصول ہو گئی۔ محفل کے تمام ساتھیوں کا شکریہ جنہوں نے میرے تبصرے کو سراہا اور اس بات سے ہمت ہوئی کہ پھر تبصرہ لکھ سکوں۔ صفدر معاویہ، پائندہ خان اور ناہید یوسف کے تبصرے بھی پسند آئے۔ محفل میں حاضری کے بعد سب سے پہلے شیش محل سے مطالعے کا آغاز کیا جہاں فاروق اور وجے، ربن دادا کے قاتلوں سے دو، دو ہاتھ کرنے میں مصروف نظر آئے۔ رمیش، بھائیہ سیٹھ، مجو اور فیکا کو ختم کرنے کے بعد اگلا شکار لازماً انشوری ہوگا۔ جولیٹ اور جانی کی کراچی روانگی کی روداد سے اس وقت پاکستان ہجرت کرنے والوں کی تکالیف کا درست اندازہ ہوا۔ کہانی اب کراچی اور لاہور میں اپنا رنگ جمائے گی کیونکہ کرداروں نے ادھر کا رخ کر لیا ہے۔ اس کے بعد ماروی کی آخری قسط پڑھی محی الدین نواب سے منسلک ہونے کی وجہ سے ماروی پڑھتے ہوئے انہی کا خیال ذہن میں رہتا ہے۔ نشور بادی کی منقسم عورت پڑھ کر لگا جیسے رائٹر خود منقسم خیالات کا حامل ہو جس قسم کی تحریر انہوں نے لکھی، اس کی ہمارے معاشرتی نظام میں کوئی جگہ نہیں۔ حیرت کدہ میں شاید فولادی کی شکل میں ہم ایک ایسے کردار کو پڑھ رہے ہیں جس کی کہانیاں سیریز کی شکل میں پڑھنے کو ملیں گی۔ رائٹر نے خوبصورتی سے ہمارے معاشرے میں پائی جانے والی بدصورتی کو اجاگر کیا ہے۔ آج بھی غربت زدہ لوگ کچرا چننے اور کچرے سے روٹی چن کر کھانے پر مجبور ہیں۔ بے نقاب اگرچہ مختصری کہانی تھی لیکن اس میں کرداروں کی بھرمار نے چکرا کر رکھ دیا۔ انگریزی ناموں والی کہانی پڑھتے ہوئے اکثر کوفت ہوتی ہے۔ ڈاکٹر شیر شاہ سید کی معما بھی کافی پُراثر رہی۔ لالہ گل رحمٰن کے دل میں موجود انسانی ہمدردی نے کام کر دکھایا اور رقم کے ساتھ ساتھ بچہ بھی واپس کر گیا۔ سیما کمال کی پرچھائیاں پڑھ کر عجیب احساس ہوا۔ زرینہ گورمانی کی محرومی اسے خیالی دنیا میں لے گئی جہاں وہ فرضی کرداروں کے ساتھ رہنے لگی۔ یہی حال صوفیہ کا ہوا۔ اختتام میں شاید صوفیہ کی محرومی تو ختم ہو گئی مگر زرینہ گورمانی اپنے احساسِ محرومی کے ساتھ منوں مٹی تلے جا سوئی۔ کترنوں میں وزیر محمد خان کی کترنیں پسند آئیں۔ اشعار میں عنبرین احمد، کمال انور اور درد الملک کا شعری انتخاب پسند آیا۔ (پسندیدگی کا بے حد شکریہ)۔“

اب ان قارئین کے نام جن کے نامے محفل میں شامل نہ ہو سکے۔

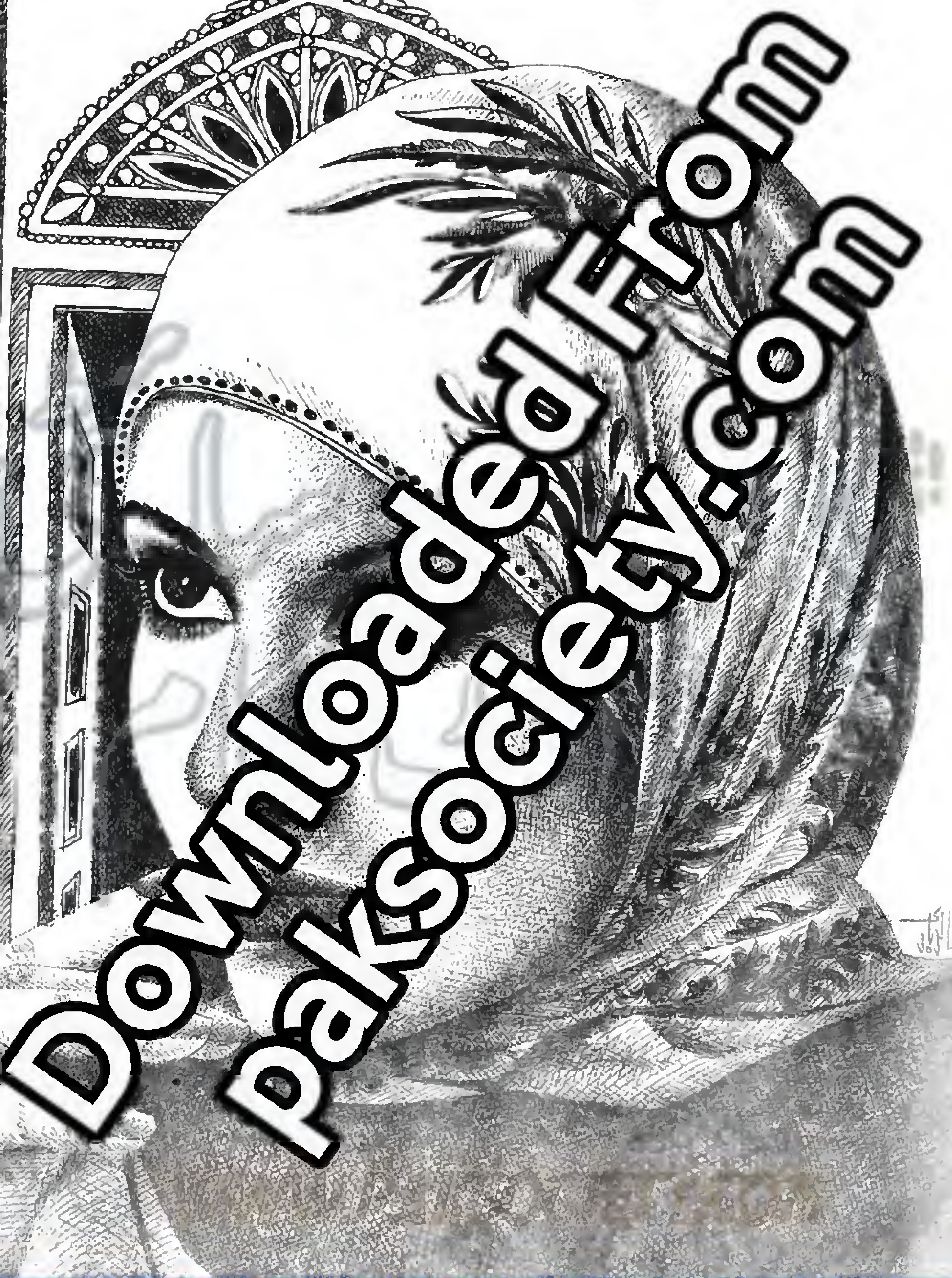
خلیق ربانی انجم، خیبر پختون خوا۔ آصف محمود، گوجرانوالا۔ عائشہ احمد، فیصل آباد۔ انعم کمال، حیدر آباد۔ مہتاب احمد، حیدر آباد۔ ناہید یوسف، اسلام آباد۔ طیب شاہین، کھیالہ شیخاں۔ جعفر رضا، لیہ۔



کافر نعمت

ڈاکٹر ساجد امجد

[illegible]


Downloaded From
paksociety.com

ایک کارواں دکن کی طرف سے آتا دکھائی دیا۔
اب وہ اس شاہراہ پر آگیا تھا جو سیدھی دہلی کی طرف جاتی تھی۔ اس شاہراہ سے گزرنے والے قافلے یہ احساس دلاتے تھے کہ یہ دہلی تک جا کر دم لیں گے۔ یہ کارواں ہاتھیوں اور ہاتھی گھوڑوں اور سواروں پر مشتمل تھا۔

اس شاہراہ کو عموماً تجارتی قافلے استعمال کیا کرتے تھے کیونکہ اس راستے میں کئی بڑی بڑی آبادیاں آتی تھیں بلکہ یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ یہ شاہراہ آبادیوں سے ہو کر گزرتی تھی۔ اکثر قافلے سوداگر اپنا مال راستے میں فروخت کرتے ہوئے آگے بڑھتے تھے۔ کئی مرتبہ تو دہلی پہنچنے سے پہلے ہی ان کا مال فروخت ہو چکا ہوتا تھا۔ تجارتی قافلوں میں گھوڑے اونٹ استعمال ہوتے تھے لیکن اس قافلے میں ایک بھی اونٹ نہیں تھا۔ اسے کوئی فوجی دستہ بھی نہیں کہا جا سکتا تھا کیونکہ فوج [illegible] سے بہت کم تھی۔

یہ قافلہ.... ایک ایسے راستے سے گزر رہا تھا جس کے دونوں طرف لہلہاتے ہوئے کھیت تھے۔ کھیتوں میں کام کرنے والوں کی نظر جیسے ہی قافلے کے ہاتھیوں پر پڑی وہ اپنی جگہ رک سے گئے۔ [illegible] ہیں اور کس شان سے گزر رہے تھے۔ ان ہاتھیوں کو کوئی جلدی نہیں تھی۔ موسم خوشگوار تھا۔ ہاتھی لطف اندوز ہوتے ہوئے آہستہ آہستہ گزر رہے تھے۔ شاید انہیں بے فکری تھی کہ کیا ہوگا۔ کھیتوں میں کام کرنے والے کسانوں نے ان کا راستہ ناپا [illegible] ان کو اپنی بیٹی دکھائی [illegible] کسان عورتیں تو کھیتوں سے نکل کر اس کے گزرنے کا نظارہ کر رہی تھیں۔ [illegible]
جب اس قافلے کا آخری سپاہی بھی گزر چکا تو ان لوگوں نے دیکھا تو ان کو خوشی ہوئی۔
"بھائی کیا کہیں جنگ لگی ہے؟"
"ارے نہیں۔ جنگ کی تو کافی دہلی سے دکن کی طرف جا رہا ہوگا۔ بادشاہ دہلی میں ہے اور دکن میں تھیں۔ ادھر کالی بھی دکن میں ہے سب اور یہ فوج کب تمام ختم ہو کر جنگ لگی ہے۔"
"پھر کون تھا؟ کوئی امیر ہوگا جو بادشاہ سے ملنے جا رہا تھا۔ بادشاہ تو بیمار ہے... دیکھا بھی پڑا ہے۔"
"کوئی امیر ہوگا۔ بادشاہ کے بارے میں دہلی جا رہا ہوگا۔"
"[illegible] دن پہلے دکن سے گزرا تھا۔"

"وہ دکن سے یہاں دارالحکومت تک آ رہا ہے۔"
"آگے جا کر یہی سڑک گجرات کی طرف بھی مڑ جاتی ہے۔ ہو سکتا ہے وہیں ہو۔"
"سنا ہے بادشاہ بیمار ہے۔"
"کیا خبر ہو سکتی ہے کہ اب ہمیں اس کی قربت کو بھی دیکھنا ہے۔"
"اپنے ظالم بادشاہوں کو جلدی موت نہیں آتی۔"
"ایسے ہی نہ گزر جائے گا۔"
"چھوڑو یار... دیکھا کیا۔ جو خبر ہوگی سامنے آ جائے گی۔ ابھی تو اس قافلے کو پہنچنے میں بھی چار پانچ دن لگ جائیں گے۔"

☆☆☆

دہلی کی سڑکوں پر ابھی دھوپ کی تمازت پوری طرح قائم نہیں ہوئی تھی کہ یہ قافلہ شہر میں داخل ہوا۔ دہلی کے شہریوں کے لیے یہ قافلے روز کے تھے اس لیے کسی نے کوئی توجہ نہیں دی۔ قصر ہزار ستون کے سامنے پہنچ کر قافلہ رک گیا۔ قافلے کے سواروں نے ان ہاتھیوں کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ صدر دروازے کے پہرے داروں نے آگے بڑھ کر سواروں کو روک لیا۔ پھر آگے بڑھ کر وہاں بھی کسی اور سے کچھ بات کی۔ ان دونوں کے درمیان کچھ ہوئی تھیں۔ اس کی بات بتا رہی تھی کہ وہ کوئی اہم شخصیت کی ہے اور یہ معاملہ ضروری ہے۔ اس محل کے دروازے سے محل تک کا راستہ طے کیا اور ایک خاص [illegible] کر کے رک گئی۔
اس کی سے دو افراد اترے۔ ایک زرہ بکتر کا اور دوسرا [illegible] تھا۔ جس کی عمر کوئی اکیس بائیس سال کی تھی۔ زرہ بکتر کے آدمی نے اس نوجوان سے سرگوشی میں کچھ کہا۔ وہ ایک شمشیر کا اور زرہ بکتر کا آدمی چند محافظوں کے ہمراہ آگے بڑھ گیا۔ نوجوان کو شاہی مہمان خانے میں پہنچا دیا گیا۔ اس نوجوان کا نام شاہین خان تھا۔ آنے والی شخصیت دراصل بادشاہ کی صحبت پسند تھی۔ ان دنوں وہ شاہین خان بے فکر تھا اور اپنے لیے اسے خود سے جدا کرنے کو تیار نہیں تھا لیکن اس وقت مجبوری تھی۔ وہ بادشاہ سے ملنے کے لیے جا رہا تھا اور وہاں وہ اسے اپنے ساتھ نہیں لے جا سکتا تھا۔
ہزار ستون کی بالائی منزل پر قدم رکھتے ہی اس کو لگا تھا کہ یہاں بیرے داروں کی جگہ خاموشی پہرا دے رہی تھی۔ جہاں ہر طرف بادشاہ کے حکم کے منتظر تھے اب وہی [illegible] جہاں بادشاہ آرام فرما رہے تھے۔ اندر اطلاع کی گئی اور بادشاہ

نے اسے طلب کرلیا۔

''آؤ ملک نائب آؤ۔ ہم تمہارا ہی انتظار کررہے تھے۔''

''آقا نے یاد فرمایا اور غلام حاضر ہوگیا۔''

''ہم نے الغ خاں کو بھی گجرات سے بلالیا ہے۔ ایک آدھ دن میں وہ بھی حاضر ہوجائیں گے۔''

''انہیں تکلیف نہ دیتے تو اچھا تھا۔ گجرات کے حالات ٹھیک نہیں ہیں۔ ان کا وہاں رہنا ضروری ہے۔''

''یہاں کے حالات کون سے درست ہیں۔'' بادشاہ نے بڑی حسرت سے کہا۔''آج میری سلطنت کابل وسندھ کی سرحد سے لے کر بنگالہ، دکن اور گجرات کی حدود تک پہنچ گئی ہے۔ سارے ہندوستان میں دس بیگہ زمین بھی ایسی نہیں جہاں میرے نام کا خطبہ وسکہ جاری نہ ہو۔ بس یوں سمجھو کہ میں پورا ہندوستان اٹھا کرلے آیا ہوں۔''

''اس میں کیا شک ہے۔''

''شک تو اس میں بھی نہیں کہ آج میں بیمار پڑا ہوں تو کوئی میری عیادت تک کے لیے آنا گوارا نہیں کرتا۔ خضر خاں جسے ہم نے اپنا ولی عہد بنایا ہے، اسے دیگر مشاغل اور ہاتھیوں کی لڑائی سے فرصت نہیں۔ ہمارے پاس آنا تک گوارا نہیں کرتا۔ ملکۂ جہاں جو ہماری بڑی بیگم ہیں جنہیں اس وقت ہمارے پاس ہونا چاہیے تھا، انہیں تقریبات اور بزم آرائیوں سے فرصت نہیں۔ ہمارے سوا انہیں سب کچھ یاد ہے۔ کنیزوں نے بھی انہی کے رنگ ڈھنگ سیکھ لیے ہیں۔ ایک کنولا دیوی ہیں جو کبھی کبھی ہمارے پاس آتی ہیں۔ دیگر رانیوں کو تو یاد بھی نہیں ہوگا کہ ہم کوئی تھے۔''

''حضور، اس کا اندازہ مجھے ہزار ستون میں داخل ہوتے ہی ہوگیا تھا۔''

''کچھ دن رہو گے تو تمہیں اچھی طرح معلوم ہوجائے گا کہ حالات کتنے مخدوش ہوگئے ہیں۔''

''آپ فکر نہ فرمائیں۔ بس آپ ایک فرمان جاری فرمادیجیے کہ آپ نے امورِ سلطنت ہمیں مرحمت فرمادیے ہیں۔ ہم آپ کے خلاف ہونے والی ہر سازش کا دروازہ بند کردیں گے۔''

''مجھے تم سے یہی امید تھی ملک نائب۔ اب تم آرام کرو۔ تمہاری مرضی کے مطابق فرمان جاری ہوجائے گا۔''

ملک نائب نے سلطان کو سلام رخصتی کیا اور بسترِ علالت کے قریب سے اٹھ آیا۔ اسے تجویز کردہ محل میں پہنچادیا گیا۔

رات ہوتے ہی اسے شاہین خاں کی طلب ہوئی۔

اس نے اسے بلا بھیجا۔ محل کے دروازے بند کیے اور اسے آغوش میں لے کر بیٹھ گیا جیسے برسوں بعد ملا ہو۔

''میں دیکھ آیا ہوں۔ بادشاہ کا عروج، زوال کی طرف گامزن ہے۔ اس کا دل اپنی اولاد اور بیویوں کی طرف سے کھٹا ہوچکا ہے۔ اپنے کسی امیر پر اسے بھروسا نہیں ہے، میں اگر ذرا صبر سے کام لوں تو بادشاہت مجھ سے دور نہیں ہوگی۔ پھر شاہین خاں میں تجھے سونے کے بستر پر لٹاؤں گا۔''

''آپ یہ کیوں بھولتے ہیں کہ خضر خاں کو وہ اپنا ولی عہد مقرر کرچکا ہے۔''

''اس کانٹے کو نکالنا مشکل نہیں۔ بادشاہ نے اپنے بیٹوں میں سے کسی کو بھی بادشاہت کے لائق رکھا ہی نہیں۔ وہ انہیں بے وقت اور اس سے پہلے کہ ان میں ذرا بھی عقل آتی محافظت کی حدود سے باہر لے آیا۔ خضر خاں کو چتر شاہی عطا کیا اور اس کا محل اور دربار الگ کردیا۔ تجربہ کار اور سمجھ دار لوگوں کو اس پر مقرر نہیں کیا چنانچہ وہ محافظت کی حدود سے باہر آگیا اور عیش وعشرت اور ہوا پرستی میں مصروف ہوگیا۔ سلطان کی بیویوں نے مہمانداری اور خوشیاں منانے کا ایک لامتناہی سلسلہ جاری کررکھا ہے۔ یہ تقریبات اور سلطنت کے کاموں میں رکاوٹیں ڈال رہی ہیں۔ چاپلوس امرا اس بدنظمی سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔''

''آپ کو تو ان حالات کو سدھارنے کے لیے بڑی محنت کرنا پڑے گی۔''

''میرے سر پر کوئی سینگ ہیں جو میں ان حالات کو سدھاروں گا۔ ہاں، مجھے ان حالات کو بگاڑنے کے لیے بہت محنت کرنا ہوگی۔''

''میں کچھ سمجھا نہیں۔'' شاہین خاں نے تعجب سے پوچھا۔

''جو ماحول اب ہے، وہ سازشوں کو پروان چڑھانے کے لیے بہت مناسب ہوتا ہے۔ مجھے ایسے حالات پیدا کرنے ہوں گے جو شاہی خاندان کو تنکے کی طرح بکھیر دیں۔ بادشاہ کو اپنے لوگوں سے بدظن کرنا میرا مشن ہوگا تاکہ میری بادشاہت کے لیے راستہ صاف ہوجائے۔''

''بادشاہ آپ کو ایسا کرنے دے گا؟''

''وہ بادشاہ نہیں میرا عاشق ہے۔ مجھ پر فریفتہ ہے۔ بادشاہ کو جتنی فتوحات میسر ہوئی ہیں، وہ سب میری مرہونِ منت ہیں۔ میں نے ہی دریائے عمان کے ساحلی علاقوں کے دھور، سمندر اور میبر کو فتح کیا اور وہاں کے مندروں سے

جواہرات نکال کر دکھلا دیئے۔ اب میں اپنی آسانی سے اس دولت پر دوسروں کو قبضہ نہیں کرنے دوں گا۔ بادشاہ مجھ پہ اعتبار کرتا ہے۔ میں اس کے اعتبار کو ٹھیس نہیں پہنچنے دوں گا۔ اس کی دولت اس کے بیٹوں تک نہیں پہنچنے دوں گا۔ تم جیسا [illegible] ایسا [illegible] کروں گا کہ سب دیکھتے رہ جائیں گے۔"

"آپ شاہی خاندان سے تعلق نہیں رکھتے پھر آپ تخت پر کیسے بیٹھیں گے؟"

"بادشاہت کرنے کے لیے تخت پر بیٹھنا ضروری نہیں ہوتا۔ تم دیکھتے جاؤ میں کیا کرتا ہوں۔ صرف اس وقت تک انتظار کروں گا جب تک مجھے بااختیار کرنے کا شاہی فرمان میرے ہاتھ نہیں لگ جاتا۔"

"اس سب تگ و دو کا مجھے کیا فائدہ ہوگا پھر تو آپ مجھے راہ کی ٹھوکر سمجھیں گے۔ آپ کے منظور نظر اور بہت سے ہوں گے۔" شاہ تنویر خان نے مصنوعی خفگی دکھاتے ہوئے کہا۔

"یہ جو کچھ ہے تمہارے قدموں کی برکت سے مل رہا ہے۔ اقتدار میں آتے ہی میں سب سے پہلے تمہیں [illegible] کا تاکہ تم ہر وقت میرے ساتھ رہو۔"

وقت گزرتا گیا [illegible] بادشاہ نے ایک فرمان کے ذریعے ملک صاحب کو ساری مملکت کے لشکر کا سردار بنا دیا اور تمام امرا و وزرا سے اس کا مرتبہ زیادہ بلند کر دیا۔ بڑے فرزند کے نام بھی پروانہ جاری کیا کہ ملک صاحب کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہ کریں۔

ملک صاحب کا غرور [illegible] آسمان سے جا لگا تھا اور جس بادشاہ کا ذکر ہو رہا ہے وہ [illegible] ملک صاحب پر بُری طرح فریفتہ تھا اور عورتوں کی طرح اس کے ناز اٹھایا کرتا تھا۔ ملک صاحب نے بھی وفاداری خوب نبھائی تھی لیکن اب موجودہ حالات دیکھ کر اس کی نیت میں فرق آ گیا تھا۔ فرمان مل گیا تو وہ گویا جنگ کے لیے بالکل تیار ہو گیا۔ اس نے کسی کا [illegible] اور مملکت کے [illegible] مشغول ہو گیا۔

اس کا تجربہ کار آنکھوں نے پہلے ہی بھانپ لیا تھا کہ اس کی راہ میں اگر کوئی مزاحم ہوگا تو وہ ملکہ جہاں اور خضر خان ہوں گے۔ یہ دونوں شاہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے اس لیے ان کا حق بنتا تھا [illegible] ان کو [illegible] بادشاہ کے [illegible] بادشاہ کے دل میں [illegible]

یہاں تک پہنچنے کی جرأت کر ڈالی۔

"میں ان حالات کے پیش نظر اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ خضر خان، ملکہ جہاں اور الغ خان کو آپ کی [illegible] معلوم ہو چکی ہے اس لیے دل سے وہ آپ کی موت کے خواہاں ہیں۔"

"ملک صاحب! تمہاری کوئی بات جھوٹی نہیں ہو سکتی۔ ہر طرح سے میرے وفادار ہو [illegible] ان تینوں کی طرف سے [illegible] ہو سکتا ہے۔"

"حضور! روشناسی کی نزاکت سے مجھ سے زیادہ واقف ہوں گے [illegible] اگر تخت کے لیے آپ نے بیٹے اور [illegible]"

"اگر یہ بات کوئی اور کہتا تو میں [illegible] مگر تم [illegible] اس لیے میں تسلیم کرتا ہوں کہ [illegible] ضرور رکھا جا رہا ہوگا۔"

[illegible] کے بعد علاؤالدین [illegible] نے آنکھیں [illegible] بادشاہ [illegible] کا وقت ہو گیا تھا۔ [illegible] حاضر ہوئے [illegible] ملکہ جہاں (زوجہ بادشاہ) حاضر خدمت ہو گئیں۔ بادشاہ کے دل میں ان کی طرف سے اتنی نفرت پیدا ہو گئی کہ اس نے چاہنے کے باوجود آنکھیں کھولنا گوارا نہیں کیا ملکہ جہاں نے خود ہی اسے مخاطب کیا۔

"آنکھوں کی کیفیت اب کیسی ہے؟"

بادشاہ کو [illegible] محسوس ہوا جیسے وہ [illegible] دشمنوں کو نہیں خود [illegible] کر رہی ہیں۔ اس کے باوجود اس نے تحمل سے کام لیا۔

"بدرالدین [illegible] دوا [illegible] کر کے [illegible] بہتر محسوس کر رہا ہوں۔"

"اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے چاہا تو آپ بہت جلد ٹھیک ہو جائیں گے۔" بادشاہ چپ رہا تو ملکہ جہاں نے خود ہی بات کو آگے بڑھایا۔ "الغ خان ہرات سے آئے ہوئے ہیں۔"

"مجھے معلوم ہے۔ میں نے ہی انہیں بلایا ہے۔"

"آنے تو دیجیے۔"

"[illegible] رہا ہوں۔"

"الغ خان کی بیٹی یہاں آئی ہوئی ہے مجھے [illegible] اچھی لگی۔"

"[illegible]"

''ہمارا بیٹا شادی خاں بھی کسی سے کم نہیں۔ دونوں کی جوڑی خوب سجے گی۔ میں چاہتی ہوں شہزادے کی شادی جہاں آرا سے ہوجائے۔ آپ کی اجازت لینے آئی تھی۔''

''تم اب بھی میری عیادت کو نہیں کسی تقریب کا بہانہ تلاش کرنے آئی ہو۔'' بادشاہ نے دل میں سوچا۔ اٹھنا چاہا تو قریب کھڑی کنیز نے پشت پر تکیے لگادیے۔

''ہم نے مانا کہ الغ خاں شہزادے کے خالو ہیں لیکن ہیں تو ہمارے نوکر۔''

''لو، یہ بھی کوئی بات ہوئی...... نوکر ہیں لیکن ہیں تو شاہی خاندان سے۔ کہیں باہر کے تو ہیں نہیں۔''

''میری حالت دیکھ رہی ہو۔ تخت پر نہیں بستر پر ہوں۔ سلطنت کے کام تک تو ملک نائب کے سپرد کر رکھے ہیں، ایسے میں تم شادی کا قضیہ لے بیٹھیں۔''

''آپ نے ملک نائب کو خیر خواہ سمجھ کر اور اسے بااختیار سمجھ کر سخت غلطی کی ہے۔''

''اب آپ ہماری غلطیاں پکڑیں گی۔''

''وہ نہایت سازشی آدمی ہے۔ تخت پر قبضہ کرنے کے لیے ہر جگہ ساز باز کرتا پھر رہا ہے۔''

''بس بیگم، عورتوں کو عورتوں کی باتیں ہی زیب دیتی ہیں۔ امورِ مملکت بادشاہ جانتے ہیں۔ آپ تشریف لے جاسکتی ہیں۔''

ملکہ جہاں نے پھر کچھ کہنا چاہا لیکن مصلحت اسی میں تھی کہ اس وقت خاموش رہیں۔ انہوں نے اجازت طلب کی اور وہاں سے اٹھ آئیں۔

قریب کھڑی کنیز نے بادشاہ کی پشت سے تکیے ہٹائے اور اسے بستر پر لٹادیا۔

''کسی سے کہو ملک نائب کو میرے پاس لائے۔''

''حضور فرمائیں تو میں خود ان کے پاس چلی جاؤں؟''

''ٹھیک ہے، تم چلی جاؤ۔''

کنیز کمرے سے نکلی۔ سیڑھیاں اتر کر نیچے آئی اور محل کی پشت سے ہوتی ہوئی سینہ تانے درختوں کی طرف چل دی۔ یہ وہ راستہ تھا جو ملک نائب کے محل کی طرف جاتا تھا۔ اس نے یہ راستہ اس لیے اختیار کیا تھا کہ محل تک جلدی پہنچ جائے۔

ملک نائب کے محل کے پہرے داروں کے لیے وہ اجنبی نہیں تھی۔ ملک نائب کو خبر کی گئی اور اسے اندر بلالیا گیا۔ وہاں پہنچتے ہی اس نے شاہین خاں کو ملک نائب کے پاس بیٹھے دیکھا۔ ایسے خوبرو نوجوان کو دیکھ کر اس کی آنکھیں جھپکنے لگیں۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ یہ کون ہے اور یہاں کیوں ہے لیکن اس کی یہ مجال نہیں تھی کہ اس کے بارے میں کچھ پوچھتی۔

''کیا خبر لائی ہو؟'' ملک نائب کی آواز گونجی۔ کنیز نے شاہین خاں کی طرف دیکھا جیسے کہہ رہی ہو کیا ان کی موجودگی میں؟ ملک نائب نے اس کی نیت کو بھانپ لیا۔

''کوئی حرج نہیں۔ جو کہنا ہے ان کی موجودگی میں کہہ سکتی ہو۔''

کنیز نے جو باتیں سنی تھیں، اسے تفصیل سے بتادیں۔

''تم چلو، میں تم سے پہلے پہنچتا ہوں۔''

کنیز نے ایک مرتبہ پھر شاہین خاں کی طرف دیکھا اور محل سے باہر آکر اسی راستے پر چل دی جس طرف سے آئی تھی۔ چند قدم چلنے کے بعد ہی اسے پھر شاہین خاں کا خیال آیا تو وہ بے اختیار ہنس پڑی۔ شاہین خاں کون ہے اس کی سمجھ میں آگیا۔ اس نے ملک نائب کے ''شوق'' کے بارے میں اڑتی اڑتی باتیں سن رکھی تھیں۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ ملک نائب مرد نہیں خواجہ سرا ہے۔ محل میں خواجہ سرا اور بھی تھے لیکن ملک نائب کے لیے مشہور تھا کہ وہ دن میں مرد بنا رہتا ہے اور رات کو عورت بن جاتا ہے۔ اسے ارباز منشی یاد آیا جو کبھی ملک نائب کے ساتھ دیکھا جاتا تھا پھر نہ جانے کیوں اسے قتل کرادیا گیا۔ ''بے چارہ یہ نوجوان۔ نہ جانے یہ کب قتل ہوجائے۔ میں کوشش کروں گی کہ اسے خطرے سے آگاہ کردوں۔ صورت تو ایسی ہے کہ میں بھول ہی نہیں سکتی۔''

ملک نائب نے اس کنیز کو بھاری رقم دے کر خرید لیا تھا کہ اندر کی خبریں اسے پہنچاتی رہا کرے۔ وہ ملک نائب سے کئی مرتبہ مل چکی تھی لیکن اس سے پہلے اس نے شاہین خاں کو نہیں دیکھا تھا۔ وہ یہ دعا کرتی ہوئی آگے بڑھتی رہی کہ خدا کرے اس سے پھر ملاقات ہوجائے۔

وہ قصر ہزار ستون تک پہنچی اور بادشاہ کے کمرے میں داخل ہوئی تو اس نے ملک نائب کو وہاں بیٹھے ہوئے دیکھا۔ وہ اس سے پہلے وہاں پہنچ چکا تھا۔

بادشاہ یا تو اتنا غیر محتاط تھا کہ کنیز کے سامنے ملکہ جہاں سے تمام باتیں کہہ ڈالی تھیں یا اب اتنا محتاط ہوگیا کہ کنیز کو وہاں سے ہٹ جانے کا حکم دے دیا۔ اب اسے یوں بھی ان باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اب جو کچھ سننا تھا ملک نائب کو خود سننا تھا۔

بادشاہ نے ملکہ جہاں سے ہونے والی گفتگو سے ملک

نائب آ گیا اور حضور سے ... کا طالب ہوا۔

"شاہ دولت! میں کئی دن سے چاہ رہا تھا آپ کے گوش گزار کروں لیکن آپ کی مصروفیت کے پیش نظر نہ کر سکا کہ آپ کو تکلیف ہوگی۔"

"ہمیں معلوم ہے کہ آپ کیا کہنے والے ہیں۔"

"آپ وہ سوچ بھی نہیں سکتے جو یہاں ہو گیا ہے۔ آپ نے مجھے بلایا وہ میں خود آپ کے پاس آنے والا تھا۔ غفنر خاں اور شازی خاں کسی وقت بھی بغاوت کر سکتے ہیں۔"

"ملک کافور (ملک نائب) ہمیں معلوم ہے تم کیا کہہ رہے ہو؟"

"بہ تحقیق کے بعد کہہ رہا ہوں۔ میں تین لڑکوں کو بھی جانتا ہوں جو غفنر خاں کا ساتھ دے رہے ہیں۔"

"کیا ہم نے تمہیں اتنا با اختیار نہیں بنا دیا ہے کہ تم ان لوگوں کو گرفتار کر لو؟"

"حضور، میرے اختیارات کے باوجود غفنر خاں [illegible] دونوں لڑکوں کے پشت پناہ غفنر خاں ہیں۔ اگر وہ کسی طرح یہاں سے دور چلے جائیں تو میرا کام آسان ہو جائے گا۔"

بادشاہ اس کی ہر بات مان لیا کرتا تھا۔ یہ بات بھی مان لی اور غفنر خاں کو میر وزگار کے ساتھ امروہہ کی طرف روانہ کر دیا [illegible]

[illegible]

وہاں سے دو سپاہی [illegible] گیا۔ اس نے سازش کے پردوں اور [illegible] کرنے شروع کر دیے۔ [illegible] اسے کوئی پوچھنے والا نہیں تھا جب بادشاہ ہی اس کا تھا پھر کون اس سے پوچھتا۔ غفنر خاں کے امروہہ چلے جانے کے بعد سب [illegible] بادشاہ اپنے بیٹے اور [illegible] سے دور کر چکا ہے اور [illegible] کے خلاف [illegible] ملک نائب نے [illegible] کی [illegible] کر دی جائے۔

ملک جیون نے [illegible] لانے [illegible] غفنر خاں [illegible] ساتھ لایا [illegible]

آ گئے۔ پہلے ملک نائب کے ساتھ تھے پھر ملکہ جہاں کے ساتھ ہو گئے۔

یہ سازش کوئی بہت ڈھکی چھپی تو نہیں تھی کہ اچانک بادشاہ کی حالت بگڑنے لگی۔ ملک نائب کو چال چلنے کا ایک اور موقع مل گیا۔ اس نے ایک سوار کو غفنر خاں کے پاس امروہہ بھیجا۔

"غفنر خاں، تمہاری منت پوری ہونے کا وقت آ گیا ہے۔ بادشاہ سلامت صحت یاب ہو گئے ہیں۔ تم حضور کے حکم کے مطابق واپس چلے آؤ۔"

یہ پیغام جب غفنر خاں کو ملا تو اس نے اپنے لشکر کو ساتھ لیا اور دہلی چلا آیا۔ یہ سفر اس نے اپنی منت کے مطابق پیدل طے کیا۔

وہ باپ کی صحت یابی کی خوشی میں [illegible] بیٹھا تھا۔ علاؤالدین نے اسے رخصت کرتے وقت کہا تھا کہ جب بھی صحت یاب ہو جاؤں گا تمہیں بلا لوں گا۔ [illegible] واپس چلے آنا۔

غفنر خاں [illegible] بادشاہ کے [illegible] کر سکتے تھے [illegible]

"حضور، آپ کو [illegible] مبارک ہو۔ [illegible]"

"ہمیں اطلاع ہو چکی ہے کہ ہمارا بیٹا غفنر خاں امروہہ سے [illegible] حاضر [illegible]"

[illegible]

"[illegible] صحت یابی کی خوشی ہے۔ [illegible] کیا ہو گا؟"

"مجھے تو یہ ڈر ہے کہ [illegible] تحقیق کے بعد [illegible] امیروں کے ساتھ مل کر کوئی نیا فتنہ کھڑا کر دے۔"

ابھی بادشاہ کوئی جواب دینے بھی نہیں پایا تھا کہ غفنر خاں کی آمد کی اطلاع ہوئی۔ ملک نائب [illegible] وہاں سے اٹھ گیا۔

چند ہی لمحے گزرے تھے کہ ملک نائب، بادشاہ کی خدمت میں [illegible] حاضر ہو گیا۔

"[illegible] نے پوری تحقیق کر لی ہے۔ غفنر خاں نے پوری [illegible] حضور کے دشمنوں کی جان خطرہ ہے۔"

لگتا ہے آپ کو مجھ پر شبہ ہے کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔

"میں ان لوگوں تک پہنچ گیا ہوں۔ اس سازش میں شہزادہ خضر کے علاوہ شہزادہ شادی خاں، الغ خاں، ملکہ جہاں اور دوسرے کئی امیر شامل ہیں۔"

"کیا میں تم پر اعتبار کرلوں؟"

"مجھ پر اعتبار نہ کریں۔ میں کیا ثابت کرسکتا ہوں۔ آپ ان سے پوچھ لیں۔"

ملک نائب نے کام پکا کیا تھا۔ ہر جگہ سے آدمی کی کنیزوں اور غلاموں کو خرید لیا تھا۔ اس نے سب سے پہلے بادشاہ کی کنیز خاص ولی بیگم سے گواہی دلائی۔ اس نے جان کی امان مانگ کر ملکہ جہاں اور شہزادہ خضر کے درمیان ہونے والی گفتگو سے بادشاہ کو آگاہ کیا۔ پھر چند غلاموں کو پیش کردیا جنہوں نے فرضی داستانیں بیان کرکے بادشاہ کو قائل کردیا۔ بادشاہ سے کسی بات کی ہوئی کہ اس نے تحقیق اور اپنے بیٹے سے تصدیق کرنے کی کوشش ہی نہیں کی اور اپنے دونوں بیٹوں خضر خاں اور شادی خاں کی گرفتاری کے احکام جاری کردیے۔ ان احکامات پر عمل درآمد خود ملک نائب کو کرنا تھا۔ اس نے پہلی فرصت میں خضر خاں اور شادی خاں کو گرفتار کرکے گوالیار بھیج دیا۔ ملکہ جہاں کو محل سے نکلوا کر ایک جگہ نظر بند کرا دیا۔

اب وہ سیاہ سفید کا مالک تھا۔ تمام امیر اس کی خوشنودی کے لیے اس کے سامنے جھکنے لگے۔

ملک نائب کو اب جس شخص سے خطرہ ہوسکتا تھا وہ الپ خاں والی گجرات تھا جو ان دنوں بادشاہ کے بلانے پر دہلی آیا ہوا تھا۔

ملک نائب نے بادشاہ سے ایسے کان بھر کر الپ خاں کی موت کا فرمان جاری کرا لیا۔ اس کے قتل کے ساتھ ہی گجرات کی فوج نے بغاوت کردی مگر ملک نائب کو اس کی کیا پروا ہوسکتی تھی۔

ملک نائب کو جس جس سے خطرہ ہوسکتا تھا اس نے اس کے قتل کا فرمان جاری کرا لیا۔

یہ بغاوت گویا سلطنت کے اس بانس میں پہلا شگاف تھی۔ ملک میں انتشار کا آغاز ہوگیا۔ گجرات، دکن خاص طور پر ان ہنگاموں کی لپیٹ میں تھے۔ حالات اتنے بگڑ گئے کہ علاءالدین کے اختیار سے نکل گئے۔ ملک نائب بھی بے بس نظر آرہا تھا۔

سب کو لگتا تھا کہ ہوش میں آتے ہی سلطان بادشاہ ملک نائب کی حقیقت کو جان لے گا لیکن وقت گزرنے کے بعد سب لگتا تھا کہ ملک نائب کی دنیا ہی اندھیر ہوگیا تھا بادشاہ کی کوئی بات

بیٹے اور بیوی نہیں تھے۔ بادشاہ کے بیٹے بادشاہ کے حکم سے گوالیار بھیجے جا چکے تھے۔ اب چلے ہوئے تیر کمان میں واپس نہیں آسکتے تھے۔ اس صدمے نے بادشاہ کو ایک مرتبہ پھر بیمار کردیا۔ اس بار جو بستر پر گرا تو چند ہی روز گزرے تھے کہ وہ اس جہان فانی سے کوچ کرگیا۔ ملک نائب یہی چاہتا تھا۔

بادشاہ کی وفات نے سب کچھ ملک نائب کے ہاتھ میں دے دیا۔

ملک نائب نے بادشاہ کی تدفین کے دوسرے ہی روز تمام امرا اور ارکان سلطنت کو جمع کیا اور مرحوم بادشاہ کا وصیت نامہ پڑھ کر سنایا۔

"میں اپنے بڑے بیٹے خضر خاں کو ولی عہدی سے معزول کرتا ہوں اور اس کی جگہ اپنے چھوٹے بیٹے شہاب الدین عمر کو اپنا جانشین مقرر کرتا ہوں۔"

تمام امرا کو اس وصیت نامے پر شک تھا لیکن کسی کو اعتراض کی جرأت نہ ہوئی۔ یہ وصیت نامہ اس لیے جعلی معلوم ہوتا تھا کہ شہزادہ شہاب الدین کی عمر صرف سات سال تھی۔ وہ کسی طرح بھی امور سلطنت کے لیے قابل نہیں تھا۔ اس کے تخت پر بیٹھنے کا مطلب یہ تھا کہ حقیقی بادشاہ ملک نائب ہوگا۔ تمام کام اسی کے حکم سے انجام پائیں گے۔ شہزادہ قطب الدین مبارک شاہ سترہ اٹھارہ سال کا نوجوان تھا اور بہر حال بادشاہت کے قابل تھا۔ وہ اگر تخت پر بیٹھتا تو ملک نائب کا عمل دخل ختم ہو جاتا۔ اسی لیے وصیت نامے میں اس کا نام شامل نہیں کیا گیا تھا بلکہ اسے ایک جگہ قید کردیا گیا تھا۔ شہاب الدین کے تخت پر بیٹھتے ہی ملک نائب نے شاہی احکامات اپنے نام سے جاری کرنا شروع کردیے۔ پہلا حکم یہ جاری کیا کہ خضر خاں اور شادی خاں کو اندھا کردیا جائے۔ ایک عہدیدار کو گوالیار بھیجا گیا۔ اس شخص نے گوالیار پہنچ کر دونوں شہزادوں کی آنکھوں میں سلائیاں پھیر دیں۔

اب ملک نائب کی توجہ مبارک شاہ کی طرف تھی۔ اس کی موجودگی میں اس کی بادشاہت کو کسی وقت بھی خطرہ ہوسکتا تھا۔

☆☆☆

مبارک شاہ ایک ایسے پلنگ پر لیٹا ہوا تھا جو کسی طرح بھی اس کے شایان شان نہیں تھا۔ اس کی والدہ ملکہ جہاں اس کے سرہانے بیٹھی تھیں۔ دونوں کے درمیان باتیں ہو رہی تھیں۔

ماضی کی یادیں اور آنے والے دنوں کا دھڑکا۔ دروازے پر کسی نے ہلکی ہلکی دستک دی۔ بی بی مالک نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ دروازے پر کنیز دلبر بیگم کھڑی تھی۔ دروازہ کھلتے ہی وہ اس طرح اندر آ گئی جیسے کسی نے اسے دھکا دیا ہو۔ اس کی گھبراہٹ دیکھ کر بی بی مالک نے جلدی سے دروازہ بند کر دیا۔

''خیر تو ہے دلبر بیگم...... اتنی گھبرائی ہوئی کیوں ہو؟''

''میں نے بادشاہ سلامت کی برسوں خدمت کی ہے اور آپ اسی مرحوم بادشاہ کی زوجہ ہیں اور مبارک شاہ ان کے صاحبزادے۔''

''تو کیا تم مجھے یہی بتانے آئی تھیں؟''

''چھوٹی بیگم صاحبہ، آگے تو سنیے۔ میں یہ بتانے آئی ہوں کہ شہزادہ حضور کی جان خطرے میں ہے۔''

''کیا کہتی ہے۔''

''نامراد خواجہ سرا ملک نائب دو شہزادوں کو اندھا کروا چکا ہے اور اب مبارک شاہ پر دانت جمائے بیٹھا ہے۔ وہ کسی سے کہہ رہا تھا کہ شہزادے کو قتل کرا دے یا اندھا کرا دے۔''

''تیرا اللہ بھلا کرے کہ تو نے بروقت مجھے آگاہ کر دیا۔ بس تو میرا ایک کام کر دے۔ مجھے کسی طرح شیخ نجم الدین تک پہنچا دے۔''

''میں کیا جانوں یہ کون صاحب ہیں اور کہاں ہیں۔''

''ہیں ایک صاحب کشف بزرگ۔''

''اس کے لیے تو محل سے باہر جانا پڑے گا۔''

''ہاں وہیں تو ایک پالکی کا انتظام کر دے۔''

''قدم قدم پر پہرے لگے ہوئے ہیں۔ یہ انتظام کس طرح ہوگا۔ اچھا میں کچھ کرتی ہوں۔''

دلبر بیگم نے ملک نائب کے کانوں میں یہ بات ڈال دی کہ اسے اپنی بہن سے ملنے کے لیے محل سے باہر جانا ہے۔ ملک نائب کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ چند گھنٹوں کی تو بات تھی، اس نے اجازت دے دی۔ دلبر بیگم پالکی میں بیٹھی اور پالکی والوں کے ہاتھ میں اشرفی رکھ کر کچھ دیر کے لیے پالکی کو بی بی مالک کے ہاں رکوایا۔ بی بی مالک سوار ہو گئیں اور پالکی محل سے باہر آ گئی۔ بی بی مالک شیخ نجم الدین کی خانقاہ سے واقف تھیں۔ پالکی کو خانقاہ کے سامنے رکوایا۔ دلبر بیگم پالکی میں بیٹھی رہی اور بی بی مالک خانقاہ کے اندر چلی گئیں اور شیخ صاحب کی خدمت میں فریادی ہو گئیں۔

''ملک نائب نے محل میں بڑی قیامت مچائی ہوئی ہے۔ خضر خاں اور شادی خاں کی آنکھوں میں سلائیاں پھروا چکا ہے اور اب مبارک شاہ کو اندھا کرانے کی فکر میں ہے۔ آپ ہی بتایئے میرے بچے کا کیا قصور ہے۔ آپ سے امداد کی طالب ہوں۔''

شیخ نجم الدین نے تمام باتیں نہایت غور سے سنیں اور بی بی مالک کو تسلی دی۔

''ملک نائب اپنے ناپاک ارادے میں کبھی کامیاب نہیں ہوگا۔ تم بے فکر رہو اور کسی غیبی مدد کا انتظار کرو۔'' یہ کہہ کر شیخ صاحب نے اپنے سر سے ٹوپی اتاری اور اسے الٹ کر دوبارہ اپنے سر پر رکھ لیا اور کہا۔

''اب میں اس ٹوپی کو اسی وقت سیدھا کروں گا جب مبارک شاہ تخت پر بیٹھے گا۔''

بی بی مالک مطمئن ہو کر اپنے مکان پر آ گئیں۔

اسی رات، ہر رات کی طرح ملک نائب چند خواجہ سراؤں کے ساتھ چوسر کھیلنے میں مشغول تھا کہ کسی نے اطلاع دی کہ بی بی مالک شیخ نجم الدین کے پاس گئی تھیں۔ وہ اپنے بیٹے کو بادشاہ بنانے کے لیے ساز باز کر رہی ہیں۔

''میں مبارک شاہ کو زندہ ہی نہیں چھوڑوں گا کہ وہ بادشاہ بنے۔'' ملک نائب اتنی زور سے چیخا کہ وہاں بیٹھے ہوئے سب لوگوں نے سن لیا۔ یہ شکر ہوا کہ دلبر بیگم کا نام درمیان میں نہیں آیا ورنہ اس کی خیر نہیں تھی۔

اس رات ملک نائب نے خواجہ سراؤں کی اس جماعت سے خفیہ ملاقات کی جو ہزار ستون کی حفاظت پر متعین تھی اور انہیں مبارک شاہ کے قتل پر آمادہ کر لیا۔

یہ خواجہ سرا موقع دیکھ کر مبارک شاہ کے سر پر پہنچ گئے۔ مبارک شاہ جانتا تھا کہ ان لالچیوں کو کیسے رام کیا جاتا ہے۔ اس نے اپنے گلے میں پڑا ہوا جڑاؤ گلوبند اتارا اور اس جماعت کی طرف اچھال دیا۔

''کیا تم نہیں جانتے کہ میرا باپ کیسا فیاض تھا اور اس نے تمہارے ساتھ کیسی کیسی مہربانیاں کی تھیں۔ میں بھی اسی کا بیٹا ہوں۔ اگر تم مجھے قتل کر دو گے تو نمک حرامی کے مرتکب ہو گے۔ دین و دنیا میں تمہاری سرخروئی اسی میں ہے کہ تم اپنے محسن کی یادگار کو زندہ رہنے دو۔ اگر ملک نائب کے کہنے پر تم مجھے قتل بھی کر دو تو تمہیں کیا حاصل ہوگا...... تھوڑا سا انعام۔ اس کے برخلاف اگر میں زندہ رہا اور بادشاہ بن گیا تو تمہارا احسان کبھی نہیں بھولوں گا اور تمہیں نوازتا رہوں گا۔ فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے۔ اگر تم مجھے قتل ہی کرنا چاہتے ہو تو میرا گلا حاضر ہے۔''

یہ خواجہ سراؤں کی غیرت نے اسے قبول نہ کیا اور
ایک شرمندگی ہوئی کہ سر جھکا کر واپس چلے گئے۔ یہاں سے
وہ سیدھے اپنے سردار ملک تیمور اور مشیر کے پاس پہنچے اور سارا
قصہ بیان کیا۔ یہ نظام الدین پر وہ اس کا اثر تھا یا مبارک
شاہ کی قسمت میں اور بہت کچھ لکھا تھا کہ سرداروں کے دل
بھی نرم ہو گئے اور انہوں نے اسی وقت فیصلہ کر لیا کہ ملک
نائب اور اس کے ساتھیوں کو قتل کر دیا جائے۔
جب رات خوب ڈھل گئی۔ محل کے پہرے دار بے خبر
ہو گئے اور لوگ خواب غفلت میں ڈوب گئے تو خواجہ سراؤں
کے سردار اپنی جماعت کو لے کر ملک نائب کے محل میں گھس
گئے۔ ملک نائب اس وقت بستر پر دراز تھا۔ اس کے
محافظ بھی بے خبر ہو کر سو گئے تھے۔ خواجہ سراؤں نے
محافظوں کو قتل کیا اور ملک نائب کی خوابگاہ میں گھس کر اس
کا سر اتار لیا۔ شاہین خان بھی اس کے ساتھ قتل ہوا۔
یہ جماعت وہاں سے روانہ ہوئی اور مبارک شاہ کو قید
سے چھڑا لیا۔
اگلی صبح جب یہ خبر پھیلی تو محل میں شور مچ گیا۔ ملک
نائب کا کوئی معمولی آدمی بھی اس کی حمایت میں نہ اٹھا اور امرا بھی
سلطنت اس سے تنگ آ چکے تھے۔ کسی صورت اس کا خاتمہ
چاہتے تھے۔ یہ کام خواجہ سراؤں نے کر دکھایا تو کسی طرف
سے کوئی آواز بلند نہیں ہوئی بلکہ تیمور اور مشیر کے مشورے اور
حمایت سے مبارک شاہ کو سلطان شہاب الدین کا
نائب مقرر کر دیا۔
شہاب الدین برائے نام بادشاہ تھا۔ مبارک شاہ اس کی
نیابت کے فرائض انجام دے رہا تھا لیکن اسے یہ بات
دھوکا لگتی تھی کہ وہ اب اور نائب بن کر رہے۔ آخر اس نے
ایک مرتبہ پھر اپنے ہمدرد خواجہ سراؤں کو اپنے ساتھ ملایا اور
تخت کی ابتدا کر دی۔ سات سالہ شہاب الدین کی آنکھوں
میں سلائیاں پھروا کر اندھا کر دیا اور گوالیار میں قید کر کے
کھانے کو بے نمک روٹی کا حکم کر دیا۔
اب خلجی خاندان کی حکومت قطب الدین مبارک شاہ
کے ہاتھ میں تھی۔
مبارک شاہ خواجہ سراؤں کی مدد سے تخت نشین ہوا تھا
اس لیے خواجہ سراؤں کی جماعت اس کے تخت پر بیٹھتے ہی
اس پر حاوی ہو گئی۔ بادشاہی رعب کا خاتمہ ہو گیا۔ بڑے
بڑے امرا کی عزت خاک میں مل گئی۔ شاہی محل بازی
ناچ گانے کا مرکز بننے لگا۔ خواجہ سرا جس وقت چاہتے
مبارک شاہ سے ملنے کے لیے بغیر اجازت اندر
بلا اجازت چلے آتے تھے۔ مبارک شاہ ان کی
ناشائستہ حرکتیں دیکھ کر غصہ ہوتا تھا لیکن ان پر ہاتھ
ڈالتے ہوئے ڈرتا تھا اور جب ان کی ناشائستہ حرکات حد
سے تجاوز کرنے لگیں تو اس نے مجبوراً ان سے نجات حاصل کرنا
چاہی اور ایک دفعہ خواجہ سراؤں کے دونوں سرداروں تیمور اور
مشیر کو دھوکے سے اپنے پاس بلا کر قتل کرا دیا اور ان کے
ساتھیوں کو ملک کے مختلف حصوں میں بھیج کر ان کی قوت کو
منتشر کر دیا۔
اسے معلوم تھا کہ بہت سے سپاہی خواجہ سراؤں کا
ساتھ دے رہے تھے۔ انہیں خوش کرنے کے لیے بڑی بڑی
خلعت و انعام سے نوازا۔ ان کی تنخواہوں کا اضافہ کیا کہ
سب اس کا دم بھرنے لگے۔
انعام و اکرام کی اس بارش میں اس نے یہ خیال نہیں
کیا کہ کس کو کتنی نوازش کی ضرورت ہے۔ ایک شاہی
نائب خاص جو علاؤالدین کی پرورش کا پروردہ تھا، اسے خسرو خان
کا خطاب دے دیا۔ مبارک شاہ پر اس کا ایسا اثر تھا کہ خسرو خاں سے
بات کرنے لگا۔ اسے سپہ سالار کا مرتبہ دے کر گجرات
بھیجا تھا کہ وہاں سے واپس آ کر ملک نائب بن کر رہا۔
خسرو خاں کا مرتبہ اس کے لیے ملک کا درجہ رکھتا تھا۔ خسرو
خاں کی سازش کا پتا ان سے کسی کو معلوم ہوا تو خود
مبارک شاہ سے اس کی شکایت کی ہے۔ مبارک شاہ کے ہمدرد امیر
اسے ملک نائب کا دوسرا روپ کہتے تھے لیکن خسرو خان
کا جادو ایسا تھا کہ سر چڑھ کر بولنے لگا۔
ایک روز خسرو خاں کے آدمی محل میں داخل ہو گئے اور مبارک
شاہ کے محل میں گھس گئے۔ خسرو خاں کے آدمی اندر گئے
اور ... ان کا خیال تھا کہ مبارک شاہ بادشاہ ہو کر ...
کون کہاں سے ... کر سکے گا۔
خسرو خاں کے آدمیوں نے مبارک شاہ کے محل کو
چاروں طرف سے گھیرا ہوا تھا۔ انہیں جب معلوم ہوا کہ
بادشاہ کی والدہ ملاقات کے لیے آئی ہیں تو انہوں نے راستہ
روکنا چاہا لیکن ان کے سردار نے انہیں روک دیا۔
"خسرو خاں سے اجازت لیے بغیر ہم آپ کو اندر
نہیں جانے دیں گے۔"
"میں مبارک شاہ کی ماں ہوں۔"
"ہم آپ کا احترام کرتے ہیں لیکن حکم یہی ہے۔"
"مجھے اجازت لے لینے دو۔"
"... ..."

بی بی مالک اس وقت تک پیچ و تاب کھاتی رہیں جب تک خسرو خاں کی طرف سے اجازت نہیں آ گئی۔ وہ نہایت غصے کے عالم میں مبارک شاہ کے پاس پہنچیں۔

''بادشاہ تم ہو یا خسرو خاں؟''

''یہ سوال پوچھنے کا مقصد کیا ہے؟''

''جب تک خسرو خاں کی طرف سے اجازت نہیں آ گئی، ہم اپنے بیٹے سے ملاقات کے لیے بھی نہ آ سکے۔''

''وہ نائب خاص ہیں۔ تمام انتظامات ان کے ہاتھ میں ہیں۔''

''تم بادشاہ نہیں، میرے بیٹے ہو۔''

''یہ شاہی محل ہے، یہاں سب کے لیے قانون برابر ہیں۔''

''قطب الدین!'' بی بی مالک نے آواز بلند کی۔ ''ہمیں تم سے اس لہجے کی امید نہیں تھی۔''

''آپ یہ فرمائیں کہ آپ نے کس لیے زحمت فرمائی؟''

''پہلی بات تو یہ کہ جب سے تم بادشاہ بنے ہو ہم تمہارے سلام کو ترس گئے ہیں۔''

''اور دوسری بات؟''

''دوسری بات یہ کہ ہم خسرو خاں کے بڑھتے ہوئے اختیار کو تشویش کی نظر سے دیکھ رہے ہیں۔ تمہارے والد نے ملک نائب پر حد سے زیادہ اعتماد کیا تھا جس کا نتیجہ پوری سلطنت کو بھگتنا پڑا۔ اب وہی غلطی خسرو خاں کی شکل میں تم دہرا رہے ہو۔''

''اماں جان، آپ کو بے جا تشویش ہے۔ وہ نہایت اہل امیر ہیں۔ ان کی وفاداری پر شک نہیں کیا جا سکتا۔''

''جس اندیشے کا میں نے اظہار کیا ہے، اس پر سنجیدگی سے غور کرو۔ عہدے ضرور بانٹو لیکن کسی پر ضرورت سے زیادہ اعتبار مت کرو۔''

''آپ کے مشوروں کا شکریہ۔ کیا اچھا ہے کیا برا، میں خوب سمجھتا ہوں۔ سلطنت کے کاموں میں عورتوں کا عمل دخل قطعی مناسب نہیں۔''

ماں بیٹوں کی یہ ملاقات تلخی پر ختم ہوئی۔ خسرو خاں کا عمل دخل اسی طرح برقرار رہا۔

خسرو خاں کو اسی دن معلوم ہو گیا تھا کہ ماں بیٹوں کی ملاقات ہوئی ہے۔ دلبر بیگم کی زبانی تفصیلات کا علم بھی ہو گیا تھا لیکن یہ وقت بادشاہ سے شکایت کرنے کے لیے مناسب نہیں تھا۔ وہ کوئی ایسی ترکیب سوچ رہا تھا کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ یہ ترکیب اسی وقت کارگر ہو سکتی تھی جب خسرو خاں، مبارک شاہ کی رگوں میں خون کی طرح دوڑنے لگے۔ یہ اسی وقت ہو سکتا تھا جب مبارک شاہ کی جوانی کو رنگین سہاروں کے سپرد کر دیا جائے۔ یہ سہارے اس وقت اور رنگین ہو جاتے ہیں جب بادۂ رنگیں کا دور چلے۔ مبارک شاہ ایسی مجالس کا دلدادہ پہلے سے تھا، بس اب اسے اس سمندر میں غرق کرنے کے لیے کسی تحریک کی ضرورت تھی۔ نادرہ بیگم شہر کی مشہور طوائف تھی۔ خسرو خاں کا اس کے پاس آنا جانا تھا۔ وہ اسے کوٹھے سے اٹھا کر محل میں لے آیا اور مبارک شاہ کے حضور پیش کر دیا۔ نادرہ بیگم نے صورت بے مثال پائی تھی۔ موسیقی پر پوری دسترس تھی۔ رقص کرتی تو بدن کا ایک ایک حصہ منہ سے بولتا تھا۔ وہ واقعی بادشاہوں کے لائق تھی اور بادشاہوں کے پاس آ گئی تھی۔ مبارک شاہ نے اس کے بیش قیمت ہونے کا اندازہ فوراً لگا لیا اور اسے اپنی حضوری کا اعزاز عطا کر دیا۔ خسرو خاں کے کہنے پر ساقی گری کا اعزاز بھی اسے مل گیا۔ اس سے پہلے ایک کنیز چھوٹی بیگم یہ فرض انجام دے رہی تھی۔

نادرہ بیگم خسرو خاں کی ہدایت یافتہ تھی۔ اسے یہ شغل محض شغل کی طرح انجام نہیں دینا تھا بلکہ مبارک شاہ کو ایسی مدہوشی میں مبتلا کرنا تھا جو ہر وقت قائم رہے۔ پہلی ہی رات اس نے اداؤں کے وہ جوہر دکھائے کہ پینے سے پہلے ہی مبارک شاہ کے ہوش اڑ گئے۔ ساقی کو معلوم ہوتا ہے کہ ہوش والے میں ہوش کتنا ہے۔ ہاتھ کب دراز کرتا ہے، مٹھی کب بند کرتی ہے لیکن نادرہ بیگم نے وہ فیاضی دکھائی کہ بادشاہ کا سر کنیز کے قدموں پر جھک گیا۔

''سنو لڑکی، تمہارا نام کیا ہے؟'' مبارک شاہ نے بوجھل لہجے میں ٹوٹتے لفظوں کا سہارا لیتے ہوئے پوچھا۔

''عالی جاہ، بندی کو نادرہ بیگم کہتے ہیں۔''

''تم یہاں آئیں کیسے؟''

''حضور کی بندہ نوازی کھینچ لائی ہے۔''

''باتیں بہت اچھی کرتی ہو۔''

''یہ باتیں مجھے آپ کی حوصلہ افزائی نے سکھائی ہیں۔''

''تم باتیں کرتی رہو، ہم سن رہے ہیں۔'' مبارک شاہ نے کہا اور اس کی آغوش میں سر رکھ کر آنکھیں بند کر لیں۔

نادرہ پریشان تھی کہ اب کیا کیا جائے۔ اس کی ذرا سی جنبش بادشاہ کے آرام میں خلل ڈال سکتی تھی جو کسی عتاب کا شاخسانہ بن سکتا تھا۔ اس سے تو کہا گیا تھا کہ جب بادشاہ کو نشہ ہو جائے تو وہ دروازے پر کھڑے خواجہ سراؤں میں سے کسی کو بلا لے، وہ اسے خواب گاہ تک پہنچا دیں گے لیکن اب تو

سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ آواز رنگ محل سے نکلی تھی۔

جب بہت دیر گزر گئی اور بادشاہ کی نیند گہری ہو گئی تو حکیم نے اس کی نبض [...] آغوش سے پیچھے سرکا دیا اور دروازے کے باہر خواجہ سراؤں کو بتایا۔ انہوں نے بھی [...] کہ اس حال میں بادشاہ سلامت کو ان کی خواب گاہ [...] دیا گیا اور رات میں ان کی نیند اچٹ نہ [...] سب ٹھیک ہو جائے گا۔

"پھر کیا ہوا ہے؟"

"انھیں تھوڑے آرام کی ضرورت ہے۔ آپ بھی ان کے پاس رہیں۔ اگر وہ خود بیدار ہو گئے تو آپ کو پوچھیں گے۔ ہم انھیں ان کی خواب گاہ میں لے جا رہے ہیں۔"

نادرہ بیگم نے وہ رات وہیں گزاری۔ اس طرف سے بیگم کی [...] کہ بادشاہ بیدار نہ ہو جائے۔ صبح ہو گئی اور خواجہ سراؤں [...] میں باقاعدہ داخل ہوئی۔ کوئی بادشاہ [...] نے یہ خبر بھی [...] کوئی خاص [...] کے پاس [...] محل نے بادشاہ کو بیدار ہوتے [...] کہہ دیا [...] تک وہی [...] آ [...] ہوئی [...] کہا گیا ہے [...] بیگم [...] نادرہ بیگم [...]

"بیگم ان میں کہیں نہیں ہے۔ تم اس وقت یہاں کیوں آگئے ہو؟"

"حضور! بہتر تو یہ ہے کہ آپ بھی کچھ پی لیں۔"

"اب تم جاؤ [...] بات [...]"

وہ وہاں سے نکلی اور سیدھی خسرو خاں کے پاس پہنچ گئی۔ کامیابی کی داستان سنا کر انعام وصول کیا [...] بخشش کا وعدہ [...]

نادرہ بیگم کو بادشاہ نے حکم دیا تھا۔ رات ہوتے ہی اسے بادشاہ کے قریب پہنچا تھا۔ وہ اپنی قیام گاہ سے نکلی اور خسرو خاں کے محل تک پہنچ گئی۔ صرف ایک رات میں وہ تمام سے خاص ہو گئی۔ اس کی پالکی کے چاروں طرف محافظ بڑھ رہے تھے۔ پالکی رکتے ہی دو خواجہ سراؤں نے اسے سہارا دے کر پالکی سے باہر نکالا اور خسرو خاں کے حضور پہنچا دیا۔ جہاں سے اسے مزید ہدایات لے کر رخصت کیا جاتا تھا۔

وہ خسرو خاں کے پاس پہنچی تو وہاں ایک پہلے سے موجود [...] کو دیکھ [...] کہا۔ ان کے چہرے پر تبسم پھیل گیا [...] خسرو خاں [...] ان کی [...]

"نادرہ! تم بہت خوب [...] تھیں۔ پھولی بیگم اس سے [...] تھیں کہ بڑی بیگم بھی ان کی بڑی بچپن [...] کرنے کی عادی تھیں۔ وہ [...] سے [...] گئیں [...] بہ [...] پہچانی گئی۔ وہ جب تک پیش آ جاتیں۔ یہ بادشاہ [...] کیا تھا۔"

"حضور [...] کی [...] بیگم [...] پردوں سے جب باہر آئے [...]"

"ہم [...] نے انکار کیا کہ [...] تھا۔ پھولی بیگم نے [...] بادشاہ کے پاس جانا ہو گی۔"

"[...] بیگم [...] جا رہی ہو؟"

"بادشاہ کی ساقی [...] کے پیچھے [...] جو [...]"

نادرہ بیگم [...] کا احساس [...] کی اپنی [...] پایا۔ وہ بھول گئی کہ اب [...] کی پھولی بیگم [...] سے [...] کہ [...]

نادرہ بیگم کا اندازہ غلط نہیں تھا۔ یہ بات [...] پھولی بیگم بادشاہ کے [...] خسرو خاں [...] بادشاہ [...] کی [...] لگ گیا تھا [...] جگہ لینے کے خواب [...] بادشاہ کی خلوت کا حصہ ہو کر اپنا کام [...] اپنے مقاصد پورے کر [...] آ رہی تھی۔ اسے دراز دست [...] کا کام خسرو خاں [...] لیکن وہ [...] چاہتا تھا کہ بادشاہ شراب و شباب میں ڈوبا رہے۔ [...] ہی [...] بادشاہ [...] بازاری عورتوں سے بھر گیا۔ اس کی خواہش [...] کو وہ [...] عورتوں کی [...] اور اسی عالم میں [...] کر [...] عورتوں سے بات چیت کر لیا کرتا تھا۔ اسے یہ احساس ہی نہیں رہتا تھا کہ وہ کس منصب پر ہے۔ [...] اس کے پاس [...] کہ [...] اور [...] ایک [...] سے بھی مذاق کر کے ان کی بے عزتی کیا کرتی تھیں۔ بادشاہ اس انداز سے ان کی بے عزتی ہوتے ہوئے دیکھ کر خوش ہوتا تھا۔ اسے [...] کی [...] امرا اس وقت تو خاموش رہے لیکن [...] وقت پڑا تو [...] اس کا ساتھ ہرگز نہیں دیں گے۔

ان تمام عورتوں کی بے ہودہ حرکتوں کے باعث دربار کا ماحول اس کی حرکتوں سے تباہی کی طرف جا رہا تھا۔ ان عورتوں ہی میں سے بعض کا ان کی اس حالت پر افسوس ہوتا تھا۔ ان ہی میں سے ایک عورت نادرہ بھی تھی۔ اسے شدت سے احساس [...] مسلمان بادشاہ [...] سے تباہ [...] اس [...] اپنے [...] بڑا [...] سے

اندھیرے میں بی بی مالک سے ملنے گئی اور ان کے سامنے اس ارادے کا ذکر کیا جو بادشاہی محل میں آج تک کسی نے نہ کیا ہوگا۔ بادشاہت کی دنیا میں بادشاہ کے کردار کے خلاف کوئی بات زبان سے نکالنا کسی سازش کی داغ بیل ڈالنے کے برابر تھا اور وہ یہی کر رہی تھی۔

"بادشاہ سلامت بازاری عورتوں کے ہاتھوں تیزی سے تباہی کی طرف جا رہے ہیں۔ انہوں نے ہر وہ قبیح عادت اختیار کر لی ہے جو ہرگز انہیں زیب نہیں دیتی۔ اگر ان کی حالت یہی رہی تو کوئی بھی آگے بڑھے گا اور بادشاہت پر قبضہ کر لے گا۔ آپ ان کی والدہ ہیں اس لیے میں یہ بات آپ سے کہہ رہی ہوں۔"

"بی بی! تم جو اتنی پارسا بن رہی ہو تو یہ کہو کہ تم خود کس طبقے سے تعلق رکھتی ہو اور بادشاہ کو بگاڑنے میں کیا تمہارا ہاتھ نہیں؟"

"میں اپنی پارسائی بیان نہیں کر رہی ہوں، بس اچانک مجھے یہ خیال آیا کہ کوئی ہو جو بادشاہ کو راہِ راست پر لے آئے۔ آپ ان کی والدہ ہیں اس لیے آپ کے پاس چلی آئی۔"

"اے لڑکی! سچ سچ بتا۔ کس نے تجھے میرے پاس بھیجا ہے۔ میرے بیٹے کے خلاف کیا سازش تیار ہو رہی ہے؟"

"آپ یقین فرمائیں، میں کسی سازش کا حصہ نہیں ہوں۔"

"تجھے یہاں لے کر کون آیا تھا؟"

"خسرو خاں۔"

"بس تو وہی تیرے خلاف تحقیقات کرے گا بلکہ میں اس سے پوچھوں گی اس نے کیسی گستاخ لڑکیوں کو محل میں جگہ دے رکھی ہے۔"

"بی بی صاحبہ، آپ کو خدا کا واسطہ۔ مجھے محل سے نکال دیجیے۔ میں چپ چاپ اپنی دنیا میں لوٹ جاؤں گی۔ خسرو خاں تک میری شکایت نہ پہنچائیے۔ وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

"نہ تو میں تیری خسرو خاں سے شکایت کروں گی اور نہ محل سے باہر نکالوں گی بس تو آج کے بعد سے مبارک شاہ کی شکایت کسی سے نہیں کرے گی۔ یہ بات میں اس لیے کہہ رہی ہوں کہ تو اپنی سادگی میں کسی سازش کا حصہ نہ بن جائے۔"

"میں سمجھ گئی۔ کسی سے کچھ نہیں کہوں گی۔ میں سمجھ گئی۔"

وہ اتنی گھبرا گئی تھی کہ ایک جملے کو بار بار دہرا رہی تھی۔ بی بی مالک نے اسے تسلی دی اور وہ رخصت ہو گئی۔ اس کے رخصت ہوتے ہی بی بی مالک کی کنیز محل سے نکلی اور ملک اسدالدین کے دروازے پر پہنچ گئی۔ محل کے دروازے پر کھڑے پہرے داروں نے اسے آسانی سے جانے دیا تھا۔ ملک اسدالدین کی خواب گاہ کا دروازہ بھی... بہ آسانی صرف ایک دستک پر کھل گیا تھا۔

"کہو گلاب جان، کیا خبر لائیں؟"

"خبر تو ایسی ہے سرکار کہ آپ خوش ہو جائیں گے۔"

"جلدی بتاؤ بات کیا ہے۔"

"گلبدن خاتون نامی ایک لڑکی بی بی مالک کے پاس آئی تھی۔"

"کون گلبدن خاتون؟"

"ان بازاری عورتوں میں سے ایک ہے جو بادشاہ کا دل بہلانے کے لیے مقرر ہیں۔ سنا ہے نئی آئی ہے اور ساقی گری کے فرائض آج کل اسی کے ہاتھ میں ہیں۔"

"اسے بی بی مالک سے کیا کام پڑ گیا؟"

"وہ یہ کہنے گئی تھی کہ بادشاہ سلامت بازاری عورتوں کے ہاتھوں بگڑتے جا رہے ہیں۔"

"اس کا مطلب ہے کہ یہ لڑکی مبارک شاہ کے خلاف ہے۔"

"یہ تو مجھے نہیں معلوم۔"

"اگر خلاف نہیں بھی ہے تو بھی ہمارے کام آ سکتی ہے۔"

ملک اسدالدین نے اپنے گلے سے ہار اتارا اور گلاب جان کی طرف اچھال دیا۔ "اب تم جاؤ۔ گلبدن خاتون کو ہم خود طلب کر لیں گے۔"

ملک اسدالدین شاہی خاندان کا فرد تھا۔ رشتے میں مبارک شاہ کا چچا ہوتا تھا۔ مبارک شاہ کی بے راہ روی کو دیکھتے ہوئے وہ دل ہی دل میں اپنی بادشاہت کے خواب دیکھنے لگا تھا اور چاہتا تھا کہ کسی طرح مبارک شاہ کو قتل کرا دے۔ ایک مرتبہ اس نے یہ جسارت کی بھی تھی لیکن وقت سے پہلے سازش پکڑی گئی تھی۔ گلبدن خاتون کے عزائم دیکھ کر اس کے دل میں شوقِ بادشاہت نے پھر کروٹ لی تھی۔

بازاری عورتوں سے حرم شاہی بھرا پڑا تھا۔ اتنی عورتوں میں گلبدن خاتون کی تلاش اور اسے اپنے حضور تک لے کر آنا آسان نہیں تھا لیکن اس کے لیے زیادہ مشکل بھی نہیں تھا۔ یہ کام اس وقت اور آسان ہو گیا جب گلبدن خاتون نے ایک نامور امیر عین الملک سے ملاقات کی۔ اس وقت اتفاق سے ملک اسدالدین بھی عین الملک کا ہم صحبت تھا۔ گلبدن خاتون مبارک شاہ کے سلسلے میں بات کرنے عین الملک کے پاس آئی تھی لیکن ظاہر ہے وہ اس کی حوصلہ

عزرائیل بھی کر سکتا تھا۔

"ہم ولی صاحب دیکھتے ہیں کہ زیادہ تر ہوں گی بادشاہ کی شہ پا کر ہم امیروں کی بے عزتی کر لیتا ہے لیکن ہم بادشاہ کے خوف سے خاموش رہتے ہیں۔ جب وہ ایسا ظالم ہے تو تم کیوں اپنی جان گنوا رہی ہو۔ اس ارادے سے باز آ جاؤ اور اگر تم نے اپنی اصلاح کر ہی لی ہے تو خاموشی سے الگ ہو جاؤ۔ کسی بیماری کا بہانہ کرو اور محل سے نکل جاؤ۔"

"اب مجھے کیا کرنا پڑے گا۔ میں نے خسرو کی والدہ سے بھی ملاقات کی تھی۔ مجھے تو وہ بھی بے بس نظر آئیں۔"

"خسرو خان کے علاوہ وہ کسی کی نہیں مانتے اور خسرو خان انہیں سیدھی راہ کیوں دکھائیں گے۔ انہیں اس راہ پر لانے میں خسرو خان ہی کا تو ہاتھ ہے۔"

"اس میں خسرو خان کا کیا مفاد ہے؟" گلبدن نے دریافت کیا۔

"اس محل کی دیواروں کے بھی کان ہیں بی بی۔ ورنہ یہ بات نکل ادھر پہنچ جاتی۔ اس لیے کسی بات پر [illegible] یہاں باتوں کے کئی مطلب ظاہر ہوتے [illegible] کیے جاتے ہیں۔"

گلبدن خاتون کی پالکی تیار کھڑی تھی۔ ادھر وہ پالکی میں بیٹھی ادھر ملک اسد اللہ نے اجازت چاہی۔ پالکی [illegible] کی طرف جا رہی۔

گلبدن خاتون [illegible] سواروں کی پالکی کے ساتھ [illegible] اور ایک [illegible] ہوئی تھیں۔ وہ اس وقت [illegible] ساتھ نہیں ہوتی تھیں ورنہ محافظ ان کے ساتھ ہی ہوتے تھے۔ انہوں نے سوچا کہ ان سواروں کو کیا ضرورت تھی کہ ساتھ چلنے میں [illegible] تھیں۔ اگر وہ کچھ کہتے ہیں تو پھر دیکھا جائے گا۔ ایک جگہ پہنچ کر ان سواروں نے پالکی اٹھانے والوں کو بائیں طرف مڑنے کا حکم دیا۔ "ہمیں تو بائیں طرف جانا ہے۔" پالکی اٹھانے والوں نے کہا۔

یہ سننا تھا کہ گلبدن خاتون پالکی سے باہر نکل آئی۔ وہ کوئی عام خاتون تو تھی نہیں کہ [illegible] کی بیٹی تھی پالکی سے [illegible] وہ بادشاہ کی [illegible] تھی۔ کسی کو کیا جرأت [illegible] پالکی [illegible] ہو گا۔

"کیا تم نے کوتوال کی اجازت لے لی ہے؟ تمہیں جرأت کیسے ہوئی کہ میری پالکی روکو۔"

"ہم واقعی بلا وجہ کوتوال کے آدمی نہیں ہیں۔ ہمیں اتنی جرأت بھی نہیں کہ اپنی مرضی سے آپ کی پالکی روکیں۔ ہم تو ملک اسد اللہ کے حکم پر آئے ہیں۔"

"کون ملک اسد اللہ؟"

"مبارک شاہ کے چچا۔"

"یہ حضرت ابھی تو ہم سے مل کر رخصت ہوئے ہیں۔ محل اللہ کے پاس یہ بھی تشریف فرما تھے۔ اب انہیں ہم سے کیا کام پڑ گیا؟"

"ہم تو نوکر ہیں وہ [illegible] آپ خود ان سے مل لیں۔ شاید اس میں آپ ہی کا کوئی فائدہ ہو۔"

"اگر اس وقت میں تمہارے ساتھ چلی گئی تو ملک اسد اللہ یہ سمجھے گا کہ میں اس سے ڈر کر بھاگی آئی ہوں۔ اس سے کہنا جب بھی آؤں گی اپنی مرضی سے آؤں گی۔"

گلبدن خاتون نے اپنے نوکروں سے کہا کہ پالکی اٹھائیں [illegible] ان کی شخصیت میں ایسا رعب تھا کہ سواروں کو کچھ کہنے کی ہمت نہیں ہوئی اور وہ [illegible] کے قدموں [illegible] گئے۔

[illegible]

"[illegible] زبردست۔ یہاں آنے والی بات کہیں اور نہیں جائے گی۔"

"آپ نے غلط سمجھا۔ میں مبارک شاہ کے خلاف نہیں ہوں۔ میں تو صرف یہ چاہتی ہوں کہ اسے بری عادتوں سے چھٹکارا مل جائے تاکہ وہ امور سلطنت کی طرف توجہ دے سکے۔ ایسا نہ ہو کہ ہمیں بھی مسلمانوں کی حکومت ہی کا خاتمہ ہو جائے اور کوئی راجا اس کی حکومت پر قابض ہو جائے۔"

"کسی راجا کی یہ مجال نہیں لیکن اتنا ضرور ہے کہ مبارک شاہ کو بادشاہ [illegible] سے چھٹکارا موت کے بعد ہی مل سکتا ہے۔"

"[illegible] کر رہے ہیں۔"

"[illegible] ایک [illegible] چکا [illegible] ہے۔"

"آپ جو کہیں گے، میں وہ کرنے کو تیار ہوں۔"

"تمہیں یقیناً ایک ایسا بادشاہ درکار ہوگا جو بری صحبتوں سے دور ہو اور مسلمانوں کے لیے بھلائی کے کام سوچے۔"

"میں تو یہی سوچ سکتی ہوں۔"

"تمہارا یہ ارادہ اسی وقت مکمل ہوسکتا ہے جب مبارک شاہ کی جگہ کوئی اور بادشاہ آجائے۔"

"اب خلجی خاندان کا کون بچا ہے؟"

"تم مجھے کیوں بھولے جاتی ہو۔ میں علاؤالدین خلجی کا چچازاد بھائی ہوں۔ کیا بادشاہت پر میرا حق نہیں؟"

"ہوگا مجھے اس سے کیا۔"

"اتنی بے نیاز نہ ہو۔ تم نے ایک سازش کی بنیاد رکھ ہی دی ہے تو اس کی تکمیل تک ساتھ بھی دو۔"

"میں نے کسی سازش کی بنیاد نہیں رکھی ہے۔"

"تم مبارک شاہ کو بڑی آسانی سے راستے سے ہٹا سکتی ہو۔"

"میں مبارک شاہ کو قتل کرنا نہیں چاہتی۔"

"ذرا سوچو اگر میں بادشاہ بن گیا تو تمہاری کیا شان ہوگی۔"

"شان کیا ہوگی، بس یہ فرق پڑے گا کہ مبارک شاہ کے بجائے آپ کی ساقی گری کررہی ہوں گی۔"

"یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ آپ ہمارے حرم میں داخل ہوجائیں اور ایک پاکیزہ زندگی گزاریں۔"

"ہماری ایسی قسمت کہاں۔"

"مایوس نہ ہو گلبدن خاتون۔" ملک اسدالدین نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ "تم نے توبہ کی ہے تو ہمارا بھی فرض ہے کہ تمہیں سہارا دیں۔ ہم تم سے وعدہ کرتے ہیں کہ بادشاہ بنتے ہی تم سے شادی کرلیں گے۔"

"میں بھلا مبارک شاہ کو کیسے قتل کرسکتی ہوں؟"

"تمہارے لیے یہ کام اس لیے آسان ہے کہ مبارک شاہ کے پیالے میں شراب تم ڈالتی ہو۔ تمہیں بادشاہ کے پیالے میں زہریلا سفوف ڈالنا ہوگا جو میں تمہیں فراہم کروں گا۔"

"بادشاہ کی موت کے بعد کیا یہ ثابت نہیں ہوجائے گا کہ شراب میں زہر ملایا گیا تھا۔ اس طرح میں مجرم ثابت نہیں ہوجاؤں گی؟"

"بادشاہ کی موت کو زہر خورانی کا سبب قرار نہیں دیا جاسکے گا۔"

"وہ کیسے؟"

''...یہ ہے کہ اس خوف سے کہ اٹھتے ہی بادشاہ بے ہوش ہو جائے... سے باخبر کردوں۔

ہو جائے گا۔ ان کے بے ہوش ہوتے ہی میرے آدمی اندر داخل ہوں گے۔ بادشاہ مقابلہ کرنے کے قابل نہیں ہو گا اور اسے قتل کر دیا جائے گا۔''

''آپ یہ کیوں بھول رہے ہیں کہ دروازے پر بادشاہ کے محافظ اور پہرے دار موجود ہوتے ہیں۔''

''ان سب کو تو ہٹا دیا ان سے متعلق کر دیا ہوا ممکن ہے۔ کچھ تو صرف دکھاوا ہے جو بتایا گیا ہے اور بادشاہ کے بے ہوش ہوتے ہی اندر داخل ہو کر اطمینان کر لیا ہوگا کہ بادشاہ سلامت بے ہوش ہو گئے ہیں۔ حکیم صاحب کو خبر دی جائے۔ میرے آدمی وہاں موجود ہوں گے تو تمہاری آواز پر بے حال ہوں گے۔ وہ اسعد کی طرف بھاگیں گے اور بادشاہ قتل کر دیے جائیں گے۔ پھر امیر کی امارت ہاتھ لیے ہوئے تخت پر بٹھا دیا جائے گا۔ کسی کو یہ شک نہیں ہو گا کہ شراب میں کچھ ملایا گیا تھا بلکہ یہ بغاوت سمجھا جائے گا۔ اگر بغاوت ناکام بھی ہوئی تو قسم، وہ تخم... گلبدن خاتون تم پر کسی کو شک نہیں ہو گا۔''

''یہ سب کچھ کب ہو گا؟''

''میں ان کی کہیں گی کہ تمہیں باخبر کر دوں گا۔''

''یہ کام جتنی جلدی ہو سکے اتنا اچھا ہے۔''

''بس دو ایک دن کی بات ہے۔''

ملک اسعد الدین نے زہریلا سفوف لا کر دے دیا کہ حفاظت سے رکھے اور جب اشارہ ملے تو مبارک شاہ کے پیالے میں اسے گھول کر پلا دے۔

ملک اسعد الدین نے اس سے شادی کا وعدہ کیا اور بہت سا انعام و اکرام دے کر رخصت کیا تو اپنی دانست میں گلبدن خاتون کو خرید لیا۔

گلبدن خاتون گھر چلی آئی لیکن وہ گھبرائی ہوئی تھی۔ یہ بات اتنی بڑی تھی کہ کسی سے مشورہ کر لیتی اور ایسی بھی نہیں تھی کہ چھوڑ دیتی۔ یہ ڈر بھی تھا کہ اگر وہ اس سازش پر عمل کر بیٹھی تو کسی نہ کسی دن قابو آ جائے گی۔ وہ یہ بھی چاہتی تھی کہ مبارک شاہ کو قتل کر دیا جائے لیکن وہ نادانستگی میں اس کے قتل کی سازش کا حصہ بن گئی اور اب سوچ رہی تھی کہ کیا کیا جائے۔ سوچتے سوچتے اس نتیجے پر پہنچی کہ اگر وہ اس سازش کا حصہ بنتی ہے تو بھی مبارک شاہ کی جان کو خطرہ ہے۔ ملک اسعد الدین نے یہ کام میرے سپرد کیا ہے اور میں نے انکار کیا تو وہ مجھے لے گا کیونکہ انکار کی صورت میں میری جان کو بھی خطرہ ہے۔ مبارک شاہ سے مرا ... ہو جاتا۔ اس نے بہت ہوا۔ اب یہ ضروری ہے کہ ... مبارک شاہ کو [illegible] ایک ایک لفظ کی داستان سنا دی۔

گلبدن خاتون کے لیے مبارک شاہ سے ملاقات کرنا مشکل نہیں تھا۔ اس سے پہلے کہ شام ہو جاتی اور محفل آراستہ ہوتی، گلبدن خاتون بادشاہ کی خدمت میں پہنچ گئی اور ملک اسعد الدین سے ہونے والی گفتگو سے بادشاہ کو آگاہ کر دیا۔

شاہی محل میں ہونے والی ہر گفتگو کسی نہ کسی سازش کا حصہ سمجھی جاتی تھی۔ ابھی کچھ عرصہ پہلے ہی جو کچھ ہوا تھا اس کے بعد کسی کی ہمت نہیں تھی کہ کوئی ایسی بات کہنے کی جرأت کرتا۔ سب وہ تھے جو بادشاہ کے بہت قریب تھے۔ گلبدن خاتون نے یہ راز کھول کر خود مصیبت مول لے لی تھی۔ بادشاہ خود بھی کسی سازش کا حصہ بن رہا تھا۔

مبارک شاہ نے ایک حکم کے ذریعے گلبدن خاتون کو معزول کر کے قید خانے میں ڈال دیا اور اس کے بیان کی روشنی میں تحقیقات کا ارادہ کیا۔

اس نے خسرو خاں کو طلب کیا اور اس واقعے کی تفتیش اس کے سپرد کر دی۔ خسرو خاں کے تو چھکے چھوٹ گئے۔ وہ اس سازش کی آڑ میں اپنے مقاصد حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اس نے دکھانے کے لیے گلبدن خاتون سے ملاقات کی اور پھر ملک اسعد الدین کی خدمت میں پیش ہوا۔

خسرو خاں اس سازش میں ملک اسعد الدین کے ساتھ ملا ہوا تھا۔

''آپ نے ایک عورت کو اپنے ساتھ ملانے کی ضرورت کیا تھی؟''

''یہ کام وہی کر سکتی تھی۔''

''آپ نے مجھ سے مشورہ کر لیا ہوتا۔ میں کوئی اور راستہ نکال لیتا۔''

''اب اسعد ملک کی تحقیق تو آپ کے ہاتھ میں ہے۔''

''دکھانے کے لیے کارروائی تو کرنا ہی پڑے گی۔''

''تو پھر ہو جائے گا۔''

''مگر آپ کا نام نہیں آنے دوں گا، آپ بے فکر رہیں۔''

خسرو خاں جب ملک اسعد الدین سے ملاقات کے بعد واپس آ رہا تھا تو آگے پیچھے کی تدابیر اس کے ذہن میں گردش کر رہی تھیں۔ وہ نام بھی اسے معلوم تھے جو اس سازش میں ملک اسعد الدین کے ساتھ شامل تھے۔ ان ناموں کے سر پر تلوار لٹک رہی تھی اور وہ بچ نکلتے تو کسی اور کے لیے خطرہ بن سکتے تھے۔ اس وقت وہ جس کا بھی نام لیتا...

''میں نے پوری تحقیق کرلی ہے۔ آپ کو یہ سن کر رنج ہوگا کہ یہ سازش کہیں باہر سے نمودار نہیں ہوئی، یہ آپ کے خاندان کے بااثر افراد سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کا سلسلہ آپ کے بھائیوں شہزادہ خضر خاں اور شادی خاں سے لے کر ملک اسدالدین تک پھیلا ہوا ہے۔''

''ملک اسدالدین!'' مبارک شاہ نے تعجب سے پوچھا۔

''ہاں گلبدن نے آپ کو جو کچھ بتایا ہے، وہ درست ہے۔''

''اس کا مطلب ہے، وہ بے قصور ہے؟''

''بے قصور وہ بھی نہیں ہے۔ وہ آپ کی شکایت لے کر آپ کی والدہ کے پاس گئی تھی۔ عین الملک کے پاس گئی تھی اور انہیں آپ کے خلاف بھڑکانے کی کوشش کی تھی۔ ملک اسدالدین کے پاس خود چل کر گئی تھی اور آپ کے دشمنوں کو قتل کرنے کی ہامی بھری تھی۔ پھر شاید وہ ڈر گئی اور وقت سے پہلے رز افشا کردیا۔ اس کی سانسیں اس لیے چھین لینا ضروری ہیں کہ وہ خطرناک عورت ہے۔ کسی اور وقت کسی اور کے ساتھ مل کر تاریخ دہرا سکتی ہے۔''

خسرو خاں نے ملک اسدالدین کو مطمئن کرنے کے لیے اس سے وعدہ کرلیا تھا کہ اس سازش میں اس کا نام نہیں آنے دے گا لیکن پھر اس نے سوچا ملک اسدالدین کو زندہ چھوڑنا ٹھیک نہیں۔ اس لیے کہ وہ بھی شاہی خاندان کا ہی ایک فرد تھا۔ جب تک شاہی خاندان کا ایک بھی فرد زندہ رہے گا میرے مقاصد ادھورے رہیں گے۔

ملک اسدالدین کے پاس فرار ہونے کے لیے بہت وقت تھا لیکن خسرو خاں نے اس سے وعدہ کرلیا تھا کہ وہ اس کا نام درمیان میں نہیں آنے دے گا اس لیے وہ مطمئن تھا۔ اسے تو ہوش اس وقت آیا جب فوج کے ایک دستے نے اس کے محل کا محاصرہ کرلیا۔ وہ نادان اس وقت بھی یہی سمجھ رہا تھا کہ یہ خسرو خاں کی کوئی چال ہوگی۔ وہ مجھے دکھاوے کے لیے گرفتار کررہا ہے۔ مقدمہ چلے گا اور اسے چھوڑ دیا جائے گا۔

خسرو خاں نے اس کے قتل کا پروانہ پہلے ہی حاصل کرلیا تھا لہٰذا گرفتار کرنے کی تھوڑی دیر بعد ہی اسے قتل کردیا گیا۔ اس کے علاوہ بیس دوسرے افراد بھی جو اس کے ساتھی تھے، موت کے گھاٹ اتار دیے گئے۔ ان لوگوں میں کچھ بے گناہ بھی تھے اور وہ دہلی سے کبھی باہر نہ نکلے تھے۔

مبارک شاہ کے ذہن میں یہ بات بٹھا دی گئی تھی کہ

اس سازش کے وقت جعفر خان، ابن شادی خان، نیز ابن بغداوی سے دو دارالحکومت کے بجائے گوالیار کی طرف روانہ کیے گئے تاکہ گوالیار میں تینوں شہزادے جعفر خان، شادی خان اور شہاب الدین قید تھے۔ تینوں شہزادے بصارت سے محروم کر دیے گئے تھے۔ مبارک شاہ کے مخصوص ہدایت کے مطابق شادی کو ہ کے ہاتھوں انہیں قتل کرا دیا۔ شادی کو ہ نے انہیں قتل کیا اور ان کے بیوی بچوں کو لے کر دہلی آ گیا۔

اس سازش سے نمٹنے کے بعد وہ گجرات کی طرف متوجہ ہوا۔ الغ خان کے قتل کے بعد سے ہی گجرات کے حالات بگڑنا شروع ہو گئے تھے۔ کئی مرتبہ ان حالات کو سدھارنے کی کوشش کی گئی لیکن حالات بگڑتے ہی چلے گئے۔ اور اب تو یہ خبریں آ رہی تھیں کہ گجرات کے ہاتھ سے نکل جانے کی [illegible] پیدا ہو گئی ہیں۔

اس بغاوت کو کچلنا بہت ضروری تھا ورنہ سلطنت کو [illegible] خطرے میں پڑ جاتا۔ اس نے عین الملک ملتانی کو ایک زبردست فوج کا سردار بنا کر گجرات روانہ کیا۔ عین الملک علاؤالدین خلجی کے معتبر سرداروں میں سے تھا۔ علائی عہد میں اس نے بڑے بڑے معرکے سر کیے تھے۔ اس معرکے میں بھی وہ سرخرو ہوا۔ گجرات پہنچ کر باغیوں کو شکست دی اور نہروالا اور گجرات کے مختلف علاقوں [illegible] مبارک شاہ کی سلطنت میں شامل کیا۔ قریب و جوار کے زمینداروں کو بادشاہ کا اطاعت گزار بنا دیا اور واپس آ گیا۔

[illegible] کی مخالفت [illegible] سلطنت کے کاموں [illegible] مبارک شاہ [illegible] خراب ہے [illegible] اور [illegible] حیرت [illegible] تھی۔ [illegible] اس کی [illegible] کسی [illegible] نے بغاوت کا راستہ نہیں اپنایا اس کے کسی دوسرے نے حکومت پر قبضہ کرنے کا ارادہ نہیں کیا۔ اس کی سلطنت کو کسی آسانی سے [illegible] نے نہیں گھیرا۔ اس کے برخلاف اگر کوئی فتنہ پیدا بھی ہوا تو اس کے خاتمے کے لیے علاؤالدین خلجی کے دور کے قدیم تجربہ کار موجود تھے۔

عین الملک بھی انہی چند گنے چنے سرداروں میں سے ایک تھا جس نے گجرات سے واپس آتے ہی اپنی فتح کو اس کے قدموں میں رکھ دی۔

"حضور والا تبار کے اقبال بلند کے طفیل گجرات کی بغاوت کا سر کچل دیا گیا ہے۔ وہ سردار جن کی وجہ سے بغاوت کا خطرہ تھا وہ یا تو مارے گئے یا دوسرے علاقوں کی طرف بھاگ گئے ہیں۔ اگر حضور کی اجازت ہو

اور گجرات کی حکومت کسی [illegible] کے سپرد کر دی جائے تو پھر [illegible] گجرات دوبارہ نہیں نکل سکے گا۔"

"تمہاری رائے بہت مناسب ہے۔ ہم تم سے کسی اور وقت ملاقات کر کے تفصیل معلوم کریں گے۔"

عین الملک اس کے پاس سے اٹھ گیا لیکن وہ بے حد مغموم اور حیران تھا کہ اس وقت اسے باریابی کا شرف دیا گیا [illegible] اس نے گجرات کی بغاوت میں کتنی دلچسپی لی۔ کیا ہم جیسے سرداروں کی قربانیاں اسی طرح ضائع ہوتی رہیں گی؟ عین الملک کو اس کا جواب اس وقت مل گیا جب اس نے چند لڑکیوں کو سازندوں کے ہمراہ مبارک شاہ کی نشست گاہ کی طرف جاتے ہوئے دیکھا۔

"جب دولتمندوں کے دربار طوائفوں کے گھنگھروؤں سے گونجنے لگیں تو سمجھو زوال لازمی ہے۔" عین الملک نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور اپنے محافظوں کے ہمراہ روانہ ہو گیا۔

☆☆☆

مبارک شاہ کی خلوت گاہ میں اس وقت اس کے ایک [illegible] غلام [illegible] کے سوا کوئی موجود نہیں تھا۔ یہ غلام مبارک شاہ کے باپ علاؤالدین خلجی کے دور میں [illegible] وہ بازار [illegible] اس کی کوئی خاص حیثیت نہیں تھی لیکن ایک دن اچانک اس کے حسن و جمال پر مبارک شاہ کی نظر پڑ گئی۔ [illegible] پر فریفتہ ہو گیا۔ اسے "خسرو خان" کا خطاب دیا اور ہر وقت اسے ساتھ رکھنے لگا۔ اس وقت بھی [illegible] مبارک شاہ نے [illegible] کا [illegible] دیا۔

"یہ سلطان [illegible] ایک [illegible] حسام [illegible] کا نام تھا۔"

"مجھے یاد ہے سرکار۔"

"وہ جس نے اپنی [illegible] قتل کر دیا [illegible] کے نانا [illegible] کر دیا تھا۔"

"مجھے وہ بھی یاد ہے سرکار۔"

"اب اس کی اتنی ہمت ہو گئی کہ اس نے [illegible] کو شہر سے نکال دیا اور خود [illegible] کے علاقے کے کاموں میں مشغول ہو گیا ہے۔ دوسرے لفظوں میں [illegible] ہمارے ہاتھوں سے نکل گیا ہے۔"

"اس سے بڑی [illegible] کی بات ہے [illegible] سردار [illegible] کی طرف روانہ

کر دیجیے۔"

"یہ اتنا معمولی معرکہ نہیں جتنا تم سمجھ رہے ہو۔ اس قبضے سے نمٹنے کے لیے مابدولت کو خود جانا ہوگا۔"

"اس طرح تو سلطنت کے کاموں میں رخنہ اندازی ہوگی۔"

"اس رخنہ اندازی کو سنبھالنے کے لیے تم جو موجود ہو۔" مبارک شاہ نے اس کے رخساروں پر بڑے پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"میں؟"

"ہاں تم۔ میری غیر موجودگی میں دہلی میں رہو گے اور میرے نائب کے طور پر کام کرو گے۔ خزانے تمہارے سپرد ہوں گے۔ تمہارا حکم، حکم شاہی ہوگا۔ تمام امراء تمہارے ماتحت ہوں گے۔"

"بندہ تو آپ کا غلام ہے۔ آپ کے حکم پر سر کٹانے کو تیار ہے لیکن تجربہ کار امراء مجھے اپنا آقا ماننے کو تیار ہوجائیں گے؟"

"کس کی مجال ہے جو میرے حکم کو ماننے سے انکار کرے۔"

"انکار کرنے کی جرأت تو کسی میں نہیں ہوگی لیکن یہ فیصلہ دل سے کوئی تسلیم نہیں کرے گا اور ممکن ہے ان کی یہ بے دلی کسی فتنے کا باعث بن جائے۔"

"ان فتنوں کا سدباب کرنا ہی تمہارا کام ہوگا۔"

مبارک شاہ اپنی جوانی اور مستی کے نشے میں ایسا مدہوش تھا کہ اس نے کسی بڑے سردار یا تجربہ کار امیر کو دہلی میں اپنا نائب نہیں بنایا بلکہ ایک غلام بچہ کو بلند مرتبہ عطا کیا اور انتہائی بے باکی اور بے التفاتی کے ساتھ دہلی اور شاہی خزانے اس کے سپرد کردیے اور اپنی غیر موجودگی کے زمانے کے لیے اس کو نائب مقرر کردیا۔ جوانی اور مستی کے غلبے کی وجہ سے مبارک شاہ کے دل میں کسی حادثے اور فتنے کا خیال تک نہیں آیا جو بادشاہ کی عدم موجودگی میں واقع ہوسکتے تھے۔

سلطان قطب الدین مبارک شاہ امراء وملوک کے ساتھ دیوگڑھ پر لشکرکشی کے لیے روانہ ہوا۔ دہلی سے چلا اور متواتر کوچ کرتا ہوا دیوگڑھ کی حدود تک پہنچ گیا۔

ابھی مبارک شاہ نے دیوگڑھ کے دروازے پر دستک بھی نہیں دی تھی کہ اس کی فوج کی کثرت اور جنگی سازوسامان کی شہرت ہرپال دیو کے کانوں تک پہنچ گئی۔ اس نے ان ہندو سرداروں کو طلب کیا جن کے ساتھ مل کر اس نے دیوگڑھ پر قبضہ کیا تھا۔

"آپ لوگوں نے غلط اطلاعات پر بھروسا کیا اور مطمئن ہوکر بیٹھ گئے۔"

"مہاراج! آپ کس اطلاع پر بھروسے کی بات کررہے ہیں؟"

"اطلاعات تو یہ آئی تھیں کہ مبارک شاہ کو عیش وعشرت کی محفلوں ہی سے فرصت نہیں۔ بدکار عورتوں کی صحبت ہی سے وقت نہیں ملتا۔ سلطنت کے کاموں کے لیے وقت ہی نہیں ملتا اور تم دیکھ رہے ہو اس نے لشکر کسی امیر کی سربراہی میں روانہ نہیں کیا بلکہ لشکر لے کر خود ہی دیوگڑھ پہنچ گیا۔"

"ہماری اطلاع غلط نہیں تھی۔" ہندو سرداروں نے کہا۔ "اس کا ثبوت یہ ہے کہ اس کے لشکر میں ناچنے گانے والی عورتوں کی بڑی تعداد موجود ہے جنہیں وہ دہلی سے ساتھ لے کر یہاں تک پہنچا ہے۔ ہماری اطلاع تو یہ بھی ہے کہ وہ خود بھی عورتوں کی طرح بناؤ سنگھار کرنے لگا ہے۔ انھی کی طرح زیورات پہنتا ہے۔"

"ایسا شخص ہم سے کیا جنگ کرے گا۔"

"ہمیں اس سے نہیں اس کے لشکر سے سامنا ہے۔ وہ اتنا بڑا لشکر لے کر آیا ہے کہ ہمارا اس سے کوئی مقابلہ ہی نہیں۔"

"تو کیا ہم مقابلہ کیے بغیر ہی دیوگڑھ اس کے حوالے کردیں؟"

"اس سے جنگ کیے بغیر ہم نے دیوگڑھ پر قبضہ کیا تھا۔ جنگ کیے بغیر اگر دیوگڑھ اس کے حوالے کردیں تو کوئی حرج نہیں۔"

ہرپال دیو خاموشی سے سب کی باتیں سنتا رہا تھا۔ اسے ان سرداروں کی بزدلی پر سخت غصہ تھا۔ اس نے جس مشکل سے دیوگڑھ پر قبضہ کیا تھا اب اسے گوارا نہیں ہورہا تھا کہ اتنی آسانی سے اسے ہاتھ سے نکال دے۔ اس نے تمام سرداروں پر زور دیا کہ وہ بھرپور مقابلے کی تیاری کریں۔ ان سرداروں نے اس سے اتفاق بھی کیا اور اپنے اپنے لشکر جمع کرنے کا وعدہ کرکے اس کے پاس سے اٹھ گئے۔

ہرپال دیو اس امید میں رات بھر جاگتا رہا کہ صبح ہوتے ہی مبارک شاہ سے مقابلے کے لیے نکلے گا لیکن ابھی صبح نمودار نہیں ہوئی تھی کہ اسے ہندو سرداروں کے فرار کی خبریں ملیں۔ سلطانی افواج کے مقابلے کی تاب نہ لاکر اس کے سردار بھاگ کھڑے ہوئے۔ اب اسے اپنی جان کا خطرہ ہوا۔ اس نے بھی اسی میں عافیت سمجھی اور دیوگڑھ چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا۔

مبارک شاہ کو جنگ کرنے کی ضرورت ہی نہیں

ہری پال دیو گڑھ کا قلعہ کرنے سے چند روز میں تمام کیا اور پھر مرہٹوں کی دوسری جماعتوں کے ہمراہ ہری پال دیو کی گرفتاری کے لیے اس کے تعاقب میں روانہ کیا۔ ان امیروں نے بڑی ہمت اور کوشش کر کے ہندوؤں کی بھاگتی ہوئی فوج کو قتل کیا اور ہری پال دیو کو زندہ گرفتار کر کے مبارک شاہ کے روبرو پیش کر دیا۔

مبارک شاہ نے نفرت کی ایک نظر اس پر ڈالی اور اس کے قتل کا حکم جاری کر دیا۔

''ہری پال کی کھال کھینچ کر اس کا سر دیوگڑھ کے قلعے کے دروازے پر لٹکا دیا جائے۔''

قریب تھا کہ وہ اس عظیم الشان فتح کے بعد دہلی واپس ہوتا لیکن امڈتے ہوئے بادلوں نے اس کے ارادوں کو روک دیا۔ بارش کے ساتھ آتے ہوئے سازندوں نے ساز چھیڑے اور رقاصاؤں نے گھنگرو باندھے۔ امرا کو بھی وہ خوشی ہوئی۔ خوب صورت عورتیں ساقی گری کے لیے حاضر ہو گئیں۔ شراب کا دور چلا تو بادلوں نے رقاصاؤں کے استقبال کے لیے رقص شروع کر دیا۔ بادشاہ نے اسی وقت ایک عجیب حرکت کی۔ اس نے رقاصہ کا ہاتھ پکڑا اور محل کی چھت پر آ گیا۔ یہ وہ محل تھا جس پر بادشاہ کا سب سے دوسرے لوگ اس کا ساتھ نہ دے سکے۔ بڑے بڑے امرا بادشاہ کے ساتھ ساتھ ان ہواؤں کا ساتھ دینے پر مجبور تھے۔ مبارک شاہ کی محفل رقص کھلے آسمان کے نیچے رات گئے تک جاری رہی۔

رات بھر کی بارش نے ہر طرف جل تھل کر دیا تھا۔ اس علاقے میں شدید بارشیں ہوا کرتی تھیں۔ ندی نالے دریا سب بھر جاتے تھے۔ راستے بند ہو جاتے تھے۔ امرا کو فکر لاحق ہوئی کہ اگر بادشاہ نے کچھ دن اور قیام کیا تو سب دریا بھر جائیں گے اور مہینوں تک یہیں رکنا پڑ جائے گا لہٰذا بادشاہ کو جلد واپسی کا مشورہ دینا چاہیے۔ چند امرا بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واپسی کا مشورہ دینے کی جسارت کی۔

''حضور دیوگڑھ کی بارشیں بہت مشہور ہیں۔''

''دیکھتے نہیں، ہر جانب کا آسمان ہی دھل رہا ہے۔ گھٹاؤں کا رنگ کیسا ہے اور بارش کا نظارہ کیسا ہے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ بجلی رقاصاؤں کی طرح کا رقص کر رہی تھی۔''

''وہ تو سب ٹھیک ہے حضور لیکن چند روز اور بارش ہوتی رہی تو راستے مسدود ہو جائیں گے، پھر یہاں سے دہلی پہنچنا مشکل ہے۔''

''دہلی میں ایک بغاوت کہاں ہو سکتی ہے، ہمیں اس کے ایک ایک لمحے سے خطرہ محسوس ہو رہا ہے۔'' اس کے بعد کسی کو مہ جبینوں سے واپسی کی بات کرتے۔

وہی ہوا جس کا اندیشہ ظاہر کیا گیا تھا۔ واپسی کے راستے بند ہو گئے اور مبارک شاہ کو تقریباً ایک مہینے تک دیوگڑھ میں ٹھہرنا پڑا۔ اس نے اپنے دوران قیام میں مرہٹوں کی پوری طرح قبضہ کر لیا اور دیوگڑھ میں ایک عالی شان مسجد تعمیر کرائی اور دیوگڑھ کی وزارت ملک یک لکھی کے سپرد کی جو علاؤالدین کے غلاموں میں سے تھا۔

خسرو خاں کو اس نے چتر عنایت کیا اور قرب و منزلت میں اس کا مرتبہ ملک نائب سے بھی زیادہ بڑھا دیا۔ وہ عشق پرستی میں مبتلا ہو کر خسرو خاں کے ناز اٹھانے لگا۔ وہ خسرو خاں پر اس سے بھی زیادہ دیوانہ ہو گیا جتنا اس کا باپ علاؤالدین ملک نائب پر تھا۔ یہی کیا ملک نائب نے اس کے باپ کے ساتھ کیا تھا اور ملک نائب کے ہاتھوں اس کے خاندان کی آبرو گئی تھی۔

مبارک شاہ کے باپ علاؤالدین خلجی نے ملک نائب کو لامحدود اختیارات دے رکھے تھے اور لشکر کا سردار بنا کر دور دراز کے علاقوں میں فتوحات حاصل کرنے کے لیے بھیج رکھا تھا۔ دیوگڑھ کے شدید ماحول میں مبارک شاہ کو بھی یہی تاریخ دہرانے کی سوجھی۔ ایک دن عالم مستی میں خسرو خاں کو لوا اور چتر عطا کر کے مالابار کی طرف روانہ کیا۔

مبارک شاہ کی آنکھوں پر ایسا پردہ پڑا تھا کہ اس کے ذہن میں یہ بات کسی طور پر نہ آئی کہ سلطان علاؤالدین کی ملک نائب پر عنایات کا کیا انجام ہوا۔ اس کو مرتبہ دینے اور لشکر کا سردار بنانے اور دور دراز کی مہم پر بھیجنے کا کیا نتیجہ ہوا۔ خسرو خاں کو بلند مرتبہ اور خطاب دینے اور دور دراز کی مہم پر لشکریوں کے ساتھ روانہ کرنے کا انجام سب کا کیا نتیجہ ہوگا۔

مبارک شاہ کی بہت سی نادانیوں میں سے ایک نادانی یہ بھی تھی کہ وہ جوانی کی مستی اور عشق پرستی میں خسرو خاں کی غداری اور خباثت کو دیکھ ہی نہ سکا۔ وہ خسرو خاں کو معشوق سمجھ کر بادشاہ ہوتے ہوئے اس کا عاشق زار بنا ہوا تھا۔ خسرو خاں کا حال یہ تھا کہ جو کام عورت کی طرح اپنا جسم بادشاہ کے حوالے کرتا رہتا تھا لیکن دل میں سوچتا رہتا تھا کہ کب موقع ملے اور کب وہ اسے قتل کر دے۔ [illegible] اس کی [illegible] کا

پیٹ کبھی نہیں بھرتا۔ بادشاہ نے خسرو خاں کو سیاہ سفید کا مالک بنایا ہوا تھا لیکن اس کا حال یہ تھا کہ بادشاہ کو قتل کر کے خود بادشاہ بننا چاہتا تھا۔ اس نے دیوگڑھ سے نکلتے ہی خفیہ مشورے شروع کر دیے۔

خسرو خاں کا یہ اعزاز و مرتبہ کسی کو بھی ایک آنکھ نہیں بھا رہا تھا۔ خوفِ شاہی سے آوازیں پست ہو رہی تھیں لیکن خاموشی باتیں کر رہی تھی۔ اندر ہی اندر بادشاہ کے خلاف رائے ہموار ہو رہی تھی۔ چند امرا یہ طے کر چکے تھے کہ مبارک شاہ کے خلاف بغاوت برپا کر کے اسے تخت سے اتار دیا جائے۔ دیوگڑھ میں ان دنوں عجیب و غریب پراسرار سرگرمیاں دیکھنے میں آ رہی تھیں۔ راتوں کو خفیہ اجلاس ہو رہے تھے۔ مبارک شاہ تو غفلت کی نیند سویا ہوا تھا لیکن اس کے خلاف باغیوں کا ایک گروہ پوری طرح سرگرمِ عمل تھا۔ بغاوت کے آثار پیدا ہو گئے تھے، صرف طریقہ کار تلاش کیا جا رہا تھا۔ اسی اثنا میں بادشاہ نے دہلی واپسی کا ارادہ کر لیا۔

مبارک شاہ اپنے لشکر کے ساتھ دہلی کی طرف روانہ ہوا۔ باغیوں کا یہ گروہ بھی ان کے ساتھ تھا اور تاک میں تھا کہ موقع ملے اور وہ مبارک شاہ کو قتل کر دیں۔

یہ باغی سفر کے دوران مشاہدہ کر رہے تھے کہ وہ شراب خوروں کے ساتھ مستی کر رہا ہے۔ جو عورتیں بے حیائی کے لباس میں اس کے ساتھ ہیں ان سے بے حجابانہ ہنسی مذاق کرتا جا رہا ہے۔ ایسے غافل کو قتل کرنے کے لیے دس بارہ افراد ہی کافی ہو سکتے تھے لیکن خطرہ تھا تو اس کے محافظوں سے جو اس کے ساتھ ساتھ لگے چل رہے تھے۔

باغیوں کے لیے سخت مشکل تھی لیکن جب بادشاہ نے یہ اعلان کیا کہ وہ ساگون کی گھاٹی سے نکل کر منزل کرے گا تو باغیوں نے امیدیں باندھ لیں اور یہ طے ہوا کہ مبارک شاہ جب ساگون کی گھاٹی سے گزرے اور حرم سرا میں جائے تو اس پر حملہ کر دیا جائے۔ اس وقت سلاح داروں میں سے کوئی اس کے ساتھ نہیں ہوگا لہٰذا دس بارہ آدمی ہی بادشاہ کو قتل کرنے کے لیے کافی ہوں گے۔

اس رات کو جب سلطان گھاٹی ساگون میں منزل کرنا چاہتا تھا اور باغی اسے قتل کرنے والے تھے، ان باغیوں میں سے ایک شخص سلطان کے پاس آیا اور بغاوت کے منصوبے اور باغیوں کے فتنہ بپا کرنے سے متعلق مشوروں کا مفصل حال اس کے سامنے عرض کیا۔ دوسرے لفظوں میں بغاوت کی پول کھول دی۔ بادشاہ کی قسمت میں ابھی موت نہیں لکھی تھی کہ یہ منصوبہ تکمیل سے پہلے منظرِ عام پر آ گیا۔ وہ جہاں تھا، وہیں ٹھہر گیا۔ اسی رات اس نے ان تمام لوگوں کو گرفتار کر لیا جو اس بغاوت میں شامل تھے اور درگاہِ سلطانی کے سامنے سب کی گردنیں اڑوا دیں۔

وہ فسق و فجور پر اتنا دلیر ہو گیا تھا کہ جیسے ہی اسے معلوم ہوا کہ اس کی عیش پرستی اور شراب خوری کی وجہ سے اس کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا گیا تھا، اس نے اپنی اصلاح کے بجائے اور شدت سے خود کو عیش و نشاط میں ڈبو لیا۔ اسی مقام پر اس نے اپنی کامیابی کا جشن منایا۔ اس جشن کو اس نے ''جشنِ حیات'' کا نام دیا کیونکہ اسی مقام پر اسے دوسری زندگی ملی تھی۔ تین دن تک مسلسل شراب کے دور چلتے رہے۔ ''گھاٹی ساگون'' میں شیطان رقص کرتا رہا۔ بدکار عورتوں کو اجازت تھی کہ جس امیر کو جس طرح چاہیں بے عزت کریں۔ یہ عورتیں اتنی گستاخ ہو گئی تھیں کہ خود بادشاہ کے ساتھ شوخی کے ساتھ پیش آتی تھیں تو امیر کس گنتی میں تھے۔

فتح کے غرور میں مبتلا مبارک شاہ دیوگڑھ سے دہلی پہنچا تو ہر طرف اس کی خوش بختی کا شور مچا ہوا تھا، اس نے دیکھا کہ گجرات اور دیوگڑھ فتح ہونے اور اس کے خلاف ہونے والی بغاوت ایک ہی دن میں فرو ہو جانے سے اس کے رعب میں اضافہ ہو گیا ہے۔ جو اراکینِ سلطنت اسے نااہل سمجھنے لگے تھے، اس کی اہلیت کے قائل ہو گئے ہیں۔

ملوک و امرائے علائی جو اس کے باپ کی ملازمت میں تھے اس کے مطیع و فرماں بردار ہو گئے۔ جب اس نے دیکھا کہ تمام امراء اور باج گزار حاکم اس کی اطاعت اور فرماں برداری کا دم بھرنے لگے ہیں اور حکومت کے تمام مدعی قتل کیے جا چکے ہیں تو شراب اور غرور کے نشے میں کچھ ایسا مست ہوا کہ احتیاط اور عاقبت اندیشی کا دامن چھوڑ کر بے احتیاطی اور غفلت کو اپنا شعار بنا لیا۔ اس کی تمام اچھی عادتیں غیظ و غضب، فحاشی اور ظلم میں تبدیل ہو گئیں۔ وہ ناحق لوگوں کو قتل کروانے لگا۔ منطق یہ تھی کہ اس طرح لوگوں پر اس کا رعب طاری ہوگا۔ اسے کسی کی پروا نہ رہی۔ نہ کسی ہمدرد اور بہی خواہ کے کسی مشورے پر عمل کرتا اور نہ ہی کسی وفادار امیر کی کوئی گزارش سنتا۔ اگر کوئی امیر، بادشاہ کی خیر خواہی میں کوئی بات بادشاہ کی رائے کے خلاف کہتا تو مبارک شاہ نہ صرف یہ کہ اس کی رائے کو رد کر دیتا بلکہ اسے خوب جی بھر کے گالیاں بھی دیتا۔ رفتہ رفتہ یہ حال ہو گیا کہ کسی حاشیہ نشیں کو یہ جرأت نہ ہوتی تھی کہ وہ مختلف اشارے

کہا جاتا ہے بادشاہ کی غیر حاضری کا موقع ملتے ہی
اس نے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہر طرح کا حیا بھی بالائے طاق رکھ دیا اور ان کی جگہ بے ہودہ عادات اختیار کر لیں۔ اس کا قصر وزارت چند روز میں اپنے شباب پر پہنچ گئی اور بے گناہوں پر طرح طرح کے مظالم ڈھانے شروع کر دیے۔

اس کی ان ہی ظلم کا پہلا نشانہ ظفر خان والی گجرات تھا جسے اس نے بغیر کسی جرم یا تحقیقات کے اطلاع قتل کروا دیا۔ اسے یہ خیال بھی نہ آیا کہ ظفر خان کی بیٹی کو وہ اپنی بیوی بنا کے بیٹھا ہے جس کا ایسا تھا کہ اپنی حکومت کی وجہ کو تر اپنے ہی ہاتھ سے کر دیا۔

جب ظلم و زیادتی کا سلسلہ حد سے بڑھ جائے تو شہر کے در و دیوار پر آسمانی بلاؤں کی بارش ہوتی ہے۔ یہی اس دربار میں بھی ہوا تھا۔ بادشاہ کے کان کے کچے اور خسرو نے دلوں کی بات لی تھی۔ صاحبان جبہ و دستار بھی ہو رہا تھا۔ سب سے زیادہ خسرو اپنی بادشاہی محبوبوں اور بھانڈوں سے تھا جن سے مبارک شاہ کا جی بھر گیا تھا اور جن کی گالیاں جو دوستوں میں جو وقت گزار رہی تھیں۔ ان بازاری لوگوں کا آپس کا حسد بھی اس ریاست کی تباہی کا سبب بنا۔ ایک شاعر ... جن کا نام شاہی تھا اور ... کے ساتھ ہوتے ہوئے مبارک شاہ نے اپنا نائب بنا کر دہلی میں چھوڑا تھا۔ یہ بڑا امیر تھا جس کی گرفت اس کی آواز میں بہت سخت ہوتی تھی۔ بادشاہ گجرات سے ایک مسخرہ اپنے ساتھ لایا تھا جسے دربار میں انتہائی مقبولیت حاصل ہو گئی تھی کہ بڑے بڑے امیروں کی بے عزتی کر دیا کرتا تھا۔ ایک روز اس کے مذاق کا نشانہ ملک شاہین بھی بن گیا۔ ملک شاہین نے اسے اس کی حیثیت یاد دلا دی۔ جس پر وہ غضب ہو گیا۔ دونوں میں لڑائی شروع ہو گئی۔ اس مسخرے نے مبارک شاہ کے ایسے کان بھرے کہ مبارک شاہ کے فرمان سے اس بے گناہ کو قتل کروا دیا گیا۔ ملک شاہین کا قتل کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا۔ لوگ یہ کہہ کر خبردار کرنے لگے کہ ایک مسخرے کے کہنے پر بادشاہ نے جو امیر قتل کر سکتا ہے تو دوسروں کی کیا حیثیت ہے۔ یہ بڑی تکلیف دہ صورت حال تھی کہ دربار میں موجود بھانڈوں اور مسخروں کی خوشامد میں دن گزارے جا رہے تھے۔ یہ خیال رکھا جاتا کہ وہ ناراض نہ ہو جائیں۔ لوگ ان مسخروں کو خوش رکھ کر بادشاہ کو خوش کرنے کی کوشش کرنے لگے۔

مبارک شاہ کی حرکتیں صاف ظاہر کر رہی تھیں کہ اس کا زوال قریب ہے لیکن کسی میں کہنے کی ہمت نہیں تھی۔ وہ ایسی

کی توجہ اس طرف مبذول کراتا۔ مگر مبارک شاہ ایسا خود سر ہو گیا تھا کہ اس پر کسی کی نصیحت اثر انداز نہیں ہوتی۔ وہ ہر طرح کی بیماری تھی۔ اس کی مستیاں اور بد اعمالیاں روز بروز بڑھتی ہی جا رہی تھیں۔ وہ یہ بھی چاہتا تھا کہ اس کی زبان سے جو نکلے اس پر فوراً عمل ہو جائے۔ ایسے ہی اور کچھ سمجھتا ہی نہیں تھا۔ خود ستائی کی یہ حالت تھی کہ وہ خود کو مذہبی شخصیات سے بھی بالاتر سمجھنے لگا۔ اس کا ایک ثبوت اس وقت ملا جب مبارک شاہ نے نئی مسجد بنوائی اور تمام علما و مشائخ کو کہا کہ جمعے کی نماز وہیں ادا کریں۔ پیغام میں یہ بھی کہا گیا تھا کہ یہ بادشاہ کا فرمان ہے۔ اس کی خلاف ورزی نہ کی جائے۔

بادشاہ کا یہ پیغام نظام الدین اولیا کی خانقاہ میں بھی پہنچا۔ وہ اس وقت چند مریدوں کے درمیان تشریف فرما تھے کہ شاہی کارندہ ان کے پاس پہنچا اور بادشاہ کے پیغام سے آگاہ کیا۔ آپ نے بے نیازی سے پیغام سنا اور بادشاہ کو پیغام بھجوایا۔

''میری مسجد میرے گھر کے قریب ہے۔ میرا حق ہے کہ میں اسی میں نماز ادا کروں گا۔''

مبارک شاہ کو کوئی ایسا جواب سننے کی عادت نہ تھی اور وہ اپنی حدود سلطنت میں ... ایک مرتبہ ... اپنے قریب بیٹھے ہوئے لوگوں سے ... کہ ... کی ... اور ... ہو گئے ... لوگوں تک ... اسے ... دیا۔

''حضور! ... اللہ کے ... جائے ... سے کیا حکم جاری ... ان کے ... دہلی سے ... تک کے ... ہیں۔ کسی کو بھی برکت کے لیے ایسا ... نظام الدین ... تو ... دہلی میں۔''

''کیا حضرت ... کہ ... ان ... والوں سے ... ہیں؟''

''حضور! بہت سے کام دنیا داروں کے لیے بھی کیے جاتے ہیں۔''

مبارک شاہ اپنی بیماریوں میں ڈوب کر مست و مدہوش ... صاحب کشف بزرگ تھے جن کی دعاؤں سے اسے بادشاہت ملی تھی۔ جب تک وہ اسے اعزاز دیتا رہا ... اس کی ... نکل رہے ... تھا اور زوال آیا تو ہے

میں اس ٹوپی کو اسی وقت سیدھا کروں گا جب مبارک شاہ تختِ حکومت پر بیٹھے گا۔''

یہ واقعہ ذہن میں تازہ ہوتے ہی اسے شیخ زادہ کی یاد آگئی۔ وہ ان سے ملاقات کے لیے گیا۔ وہ صاحبِ کشف بزرگ تھے۔ بادشاہ کی بہت سی عادات واطوار ان کے علم میں بھی تھیں۔ انہوں نے بادشاہ کو بہت سی نصیحتیں کیں جنہیں وہ بہ غور سنتا رہا۔ کوئی اور موقع ہوتا تو وہ نصیحت کرنے والے کو ٹوک دیتا لیکن یہاں معاملہ دوسرا تھا۔ چپ رہا اور سنتا رہا۔

مبارک شاہ کا ارادہ تھا کہ انہیں کبھی کبھی دربار میں حاضر ہونے کی تاکید کرے گا لیکن وہ دیکھ رہا تھا کہ بزرگ کا دل اس کی طرف سے صاف نہیں ہے۔ اس نے کوئی اور ہی قصہ چھیڑ دیا۔

''آپ کے علم میں ہے کہ میرا بڑا بھائی خضر خاں، شیخ نظام الدین سے عقیدت رکھتا تھا۔ ان سے ملنے غیاث پورہ پابندی سے جایا کرتا تھا۔ اب خضر خاں قتل کر دیا گیا تو شیخ نظام الدین یہ سمجھتے ہیں کہ یہ قتل میں نے کرایا ہے اس لیے مجھ سے دشمنی رکھنے لگے ہیں اور میری مخالفت پر اتر آئے ہیں۔ میرے بلانے پر میری تعمیر کردہ مسجد میں نماز پڑھنے بھی نہیں آئے۔ شیخ ضیا الدین رومی کے سوئم کے موقع پر احاطہ قبرستان میں نظر آئے۔ سلام ضرور کیا لیکن بادشاہوں کے حضور اس طرح سلام پیش نہیں کیا جاتا جس طرح انہوں نے کیا۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ ماضی میں بھی بادشاہوں کے خلاف سازشیں کرتے رہے ہیں۔ خضر خاں کو بھی ابا حضور کے خلاف بھڑکاتے تھے۔ مجھے تو لگتا ہے وہ اب میرے خلاف سازشوں میں مشغول ہیں۔''

''بادشاہ حضور، آپ جانتے ہیں کہ میں شیخ نظام الدین کے خلاف ہوں لیکن میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ وہ آپ کے خلاف سازش کیوں کریں گے؟''

''اس لیے کہ ان کا مرید خضر خاں، میرا بڑا بھائی بادشاہ نہ بن سکا اور آپ کی دعا سے میں بن گیا۔ یہی کانٹا ان کے دل میں کھٹکتا رہتا ہے۔''

''خضر خاں کے بادشاہ بننے میں شیخ کا کیا مفاد تھا؟''

''بادشاہِ وقت اگر کسی فقیر کا مرید ہو تو وہ فقیر، فقیری میں امیری کرتا ہے۔ بس یہی مفاد ہو سکتا تھا۔''

''بادشاہ حضور، ہم فقیر ان چھوٹی چھوٹی خوشیوں سے بری الذمہ ہوتے ہیں۔''

''ہم نے تو سنا تھا کہ آپ شیخ نظام الدین کو اچھا نہیں سمجھتے۔ آپ تو ان کی حمایت کر رہے ہیں۔''

''ہماری ان سے مخالفت شرعی نکات پر ہے، دنیاوی معاملات پر نہیں۔''

مبارک شاہ ان کے پاس سے اٹھ کر آ تو گیا لیکن ان کی باتیں سن کر اس کا دل نظام الدین اولیاء کی طرف سے مزید برا ہو گیا۔ اس نے اعلان کروا دیا کہ دربار سے منسلک لوگوں میں سے کوئی شیخ کی زیارت کے لیے غیاث پورہ نہ جائے۔ اس کی مخالفت اتنی بڑھ گئی تھی کہ اکثر مستی کے عالم میں کہہ اٹھتا تھا کہ جو بھی نظام الدین کا سر لائے گا، اس کو ہزار سونے کے ٹنکے دوں گا۔

جب اس کی مخالفت بہت بڑھ گئی اور اس کے ہمدردوں کو اس کا زوال روزِ روشن کی طرح نظر آنے لگا تو چند نامور امیر خاموشی کے ساتھ شیخ زادہ جام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دربار میں جو کچھ گزر رہی تھی، سب ان کے گوش گزار کیا۔ شیخ زادہ جام نے بادشاہ کی حالت پر کفِ افسوس ملتے ہوئے اسے مشورہ دیا کہ شیخ رکن الدین ملتانی کو ملتان سے بلا کر اپنے دربار میں جگہ دے تاکہ ان کی نصیحتیں اور دعائیں تیرے کام آئیں۔

☆☆☆

مبارک شاہ کا محبوب نظر دہلی سے کوسوں دور تھا اور یہاں یہ افتاد آن پڑی تھی کہ ظفر خاں کے قتل کے بعد گجرات کی حکومت کس کے سپرد کی جائے کا سوال سامنے تھا۔ بادشاہ نے کئی مرتبہ خسرو خاں کو خط لکھا کہ وہ مالابار میں کسی کو اپنی جگہ متعین کر کے گجرات چلا جائے لیکن مالابار میں خسرو خاں کے چند ایسے مفادات تھے کہ وہ وہاں سے ہلنا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے بادشاہ کو مشورہ دیا کہ گجرات کی حکومت اس کے بھائی حسام الدین کے سپرد کر دی جائے۔

اس مشورے میں خسرو خاں کے کئی مفادات پوشیدہ تھے۔ مبارک شاہ ان مفادات سے تو واقف نہیں تھا لیکن وہ حسام الدین کو اس کا اہل نہیں سمجھتا تھا کہ گجرات کی حکومت اس کے حوالے کی جائے۔

جب سے خسرو خاں مالابار گیا تھا، حسام الدین بادشاہ کے بہت قریب آ گیا تھا۔ خسرو خاں کی غیر موجودگی میں وہی بادشاہ کا دل خوش کر رہا تھا۔ اسے گجرات نہ بھیجنے میں بادشاہ کا یہ جذبۂ محبت بھی کارفرما تھا۔ ادھر خسرو خاں سانپ کی طرح بل کھا رہا تھا۔ وہ ہر حال میں چاہتا تھا کہ گجرات کی حکومت کسی بھی طرح حسام الدین کو مل جائے تاکہ وہ اپنے خاص منصوبے کو آگے بڑھا سکے۔ وہ کسی طرح

مالابار بھجوانے کا فیصلہ کیا تھا۔ مالابار اپنے معتمد خاص کو دی
کی طرف روانہ کیا تا کہ کسی طرح حسام الدین کو گجرات کی
حکومت مل سکے اور بالآخر اس کی مہم سنبھال سکیں۔
مبارک شاہ نے اس کو امرا، معاونین اور لشکر دے کر ان کے
اعزاز و مراتب کی طرف روانہ کر دیا۔ ظفر خان مقتول کے تمام
لشکر و لشکریوں کے حوالے کر دیے۔

اس کے گجرات پہنچتے ہی خسرو خان نے مالابار سے قدم نکالا، گجرات پہنچ گیا۔ یہ کوئی ایسی معمولی بات نہیں تھی کہ گجرات کے امرا شک کی نظر سے دیکھتے۔ خسرو خان اپنے بھائی سے ملنے کسی بھی وقت آ سکتا تھا اور خسرو خان کا مقام و مرتبہ ایسا تھا کہ کسی کو کچھ پوچھنے کی جرأت بھی نہیں تھی۔ شورش تو اس وقت ہوئی جب چند دن گزرنے کے بعد خسرو خان مالابار کی طرف روانہ ہوا اور اس کے رخصت ہوتے ہی بعض امرا کی خواہشوں کی اصطلاح ہو گئی۔ اس کے بعض رشتے دار مختلف علاقوں سے آ آ کر اس کے گرد جمع ہونے لگے۔

حسام الدین نے بڑی ہوشیاری سے اپنی قوت میں اضافہ کرنا چاہا تھا۔ لیکن کسی بھی وقت ... قتل نافل ہوتا تھا۔ بادشاہ امرا نے اس کی چالوں کو بھانپ لیا تھا لیکن ان کے گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس کا منصوبہ کیا ہے۔ گجرات کے امرا اس کے رشتے داروں کی وجہ سے خائف ضرور تھے لیکن اس سے دور ہی رہے۔

حسام الدین جب اپنے رشتے داروں کے دل جیت کر پرخطر قوت جمع کر چکا تو اس نے علم بغاوت بلند کر دیا۔ اس کے بڑے گروہ لوگ بہت سے امیروں کے خلاف نکل کھڑے ہوئے اور انہیں قتل یا گرفتار کرنے لگے۔ امرا نے لشکر سے ہتھیار ڈلوا کر انہیں اطاعت پر مجبور کیا لیکن چونکہ ان امرا کی قوت منتشر نہیں ہوئی تھی اس لیے سب نے مل کر اس کا مقابلہ کیا اور یہ بغاوت ناکام ہو گئی۔ حسام الدین کو گرفتار کر کے دہلی بھجوا دیا گیا۔

مامول میں عتاب ... ان امیروں کی ... جب حسام الدین دربار شاہی میں پیش کیا گیا اور بادشاہ کی نظر اس کے چہرے پر پڑی تو محبت غالب آ گئی۔ حکم جاری ہوا کہ فوراً اس مجرم کو ہتھکڑیوں سے آزاد کرو۔ چاہیے تو یہ تھا کہ اس سے باز پرس کی جاتی لیکن اس کے بجائے اسے خلعت شاہی سے سرفراز کیا اور اپنی سرکار کا مقرب بنا لیا۔ گجرات کے امرا نے قبل ازیں جو کچھ کیا تھا انہیں ... کر حسام الدین کے قتل کی ... ان کے ... جب

اس تک پہنچ چکی تھی کہ انتقام سے اب کے مقرب خاص بنا لیا ہے اور اس کی تمام گستاخیاں معاف کر دی گئی ہیں تو ان کے اس کمتر اقبال کے بیٹے کے سوا کچھ نہیں تھا بلکہ وہ خوف زدہ ہو گئے کہ کہیں بادشاہ کا غضب ان پر نازل نہ ہو جائے۔

مبارک شاہ نے اپنی امداد کے لیے حسام الدین کو اپنے پاس بلوا لیا اور اسے ایک لاکھ امیر کا صاحب منصب اور معتمد خاص بنا کر گجرات کا حاکم بنا دیا۔

شہنشاہ کے اور یہ کرتب بڑا رنگ لاتا ہے۔ گجرات میں بغاوت کے آثار نمایاں ہونے لگے ان کے وزیر ملک تگی کے دل میں بھی حکومت کرنے کا خیال آیا اور مبارک شاہ کی طرف سے مختلف خرابی پیدا کر دی گئی۔ یہ شخص علاؤ الدین خلجی کے غلاموں میں سے ایک تھا۔ مبارک شاہ نے اسے سپہ سالار مقرر کیا تھا۔

مبارک شاہ کی غلط حرکات دیکھ کر قدیم امیروں پر بے چینی طاری ہونے لگی۔ ملک تگی کی بغاوت بھی اسی بے چینی کا نتیجہ تھی۔ مبارک شاہ نے بغاوت کے آثار دیکھے تو ایک قریبی رشتے دار کو آگے روانہ کیا۔

"بھیا! میں بار بار یہ سوال اٹھا رہا ہوں، جبکہ ہم بھی کھلوں ملی کام کر رہے تھے۔ ایک قافلہ ادھر سے گزر رہا تھا۔"

"ہاں بھیا، یاد ہے۔"

"اس وقت یہ قافلہ گجرات کی طرف جا رہا تھا۔ تم نے پوچھا تھا کہ ملک تگی کی امداد میں سے کیا تھا کہ ملک تگی کو دہلی سے کس کی طرف بھیجا جا رہا ہے؟"

"ہاں یاد آ رہا ہے۔"

"اب یہ قافلہ دہلی سے دکن کی طرف جا رہا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ دکن کی طرف گزر رہا ہے۔ لشکر کسی دوسرے راستے سے جا رہا ہوگا۔ یہ خاص لوگ ہیں جو جلدی کی وجہ سے ادھر سے جا رہے ہیں۔"

یہ وہی عورتیں تھیں کہ ایک اور شخص ان کے درمیان آ کر کھڑا ہو گیا۔

"سنا ہے ملک تگی کے رویے نے بغاوت کر دی ہے۔ بادشاہ کی طرف سے اس بغاوت کو کچلنے کے لیے جا رہے ہیں۔"

"ہاں بھیا جب بادشاہ کمزور ہو تو بغاوتیں عام ہو ہی جاتی ہیں۔"

"مبارک شاہ کمزور تو نہیں لیکن اس کی حماقتوں نے اسے کمزور بنا دیا ہے۔ دیکھنا گجرات کی طرح یہاں کی بغاوت بھی ... اور سب اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہو گئے۔

ملک یک لکھی کو یہ امید نہیں تھی کہ بادشاہ اتنی جلدی فوجیں روانہ کردے گا۔ وہ ابھی سنبھلنے بھی نہیں پایا تھا کہ فوجیں اس کے سر پر پہنچ گئیں۔ اس میں اتنی طاقت نہیں تھی کہ شاہی لشکر کا مقابلہ کرتا۔ اس کے باوجود مقابلے پر آگیا۔ چاہتا تھا کہ لڑتے لڑتے جان دے دے لیکن شاہی فوج نے اس کی یہ خواہش پوری نہیں ہونے دی۔ اس کے ساتھیوں میں کچھ لوگ شاہی لشکر میں پہنچ گئے اور جان کی امان کا وعدہ لے کر یہ وعدہ کرلیا کہ وہ ملک یک لکھی کو زندہ گرفتار کرادیں گے۔ یہ وعدہ کرکے وہ ملک یک لکھی کے پاس پہنچے اور اسے یہ باور کرایا کہ اگر وہ خود کو شاہی لشکر کے سردار کے حوالے کردے تو بادشاہ اس کا قصور معاف کردے گا۔ اسے کسی صورت یقین نہ آتا تھا لیکن بالآخر دامِ فریب میں آگیا اور ان باغی ساتھیوں کے ہمراہ لشکر میں پہنچ گیا۔ دہلی سے آئے ہوئے امراء نے اس کا اس طرح استقبال کیا جیسے سارے قصور ابھی معاف ہوگئے ہیں۔

اس نے اور اس کے ساتھیوں نے ہتھیار رکھ دیے۔ اس کی آنکھیں تو اس وقت کھلیں جب دہلی کی طرف روانگی سے کچھ دیر قبل اسے باقاعدہ گرفتار کرلیا گیا اور قیدیوں کی طرح دیوگڑھ سے دہلی پہنچادیا گیا۔

قصر ہزار ستون میں ایک مرتبہ پھر دربار سجا۔ لوگ ابھی گجرات کی بغاوت کو بھولے نہیں تھے۔ انہیں یہ بھی یاد تھا کہ حسام الدین والیِ گجرات کو معاف کردیا گیا تھا۔ بیشتر کا خیال یہ تھا کہ ملک یک لکھی کو بھی معافی مل جائے گی لیکن وہ کسی منظورِ نظر کا بھائی نہیں تھا۔

دربار میں معزز امراء صف در صف بیٹھے تھے کہ گجراتی بھانڈ جس کا نام ''بوتہ'' تھا اس طرح داخل ہوا جیسے اصل بادشاہ وہی ہے۔ اس نے اراکینِ سلطنت پر ایک نظر ڈالی اور ایسی شکل بنائی کہ کئی امیروں کی غصے کے باوجود ہنسی نکل گئی۔ پھر اس نے مبارک شاہ کی نقل اتاری اور اس کے انداز میں چلتا ہوا اس کے قریب پڑی کرسی پر بیٹھ گیا۔ یہ کرسی اسی کے لیے مخصوص تھی۔ جب وہ بیٹھ چکا تو ملک یک لکھی کو پیش کرنے کا حکم دیا گیا۔ ملک یک لکھی نے حاضر ہوتے ہی اپنے قصوروں کی معافی چاہی۔ دو ایک ہمدرد امیروں نے بھی سفارش کی لیکن بادشاہ کی آنکھیں درباری بھانڈ ''بوتہ'' پر لگی ہوئی تھیں۔

''بوتہ تم بتاؤ، اس نمک حرام کے ساتھ ہم کیا سلوک کریں۔''

''حضور اس نے آپ سے زیادہ آپ کے والد کا نمک کھایا ہے، اس لیے وہی آئیں گے تو اسے قتل کریں گے اور وہ آ نہیں سکتے۔''

''تو کیا تم بھی اس کی معافی کے حق میں ہو؟''

''میں کیا بادشاہ ہوں جو ایسی بے وقوفی کے فیصلے کروں۔ میں تو صرف یہ کہہ رہا تھا کہ اسے قتل نہ کیا جائے بلکہ اس کے کان ناک کاٹ کر عبرت کا نشان بنادیا جائے۔''

بادشاہ اس کی بات کیسے ٹال سکتا تھا۔ اس نے ملک یک لکھی کو تو یہ سزا دی کہ اس کے کان اور ناک کاٹ کر اسے رہا کردیا لیکن اس کے ساتھیوں کو بڑی بری طرح اذیتیں دے دے کر قتل کیا۔

ملک یک لکھی کو نشانِ عبرت بنانے کے بعد دیوگڑھ کی حکومت عین الملک ملتانی کے سپرد کی اور ملک وجیہہ الدین کو گجرات سے بلاکر ''تاج الملک'' کے خطاب سے سرفراز کیا اور اسے وزیر السلطنت بنایا جس نے گجرات کے فتنے پر بڑی خوبی سے قابو پایا اور انتظام سنبھالا تھا۔

ان فتنوں سے نمٹنے کے بعد مبارک شاہ ایک مرتبہ پھر عیش و عشرت میں ڈوب گیا۔

☆☆☆

خسرو خاں جب مالا بار پہنچا تو وہاں کے حاکم شاہی فوج کے مقابلے کی تاب نہ لاسکے اور اپنا خزانہ لے کر کسی سمت فرار ہوگئے۔ ایک سوداگر جس کا نام علی تقی تھا، وہ کہیں نہ گیا اور اس خیال سے کہ شاہی فوج کا سردار مسلمان اور لشکری بھی ہم مذہب ہیں اس لیے وہ اسے کوئی تکلیف نہیں پہنچائیں گے لہٰذا وہ مالا بار چھوڑ کر کہیں نہیں گیا لیکن اس کا یہ خیال غلط نکلا۔ خسرو خاں نے زبردستی اس سے بے شمار دولت حاصل کی۔ نہ صرف یہ بلکہ اس بے چارے کو قتل بھی کردیا۔

مالا بار سے شاہی لشکر تلنگانہ پہنچا۔ یہاں کا راجا بھی مقابلے کی تاب نہ لاسکا اور قلعہ بند ہوگیا۔ خسرو خاں نے قلعے کا محاصرہ کرلیا۔ جب محاصرے نے طول پکڑا تو راجا نے مجبور ہوکر ایک سو ایک ہاتھی اور دیگر گراں قدر تحائف خسرو خاں کو بھیج کر اپنی جان چھڑائی۔

یہاں سے خسرو خاں کئی اور علاقوں کو فتح کرتا ہوا مالا بار واپس آگیا۔

طاقت میں اضافہ ہوا، دولت کے انبار لگنے لگے تو خسرو خاں بادشاہت کے خواب دیکھنے لگا۔ اس خواب کی تعبیر کے لیے سب سے بڑی رکاوٹ علائی دور کے وفادار ملوک تھے جو مبارک شاہ کے ہمدرد بھی تھے اور نہایت بااثر بھی تھے۔ اب خسرو خاں کی ساری توجہ ان کی طرف تھی۔ وہ اپنے

بادشاہوں نے مشورے کرنا شروع کیا کہ علائی ملوک کو کس
طریقے سے پکڑا جائے اور کیسے ان کو ختم کیا جائے۔ لشکر میں
سے کس کس کو ہم سخی ساتھ ملا لیں اور کس کس کو ختم
کردیں۔ یہ ارادے کیے ان ارادوں کے نتیجے میں امراء کے
پاس تجربہ کار لشکر کے ساتھ مقابلہ کرنا آسان نہیں تھا۔

اس سے پہلے کہ خسرو خاں اپنے ارادوں میں
کامیاب ہوتا امراء کو اس کے ارادوں کی اطلاع مل گئی۔
ان امراء کو یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ بغاوت پر کمر بستہ ہے
اور بہت جلد تخت پر قبضہ کرنے والا ہے۔ ان امراء نے اس
کے پاس پیغام بھیجا۔

"ہم نے سنا ہے کہ تم دل ہی دل میں بغاوت کرنے کے
متعلق سوچ رہے ہو۔ ہم چاہتے ہیں کہ یہاں سے دہلی واپس
نہ جاؤ۔ اس سے پہلے کہ ہمارے اور تمہارے درمیان جو
[illegible] ایک ہو اور ہم تمہیں گرفتار کریں تم واپس
[illegible] ہم سے ملو۔"

خسرو خاں ان علائی ملوک کی طاقت سے واقف تھا
لیکن لشکر جو اس کے پاس بھی تھا۔ ایک طرف اپنی طاقت پر
[illegible] دوسری جانب بادشاہ کا لالچ [illegible] دل ہی دل سے ہم
[illegible] دیا۔

جب ان امراء نے دیکھا کہ وہ کسی صورت دہلی
جانے کو تیار نہیں تو تمام حالات لکھ کر مبارک شاہ کی خدمت
میں بھجوا دیے۔

ان حالات کو سن کر مبارک شاہ کو یہ معلوم ہوا کہ
کہیں یہ امراء اسے موت کے گھاٹ نہ اتار دیں۔ اس
سے پہلے کہ یہاں حالات خراب ہوں خسرو خاں کو دہلی
بلا لیا جائے۔ مبارک شاہ نے ان امراء کو لکھا کہ خسرو
خاں جس جگہ پہنچے اسے فوراً پالکی میں سوار کر کے دوسری
منزل تک پہنچا دیا جائے تاکہ وہ جلد از جلد دہلی تک پہنچ
جائے۔ اس پیغام نے خسرو خاں کو ڈرا کر رکھ دیا۔ وہ
خوف زدہ ہو گیا کہ دہلی پہنچنے کے بعد مبارک شاہ نہ جانے
اس کے بارے میں کیا فیصلہ سنائے۔ اس نے بادشاہ اور
امراء کو خوش کرنے کے لیے یہاں کی غنیمت چند امراء
میں تقسیم کی اور دہلی کی طرف چل پڑا۔

مبارک شاہ گجرات کے علاقے کی فتوحات پر خوش ہو چکا
تھا۔ خسرو خاں کی محبت کے باوجود اس بات پر خفا تھا
کہ خسرو خاں نے اس کے امراء کو کیوں تنگ کیا۔ وہ اس کے
لیے طرح طرح کی سزائیں سوچ رہا تھا مگر [illegible]
[illegible] خسرو خاں کے پہنچنے کی اطلاع ملی [illegible]

خسرو خاں کا چہرہ آنکھوں کے سامنے آ گیا۔ بجلی کی چمک کی
دو دلی نے کام کر دکھایا۔ محبت نے جوش مارا۔ حکم ہوا خسرو
خاں قیدی نہیں، ہمارا محبوب نمبر ہے۔ اسے مہمانوں کی
طرح ہمارے حضور پیش کیا جائے۔ غصہ ابھی ختم نہیں ہوا تھا
لیکن بادشاہ یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ اس کا محبوب رسوا ہو۔

خسرو خاں بادشاہ کے جذبات سے بے خبر خوف زدہ
حالت میں تھا کہ آج شاہی تلواروں کے اس کی گردن کاٹ
دی جائے گی۔ دربار کا [illegible] بادشاہ کے حضور پہنچا خسرو لیکن
بادشاہ کی نظر پڑی اس پر بجلی سی گری۔ سارا غصہ کافور ہو گیا۔ خسرو
خاں کا ہاتھ پکڑا اور خلوت گاہ میں لے گیا۔ وہ پیار سے
آنکھیں [illegible] گئیں۔ گلے سے لگے، [illegible] سارے شکوے
جاتے رہے لیکن پھر بھی وضاحت ضروری تھی۔

"خسرو خاں! میں تمہارے بارے میں کیا کیا سن
رہا ہوں؟"

"میں خود آپ سے یہی پوچھنا چاہتا ہوں کہ مجھ سے کیا
قصور سرزد ہوا کہ یہ بھی [illegible] نکال دی اور حضور نے مجھے
بے [illegible] طلب کیا۔ میں حاضر ہوں۔ ہر سزا کے
لیے تیار ہوں۔"

"تمہاری طرف سے بدگمانی تو ہے لیکن میں نے تمہیں
یہاں اس لیے بلایا کہ وہاں رہ کر تمہاری جان کو خطرہ ہو سکتا
تھا۔" جب خسرو خاں نے دیکھا کہ بادشاہ اس پر مہربان
ہے تو اس نے امراء کے شکوے کیے اور زار و قطار رونے لگا۔

"امراء میری جان کے [illegible] گئے ہیں
اس لیے انہوں نے مجھے دہلی واپس کرنے کے لیے مجھ پر
[illegible] کا بہت الزام لگایا ہے۔"

بادشاہ اس پر ایسا فدا تھا کہ خسرو کی [illegible] بے
[illegible] ۔ اسے خسرو کی باتوں پر یقین [illegible] دہلی
ہی دل میں گجراتی امراء سے ناراض ہو گیا۔

خسرو خاں کے آنے کے بعد سارا لشکر بھی دہلی واپس
آ گیا۔ لشکر کے ساتھ یہ امراء بھی دہلی آئے تاکہ بادشاہ کو
خسرو خاں کے باغیانہ خیالات سے آگاہ کریں۔ ان امراء
میں ملک تمر اور تلک [illegible] تھے۔ ان امراء نے
مبارک شاہ کو خسرو خاں کے بارے میں سمجھانے کی کوشش کی
[illegible] بغاوت کرنے کے ارادے کی
کیفیت [illegible] کی بھی [illegible] لیکن
بادشاہ پر خسرو خاں کے عشق کا بھوت سوار تھا۔ وہ خسرو کے
[illegible]
[illegible] جب مبارک

برابر اپنی بات پر اڑے رہے تو بادشاہ نے ان کے لیے زبان بندی کا فیصلہ کرلیا۔ ملک تمر کا مرتبہ کم کردیا اور حکم دے دیا کہ اس کو درگاہ کے اندر نہ آنے دیا جائے۔ ملک تلبغہ سے اس کا عہدہ اور لشکر واپس لے لیے اور اس کو قید کردیا۔ جن لوگوں نے گواہی دی تھی، انہیں سخت سزائیں دیں اور قید میں ڈلوادیا یا اطراف میں بھجوادیا۔

ان سزاؤں نے دربار سے منسلک ہر شخص کو خوفزدہ کردیا۔ ہر شخص کو یقین آگیا کہ نمک حلالی کے لیے جو شخص بھی سلطان کے سامنے کچھ کہے گا، اس کو وہی سزا ملے گی جو ان امراء کو ملی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صحیح رائے دینے والوں کی زبانیں یکسر بند ہوگئیں۔ وہ تمام بزرگ اور سردار جن کو دربار میں کوئی کام بھی ہوتا، خود کو خسرو خاں کی پناہ میں دے دیتے۔ بادشاہ عضوِ معطل ہوتا جارہا تھا۔ تمام نظام سلطنت خسرو خاں کے ہاتھ میں آگیا تھا۔ بادشاہ اس کے عشق میں ایسا گرفتار تھا کہ اسے کچھ نظر ہی نہیں آرہا تھا۔ خسرو خاں جس کو چاہتا سزا دلواتا، جس کو چاہتا معافی دلوادیتا۔

خسرو خاں نے ایسا انتظام کررکھا تھا کہ معافی اس کے حق میں جاتی اور سزا مبارک شاہ کے کھاتے میں لکھ دی جاتی۔ لوگ اس کی بے انصافی، اس کے قہر اور تکبر سے عاجز ہوتے چلے جارہے تھے۔

خسرو خاں نے ایک ایک کرکے اپنے مخالفین کو قتل کرادیا۔ کچھ قتل ہوئے، کچھ خاموش ہوگئے تو وہ خاموشی سے ایسے اقدام اٹھانے لگا جس سے بغاوت کا کام آسان ہوجائے۔ اسے ایسے لوگوں کی تلاش ہونے لگی جو اس کے کام آسکتے تھے۔ بہت سے تھے جو مبارک شاہ سے کدورت رکھتے تھے لیکن اس کے خلاف آواز اٹھانے کی ہمت نہیں رکھتے تھے۔ وہ خسرو خاں کی چھتری تلے جمع ہونے لگے۔

☆☆☆

فاخرہ بیگم ایک مغل خاتون تھی۔ علاؤ الدین خلجی کے عہدِ حکومت میں مغلوں کا ایک سردار جس کا نام اقبال مند تھا، ایک زبردست لشکر لے کر ہندوستان کی طرف آیا تھا اور غارت گری کا بازار گرم کیا تھا لیکن اس کا ستارہ گردش میں تھا کہ اس کے لشکر کو نہ صرف شکست ہوئی بلکہ اس کو زندہ گرفتار کرکے قتل کردیا گیا۔ اس کا لشکر اپنے وطن کی طرف فرار ہوگیا لیکن چند لشکری ایسے بھی تھے جو ہندوستان ہی میں کہیں روپوش ہوگئے۔ فاخرہ بیگم ایسے ہی ایک خاندان کی بیٹی تھی۔ جب مبارک شاہ کا زمانہ آیا تو اس کے والد قصر ہزار ستون کے پہرے داروں میں شامل ہوگئے۔ اس طرح فاخرہ بیگم کا دربار میں آنا جانا ہوگیا۔ ایک روز اس کا آمنا سامنا امیر دربار بہاء الدین دبیر سے ہوگیا۔ انہوں نے اس لڑکی کو اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ حیران ہورہے تھے کہ یہ لڑکی کون تھی جو ایک جھلک دکھا کر کسی طرف غائب ہوگئی۔ انہوں نے اسے محض ایک حادثہ قرار دیا تھا لیکن جب کئی دن تک اس کا خیال ذہن سے نہیں نکلا تو انہیں فکر لاحق ہوگئی۔ سوال یہ تھا کہ اس لڑکی کا انہیں نام تک معلوم نہیں تھا، اسے تلاش کرتے تو کہاں۔ پہلے یہ خیال ہوا کہ مبارک شاہ کے حرم میں بازاری عورتیں داخل ہوتی رہتی ہیں وہ بھی ان میں سے کوئی ہوگی لیکن ان کا دل نہیں مانتا تھا کہ ایسی پاکیزہ صورت کسی بازاری عورت کی ہوسکتی ہے۔ پھر یہ بھی عجیب معما تھا کہ وہ مبارک شاہ کی حرم سرا کے بجائے قصر ہزار ستون میں کیا کررہی تھی۔ اسی ادھیڑ بن میں کئی دن گزر گئے۔ ان کی قسمت کہ ایک دن وہ پھر انہیں نظر آگئی۔ وہ کسی کام سے محل میں آئے تھے۔ وہ چند کنیزوں کے ساتھ سیڑھیاں چڑھ رہی تھی۔ اس کا لباس بتارہا تھا کہ وہ کنیز نہیں۔ کوئی معمولی عورت بھی نہیں ورنہ یہ کنیزیں اس کے ساتھ نہ ہوتیں۔ بہاء الدین دبیر اچانک اس کے سامنے آگئے۔ انہیں اپنے مرتبے کا خیال بھی نہ رہا اور اس سے مخاطب ہوگئے۔

’’خاتون! آپ کس خوش نصیب کی صاحبزادی ہیں اور قصر ہزار ستون سے آپ کا کیا تعلق ہے؟‘‘

’’پہلے تو ہم آپ کا تعارف چاہیں گے اور یہ جاننا چاہیں گے کہ آپ ہم سے یہ پوچھنے والے کون ہوتے ہیں۔‘‘ فاخرہ بیگم نے نہایت جرأت کا مظاہرہ کیا۔

اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتے، کنیز نے فاخرہ بیگم کو ادب کی تلقین کی۔

’’ان کے حضور ادب سے گفتگو کیجیے۔ یہ امیر بہاء الدین دبیر ہیں۔ بادشاہ کے مقرب خاص۔‘‘

’’ہمیں ان کے مرتبے کا پاس ہے۔ ہمارے لہجے میں تندی لاعلمی کے سبب سے آگئی۔ ہم معذرت خواہ ہیں۔‘‘

’’ہم پھر پوچھتے ہیں کہ آپ کون ہیں اور محل میں کیوں ہیں؟‘‘

’’ہمارا نام فاخرہ بیگم ہے۔ ہمارے والد بہروز خاں پہرے داروں میں ملازم ہیں۔ یہاں چند کنیزیں ہماری سہیلیاں بن گئی ہیں۔ ہم انہی سے ملنے کبھی کبھی یہاں آجاتے ہیں۔‘‘

بہاء الدین احمد اس نتیجے پر پہنچے کہ یہ بھی ممکن [illegible] کشمیر اس نے اپنا [illegible] طلب کی [illegible] فاطمہ بیگم اس کشمیر اس کے فہرست میں آگے بڑھ گئی۔

بہاء الدین احمد بہروز خان کو نہیں جانتے تھے لیکن مغل دربار سے وابستہ ہونے کی وجہ سے ان کے بارے میں ہر طرح کی معلومات حاصل کرنا کچھ مشکل نہیں تھا۔ اسی شام انہیں معلوم ہو گیا کہ بہروز خان ایک فوجی ہے۔ علاءالدین کے زمانے میں اول محمد شاہ کے لشکر کے ساتھ ہندوستان آیا۔ مغلوں کی شکست کے بعد وہ شکست خوردہ لشکر کے ساتھ واپس نہیں گیا بلکہ یہیں رک گیا۔ کچھ عرصہ روپوش رہا۔ مبارک شاہ کا عہد آیا تو اس نے اس کی ملازمت کر لی۔ زخمی ہو کر اس کی انگلی کٹ گئی ہے۔

بہاء الدین پہلی ملاقات میں فاطمہ بیگم کے حسن سے متاثر ہوئے تھے۔ دوسری ملاقات میں اس کی شائستہ گفتگو نے ان کا دل موہ لیا۔

وہ بہروز خان سے ملاقات کے حق میں تھے لیکن ایک مسئلہ تھا۔ ان سے ملاقات کے لیے از خود جانا ان کی شان کے خلاف تھا۔ اس کی ترکیب انہوں نے یہ نکالی کہ [illegible] ملاقات کے بعد بہروز خان کو اپنے [illegible] کی ملازمت پر [illegible] میں شامل کر لیا۔

بہاء الدین احمد نے پہلے ہی دن اسے اپنے حضور طلب کیا اور جو باتیں وہ پہلے ہی معلوم کر چکے تھے، بہروز خان سے معلوم کیں۔ بہروز خان نے کچھ نہیں چھپایا۔ ہر بات تفصیل سے گوش گزار کر دی۔ بہاء الدین احمد نے اس کی تنخواہ میں اضافہ کر دیا اور اسے اجازت مرحمت فرما دی کہ وہ جب چاہے ان سے ملاقات کے لیے آ سکتا ہے۔ یہ رعایت بہت کم لوگوں کو حاصل تھی۔

بہاء الدین احمد کی بے قراری دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ وہ دوسرے ہی دن اپنے چند محافظوں کے ہمراہ بہروز خان کے گھر پہنچ گئے۔ ان کا ہاتھی بہروز خان کے مکان کے سامنے جا کر ٹھہرا [illegible] کو تعجب ہے سا کیا ہو گیا تھا۔ بہروز خان اس وقت گھر پر ہی تھا۔ گھبرا کر گھر سے باہر نکلا کہ شاید کوئی گستاخی ہو گئی ہے جو امیر خود اس کے گھر پہنچے آئے۔ ماجرا جاننے۔

"امیر محترم! میں غریب آدمی کس قابل ہوں [illegible] آپ کے قدم [illegible] مجھے طلب فرما سکتے تھے۔"

"کیا آپ کی بیٹی [illegible] آپ کے ساتھ [illegible]"

"معاف فرمائیں، آپ کی گفتگو آپ کے اعلیٰ نسب ہونے کا پتا دیتی ہے۔"

"اسے بھی آپ کے حسن نظر کے سوا کیا کہہ سکتا ہوں۔ آپ جب [illegible] کی تعریف فرما رہے ہیں تو [illegible] روانہ کرتا ہے۔"

"ہم تو اس طرف سے گزر رہے تھے۔ اچھا نہیں لگا کہ آپ سے ملاقات کیے بغیر چلے جائیں۔"

"آپ کو اچھا نہیں لگے گا کہ آپ مجھے خدمت کا موقع دیے بغیر چلے جائیں۔ میری عزت افزائی کے لیے گھر کے اندر تشریف لائیے۔"

بہاء الدین تو یہی چاہتے تھے۔ اس کی درخواست قبول کی اور اس کے مکان میں قدم رکھ دیا۔ بہروز خان نے انہیں دیوان خانے میں لے جا کر بٹھایا اور فاطمہ کو آواز دی۔

"فاطمہ بیٹی، جلدی دیوان خانے میں آؤ۔ دیکھو کون آیا ہے، ہمارے گھر کو عزت بخشی ہے۔" [illegible] کے ساتھ فاطمہ بیگم کمرے میں داخل ہوئی اور [illegible] سلام کر کے ایک طرف بیٹھ گئی۔

"آپ تو ان سے واقف ہوں گی۔ یہ امیر بہاء الدین احمد ہیں۔ [illegible] کا تذکرہ میں نے آپ سے کیا تھا۔"

"ابا جان آپ نے اچھا نہیں کیا۔ میں نے [illegible] میں ان کی [illegible] تھے۔ آپ نے [illegible] ان سے [illegible] احسان تھا۔ اللہ نے [illegible] گھر بھیج دیا۔"

"اب [illegible] ہوگی! آپ کی خاطر تواضع بھی ضروری ہوگی۔" بہروز خان نے کہا۔

"تھوڑی دیر صرف باتیں ہوں گی۔" بہاء الدین نے کہا۔ "خاطر تواضع اگلی ملاقات پر اٹھا رکھیے۔" بہروز خان کو ماننا پڑا۔ [illegible]

"بہروز خان! تمہاری صاحبزادی بہت خوش گفتار ہیں۔"

"[illegible] عزت [illegible] ہیں۔" [illegible] آپ کے خیالات کی [illegible]

کہاں تک ہے۔ کچھ سنایئے۔''

فاخرہ نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔ فارسی اس کی مادری زبان تھی اور پھر خیالات ایسے اعلیٰ کہ بہاء الدین تعریف کیے بغیر نہ رہ سکے۔ اس شعر پر تو بہاء الدین کی حالت دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔

''باغ میں ایک پھول ایسا بھی تھا جو میرے ہاتھ کی دسترس سے بہت دور تھا۔ میں نے دعا مانگی اور پھول میری آغوش میں آ گرا۔''

بہاء الدین نے یہی سمجھا کہ یہ شعر اس نے ان کے لیے کہا ہے۔

بہروز خاں نے یہ انکشاف بھی کیا کہ وہ بہت اچھی مصور بھی ہے۔ لیکن بہاء الدین یہ کہہ کر اٹھ گئے کہ وہ آئندہ آئے گا تو اس کے شاہکار بھی ملاحظہ کرے گا۔

بہاء الدین دراصل یہ چاہتے تھے کہ آئندہ آنے کا بھی کوئی بہانہ ہو۔ انہوں نے دو دن بڑی مشکل سے گزارے اور ایک مرتبہ پھر بہروز خاں کے گھر پہنچ گئے۔ فاخرہ نے انہیں اپنی بنائی ہوئی تصویریں دکھائیں تو اس کی شخصیت کا ایک نیا پہلو سامنے آیا۔ وہ ایک ماہر مصورہ کی صورت میں سامنے آئی تھی۔ اسی ملاقات میں یہ انکشاف ہوا کہ وہ موسیقی میں بھی ید طولیٰ رکھتی ہے۔ ایک ملاقات کا بہانہ اور مل گیا۔ پھر یہ محفلیں ہر دوسرے تیسرے دن برپا ہونے لگیں۔ اب بہروز خاں کی موجودگی بھی شرط نہیں تھی۔

بہاء الدین نے ایک روز تجویز پیش کی کہ شکار پر چلا جائے۔ بہروز خاں سے پہلے فاخرہ نے اس تجویز کی حمایت کی۔

بہاء الدین کوئی معمولی آدمی تو تھا نہیں۔ شکار پر اس طرح روانہ ہوا جیسے برات جاتی ہے۔ نوکر چاکر، ماہر نشانچی، خیمے، باورچی سب ساتھ تھے۔ بہروز خاں، فاخرہ اور بہاء الدین ایک ہی ہاتھی پر سوار تھے۔ دلی سے بہت آگے نکل کر ایک جنگل میں خیمے لگا دیے گئے۔ یہاں بھی بہاء الدین، بہروز خاں اور فاخرہ ایک ہی خیمے میں ٹھہرے۔ رات کو درختوں پر مچان بنا دیے گئے تاکہ جو جنگلی جانور اس طرف سے گزرے، اسے نشانہ بنایا جا سکے۔

پورے چار دن تک جنگل میں منگل بنا رہا۔ اس دوران یہ انکشاف بھی ہوا کہ فاخرہ بہادر بھی ہے اور اچھی نشانہ باز بھی۔ یہ بھی ہوا کہ فاخرہ اس کے بہت قریب آ گئی۔ فاخرہ کی آنکھوں سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ بھی اسے پسند کرنے لگی ہے۔ اب موقع تھا کہ بہروز خاں سے فاخرہ کا رشتہ مانگا جا سکتا تھا۔

شکار سے واپس آنے کے بعد انہوں نے بہروز خاں سے بات کی۔ بہروز خاں کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ اس سے بہتر رشتہ اسے اور کیا مل سکتا تھا۔ اس نے سوچنے کی مہلت تک طلب نہیں کی اور اسے اپنی خوش قسمتی تصور کرتے ہوئے رضامندی ظاہر کر دی۔

قاعدہ یہ تھا کہ جب کوئی امیر شادی کرتا تھا تو بادشاہ کی اجازت لینا ضروری ہوتا تھا۔ یہ ایک رسم تھی ورنہ بادشاہ کو کیا پڑی تھی کہ مخالفت کرتا۔ یہاں بھی کسی مخالفت کی گنجائش نہیں تھی لہٰذا بہاء الدین بلا خوف و خطر مبارک شاہ کے حضور پہنچ گئے۔ انہوں نے اپنا عندیہ ظاہر کیا اور اپنے انتخاب پر بادشاہ کو قائل کرنے کے لیے فاخرہ کے حسن اور صلاحیتوں کی ایسی مبالغہ آمیز تعریف کی کہ مبارک شاہ جیسا حسن پرست متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ اس نے بہاء الدین کو کوئی واضح جواب نہیں دیا۔ یہ کہہ کر ٹال دیا کہ وہ سوچ کر اجازت دے گا۔ بہاء الدین کی یادداشت میں بھی ایسا نہیں ہوا تھا کہ شادی کی اجازت دینے کے لیے بادشاہ نے مہلت مانگی ہو۔ انہیں شک ضرور ہوا تھا لیکن وقت سے پہلے یقین کیا آتا۔

بہاء الدین اٹھ کر گئے ہی تھے کہ بہروز خاں کے دروازے پر شاہی کارندہ پہنچ گیا۔ وہ ملازمت پر جانے کے لیے تیار ہو رہے تھے کہ طلبی کا فرمان آ گیا۔

''بادشاہ سلامت نے ابھی اسی وقت آپ کو طلب کیا ہے۔''

''تمہیں تو معلوم ہوگا کہ مجھے کس لیے بلایا ہے؟''

''مجھے کچھ نہیں معلوم۔''

بہروز خاں کے پاس اس کے سوا کوئی راستہ نہیں تھا کہ وہ حکم کی تعمیل کرے۔ تیار تو تھا ہی، گھوڑے پر سوار ہوا اور بادشاہ سے ملاقات کے لیے پہنچ گیا۔

اسے تو یہ گمان بھی نہیں تھا کہ مبارک شاہ جیسا متکبر بادشاہ ایک معمولی ملازم سے اس خوش اخلاقی سے پیش آئے گا۔ بہرحال وہ یہ دیکھ رہا تھا کہ مبارک شاہ کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ اس نے بہروز خاں کو بیٹھنے کے لیے بھی کہا تھا۔

''بہروز خاں! بہاء الدین وزیر آپ کی صاحبزادی کی بہت تعریف کر رہے تھے۔''

''یہ ان کا حسنِ نظر ہے۔''

''ہم نے سنا ہے وہ بہت اچھی شاعرہ ہیں۔''

''جی ہاں، کچھ مصرعے جوڑ تو لیتی ہے۔''

"آپ کو معلوم ہے ہم ادبی شاعری کے شائق ہیں۔"
"میں آپ کے ذوقِ ادب سے واقف ہوں۔"
"ہم چاہتے ہیں کہ ان کا کلام ہمیں سنایا جائے۔"
"وہ میری بیٹی ہے لیکن آپ کی باندی ہے۔ آپ کا حکم کہاں تک ٹال سکتا ہوں، یہ میری جرأت۔"
"ہم اپنے درباری شعرا کو جمع کریں گے کہ وہ اس شاعرہ کا کلام ملاحظہ فرمائیں اور داد و تحسین سے نوازیں۔"
"آپ کے حکم کی تعمیل ہوگی۔"
بہرام خان قصرِ ہزار ستون سے نکل کر سیدھا جلال الدین اکبر کے پاس پہنچا اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔ جلال الدین کو عجیب ضرور لگا لیکن اسے بادشاہ کی ادب دوستی سمجھ کر نظر انداز بھی کر دیا۔ درباری شعرا کے درمیان مقابلے ہوتے رہتے تھے۔ اس نے اسے بھی ایسا کوئی مقابلہ تصور کیا۔
"ٹھیک کہا ہے۔ وہاں اور بھی شعرا ہوں گے۔" جلال الدین نے کہا۔
"آپ کی بات درست ہے لیکن بادشاہ سے اس بات پر احتجاج ممکن نہیں۔"
"بادشاہ کا حکم ٹالا بھی نہیں جا سکتا۔ ایسے بادشاہ کو خوش رکھنے کا خیال ہوگا۔"
بہرام خان کے چلے جانے کے بعد جلال الدین اپنی لاعلمی پر نادم ہو رہا تھا۔ اسے خود پر غصہ آ رہا تھا کہ اس نے فاخرہ کی شاعری کا ذکر بادشاہ کے سامنے کیوں کیا۔
بہرام خان امید کر رہا تھا کہ بادشاہ پردے کا اہتمام کرے گا کیونکہ یہ اہتمام صرف معزز خواتین کے لیے ہوتا تھا اور فاخرہ کا تعلق شاہی خاندان سے نہیں تھا۔ وہ ایک معمولی ملازم کی بیٹی تھی۔
مقررہ وقت پر آغا محمد اور درباری شعرا اور فاخرہ کے درمیان ایک باریک پردہ ڈال دیا گیا۔ بادشاہ بھی پردے کے پیچھے ہی تشریف فرما تھا۔
درباری شعرا نے اپنے اشعار سنا کر ماحول بنا دیا۔ اس کے بعد فاخرہ نے اپنا کلام سنایا۔ اس کا کلام واقعی ایسا تھا کہ سب نے بے پناہ تعریف کی۔ بہرام خان دل ہی دل میں خوش ہو رہا تھا کہ فاخرہ کی شاعری بادشاہ کے دل کو لگ گئی اور درباری شعرا بھی گنگ ہو گئے۔
مشاعرے کے بعد جب فاخرہ اپنی جگہ سے اٹھی تو اس کے گھر پہنچنے تک خوشی اور فخر سے بہرام خان کا دل جھوم رہا تھا۔ بہرام خان کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔

دوسرے دن شاہی کارندہ پھر بہرام خان کے مکان پر دستک دے رہا تھا۔ بہرام خان کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ اس نے قاصد سے بھی ذکر کیا اور خوش خبری سنائی گئی کہ جہاں پناہ نے یہ خبر سنانے کے لیے بلایا ہے کہ تمہیں درباری شعرا میں شامل کیا جا رہا ہے۔ فاخرہ کا بھی خوشی سے برا حال تھا۔
ایک مرتبہ پھر بہرام خان بادشاہ کے روبرو تھا اور پہلے سے زیادہ عزت و احترام کے ساتھ۔
"بہرام خان! جانتے ہو ہم نے تمہیں کیوں بلایا ہے؟"
"حضور کے دل کا حال میں کیسے جان سکتا ہوں، البتہ یہ ضرور جانتا ہوں کہ حضور نے جو فیصلہ کیا ہوگا، اس غلام کی بہتری کے لیے ہوگا۔"
"تم نے بالکل ٹھیک اندازہ لگایا۔ تمہارے عالی نسب کو دیکھتے ہوئے ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ تمہیں اپنے خاندان کا حصہ بنا لیں۔"
"حضور! میں کچھ سمجھا نہیں۔"
"ہم بھی دیگر مغلوں کی طرح بہت سے ہوتے ہیں۔ ہمارا اشارہ فاخرہ کی طرف ہے۔ ہم اس کی سلامتی کی خاطر چاہتے ہیں کہ اسے حرم میں داخل کیا جائے۔ ہم نے تمہیں یہی اطلاع دینے کے لیے بلایا ہے۔"
بہرام خان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا جواب دے۔ اس نے بڑی مشکل سے اپنے حواس قابو میں کیے۔
"میری بیٹی جلال الدین اکبر کی منگیتر ہے۔ میں انکار بھی نہیں کر سکتا ہوں۔ سوچتا ہوں اب انکار کا جواب کیا دوں گا۔"
"بہرام خان! تم جانتے نہیں۔ یہاں سے کہاں تک ہماری حکومت ہے۔ جلال الدین کی کیا مجال کہ وہ ہماری پسند کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھے۔ آپ آرام سے گھر جائیں، ہم جلال الدین سے بات کر لیں گے۔"
بہرام خان وہاں سے اٹھ تو گیا لیکن اب جلال الدین کا سامنا کرنا مشکل ہو گیا تھا۔ وہ سیدھا اس کے مکان پر پہنچا اور بادشاہ سے ہونے والی گفتگو سے آگاہ کیا۔
"آپ کیا کہتے ہیں؟"
"بادشاہ کے حکم سے انکار میری کیا مجال۔"
"لیکن میری مجال ہے۔ میں بادشاہ سے خود بات کروں گا۔"
"جلال الدین کی خاموشی میں بہرام خان نے

"تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ بس کسی طرح بادشاہ سے کچھ مہلت طلب کرلو۔"

"میرے لیے تو یہ بھی مشکل ہوگا۔"

"یہ مشکل میں آسان کردوں گا۔ آج ہی رات اپنے گھر والوں کو لے کر گجرات کی طرف نکل جاؤ۔ میرے چند آدمی تمہاری حفاظت کے لیے تمہارے ساتھ ہوں گے۔ وہ تمہیں گجرات میں میرے ایک دوست تک پہنچادیں گے۔"

"گجرات بھی تو بادشاہ کی مملکت ہی کا ایک حصہ ہے۔ وہاں میری حفاظت کی کیا ضمانت ہے۔"

"تمہاری حفاظت کی ضمانت میں ہوں۔ جو کچھ میں سوچ رہا ہوں، وہ مجھے سوچنے دو۔"

بہروز خاں نے گھر پہنچ کر فاخرہ سے بات کی۔ اس نے بھی اتفاق کیا اور ضروری سامان تیار کرلیا۔ بس ان لوگوں کا انتظار تھا جن کی نگرانی میں انہیں گجرات پہنچنا تھا اور گھر کو تالا لگانا تھا۔

رات کے اندھیرے نے چادر تانی تو تیز رفتار رتھ بہروز خاں کے دروازے پر آکر کھڑا ہوگیا جس میں بہروز خاں اور فاخرہ کو سوار ہونا تھا۔ بہاء الدین دبیر کے دس وفادار سپاہی اس رتھ کو گھیرے ہوئے تھے۔

بہروز خاں اور فاخرہ سوار ہوئے اور رتھ آگے بڑھ گیا۔

جس وقت یہ رتھ شہر کے دروازے سے باہر نکل رہا تھا، اسی وقت بہاء الدین دبیر خسرو خاں سے ملاقات کے لیے اس کے مکان پر پہنچا تھا۔ یہ ملاقات ایسی تھی کہ رات کے اندھیرے میں ہی ہوسکتی تھی۔ خسرو خاں کو بھی کوئی تعجب نہیں ہوا تھا کیونکہ کئی امراء رات کے اندھیرے ہی میں اس سے ملے تھے اور بغاوت میں اس کا ساتھ دینے کا عہد کیا تھا۔ اس کے آدمیوں نے خوب اچھی طرح اطمینان کرنے کے بعد بہاء الدین کو خسرو خاں کے سامنے پیش کردیا۔ خسرو خاں نے بھی سوچا تھا کہ ملاقات میں کیا حرج ہے۔ معلوم تو کیا جائے کہ بہاء الدین کس مقصد کے تحت آئے ہیں۔ ہوسکتا ہے بادشاہ سے انہیں کچھ کام ہو اور وہ سفارش کے لیے اس کے پاس آئے ہوں لیکن اسے کچھ پوچھنے کی ضرورت ہی پیش نہ آئی۔ بہاء الدین نے خود ہی ذکر چھیڑ دیا۔

"خسرو خاں! اب بادشاہ کی زیادتیاں عروج پر پہنچ گئی ہیں۔ اب وقت آگیا ہے کہ میں آپ کے ارادوں کی تکمیل کے لیے آپ کا ساتھ دوں۔"

"آپ کس ارادے کی تکمیل کی بات کررہے ہیں؟"

خسرو خاں نے احتیاط کے طور پر انجان بنتے ہوئے کہا۔

"خسرو خاں! مجھے معلوم ہے کہ ان معاملات میں احتیاط ضروری ہوتی ہے لیکن آپ مجھ پر بھروسا کرسکتے ہیں۔ میں اپنے وسائل کے ساتھ آپ کا پورا پورا ساتھ دوں گا۔ جو کام میں اکیلا نہیں کرسکتا، وہ آپ کے ساتھ مل کر ضرور کروں گا۔"

"میں پھر بھی نہیں سمجھا۔"

"دیکھو خسرو خاں! بادشاہ نے میرے ساتھ ایک ایسی زیادتی کی ہے کہ مجھے غیرت سے مرجانا چاہیے لیکن یہ بھی میری بزدلی ہوگی۔ میں بادشاہ کو قتل کرنے کے ارادے سے تمہارے پاس آیا ہوں۔ جو کام میں اکیلا نہیں کرسکتا، وہ تمہارے ساتھ مل کر کروں گا۔"

"بہاء الدین! میرا مقصد مبارک شاہ کو قتل کرنا نہیں۔"

"اس کے بغیر تمہاری بغاوت بے اثر ہوگی۔"

"بادشاہ کو قتل کرنا آسان نہیں۔"

"مشکل کو آسانی میں تبدیل کرنے کے لیے ہی میں تمہارے پاس آیا ہوں۔"

"آخر ایسی کیا بات ہوگئی کہ آپ اس حد تک پہنچ گئے۔"

بہاء الدین دبیر نے تمام واقعات ایک ایک کرکے دہرادیے اور خود کو خسرو خاں کی پناہ میں دے کر یہ عہد کیا کہ وہ مبارک شاہ کو قتل کرنے اور خسرو خاں کو تخت پر بٹھانے میں اس کا پورا پورا ساتھ دے گا۔

بہاء الدین نہایت تجربہ کار امیر تھا۔ اس نے خسرو خاں کو چند ایسے مشورے دیے جن پر عمل کرکے خسرو خاں کی طاقت میں بے پناہ اضافہ ہوسکتا تھا اور بغاوت کے کام میں آسانی ہوتی۔

خسرو خاں کو ایک مضبوط سہارا مل گیا تھا۔ اس نے بہاء الدین کے مشوروں پر عمل کرنے کا ارادہ کرلیا۔

بہاء الدین کو معلوم تھا کہ آج کی رات کا دن چڑھنے کے بعد کیا ہونے والا ہے۔ مبارک شاہ کو یقیناً بہروز خاں کے فرار کی خبر مل جائے گی اور وہ معلومات کے لیے اسے (بہاء الدین کو) ضرور بلائے گا۔

دوسرے دن کا سورج طلوع ہوا اور خوب اچھی طرح دن چڑھ گیا تو بادشاہ کی طرف سے پیغام آگیا۔ انہیں یہ اطمینان تھا کہ اب بہت وقت گزر چکا ہے۔ بہروز خاں اور فاخرہ بہت دور نکل گئے ہوں گے۔ بادشاہ نے

اگر وہی وہاں نہ ہوتی تو وہ ان کی گرفت میں نہیں آسکتی تھی۔ انہوں نے جو وقت گزارنے کے لیے چار ہوتے ہیں جب ایک گھر بیڑا استون ... مبارک شاہ نے بھی ... سے انکار کر دیا تھا۔

"آپ کو یہ معلوم ہے، بہروز خاں ابھی سے فرار ہو چکا ہے۔" مبارک شاہ نے کہا۔

"وہ رات کو پہرے پر کون تھا؟ یقین کیجیے یہ معلوم نہیں کہ وہ فرار ہو گیا ہے۔"

"بہاؤ الدین! اگر مجھے یہ معلوم ہو گیا کہ اسے فرار کرانے میں آپ کا ہاتھ ہے تو میں آپ کے قتل کا فرمان جاری کرنے میں دیر نہیں کروں گا۔"

"میں اسے فرار کیوں کراؤں گا؟ میں تو اس کی صاحبزادی سے شادی کا خواہش مند تھا۔ میں نے تو آپ سے اجازت طلب کی تھی۔"

"اگر آپ کا اس میں ہاتھ نکلا تو یاد رکھیے کہ ... کسی نے بھی ... میرے سامنے پیش کر..."

"آپ کے حکم کی تعمیل ہوگی۔ وہ اگر پاتال میں بھی ہوا تو میں اسے ڈھونڈ لاؤں گا۔" بہاؤ الدین نے کہا۔

"اب وہ آپ کا نہیں میرا دشمن ہے۔ اس نے میری توہین کی ہے۔ وہ شاید اپنی بیٹی کی شادی مجھ سے نہیں کرنا چاہتا اسی لیے وہ یکدم روپوش ہو گیا ہے۔"

رات ہوئی تو خسرو خاں حسب معمول بادشاہ کا دل بہلانے کے لیے اس کی خلوت گاہ میں آیا تو بادشاہ نے اس سے بھی بہروز خاں کے فرار کا قصہ بیان کیا۔ خسرو خاں کو سب کچھ معلوم تھا لیکن اس نے یوں ظاہر کیا جیسے یہ اس کے لیے نئی خبر ہو۔ اس نے وعدہ کیا کہ وہ گجرات میں بہروز خاں کو تلاش کرنے کے اقدامات کرے گا۔

بہاؤ الدین کو یہ خبر موصول ہو چکی تھی کہ بہروز خاں بحفاظت گجرات پہنچ چکا ہے۔ وہ بادشاہ کو بتانے والا تھا کہ اس نے بہروز خاں کی گرفتاری کے لیے جال پھیلا رکھا ہے۔ بادشاہ نے بھی گجرات اور دکن کے حاکموں کو لکھ دیا تھا کہ وہ بہروز خاں کو تلاش کریں لیکن یہ کام خسرو خاں کے سپرد کیا گیا تھا اس لیے اس کے خطوط ان حاکموں تک کبھی نہیں پہنچے۔

بہاؤ الدین، خسرو خاں سے برابر ملتے رہتے تھے۔ اسی کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے خسرو خاں نے ایک روز بادشاہ کے سامنے اپنی ... کا ذکر چھیڑا ...

... بہروز اپنی بیٹی کے ساتھ ...

وزارت کے عہدے کی خواہش ایک اہم ذریعہ سمجھتے تھے۔ ان حالات میں چونکہ یہ غلام لشکر کا سردار بن چکا ہے اس لیے اکثر و بیشتر امرا اتنی شرافت نہیں رکھتے، ... میری سرداری کو اپنی توہین سمجھتے ہیں۔ اگر حضور اجازت دیں تو میں اپنے خاندان کے ان گنت لوگوں کو جمع کر کے ایک لشکر تیار کر لوں جو میری اطاعت میں اس قسم کے فرائض بہ حسن و خوبی انجام دے سکے۔"

خسرو خاں اس وقت بادشاہ کی خلوت گاہ میں تھا اور اس کا دل بہلا رہا تھا۔ بادشاہ سے قبل ہی ایسا تھا کہ خسرو خاں کی کوئی بات کبھی ٹال نہیں سکتا تھا۔ اس نے اس درخواست کو بڑی محبت کے ساتھ اسی وقت منظور کر لیا۔

خسرو خاں کو دراصل اس فوج کی ضرورت تھی ورنہ تمام انتظامات وہ پہلے ہی مکمل کر چکا تھا۔ اس نے گجرات کے بے شمار ہندوؤں کو انعام و اکرام کا لالچ دے کر اپنے لشکر میں بھرتی کر لیا۔ یہ لشکر بڑھتے بڑھتے ... تک پہنچ گیا۔ اس نے اپنے ... کو اس لشکر کے کونے کونے میں ... سے انکار کر سکے گا۔

... بادشاہ ... جانے کا ارادہ کر رہا ہے۔ خسرو خاں نے پکا ارادہ کر لیا کہ بادشاہ کو ... قتل کر دیا جائے۔

خسرو خاں نے اپنے ہم رازوں کی ایک خفیہ ... ان کے سامنے اپنی تجویز رکھی۔

"بادشاہ ... کے لیے "قصر ہزار ستون" کی طرف روانہ ہونے والا ہے۔ یہ اچھا موقع ہے۔ ہم اسے وہیں قتل کر سکتے ہیں۔"

بہاؤ الدین اور دوسرے امرا نے اس تجویز کی مخالفت کی۔

"اگر ہم نے راستے میں بادشاہ کو قتل کیا تو شاہی لشکر ہمارے خلاف ہو جائے گا۔"

"کیا ہم یہ موقع ضائع کر دیں؟"

"بہتر یہ ہے کہ ہم کسی دوسرے موقع پر بادشاہ کو محل میں موت کے گھاٹ اتار دیں۔"

"کیا محل میں یہ کام آسان ہوگا؟"

"وہاں لشکر نہیں ہوگا۔ تھوڑے سے لوگ ہوں گے جن پر قابو پایا جا سکتا ہے۔"

... تمام امرا اپنے اپنے ... کو محل میں ... کر لیں گے۔

اگر یہ امراء بادشاہ کے خون کا انتقام نہ لیں اور ہماری اطاعت کے دائرے میں داخل ہو جائیں تو ان کی جان بخشی کردی جائے ورنہ انہیں بھی بادشاہ کی طرح قتل کر دیا جائے۔''

یہ مشورہ خسرو خاں سمیت سب کو پسند آیا اور طے پایا کہ جب بادشاہ شکار سے واپس آجائے تو ہنگامہ برپا کر کے قصر ہزار ستون کی بالائی منزل پر اسے قتل کریں اور اسی محل میں پناہ لیں۔ ملوک کو ان کے گھروں سے بلوا کر نظر بند کر دیں وغیرہ وغیرہ۔

اب سلطان کی شکار سے واپسی کا انتظار ہو رہا تھا۔ روزانہ نئے نئے مشورے کیے جا رہے تھے۔ سب سے زیادہ جلدی بہاء الدین کو تھی کیونکہ اب حالات ایسے ہو گئے تھے کہ بادشاہ کے قتل کے بعد ہی فاخرہ بیگم اسے مل سکتی تھیں۔

مبارک شاہ جلد ہی شکار سے واپس آ گیا۔ اس کے قتل کا سامان مہیا کرنا تھا لیکن یہ اتنا آسان نہیں تھا۔ اس سے پہلے منصوبہ بندی کی ضرورت تھی۔ خسرو خاں کو ہر طرف سے مشورے مل رہے تھے اور وہ ایک ایک کر کے ان پر عمل کر رہا تھا۔

تمام انتظامات مکمل تھے، اب صرف ایک مرحلہ باقی تھا۔ یہ مرحلہ ایسا تھا جس پر صرف خسرو خاں ہی عمل کر سکتا تھا کیونکہ وہ بادشاہ کی خلوت کا ساتھی تھا۔ اس خلوت میں مدہوشی کے ایسے مراحل آئے تھے کہ بادشاہ خسرو خاں کی کسی بات کو نہیں ٹھکرا سکتا تھا۔ ایسی ہی ایک رات میں خسرو خاں نے مبارک شاہ کو شیشے میں اتارا۔

''حضور! کیا میں آپ کا معشوق بے بدل نہیں ہوں؟''

''میں حرم کی لاتعداد عورتوں سے زیادہ تمہیں چاہتا ہوں۔'' نشے میں مدہوش مبارک شاہ نے کہا۔

''کیا میں اپنی راتیں آپ کے عیش کے سپرد نہیں کرتا ہوں؟''

''میں بھی تو اس کے صلے میں تمہیں مالا مال کرتا ہوں۔''

''آپ کی مہربانیاں ہر وقت مجھ پر سایہ فگن رہتی ہیں۔ ایسی ہی ایک مہربانی کا اور طالب ہوں۔''

''میں تمہیں اتنا چاہتا ہوں کہ بادشاہت بھی طلب کرو تو دینے کو تیار ہوں۔''

''حضور! میں اکثر اوقات بہت رات گئے تک حضور کے ساتھ رہتا ہوں۔ جب رخصت ملتی ہے تو محل کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ مجبور ہو کر میں حضور کے محل کے کسی کونے میں پڑا رہتا ہوں اور رات کا باقی حصہ بسر کر دیتا ہوں۔ مجھے تو آپ کے محل کا ہر کونا جنت کی طرح لگتا ہے لیکن اس سے میرے عزیزوں کو بہت تکلیف ہوتی ہے۔ میرے وہ عزیز جو میری خاطر اپنا وطن چھوڑ کر یہاں آئے ہیں میرے پاس نہیں آ سکتے اور نہ ملاقات کر سکتے ہیں۔ اگر محل کے عقبی دروازے کی چابیاں میرے پاس ہوں تو میں اپنے عزیزوں کو رات کے وقت بلا سکتا ہوں اور وہ مجھ سے ملاقات کر سکتے ہیں۔''

مبارک شاہ مستی میں ایسا مدہوش اور غافل تھا، حکم دے دیا کہ چابیاں خسرو خاں کے حوالے کر دی جائیں۔

''بھلا تجھ سے اور تیرے ہم قوم جوانوں سے بڑھ کر میرے لیے اور کون صاحبِ اعتبار ہو سکتا ہے۔ میں آج سے شاہی دولت خانے کے تمام انتظامات تیرے سپرد کرتا ہوں۔''

چابیاں حاصل کرتے ہی خسرو خاں کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ اسے یقین ہو گیا کہ شاہی تخت پر بیٹھنے کے دن اب قریب آ گئے ہیں۔

جب شاہی بارگاہ پوری طرح خسرو خاں کے قبضے میں آ گئی تو اس کے لشکر کے لوگ اسلحے سے آراستہ ہو کر رات دن خسرو خاں کے شبستان میں چکر لگانے لگے۔ قریب ہی ملک نائب کا مکان (فرد خانہ) تھا۔ خسرو خاں کے ہم قوم افراد دو تین سو کی تعداد میں رات بھر جمع رہتے اور صبح ہوتے ہی روانہ ہو جاتے۔ پہرے دار جو محل ہی میں سوتے تھے یہ سب تماشے دیکھ رہے تھے۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ ان لوگوں کا اس طرح محل میں آنا مصیبت سے خالی نہیں ہو سکتا لیکن مبارک شاہ اس قدر بدمزاج ہو گیا تھا کہ کسی کو یہ ہمت نہ ہوتی تھی کہ اس کی جان کی سلامتی کے متعلق کوئی بات اس کے سامنے کہے لیکن محل میں ہر طرف چہ میگوئیاں ہونے لگی تھیں کہ کچھ نہ کچھ ہونے کو ہے۔ مبارک شاہ کو خسرو خاں کی محبت نے اندھا کر دیا ہے اور وہ خسرو خاں کے ہاتھوں خود کو قتل کرانے والا ہے۔ بڑے بڑے بلند مرتبے رکھنے والوں کے لیے یہ ممکن نہ تھا کہ سلطان سے کہتا کہ خسرو خاں کی بغاوت کا منصوبہ گلے تک پہنچ گیا ہے۔ اگر تو چاہے تو اپنی جان بچا سکتا ہے۔ ان لوگوں میں سے جو راتوں کو محل کے اندر آتے ہیں، کسی ایک کو پکڑوا کر تحقیق کرتا کہ وہ خسرو خاں کے مشوروں کا حال تجھ پر ظاہر کر دے اور یہ بتلا دے کہ معاملہ کہاں تک پہنچ گیا ہے۔ محل کے تمام بزرگ خسرو خاں کی بغاوت سے متعلق مشورے سنتے تھے اور خسرو خاں کے

ہر طرح ہوشیار ہیں اور اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے کہ ابتدا
ہی میں علاؤالدین بھی باغی کر کے اور قتل کرا کے ہی
سلطان کے بے وجود ہو جانے کے امکان سے ابتدا ہی میں
مار سکتے تھے۔ وہ بڑی دور سے تماشا دیکھ رہے تھے۔

جب معاملات بہت آگے بڑھ گئے تو قاضی ضیا
الدین سے نہ رہا گیا۔ وہ چونکہ مبارک شاہ کا استاد رہ چکا تھا
اس لیے اسے یہ حق حاصل تھا کہ بادشاہ اس کی بات کو نظر انداز نہ کرے
گا۔ وہ نماز عصر کے بعد بادشاہ کے پاس گیا اور اپنی بات
پوری تفصیل کے ساتھ اس کے سامنے سارا ماجرا کہہ دیا۔

"خسرو خاں کے گھر میں ہر روز رات کے وقت اس
کے حمایتی جمع ہوتے ہیں اور ہتھیاروں اور زرہ بکتر سے لیس اور
مسلح رہتے ہیں۔ میں نے بہت سے لوگوں سے سنا ہے کہ خسرو
خاں بغاوت کی فکر میں ہے جس روز موقع ملے گا وہ حملہ کر دے گا۔
یہ بات بادشاہ کے حرم پر حملہ کرنے والوں کی ہے اس لیے جب تک
شک اور یقین نہیں..... میں عرض کر رہا ہوں۔ حضور عالم
خوب جانتے ہیں کہ سلطان علاؤالدین کے زمانے میں اگر
کوئی شخص اپنے گھر کے اندر بھی کوئی بات کہہ دیتا تو اس کی
خبر سلطان کو پہنچ جاتی اور اب بادشاہ کے محل میں اتنی بڑی
جمعیت کے متعلق کسی کو خبر نہیں۔ میں آپ کا خیر خواہ
ہوں۔ میرا مشورہ تو یہ ہے کہ آپ اس معاملے کی تحقیق
کرا لیں۔ اور تحقیق کے بعد اگر میرا کہنا درست ہو تو
ثابت ہو تو خسرو خاں پر سلطان کا بڑا ربط اور اعتماد
ہونا چاہیے اور اگر یہ بات ثابت ہو جائے تو
بادشاہ کی جان خطرے میں پڑ جائے گی۔"

ہو سکتا ہے کہ مبارک شاہ اس ہمدردی کی باتوں
پر غور کرتا لیکن اس پر تو خسرو خاں کا جادو چل چکا تھا۔ قاضی کی
باتیں اسے ناگوار گزریں کہ یہ خیال بے بنیاد ہے اور اس کے
استاد ہونے کا ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

"آپ کو جرأت کیسے ہوئی خسرو خاں کے بارے
میں ایسی باتیں کہنے کی۔ آپ بھی ان لوگوں میں شامل
ہو گئے ہیں جنہیں خسرو خاں سے میری محبت گوارا نہیں۔
آئندہ خسرو خاں کے خلاف ایک لفظ زبان سے نکالنے سے پہلے
خیال رکھیں کہ آپ میرے استاد ہوتے ہیں۔"

قاضی صاحب اپنا سا منہ لے کر بادشاہ کے پاس سے
اٹھ آئے۔ وہ محو خیال ہی تھے کہ خسرو خاں کی باتوں سے
بچ گیا۔ بادشاہ نشے میں بہرا تھا۔ قاضی صاحب نے
خسرو خاں کے ارادے کی نسبت جو باتیں کی تھیں وہ
خسرو خاں کے سامنے بیان کر دیں۔

کرائی۔ بہت سے حرم کے آدمیوں نے فرار اختیار کیا ہے۔

"خداوند عالم مجھ پر بے حد مہربان ہیں اور دوسرے
امرا سے میرا اس قدر بلند مرتبہ نہیں دیکھا جاتا۔ جب کبھی کوئی ملک
بزرگان مملکت میری جان کے پیچھے پڑ گئے ہیں اور کوشش
کرتے ہیں کہ مجھ کو قتل کر وا دیں۔"

بادشاہ اس کی گریہ و زاری سے ایسا متاثر ہوا کہ اٹھ کر
بڑھا اور اسے گلے سے لگا لیا۔

"اگر سارا جہان زیر و زبر ہو جائے اور میرے تمام
مشیر کی ایک ہی زبان ہو کر بھی تیرے خلاف مجھ سے کچھ کہیں
تب بھی میں تجھ پر ایسا عاشق اور شیدا ہوں کہ تیرے ایک
بال پر سب قربان کر دوں۔ تو مطمئن رہ کہ کوئی شخص بھی
ہو میں تیرے متعلق اس کی باتوں کو کبھی نہیں سنوں گا۔"

اس گفتگو کے بعد مبارک شاہ نے خسرو خاں کو
رخصت کر دیا اور خود حرم سرا میں داخل ہو گیا۔

خسرو خاں وہ تمام باتیں سن چکا تھا جو قاضی ضیا
الدین نے اس کے بارے میں کی تھیں۔ اس کی چالاکی
نے یہ ظاہر نہیں ہونے دیا کہ اسے علم ہو چکا تھا۔ قاضی صاحب
کی باتیں وہ پی گیا تھا کہ کسی وقت بھی وہ اس کے راز بادشاہ کے
کان بھر سکتے تھے۔ خسرو خاں نے یہی بہتر سمجھا کہ قاضی
صاحب کی زبان ہمیشہ کے لیے بند کر دی جائے۔ اس نے
اپنے ساتھیوں کو طلب کیا اور قاضی صاحب کے قتل کی تجاویز
کے لیے مشورے کرنے لگا۔

اس کا موقع بھی جلد ہی آ گیا۔ اس کے بعد جو رات آئی تھی وہ
جب رات آئی تو خسرو خاں کے تمام ساتھی مسلح ہو کر
شاہی محل کے اندر کے دروازے پر جا پہنچے اور
کئی کئی لوگوں نے حجرے میں بیٹھ گئے۔

جب رات گزر گئی اور ہر طرف سناٹا چھا گیا اور
ان امرا کے علاوہ کہ جن کی پاسبانی ہزار ستون پر تھی اور کوئی
محافظ نہ رہا تو قاضی ضیا الدین پاسبانوں کی نگرانی کے لیے
ہزار ستون میں داخل ہوئے۔ خسرو خاں کا چچا ساتھ
تھا اور قاضی صاحب کو باتوں میں لگا لیا تاکہ وہ ادھر ادھر کے
ماحول سے غافل ہو جائیں۔ اس مکار شخص نے قاضی
صاحب کو ایک گھوڑی بھی دی اور باتوں میں الجھائے
رکھا۔ کسی کو علم نہیں تھا کہ جاہریا نامی ایک شخص موقع کی
تاک میں تھا۔ اس نے جب یہ دیکھا کہ قاضی صاحب
باتوں میں کھوئے ہوئے ہیں تو خاموشی سے کمیں گاہ سے نکلا اور بے
دریغ وار کیا۔ قاضی صاحب کے قریب پہنچ کر تلوار کا ایک
ایسا ہاتھ مارا کہ قاضی صاحب پر ورا ان کا جسم دو ٹکڑے

ہو گیا۔ قاضی صاحب کے ساتھ دو تین آدمی اور بھی تھے۔ انہوں نے یہ منظر دیکھ کر چلانا شروع کر دیا کہ قاضی صاحب قتل ہو گئے اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ یہ شور سن کر دوسرے پہرے دار تحقیقات کے لیے اپنی جگہ سے اٹھے۔ خسرو خاں کے آدمی بھی کمین گاہ سے باہر نکل آئے اور تلواریں لہراتے ہوئے ہزار ستون میں داخل ہوئے۔ پہریدار بھی ڈٹ گئے اور قتل و غارت گری کا بازار گرم ہو گیا۔

جس وقت یہ ہنگامہ ہو رہا تھا، خسرو خاں بادشاہ کے پہلو میں بیٹھا تھا اور شراب کا دور چل رہا تھا۔ نیچے ایسا شور شرابا ہوا کہ اوپر تک آواز گئی۔ بادشاہ نے یہ شور سنا تو خسرو خاں کی طرف دیکھا۔

''اتنی رات گئے یہ شور کیسا ہے۔''

''حضور! میں ابھی جا کر دیکھتا ہوں۔''

خسرو خاں کو معلوم تھا کہ یہ شور کیسا ہے پھر بھی وہ بادشاہ کے پاس سے اٹھ کر باہر آیا۔ چند لمحے باہر کھڑا رہا اور پھر اندر آ گیا۔

''کوئی خاص بات نہیں۔ نوبت کے گھوڑے ہزار ستون میں آ گئے تھے، جلوداروں کے ہاتھ سے نکل گئے ہیں۔ لوگ ان کو پکڑنے کے لیے دوڑ رہے ہیں اور اسی بنا پر شور ہو رہا ہے۔''

بادشاہ مطمئن ہو گیا۔ کچھ دیر نہیں گزری تھی کہ حملہ آور ہزار ستون کے دروازے سے کوٹھے پر پہنچے اور خاص شاہی چوبداروں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ شاہی خلوت گاہ شور سے گونج اٹھی۔ بادشاہ نشے میں تھا لیکن سمجھ گیا کہ معاملہ کچھ اور ہے۔ پریشانی اور گھبراہٹ میں اپنی جگہ سے اٹھا۔ جوتے پہننا بھی بھول گیا اور بے تحاشا حرام سرا کی طرف بھاگا۔ خسرو خاں نے اسے بھاگتے ہوئے دیکھا تو آگے بڑھا اور بادشاہ کے بل کھاتے ہوئے بال مضبوطی سے پکڑ لیے۔ بادشاہ نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں حیرت سے باہر آ گئیں۔ جسے وہ معشوق بنائے ہوئے تھا، جس کی خاطر بڑے بڑے امراء کو ناراض کیا تھا، وہ اس کے بالوں کو پکڑ کر اسے نیچے گرانے کی کوشش کر رہا تھا۔ بادشاہ نے اسے بغل میں دبوچ لیا اور اسے نیچے گرا کر اس کے سینے پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔ چاہتا تھا کہ اپنے بال خسرو خاں کے ہاتھوں سے چھڑا لے لیکن خسرو خاں کسی صورت اس کے بال چھوڑنے کو تیار نہیں تھا۔ اسی حالت میں جبکہ سلطان، خسرو خاں کو نیچے گرا کر اس کے سینے پر بیٹھا ہوا تھا اور خسرو خاں نیچے لیٹا ہوا اس کے بال اپنے ہاتھوں میں لپیٹے ہوئے تھا، خسرو خاں کے باقی ساتھی بھی خلوت گاہ میں داخل ہو گئے۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو دیکھا تو زور سے چیخا۔

''جلدی آؤ اور مجھے اس سے چھڑاؤ۔'' یہ فریاد سن کر وہی جاہر نامی شخص جس نے قاضی ضیا الدین کو قتل کیا تھا، آگے بڑھا اور تلوار کا ایسا وار کیا کہ بادشاہ وہیں ٹھنڈا ہو گیا۔ جاہر نے مردہ بادشاہ کو سر کے بالوں سے گھسیٹ کر خسرو خاں کے اوپر سے کھینچ لیا اور اس کا سر کاٹ کر ہزار ستون سے نیچے پھینک دیا۔ لوگوں نے اس بے تن سر کو دیکھا تو فوراً پہچان لیا۔ اب لڑنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ جس کو جہاں جگہ ملی، وہاں جا کر چھپ گیا۔ محل کی بالائی منزل خسرو خاں کے آدمیوں سے بھر گئی۔ چوکیدار بھاگ کھڑے ہوئے۔ کوئی نہیں تھا جو بادشاہ کے لیے آواز بلند کرتا۔

سلطان قطب الدین کو قتل کرنے کے بعد خسرو خاں کا ماموں ''رندھول'' اس کا بھائی حسام الدین اور اس کے کئی دوسرے رشتے دار بادشاہ کے حرم میں گھس گئے۔ انہوں نے سلطان علاؤ الدین کی بیوی یعنی فرید خاں اور عمر خاں کی ماں کو قتل کیا۔ جتنے نوعمر لڑکے تھے ان سب کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ جی بھر کے اہل حرم کی بے عزتی اور توہین کی۔ مبارک شاہ کی جن بیویوں کا آنچل تک کسی نے نہیں دیکھا تھا، ان کی عزتیں پامال ہوئیں۔

ہاتف غیبی آواز دے کر کہہ رہا تھا۔ ''تو جو بوئے گا وہ کاٹے گا۔''

جب کاٹنے کے لیے کوئی سر باقی نہ بچا اور مکمل غلبہ ہو گیا تو اسی آدھی رات کے وقت وہ امراء اور دوسرے معتبر لوگوں کو ان کے گھروں سے محل میں لے آئے اور ہزار ستون کے اوپر لے گئے اور ان سے اپنی تخت نشینی کا عہد لینے کے لیے نظر بند کر دیا۔

جب صبح ہوئی اور دن نکل آیا تو ان گرفتار امراء کو طلب کیا اور ان سب لوگوں کے سامنے ناصر الدین کا لقب اختیار کر کے تخت سلطنت پر بیٹھ گیا۔

عین الملک ملتانی جو ان دنوں دیوگڑھ سے آیا ہوا تھا، ملک جونا جو بعد میں محمد شاہ تغلق کے نام سے مشہور ہوا، اور دوسرے کئی نامی گرامی امراء جو اس واقعے سے بے خبر تھے اور اپنے گھروں میں پڑے سو رہے تھے، بھاگنے سے پہلے گرفتار ہوئے اور ان معزز لوگوں کو اپنے سامنے مؤدب کھڑے رہنے کا حکم دیا۔

خسرو خاں نے تخت پر بیٹھتے ہی حکم دیا کہ سلطان قطب الدین کے ان چند غلاموں کو جن کے ساتھ اس کو

خسرو حقیقت کی اور بعض امرا عین موقع پر بچ جانے میں کامیاب
کر کے قتل کر دیا جائے۔ ان کے گھر کی عورتوں کی سخت ذلت ہوئی۔ ان عورتوں سے بعض کو ان کے شوہروں کے سامنے قتل کر دیا گیا اور بعض کو گلی میں لا کر کسی دوسرے کے حوالے کر دیا گیا اور ان کی بیٹیوں کی عزت بھی اتاری گئی۔ ان کی مسلمان بیویوں کو گجرات کے ہندوؤں کو بخش دیا گیا۔ یہ وہ ہندو تھے جو گجرات سے خسرو کے لشکر میں شامل ہوئے تھے۔

قاضی ضیاء الدین کا مکان جل اسباب کے ساتھ تباہ کر دیا گیا۔ ان کے بیٹے ان کے قتل کی خبر سنتے ہی فرار ہو گئے تھے ورنہ وہ بھی مارے جاتے۔ یہ مکان خسرو خان نے اپنے ماموں "رندھول" کو دے دیا۔ بہاء الدین دبیر کو "اعظم الملک" کے خطاب سے نوازا۔ اسی طرح دوسرے امرا کے درمیان عہدے تقسیم کیے گئے۔ جس شخص نے بادشاہ کو قتل کیا تھا اسے موتیوں اور جواہرات سے لاد دیا گیا۔

علاء الدین خلجی اور مبارک شاہ کی بیویاں اور ان سے متعلق عورتوں کو خسرو خان اور اس کے ہندوؤں نے آپس میں تقسیم کر لیا۔

☆☆☆

خسرو خان کو تخت نشین ہوئے دو تین دن سے زیادہ نہیں ہوئے تھے کہ اس کی نیت کا اندازہ ہو گیا۔ پرانے امرا کی بے چینی بڑھ گئی۔ ان میں سے چند نے ارادہ کر لیا کہ خسرو خان سے مبارک شاہ کے قتل کا بدلہ لیا جائے۔ ان میں غازی ملک کا بیٹا ملک جونا سب سے آگے تھا۔ وہ ایک دن [illegible] کے وقت بھاگ نکلا اور چند دوستوں کے ساتھ دیپالپور پہنچ گیا جہاں اس کا باپ غازی ملک دیپالپور کا حاکم تھا۔

خسرو خان نے ملک جونا کے فرار کی خبر سنی تو وہ خوف سے کانپ اٹھا۔ وہ ان کی بہادری سے واقف تھا۔ یہ بھی جانتا تھا کہ غازی ملک اور ملک جونا اس کے اقتدار کے لیے خطرہ بن سکتے ہیں۔ خسرو خان نے اس کے تعاقب میں آدمی دوڑائے مگر وہ ہاتھ نہ آیا [illegible] ملک جونا صحیح سلامت دیپالپور پہنچ گیا۔ غازی ملک پہلے ہی خسرو خان کے خلاف تھا۔ اب جو بیٹے کو اپنے پاس دیکھا تو اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ اور خسرو خان سے انتقام لینے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ آس پاس کے علاقوں کے امرا [illegible] خسرو خان سے جنگ کرنے کو تیار ہو گئے۔

☆☆☆

خسرو خان کے اقتدار میں آتے ہی بہاء الدین دبیر کا خاندان [illegible] بیگم [illegible] سے شادی کرنے کی اجازت خسرو خان سے لینے کی ضرورت تھی کیونکہ اب وہ بادشاہ تھا۔ انہوں نے خسرو خان کا ساتھ دیا تھا [illegible] اجازت مل جانے کی [illegible] کا ماحول دیکھ کر وہ ڈر گئے۔ انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ خسرو خان نے مبارک شاہ کی بیوہ سے عدت کے دوران نکاح کر لیا تھا۔ انہیں مبارک شاہ کا بھی تجربہ تھا کہ اس نے [illegible] اپنی شادی کا پیغام بھیج دیا تھا۔ اب وہ خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ انہیں اب ایک اور چال سوجھی۔ انہیں خسرو خان سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ [illegible] سے انتقام لینے کے لیے خسرو خان کے ساتھ ہو گئے تھے۔ مبارک شاہ قتل ہو چکا تھا [illegible] "عیب" [illegible] اجازت [illegible] ان کے [illegible] کی سمت نہیں جا سکتا تھا۔

[illegible] انہوں نے یہ تجویز پیش کی کہ اپنی بیٹیوں کو [illegible] جاتے ہیں۔ آس [illegible] بہت بڑا تو قدم [illegible] تھے۔ اس کے علاوہ وہ یہ سوچ رہے تھے کہ [illegible] ایک ہی راستہ تھا کہ ملک جونا کے پاس [illegible] خسرو خان کا ساتھ دیا تھا اب اس کا ساتھ دیں۔

انہوں نے خسرو خان سے یہ اجازت حاصل کر لی کہ وہ گجرات جا کر [illegible] خسرو خان کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ انہوں نے اجازت ملتے ہی [illegible] بچیوں کو اپنے ساتھ لیا اور گجرات کی طرف روانہ ہو گئے۔

[illegible] خان اور [illegible] بیگم وہاں خیریت سے تھے اور [illegible] کا انتظار کر رہے تھے۔ [illegible] ایک اور مسئلہ [illegible] تھا۔ بہاء الدین انہیں [illegible] جانے کی [illegible] تھے۔

وہ سب گجرات سے نکلے اور ایک غیر معروف راستہ اختیار کرتے ہوئے دیپالپور پہنچ گئے۔ [illegible] اس وقت خسرو خان سے مقابلے کے لیے لشکر جمع کر رہا تھا۔ [illegible] بہاء الدین نے اسے بتایا کہ [illegible] لشکر [illegible] میں ہے اور

بھی اگر ہم دہلی پہنچے تو ہمارا ساتھ دینے کے لیے ہماری صفوں میں آجائے گا۔

جب ملک جونا نے اپنی طاقت بڑھانے کے لیے اس کی معاونت قبول کرلی تو بہاء الدین نے یہ سوچ کر کہ آئندہ نہ جانے کیا حالات ہوں' فاخرہ بیگم سے شادی کرلی۔

☆☆☆

ملک جونا کا فرار ہو کر دیپالپور پہنچ جانا خسرو خاں کے لیے کچھ کم حادثہ نہیں تھا کہ اسے معلوم ہوا کہ بہاء الدین وبیر بھی دیپالپور پہنچ گیا ہے۔ اب اس میں کوئی شک نہیں رہ گیا تھا کہ ملک جونا بہت جلد دہلی کا رخ کرے گا۔ اس نے اپنے ہمدرد امراء کا اجلاس طلب کیا جس میں طے پایا کہ پرندے کے پرواز نے سے پہلے کاٹ دو۔

خسرو خاں نے امراء کی اجازت ملتے ہی لشکر تیار کیا لیکن کسی تجربہ کار امیر کے بجائے اپنے بھائی کو لشکر کا سردار بنایا جسے اس نے خانِ خاناں کا لقب دیا ہوا تھا۔ خانِ خاناں ہاتھیوں، خزانے اور لشکر کے ساتھ ملک جونا اور غازی ملک سے جنگ کرنے کے لیے دیپالپور کی طرف روانہ ہوا۔

خانِ خاناں نہ تو زمانے کی گردشوں سے واقف تھے، نہ کوئی تجربہ رکھتے تھے اور نہ حق پر تھے۔

خانِ خاناں کی آمد کی خبر سن کر غازی ملک بھی آگے بڑھا۔ سرتی کے میدان میں دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا۔ اپنی کمزوری اور ناتجربہ کاری کی وجہ سے خان خاناں سرتی کے قلعے کو غازی ملک کے پیادوں اور سواروں سے نہ لے سکے۔ غازی ملک وہ بہادر تھا جو بیس مرتبہ مغلوں سے فتح یاب ہو چکا تھا۔ اس نے پہلے ہی حملے میں خسرو خاں کے لشکر کو شکست دے دی۔ خسرو خاں کے بھائی کا چتر اور وہ تمام خزانہ اور ہاتھی گھوڑے جو خسرو خاں نے اپنے بھائی کے ساتھ بھیجے تھے' سب غازی ملک کے قبضے میں آگئے۔ اس کے کچھ امیر مارے گئے، کچھ گرفتار ہو گئے۔

خان خاناں بچے کھچے لشکر کے ساتھ ایسا فرار ہوا کہ خسرو خاں کے پاس پہنچ کر دم لیا۔

اس شکست نے خسرو خاں کو پریشان کر دیا۔ وہ کیا کوئی بھی کہہ سکتا تھا کہ غازی ملک اور اس کا بیٹا جونا خاں اس فتح کے بعد دہلی کا رخ کریں گے۔ اب خسرو خاں کے پاس دو ہی راستے تھے یا تو وہ خزانہ اپنے ساتھ لے کر کسی طرف بھاگ جائے لیکن لشکر کے بغیر جہاں جاتا مارا جاتا اور پھر اس کے لالچی امیر اسے خزانہ لے کر کیسے بھاگنے دیتے۔ دوسرا راستہ یہ تھا کہ غازی ملک کا مقابلہ کیا جائے۔ اس نے یہی راستہ اختیار کرنے کی ٹھانی اور خزانہ لٹا کر وفاداریاں خریدنے کی راہ اختیار کی۔ اس نے دہلی سے باہر نکل کر مقابلہ کرنے کا ارادہ کیا مگر اس کی ہمت جواب دے گئی اور حوضِ علائی کے قریب ایک میدان میں پڑاؤ ڈال دیا۔ اب اس کا محلِ وقوع یہ تھا کہ باغات سامنے تھے اور پشت کی طرف دہلی کا قلعہ تھا۔ یہ مقام ''لہراوت'' کہلاتا تھا۔

غازی ملک کے ڈر سے اس نے جہاں پناہ کے اندر ہی لشکر گاہ قائم کی۔ کیلوکھری اور دہلی دونوں جگہوں سے خزانہ لشکر گاہ میں لے آیا اور دولت لٹانے والوں اور ہارے ہوئے جواریوں کی طرح خزانے میں جھاڑو دلوا دی۔ اسے اب یقین ہو گیا تھا کہ حکومت جانے والی ہے اس لیے اس نے بیت المال کا سارا روپیا ڈھائی مہینے کی تنخواہ اور انعامات کی شکل میں لشکر کے سپاہیوں کو دے دیا۔ خزانے میں ایک کوڑی بھی نہ چھوڑی۔ اس کا خیال تھا کہ اس طرح دولت لٹانے سے لوگ اس کے لیے جان دینے پر تیار ہو جائیں گے لیکن سپاہیوں کا یہ حال تھا کہ روپیا لیتے تھے اور جب موقع ملتا تھا گھروں کو چلے جاتے تھے۔

غازی ملک اپنے لشکر کے ساتھ منزل بہ منزل کوچ کرتا ہوا دہلی کے نزدیک آگیا تھا اور بالآخر اندر پت کی آبادی کے قریب خیمہ زن ہو گیا۔

جس روز جنگ ہونے والی تھی، خسرو خاں کو زبردست جھٹکا لگا۔ عین الملک ملتانی جو ایک نہایت بااثر امیر تھا، اس کے خلاف ہو گیا اور اپنا لشکر لے کر اجین کی طرف چلا گیا۔ خسرو خاں کے لیے یہ ایک بڑا حادثہ تھا لیکن اب جنگ سر پر کھڑی تھی۔ اس مصیبت سے مفر نہیں تھا۔

دن کی روشنی نے اندھیرے کو للکارا تو غازی ملک نے اپنے لشکر کو آگے بڑھایا۔ خسرو خاں اپنی قیام گاہ سے روانہ ہوا۔ لہراوت کے میدان میں دونوں لشکر آمنے سامنے آکر صف آرا ہو گئے۔ پہلی ہی جھڑپ میں خسرو خاں کا وفادار امیر ملک تلیغہ ناگوری مارا گیا۔ اس کے لشکر کے بھی ٹکڑے اڑ گئے۔ ایک اور امیر شائستہ خاں اس خونریزی کی تاب نہ لا سکا اور بھاگ کھڑا ہوا۔ یہ حادثہ کچھ کم نہ تھا لیکن خسرو خاں نے صبر و تحمل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا اور عصر کے وقت تک ڈٹا رہا لیکن موت اس کے قدموں کے ساتھ چل رہی تھی۔ غازی ملک کے حملوں کی تاب نہ لا کر اس کا لشکر منتشر ہو گیا۔ خسرو خاں اپنے لشکر سے جدا ہو گیا۔ اس نے میدانِ جنگ سے فرار ہی میں

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-



دولت و ثروت کی۔ اس وقت ان کا کوئی ساتھی ان کے ساتھ نہ تھا۔ مطلب ”تخت سے پہلے ہی بچنے کے لیے ایک محفوظ مقام اسے سوجھ گیا۔ یہ اس کے قدیم ولی نعمت ملک شادی نائب کا باغ تھا۔ وہ چوروں کی طرح جا چھپا۔ پوری شب وہاں ... چھپ کر بیٹھا رہا۔

میدان جنگ میں رات کا اندھیرا پھیل گیا تھا۔ غازی ملک نے واپسی کا نقارہ بجوا دیا اور بہت جلد ایک تمام علاقے پر قبضہ ہو گیا۔

اس کی فوج کا ایک دستہ رات ہی کو خسرو خاں کی تلاش میں روانہ ہو گیا تھا۔ صبح کی پہلی کرن کے نمودار ہوتے ہی اسے تلاش کر لیا گیا۔ اس کا بھائی حسن خان بھی اسی باغ میں چھپا ہوا مل گیا۔ دونوں کو غازی ملک کے سامنے پیش کیا گیا۔ غازی ملک نے دونوں کو ... بے اختیار چیخا ”کافر نعمت“ اور ان کی گردنیں اڑا دینے کا حکم جاری کر دیا۔

صبح ہوتے ہی دوسرے دن جب ملک غازی ... میں مقیم تھا۔ شہر کے اکابر اور عہدیداروں کی ایک جماعت اس کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ وہ محل اور خزانوں کی کنجیاں اس کی خدمت میں پیش کی گئیں۔ ملک غازی سوار ہوا اور بڑی جمعیت کے ہمراہ شہر میں داخل ہوا اور ان سب بزرگوں کے سامنے ہزار ستون میں بیٹھا۔ اس نے سب سے پہلے تو ان سب بزرگوں سے جو وہاں جمع تھے، مبارک شاہ اور ... کی ... دوبارہ ... ان سے مخاطب ہوا۔

”میں ان لوگوں میں سے ایک ہوں جن کو سلطان علاؤالدین اور مبارک شاہ نے بلند مرتبے پر پہنچایا۔ اسی بزرگ ملک علائی کی وجہ سے میں نے اپنی جان کی بازی لگائی اور ان کا انتقام لیا۔ اب میں عام اعلان کرتا ہوں کہ اگر ان دونوں سلطانوں کے خاندان میں سے کوئی زندہ بچا ہے تو اسی وقت اس کو لاؤ اور تخت پر بٹھلا دو۔ میں اپنے مربیاں کے سامنے کمربستہ ہو کر کھڑا ہوں گا اور اس کی خدمت بجا لاؤں گا۔ اگر دشمنوں نے اس خاندان ... کا مکمل صفایا کر دیا ہے تو آپ بزرگ جو یہاں جمع ہیں۔ آپ لوگ جس کو تخت کا حقدار سمجھیں اسی کو تخت پر بٹھلا دیں۔ میں بھی اس کی اطاعت کروں گا۔ میں نے اپنی اور اپنے اہل و عیال کی جان کی بازی اس لیے نہیں لگائی ہے کہ تخت حاصل کروں۔“

ان سب بزرگوں نے یک زبان ہو کر کہا۔ ”سلطان علاؤالدین اور مبارک شاہ کی اولاد میں سے کوئی زندہ نہیں بچا ہے جو بادشاہی کے لائق ہو اور خسرو خاں کے غلبے کی وجہ سے سلطنت کے تمام علاقوں میں فساد بپا ہو گیا ہے اور معاملات ضابطے سے باہر ہو چکے ہیں۔ ہم سب لوگ جو یہاں جمع ہیں بادشاہی کے لائق اور حکمرانی کا حق دار تیرے سوا کسی اور کو نہیں سمجھتے۔ تیرے سوا اس تخت کے لیے کسی اور کو مناسب نہیں سمجھتے۔ تو کہ غازی ملک ہے، ہم پر تیرے بہت سے حقوق ہیں۔ کئی سال سے تو مغلوں کے حملوں کے لیے دیوار بنا ہوا ہے اور تیری ہی وجہ سے ہندوستان میں مغلوں کی آمد کا راستہ بند ہے۔ ... کیا ہے کہ ... علائی کا ذکر تاریخ میں لکھا جائے گا۔ ہمارے ولی نعمتوں کے ... تو نے ان کا انتقام لے کر ... اس وقت ... پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ سلطان علاؤالدین کے سے خادموں اور غلاموں میں سے ... تیری ... ہے اور اس مرتبے ... سے تیرا ہی حق بنتا ہے۔“

اس سے اسلام اور مسلمانوں کی ... کی تھی جو ان لوگوں کی زبانوں پر ... کا خطاب سلطان غیاث الدین جاری ہو گیا۔

سلطان غیاث الدین تغلق شاہ خاص و عوام کے اتفاق رائے سے تخت حکومت پر جلوہ افروز ہوئے۔ امراء ملک، وزرا اور معارف و اکابر میں سے ہر ایک کمربستہ ہو کر اپنے مقام اور مرتبے کے مطابق تخت شاہی کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

خسرو خاں بعد کے لیے کافر نعمت کے لقب سے پکارا جانے لگا۔

ماخذات

تاریخ فرشتہ، محمد قاسم فرشتہ (اردو ترجمہ)۔ تاریخ فیروز شاہی ضیاءالدین برنی ۔۔۔ مترجم ڈاکٹر سید معین الحق۔ طبقات اکبری، خواجہ نظام الدین احمد ۔۔۔ مترجم محمد ایوب قادری۔ تاریخ مبارک شاہی، یحییٰ بن احمد بن عبداللہ سرہندی، مترجمہ ... حسن۔



معما

تنویر ریاض

کاروبارِ حیات چلانے کے لیے انسان کو بھی کیسے کیسے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں... حتیٰ کہ چھوٹے موٹے کاروبار کو بڑھانے کے لیے بھی بڑے بڑے ہاتھ مارنا پڑتے ہیں جیساکہ اس نے مارا تھا... زیادہ شہرت حاصل کرنے کے لیے تھوڑی سی بدنامی مول لینے میں اسے کوئی حرج محسوس نہ ہوا اور مزے کی بات یہ کہ اس کا تیر بیٹھا بھی بڑے نشانے پر تھا۔

"بدنام جو ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا"
کی مکمل تفسیر

"کتابوں کی دکان کے فرش پر یقیناً ایک لاش پڑی ہوئی تھی۔" رینی نے کہا۔

"ہاں، وہ لاش ہی تھی۔" ویلری نے اس سے اتفاق کیا۔ دونوں بہنیں جوڈی کی مستقل گاہک تھیں۔ ایک معالج کے طور پر اس کا واسطہ مختلف لوگوں سے پڑتا تھا لیکن رینی اور ویلری نے ہمیشہ یہی اصرار کیا کہ وہ ایک ساتھ آئیں گی اور ایک ہی وقت میں علاج کروائیں گی۔ جوڈی کو ان کی بات معقول لگی، وہ دونوں ویسٹ سسیکس میں

رہتی تھیں جو ایک ساحلی گاؤں تھا۔ فیلی وہ وہیں پیدا ہوئی تھیں
اور سب کو ہر ایک ساتھ کرنے کی عادی تھیں۔ ان دونوں کی حیرت انگیز مشابہت اور ذہنی ہم آہنگی کو دیکھ کر بہت سے لوگ انہیں جڑواں سمجھتے تھے لیکن پیٹی ایملی سے دو سال بڑی تھی۔ ان کے انداز دیکھ کر لگتا تھا کہ وہ بھی غیر شادی شدہ ہیں لیکن ان کی شادیاں ہو چکی تھیں جب ان کے شوہر ایک ہی سال میں کچھ ماہ کے فرق سے اس دنیا سے رخصت ہوئے تو وہ دونوں ساتھ رہنے لگیں اور وہ واپس لیبورنگ کے اس مکان میں آگئیں جو ان کے اس مکان جیسا ہی تھا جس میں ان کی پرورش ہوئی تھی اور بیس سال گزر جانے کے باوجود وہ وہیں مقیم تھیں۔

جوڈی سے ان کی پہلی ملاقات مارکیٹ میں ہوئی اور جب انہیں معلوم ہوا کہ جوڈی وہ صحافی ہے جو وہ مائنڈ کا پیج لکھتی ہے تو انہوں نے اسے اپنے تجربوں کے بارے میں بتایا۔ جوڈی انہیں اپنے گھر لے آئی اور ان کا جائزہ فراہم کروایا۔ وہ جانتی تھی کہ یہ ایک اچھی بات تھی لیکن وہ سامنے آنے کے بعد سے طرح جانتی تھی ان عورتوں کی تعریف میں کیا ہو سکتی تھی۔

"ہم نے تمہارا ایک لاش دیکھی تھی۔" زیٹی نے بار بار یہ بات دہرائی تھی۔

"تم اس وجہ سے بہت پریشان لگ رہی ہو۔" جوڈی نے کہا۔

اس وقت وہ ساحل کی طرف جا رہی تھیں۔ ایملی واضح طور پر ہی نے جوڈی کو فون کر کے بتایا کہ ان دونوں بہنوں کو ایک بہت ہی اہم بات معلوم ہوئی ہے جس کے بارے میں وہ اس سے مشورہ کرنا چاہ رہی تھیں۔ وہ ایک ایسا معاملہ ہے جس کے بارے میں وہ پولیس کے پاس جانے کے لیے سوچ رہی تھیں لیکن ان کا خیال ہے کہ اس سلسلے میں پہلے جوڈی سے بات کر لینا بہتر ہو گا۔ "جوکہ تم اور تمہاری دوست کیرول سیٹون اس سے پہلے بھی دو تین قتل کی تحقیقات میں شامل رہی ہو۔"

جوڈی نے انہیں مشورہ دیا کہ وہ پولیس میں رپورٹ کرنے سے پہلے جتنی جلد ممکن ہو سکے اس کے پاس آ جائیں اور اب وہ دونوں بہنیں اسے اس لاش کے بارے میں بتا رہی تھیں جو انہوں نے کتابوں کی دکان میں دیکھی تھی۔

"تم جانتی ہو۔" ڈیفنی نے بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "ہم جب ہر جمعہ کی شام کو جمعہ کلب اور جیکی کو چھوڑنے کے لیے گئے۔" جوڈی جانتی تھی کہ جمعہ اور جیکی ان کے بچے لے کے پانچ گھروں کے نام ہیں۔

"ہم ہمیشہ ساڑھے نو بجے کے قریب ہی نکلتے ہیں۔" زیٹی نے کہا۔

"اور ہمیشہ دکانوں کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں کیونکہ وہاں سے گزرتے وہاں تک سڑک پر کافی روشنی ہوتی ہے۔ البتہ دکانوں کی روشنیاں بند ہوتی ہیں۔ سوائے اسٹیٹ ایجنٹ کے جو صاحب ہر گھنٹہ رہتا ہے۔"

"اور یہ میرے لیے بڑی عجیب بات ہے۔" زیٹی نے کہا۔

"تم ہمیشہ کتنی بور ہو۔" ڈیفنی نے کہا۔ "میں تم سے متفق ہوں۔"

"کیا تم یقین کرو گی کہ رات کے وقت بھی کوئی اس طرح پاس دکانوں کے بارے میں معلوم کرنے آئے گا؟"

ڈیفنی کے لہجے پر کہانی کی بشاشت دوڑ گئی۔ زیٹی نے بھی اس کا ساتھ دیا جیسے ان کے درمیان آنکھوں کا رابطہ ہوا ہو۔ "بہرحال ہم کتابوں کی دکان کے پاس سے گزر رہے تھے۔ تم جانتی ہو کہ وہ دکان کہاں ہے؟"

"ہاں، جانتی ہوں۔" جوڈی نے کہا۔ "وہ کیتھ ایلن کیتھ کے نام سے مشہور ہے۔"

"ہاں اور اسے وہ سرخ بالوں والی عورت چلاتی ہے۔" ڈیفنی نے کہا۔

"اس کا نام لارا فلیچر ہے۔" جوڈی نے تصحیح کی۔

ڈیفنی نے جوڈی کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "کیا تم اسے جانتی ہو؟"

"ہاں، میں چند مرتبہ اس کی دکان میں جا چکی ہوں۔ اس کے پاس کتابوں کا بہت اچھا ذخیرہ ہے۔"

جوڈی نے یہ کہا اور سوچا اس کی بیٹی کا ایک ہی بچہ تھا کسی اندرونی خرابی کی وجہ سے بچے پیدا کرنے کی صلاحیت سے محروم ہو گئی تھی۔ بظاہر اس کے شوہر نے اس پر یہ الزام نہیں لگایا لیکن وہ محسوس کرتی ہے کہ اس نے اسے مایوس کیا ہے۔ جوڈی کے علاوہ سے سامنے اس مشکل وقت کو گزارنے میں مدد دی۔

"عام طور سے اس وقت تک اسٹیٹ ایجنٹ کی روشنیاں گل ہوتی تھیں جب ہم جمعہ اور جیکی کو چھوڑنے کے لیے لے جاتے ہیں۔" زیٹی نے ایک مختصر وقفے کے بعد سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"لیکن کل جب ہم وہاں سے گزرے تو روشنی ہو رہی تھی۔" ڈیفنی نے ان کی بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "البتہ پورے گھر سے

ہوئے تھے۔ سو ہم نے سوچا کہ وہ عورت دیر تک کام کر رہی ہوگی جیسا کہ بعض اوقات اسٹاک کی چیکنگ کے لیے رکنا پڑتا ہے۔"

"بہرحال پردے کے کناروں اور کھڑکی کے فریم کے درمیان تھوڑی سی جگہ تھی۔" رینی بولی۔ "میں نے اس میں سے جھانک کر دیکھا تو مجھے فرش پر ایک لاش نظر آئی۔"

"پھر میں نے بھی دیکھا۔ وہاں واقعی ایک عورت کی لاش فرش پر پڑی ہوئی تھی۔ اس کی پیٹھ میں ایک خنجر باہر کی طرف نکلا ہوا تھا اور وہاں چاروں طرف خون پھیلا ہوا تھا۔"

☆☆☆

"کیا واقعی؟" کیرول نے کہا۔ "مجھے حیرت ہے کہ تم نے ان دونوں کی کہی ہوئی بات کو سنجیدگی سے لیا۔ وہ مکمل طور پر سٹھیا چکی ہیں۔"

"میں اس سے اتفاق نہیں کرتی۔ ان کی تمام حسیات صحیح طور پر کام کر رہی ہیں۔"

وہ دونوں کیرول سیڈن کے صاف ستھرے کچن میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ اس کے دونوں کتے دروازے کے پاس بیٹھے اونگھ رہے تھے۔

"مجھے تو وہ ہمیشہ سٹھیائی ہوئی لگیں۔" کیرول نے قطعی لہجے میں کہا۔ ہوم آفس میں طویل عرصہ ملازمت کرنے کے بعد وہ کسی کی ظاہری شکل صورت کے بجائے اس کے گُن فوائد پر نظر رکھتی تھی۔

"ایک عورت کی لاش فرش پر پڑی ہوئی تھی اور اس کی پیٹھ میں خنجر پھنسا ہوا تھا۔ یہ تو بالکل اگاتھا کرسٹی کے کسی ناول کا سین لگتا ہے۔"

"تم کچھ بھی کہو لیکن مجھے ان کی بات پر یقین ہے۔" جوڈی نے کہا۔

"اگر انہوں نے کوئی لاش دیکھی ہے تو پولیس کو کیوں نہیں بتایا؟"

"شاید وہ ڈرتی ہیں کہ عدالت کے باہر ان کا مذاق اڑایا جائے گا۔"

"پھر بھی وہ یہ دعویٰ کر رہی ہیں کہ انہوں نے گزشتہ شب یہ لرزہ خیز منظر دیکھا؟"

"ہاں۔"

"پھر تو پہلی بات میرے ذہن میں یہی آتی ہے کہ انہیں آج صبح دوبارہ "بک اینڈ کینڈل" جانا چاہیے تھا۔ یہ دیکھنے کہ وہ لاش یا اس کے نشانات وہاں موجود ہیں یا نہیں۔"

"وہ مجھے فون کرنے سے پہلے وہاں گئی تھیں لیکن وہاں انہیں کوئی انہونی بات نظر نہیں آئی۔ دکان کے پردے بنے ہوئے تھے اور سب کچھ نارمل لگ رہا تھا۔" جوڈی بولی۔ "اسی لیے انہوں نے یہ کہا کہ وہ پولیس کے پاس جانے سے گھبرا رہی ہیں۔"

"میں انہیں الزام نہیں دوں گی۔" کیرول بولی۔ "انہوں نے بہت سمجھداری سے کام لیا۔ پولیس ایسے لوگوں کی بات پر توجہ نہیں دیتی جو دیکھنے میں شوقیہ جاسوس لگتے ہیں۔"

"لیکن وہ اب بھی اپنی بات پر قائم ہیں جو کچھ انہوں نے دیکھا۔" جوڈی نے اصرار کیا۔

"جوڈی! اس ملک میں ایسے لوگ بھی ہیں جو وثوق سے کہتے ہیں کہ انہوں نے زمین پر خلائی جہاز اترتے اور اس میں سے سبز خلائی مخلوق کو باہر آتے دیکھا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" جوڈی اپنا نچلا ہونٹ چباتے ہوئے بولی۔ "میں اب بھی اس کی تفتیش کی جانب جھکاؤ محسوس کرتی ہوں تاکہ حقیقت سامنے آجائے۔"

"تمہیں اس کی پوری آزادی ہے۔" کیرول نے کہا۔ "جب تک تم یہ توقع نہ کرو کہ میں کسی سطح پر اس میں شامل ہوسکتی ہوں۔"

"کوئی بات نہیں، میں اکیلے بھی یہ کام کرسکتی ہوں۔" جوڈی نے غیر یقینی انداز میں کہا۔

"یہی طریقہ مناسب رہے گا کیونکہ میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکتی۔"

"یہ افسوس ناک بات ہوگی۔" جوڈی نے کہا۔ "دونوں بہنوں کی خواہش ہے کہ تمہیں اس تحقیقات میں شامل ہونا چاہیے کیونکہ وہ تمہاری تجزیاتی اور قیاسی مہارت سے فائدہ اٹھانا چاہتی ہیں۔"

"کیا واقعی انہوں نے ایسا کہا؟" کیرول کی آنکھیں چمکنے لگیں اور وہ اس معاملے میں دلچسپی لینے پر مجبور ہوگئی۔

☆☆☆

جوڈی اتفاقات پر یقین رکھتی تھی۔ لہٰذا اسے بالکل بھی حیرت نہیں ہوئی جب اسے لورنا فلنٹ کا فون موصول ہوا۔ وہ جلد از جلد اس سے تھراپی کے لیے وقت لینا چاہ رہی تھی۔ جوڈی نے ڈائری دیکھ کر کہا کہ وہ تین بجے اس کے پاس دو سائڈ کا پنج آسکتی ہے۔ جب لورنا میز پر لیٹ گئی تو جوڈی کے ہاتھ اس کے جسم پر حرکت کرنے لگے۔ وہ دیکھنا چاہ رہی تھی کہ کون سے حصے دباؤ یا کھنچاؤ کی وجہ سے زیادہ سخت ہیں۔

"تمہارے کندھے اور کمر پر جو ضرب لگی تھی وہ
ہے۔" جوڈی نے کہا۔ "جیسا کہ میں بتا رہی تھی۔"
"ہاں۔ کیا تم پہلے کی نسبت بہتر محسوس کر رہی ہو؟"
"امید تو ہے۔" جوڈی نے آہستہ سے کہا۔ "میں مساج سے اندازہ کر رہی ہوں، دیکھتے ہیں کہ اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔"
جوڈی ہمیشہ اپنے کام اور مریض و ساتھی کے تعلق کو الگ رکھتی تھی۔ وہ کبھی اپنے کسی کلائنٹ سے ذاتی بات کی معاملے کے بارے میں نہیں پوچھتی تھی اور اگر اسے علاج کے دوران کچھ معلوم ہو بھی جاتا تو وہ کسی اور کو نہیں بتاتی تھی۔ یہاں تک کہ جوڈی کو کسی کی تھی جبکہ دوسری جانب وہ جتنے ہوئے مریضوں سے عام گفتگو کے دوران بہت سی کارآمد معلومات حاصل کر لیتی تھی۔
جب اس کے ہاتھ لورنا کے کندھوں تک پہنچے تو وہ بولی۔ "یہاں تک پھر اکڑاؤ ہے۔ اس مرتبہ تمہارے کندھے کا تو کوئی مسئلہ نہیں ہے؟"
"نہیں۔ بلکہ یہ تکلیف کبھی کی ختم ہو چکی ہوتی۔ [illegible] ختم ہونے والا ہے۔ کیا تم نے [illegible] محسوس نہیں کیا جوڈی؟"
"میں پوری کوشش کر رہی ہوں کہ نہیں۔" لورنا
جوڈی نے اشارہ پایا کہ لورنا اس کے گیلی جانب اسے مجھے لیکن اسے بھی کوئی ایسا شخص نہیں جس سے وہ قرضہ اٹھا سکے۔ "لیکن مجھے تمہارے احساسات کی سمجھ ہے۔" جوڈی نے اس کو نرمی سے تھپتھپاتے ہوئے کہا۔
"تمہاری دکان کیسی چل رہی ہے؟" جوڈی نے اس کی گردن کی ہڈی پر انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا۔
لورنا نے ایک سرد آہ بھرتے ہوئے کہا۔ "بہت برا حال ہے۔ لوگ آتے ہیں اور کتابیں دیکھ کر چلے جاتے ہیں مگر وہی کتابیں انٹرنیٹ سے سستے داموں خرید لیتے ہیں۔ اس لیے کسی کی وجہ سے میرا کاروبار متاثر ہو رہا ہے۔"
"لیکن تم تو پر امید ہو؟"
"ہاں، اسی لیے میں کوشش کر رہی ہوں کہ اس کے لیے بہترین کوششیں کروں۔ تقریبات کا انعقاد کیا۔ ان میں مقامی مصنفات جا کر تم ان سے یہاں تک کہ کتابوں کی تعارفی تقریبات بھی شامل تھیں۔ ذاتی طور پر ایک تقریب میں [illegible] مقامی [illegible] ان کی ایک کتاب کا عام پڑھا ہے۔ اس نے [illegible]

"بلکہ میں تو اس بار ایک بڑی کوشش کر رہی ہوں لیکن اس میں بہت دیر لگ رہی ہے۔"
"جب گزشتہ بار ہماری ملاقات ہوئی تو تم نے کہا تھا کہ اگر دکان پر برا وقت آیا تو مائیک اس بحران سے نکلنے میں تمہاری مدد کرے گا؟"
"ہاں لیکن میں کسی اور کی مدد لینا نہیں چاہوں گی۔"
لورنا نے جواب دیا۔ "چاہے یہ اس کی مہربانی ہی کیوں نہ ہو۔ مجھے شبہ ہے کہ وہ دل سے یہی چاہتا ہے کہ یہ دکان بند ہو جائے۔ اسے یہ احساس نہیں کہ میں اس کاروبار کے بارے میں کتنی سنجیدہ ہوں۔ یہ دکان میری اولاد کی طرح ہے لیکن وہ نہیں سمجھتا۔ اس کے لیے اس سے زیادہ اطمینان کی بات نہیں ہو سکتی کہ وہ مجھے اس دکان سے بے دخل کر دے۔"
جوڈی کو یاد آیا کہ لورنا نے ہنستے ہوئے دوبارہ تذکرہ اسے بتایا تھا کہ ان کی ازدواجی زندگی میں سب کچھ ٹھیک نہیں ہے اور صرف لورنا کو بچے پیدا کرنے کی صلاحیت کی ان کی واحد خامی نہیں تھی بلکہ اور بھی بہت سے معاملات میں ان کے درمیان کم آہنگی تھی۔
"مجھے یقین ہے کہ تم بہت جلد اس بحران سے نکل آؤ گی۔" جوڈی نے کہا۔
"یہ کوئی عارضی وقتی بحران نہیں ہے۔" لورنا نے کہا۔ "بلکہ لوگوں کی پڑھنے کی عادت میں تبدیلی آ گئی ہے۔"
"تم صرف کتابیں ہی نہیں فروخت کرتیں بلکہ تم نے سوونیئر بھی رکھی ہوئی ہیں۔"
"دکان کے نام کی مناسبت سے رکھنا پڑتی ہیں ورنہ میں شروع میں بہت یادگاری اشیا فروخت نہیں کرتی تھی۔ اب تو اور بھی کچھ پہلی اور [illegible] بھی رکھ لی گئی ہیں۔"
جوڈی نے مساج جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "میں سمجھتی ہوں کہ یہ بھی ان کی ناراضی کی ایک وجہ ہے۔ ورنہ تم اسی لیے میرے پاس آئی ہو کہ تمہاری دکان کی مالی حالت کی طرف سے پریشانی ہے۔"
"ہاں۔ یہ بھی ایک وجہ ہو سکتی ہے۔ مجھے لگتا ہے اس کاروبار سے آمدنی بڑھانے کا کوئی طریقہ تلاش کرنا ہوگا۔"
"ایسا طریقہ جس میں تمہیں مائیک کی مدد نہ لینا پڑے؟"
لورنا اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔ "ٹھیک تو ہے
[illegible]
[illegible] میرا خیال ہے کہ وہ کسی

بینک میں کام کرتا تھا۔"

"اگر تم سمجھتی ہو کہ وہاں اب بھی ملازمت کا تحفظ ہے تو یہ پرانے دور کی بات ہے۔"

"کہیں وہ کسی بڑے اسکینڈل میں تو ملوث نہیں تھا؟"

"بخدا نہیں۔ مائیک تعلیم مکمل کرنے کے بعد سے ہی اس بینک میں کام کر رہا تھا اور گزشتہ چند برسوں سے مارکیٹنگ کے شعبے میں تھا۔ اس کی تنخواہ معقول تھی اور بیرون ملک سفر کرنے کا بھی موقع ملتا تھا لیکن بدقسمتی سے وہ بینک کی پالیسی کی بھینٹ چڑھ گیا۔"

"اس کے پاس اچھا خاصا تجربہ ہے۔ اسے یقیناً کوئی دوسری ملازمت مل سکتی ہے۔"

"یہ تم سوچ رہی ہو۔" لورنا نے کہا۔ "مشکل یہ ہے کہ اس اصول پسندی کی وجہ سے حال ہی میں بہت سے لوگ بے روزگار ہوئے ہیں اور ان میں سے کئی ایک مائیک کے مقابلے میں کم عمر ہیں۔ میرے خیال میں پچاس سال سے زیادہ عمر کے لوگوں کے لیے بہت کم مواقع ہیں۔"

"اسے کچھ معاوضہ تو ملا ہوگا؟"

"کچھ زیادہ نہیں۔ بمشکل ایک سال کی تنخواہ سے تھوڑا سا زیادہ۔ جب تک اس کی پنشن شروع نہیں ہوتی، آمدنی میں یہ وقفہ موجود رہے گا۔ لہٰذا مائیک ان دنوں وہ سب کچھ کر رہا ہے جو کسی بھی بے روزگار شخص کی مصروفیت ہو سکتی ہے۔ یعنی اخبارات میں ملازمت کے اشتہارات دیکھنا، بینکنگ سے وابستہ دوستوں سے رابطے بڑھانا اور مختلف جگہوں پر درخواستیں دینا لیکن زیادہ تر لوگ جواب ہی نہیں دیتے۔ وہ بہت مایوس ہو چکا ہے اور میں سمجھتی ہوں کہ اگر اسے دوسری ملازمت مل گئی، تب بھی اس کے لیے اپنے آپ کو ایک نامانوس ماحول میں ڈھالنا مشکل ہوگا۔"

"میں تمہاری پریشانی کی وجہ سمجھ رہی ہوں۔" جوڈی نے کہا۔ "ویسے تو تم دونوں کے بیچ سب کچھ ٹھیک ہے نا؟"

"ہاں۔ ہمیشہ کی طرح۔" جوڈی نے اس کے الفاظ کا کھوکھلاپن محسوس کیا لیکن اس کی ازدواجی زندگی کے بارے میں سوالات کرنے کا یہ مناسب وقت نہیں تھا۔

لورنا اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔ "تمہیں معلوم ہے کہ ہم دونوں کے لیے دکان کے اوپر واقع فلیٹ میں رہنا کتنا مشکل ہو رہا ہے۔"

"میرا خیال تھا کہ تم اب بھی شہر لینڈ اسٹیٹ والے بڑے مکان میں رہ رہی ہو؟"

"وہ کرائے کا تھا۔" لورنا نے کہا۔ "ان حالات میں اس کا کرایہ دینا مشکل ہو گیا تھا۔"

"مجھے یہ سن کر افسوس ہوا۔ امید ہے کہ حالات جلد بہتر ہو جائیں گے۔" جوڈی نے کہا۔ "میں نے سنا ہے کہ گزشتہ شب تمہاری دکان پر کوئی عجیب واقعہ بھی پیش آیا تھا؟"

"مجھ سے اس بارے میں مت پوچھو۔" لورنا نے جواب دیا۔ "میں گزشتہ شب وہاں نہیں تھی بلکہ اپنی بہن کے پاس چلی گئی تھی اور وہیں رات گزاری۔ البتہ مائیک دکان پر موجود تھا۔"

☆☆☆

کیرول اور جوڈی نے شام میں مے نوشی کے لیے علاقے کے واحد پب کراؤن اینڈ اینکر میں ملنے پر اتفاق کیا جہاں ان کا استقبال پب کے مالک ٹیڈ کرسپ نے کیا۔ اس نے مشروب پیش کرنے کے بعد حسب عادت لطیفے سنانا شروع کر دیے۔ کیرول اور جوڈی نے کچھ دیر تو اسے برداشت کیا پھر اٹھ کر ایک کیبن میں چلی گئیں۔ جوڈی نے کیرول کو بتایا کہ گزشتہ شب مائیک دکان میں اکیلا تھا۔

"یعنی وہ دکان یا فلیٹ میں ایک عورت کے ساتھ تھا۔" کیرول نے فوراً جواب دیا۔

"کون سی عورت؟"

"ظاہر ہے وہی جس کو چاقو مارا گیا۔"

"میرا خیال ہے تمہیں یقین نہیں آیا کہ ان دونوں بہنوں نے وہاں ایک لاش دیکھی تھی۔"

"میں نے اس بارے میں بہت سوچا لیکن یہ نہ سمجھ سکی کہ انہیں یہ کہانی گھڑنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟"

"اس کے علاوہ تم کیا سوچ رہی ہو؟"

"جب ایک مرد کسی غیر عورت کے ساتھ اپنے گھر میں تنہا ہو تو کیا سوچا جا سکتا ہے؟"

"لیکن جو کچھ ہم سوچ رہے ہیں، اس میں قتل تو شامل نہیں۔"

"نہیں۔" کیرول نے کچھ سوچنے کے بعد کہا۔ "ممکن ہے کہ جنسی تعلق کے دوران کوئی گڑبڑ ہو گئی ہو۔"

"لگتا ہے کہ ان دنوں تم ڈیلی میل زیادہ پڑھ رہی ہو۔" کیرول بولی۔ "میں ڈیلی میل نہیں پڑھتی، تمہیں معلوم ہے کہ میں ٹائمز کی قاری ہوں۔"

جوڈی نے مزید بحث کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ "میں ایک اور بات سوچ رہی ہوں۔" کیرول بولی۔ "اس رات لورنا دکان پر کیوں نہیں تھی؟"

"اور یہاں وہ عکن کے پاس گئی تھی؟ اس کو بتانے کہ وہ اس ماحول سے دور رہ کر کچھ وقت گزارنا چاہ رہی تھی۔"

"کیا اس کی بہن کہیں گئی ہوئی ہے؟"

"نہیں، ایسا نہیں تھا۔۔۔ کیوں؟"

"اب آپ اپنے ساتھ وقت گزارنا چاہ رہے ہوں تو کسی سے ملنے نکل جاتے۔"

"لوگوں کے بچے سے لگتا ہے گا کہ وہ ایک ہفتے سے دور رہ کر کچھ وقت گزارنا چاہتی تھی۔"

"اور کیا اس کی ازدواجی زندگی میں کوئی مسئلہ ہے؟"

"مجھے تفصیل تو معلوم نہیں لیکن میں نے اس کی باتوں سے یہ اندازہ لگایا کہ وہ اس کی چھوٹے سے بیٹے ایگ کی مستقل موجودگی کی وجہ سے گھٹن محسوس کر رہی تھی۔ وہ اس کی نانی تھی جبکہ ایگ زیادہ تر گھر میں رہتا تھا۔"

یہ تو گریول کے فون کرنے سے ہم گئے۔ وہ بولی۔ "اس طرح وہ اپنے دوسری عورتوں سے ملنے کے بہت سو سوچ رہے ہوں گے۔"

"مجھے اس کا کوئی اندازہ نہیں ہے۔"

"یا اندر تم نے ان کو نہیں بتایا کہ کیا ان میں کوئی [illegible]"

"یہ مناسب نہ ہوتا کیونکہ وہ میرے پاس علاج کے لیے آئی تھی۔"

"اور ڈاکٹر گریول کے قتل کی بات ہوئی تھی۔ اب مجھے صرف ایک ہی پتا چلا ہے کہ گزشتہ شب ان کی دکان میں کیا واقعہ پیش آیا تھا۔"

"لیکن ایسے شخص سے تم نے کیا بات کی [illegible] جس سے ہم کسی نتیجے پر پہنچ سکیں۔"

"اور میرا خیال تھا کہ تم اس سلسلے میں [illegible]"

جوڈی نے نفی میں سر ہلایا اور بولی۔ "یہ تو عجیب سی بات ہوئی کہ میں اس سے پوچھوں۔۔۔ کیا تم نے گزشتہ شب اپنی بیٹی کی دکان میں کسی عورت کو قتل کیا ہے؟"

"میں تمہاری بات سمجھ رہی ہوں۔ ان کے علاوہ کوئی اور شخص ایسا نہیں جس سے ہم کچھ پوچھ سکیں۔ کوئی بھی اس جوڑے کو اچھی طرح نہیں جانتا جو ان کے تعلقات کے بارے میں کچھ بتا سکے۔"

"نہیں۔ ایسا کوئی بھی نہیں ہے لیکن ایک منٹ۔۔۔" جوڈی کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ "ہاں، ایک ایسا فرد ہے جس سے ہم پوچھ سکتی ہیں۔"

"کون؟"

"میں تمہیں بتاؤں گی۔" جوڈی نے میز پر سے مینو اٹھاتے ہوئے کہا۔ "پہلے یہ تو دیکھو کہ تم نے کیا منگوایا ہے۔"

☆☆☆

ٹی وائت سے اس وقت جوڈی کا تعارف ہوا تھا جب وہ [illegible] میں قبول سماجیوں پر مضمون لکھ رہی تھی۔ اس طرح ان دونوں عورتوں کو مل بیٹھنے کا موقع ملا۔ ٹی کو قدرت نے بے پناہ صلاحیتوں سے نوازا تھا اور وہ ہر موضوع پر گفتگو کر سکتی تھی۔ ایک سال تک مقامی اخبار میں رپورٹر کی حیثیت سے ملازمت کرنے کے بعد اس نے فری لانسر کے طور پر کام شروع کر دیا اور اپنی تحریروں کی [illegible] کے ساتھ ساتھ وہ [illegible] کی۔ پھر ایک وقت ایسا آیا جب [illegible] سے لکھوانا شروع کر دیا اور فری لانس صحافت کی [illegible] چھوٹ گئی تو اس نے [illegible] لکھنا شروع کر دیں پھر وہ [illegible] کی طرف چلی گئی۔ اس کے [illegible] کی کامیابی نے [illegible] شروع کر دیے اور ان کے لیے اس نے وہ [illegible] کیا جو [illegible] کے دوران اس کے ہاتھ لگا تھا۔

ٹی کی ذاتی زندگی میں کئی [illegible] آئی جس میں وہ مردوں سے تعلقات قائم کرتی اور جب دل بھر جاتا تو [illegible] [illegible] اس طرح اس کا دوستوں سے سلسلہ برقرار رہتا تھا چنانچہ جب جوڈی نے اسے فون کیا تو وہ اگلے دن اس سے ملنے کے لیے آنے پر تیار ہو گئی۔

"میں زیادہ دیر نہیں رک سکتی۔" اس نے کہا۔ "مجھے ابھی [illegible] کام کرنا ہے۔"

"تم نے ایک دن میں کتنے الفاظ لکھنے کا پروگرام بنایا ہے؟"

"کم از کم دو ہزار تو۔"

"یہ تو مجھے بہت زیادہ لگ رہے ہیں۔"

"تو اور اس سے کم ہے جب میں صحافت کیا کرتی تھی۔ [illegible] بات رہ تم مجھ سے کیوں ملنا چاہ رہی تھیں؟"

"مجھے یقین ہے کہ تم لورنا اور مائیک فلفوٹ کو جانتی ہو گی؟"

"ہاں بالکل۔ میں نے اس کی دکان پر دو مرتبہ تشہیری مہم چلائی ہے اور میں آئندہ دو ہفتوں میں اس کے ساتھ کرائم ایوننگ بھی کر رہی ہوں۔"

"اس میں کیا ہوتا ہے؟"

"لورنا دو کرائم لکھنے والوں کو بلاتی ہے جو عام طور پر مقامی ہوتے ہیں۔ ہم ان سے مختصر گفتگو کرتے ہیں اور پھر اس کے مستقل گاہک ان مصنفین سے سوالات کرتے ہیں۔"

"لیکن میں نے اس تقریب کے بارے میں کبھی نہیں سنا۔"

"نہیں۔ یہ لورنا کا اپنا طریقہ ہے۔ وہ لوگوں کے منہ سے کہی ہوئی باتوں پر انحصار کرتی ہے۔ اس کے حمایتیوں کا ایک گروپ ہے جن میں زیادہ تر عورتیں ہیں جو اس کی ہر تقریب میں شرکت کرتی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ وہ اس صورت حال سے پوری طرح مطمئن ہے۔"

"تم نے بتایا کہ ایسی ایک شام عنقریب منعقد ہونے والی ہے؟"

"ہاں، پندرہ دن میں ایک بار۔ وہ عام طور پر جمعرات کو یہ تقریب کرتی ہے۔"

"ہوں۔" جوڈی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "تم مائیک اور لورنا کے تعلقات کے بارے میں کیا جانتی ہو؟"

"کچھ زیادہ نہیں۔ میں لورنا کو جانتی ہوں لیکن مائیک سے صرف دو مرتبہ ہی ملی ہوں۔"

"کیا تمہیں یہ تاثر ملا کہ ان کی ازدواجی زندگی میں سب ٹھیک ہے؟"

ٹلی وائٹ مسکراتے ہوئے بولی۔ "اگر تمہاری جگہ کوئی اور یہ سوال کرتا تو میں اسے ٹال دیتی لیکن مجھے لگ رہا ہے کہ تم نے کسی خاص وجہ سے یہ سوال کیا ہے۔"

"شکریہ۔ ہاں یہی بات ہے۔"

ٹلی نے لمحہ بھر توقف کرنے کے بعد کہا۔ "میں نے جو تاثر قائم کیا، وہ یہ کہ اب پہلے والی بات نہیں ہے۔ لورنا کو اولاد نہ ہونے کا صدمہ ہے۔ میں نہیں جانتی کہ مائیک نے اس کا کتنا اثر لیا۔ بہرحال ان کے درمیان نیم علیحدگی جیسی صورت تھی۔ مائیک اپنے کام میں مصروف رہتا تھا۔ اس کے علاوہ اسے بہت زیادہ سفر بھی کرنا ہوتا تھا اس لیے انہیں ایک ساتھ وقت گزارنے کا زیادہ موقع نہیں ملا۔ لورنا کی اپنی علیحدہ زندگی تھی جو زیادہ تر بک اینڈ کینڈل کے گرد ہی گھومتی تھی۔ تاہم اس کے باوجود وہ دونوں مطمئن ازدواجی زندگی گزار رہے تھے۔"

ٹلی نے ایک گہری سانس لی اور بولی۔ "پھر یہ ہوا کہ مائیک کی ملازمت ختم ہو گئی۔"

"میں نے بھی سنا ہے۔" جوڈی نے کہا۔ "اور اسی وجہ سے وہ بہت پریشان ہے۔"

"بہت زیادہ۔ اسے ایک بڑے مکان سے چھوٹے فلیٹ میں منتقل ہونا پڑ گیا۔ اس پریشانی کے عالم میں وہ شاید ہی ازدواجی زندگی کی مسرتوں سے لطف اندوز ہو رہی ہو۔"

"ٹلی! کیا تم سمجھتی ہو کہ مائیک کا کبھی کسی دوسری عورت سے تعلق رہا ہو؟"

ٹلی نے ایک زوردار قہقہہ لگایا اور بولی۔ "تم کبھی سنجیدہ نہیں ہو سکتیں جوڈی۔ کیا تم مائیک سے ملی ہو؟"

"نہیں۔"

"اگر اس سے کوئی ہو جس تو وہاں ہوتیں کہ وہ اپنا شخص نہیں ہے۔ وہ بے حد شرمیلا ہے۔ مجھے تو حیرت ہے کہ اس نے اس لڑکی کو پروپوز کیا ہو گا۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن....." جوڈی کچھ کہتے کہتے رک گئی پھر بولی۔ "اگر وہ ہومی سائیڈ کا جیا ہے تو ہمیں مائیکل کے ٹیپ سننے کے کام پر لگا دیا۔ اس میں تو بہت زیادہ تحمل اور اطمینان کی ضرورت ہوتی ہے۔"

گل کندھے اچکاتے ہوئے بولی۔ "مجھے اس کا کوئی اندازہ نہیں ہے۔ بظاہر وہ ایک اچھا قابل بھروسا اور تربیت یافتہ افسر ہے اور اسی بنیاد پر اسے ترقی بھی ملی۔ وہ خوش قسمت تھا کہ اس نے اتنا عرصہ ملازمت کر لی۔" گل نے اپنی گھڑی دیکھی اور بولی۔ "اب میں چلتی ہوں کیونکہ ابھی تک صرف ایک سو پچاس الفاظ لکھے ہیں جبکہ کم از کم پانچ سو الفاظ لکھنے چاہیے تھے۔"

اس نے اپنا بیگ اٹھایا اور بولی۔ "کول اور اپنی بات پہ قائم رہنا جوڈی۔"

جوڈی نے [illegible] میں سر ہلایا۔ [illegible] ملاقات [illegible] کیپٹن [illegible] آگے بڑھنے کی کوئی [illegible] تھی۔

کیرول سیڈون نے [illegible] دیکھ لی [illegible] جس میں [illegible] جوڈی کو [illegible] کے ہاتھ میں فیروزی [illegible] اس نے پرجوش انداز میں کہا۔ "[illegible] اور [illegible] نے [illegible] بات کی [illegible] ہو گا۔"

جوڈی نے [illegible] پڑھنا شروع کیا۔ اس میں لکھا تھا۔ "منگل کے روز [illegible] پولیس اسٹیشن کو ایک گمنام فون کال موصول ہوئی جس میں [illegible] دکان کے [illegible] میں ایک لاش کے نظر آنے کی اطلاع دی گئی تھی۔ تاہم پولیس کو وہاں کوئی مشتبہ چیز نظر نہیں آئی۔ دکان کے مالک [illegible] نے [illegible] کسی حریف دکان دار کی شرارت ہے یا پھر کوئی ایسا شخص ہو سکتا ہے جو [illegible] آئس کریم کے بارے میں بہت کچھ جانتا ہے اور اس نے [illegible] آنکھ سے یہ منظر دیکھا ہے۔"

"کیا تم بھی [illegible] اور [illegible] نے یہ فون کیا تھا؟"

"اگر ایسا ہے تو [illegible] کام [illegible] کیا ضرورت تھی"

اور [illegible] کہ انہوں نے پولیس کے پاس جانے کے بجائے مجھ سے بات کرنا مناسب سمجھا۔"

"کیا تم کو یقین ہے کہ انہوں نے تم سے بات کرنے کے بعد پولیس کو فون کیا ہو گا؟"

"[illegible] کیرول [illegible] میں [illegible] کرنے کو بھول گئی۔"

جوڈی نے فون اٹھایا اور تصدیق کر لی کہ انہوں نے پولیس سے کوئی رابطہ نہیں کیا۔ "لیکن اب ہم اس بارے میں [illegible] کہ مجھے جو کچھ ہم نے دیکھا تھا۔" وہ پرجوش لہجے میں بولی۔ "کیا تم اخبار میں اس کی تفصیل آچکی ہے۔"

جوڈی نے کیرول کو کل سے [illegible] گفتگو کے بارے میں بتایا۔ اس دوران [illegible] کیرول بھی [illegible] اور [illegible] نے اپنی بات ختم کی تو وہ بولی۔ "بہرحال ہمیں [illegible] آگے بڑھانے کا بندوبست کرنا ہے۔"

"اوہ..... ویسے؟" جوڈی حیران ہوتے ہوئے بولی۔

"[illegible] لاش [illegible] دیکھا تھا۔"

"کیا واقعی؟" جوڈی کی حیرانی [illegible] گئی۔

"ابھی [illegible] اس [illegible] نے [illegible] ہے۔"

"اچھا تم [illegible] ملاقات [illegible] کیا ہے؟"

"میں نے [illegible] آئس کریم کے بارے میں [illegible] ہوں گی۔"

"اور وہ تم سے ملاقات کرنے پر آمادہ ہو گیا؟"

"ہاں۔" کیرول نے کہا۔ "اس ملاقات میں صرف ہم دونوں ہوں گے۔"

اگلی دوپہر [illegible] کیرول نے [illegible] آفس میں اپنے پرانے دوست [illegible] کو فون کیا۔ وہ ان کے [illegible] ساتھیوں میں سے تھا جن کے ساتھ اس کا خصوصی تعلق رہا تھا۔ وہ عمر میں اس سے چھوٹا تھا لیکن کیرول کی طرح [illegible] کے بعد اس نے [illegible] کی [illegible] محسوس کرتے ہوئے [illegible] چھوڑ دی اور اپنا کاروبار شروع کر دیا اور اب تیزی سے ترقی کر رہا تھا۔

[illegible] کو فون [illegible] پہلے وہ سمجھا کہ یہ [illegible] لیکن جب کیرول نے اس سے رابطہ

کرنے کی وجہ بتائی تو اس نے ان کی بات توجہ سے سنی۔
گوکہ کیرول خوش تھی کہ وہ اپنے طور پر اس تحقیقات کو آگے بڑھا رہی ہے لیکن چھ بجنے سے پہلے اس کے دل میں یہ خواہش شدت سے ابھری کہ وہ آنے والے تصادم میں جوڈی کو بھی اپنے ساتھ رکھے۔ وہ جانتی تھی کہ اس کی پڑوسن کو بات اگلوانے میں مہارت حاصل ہے تاہم وہ اپنی بات پر قائم رہی اور اکیلے ہی مائیک سے ملنے کے لیے روانہ ہوگئی۔

وہ وقت سے پہلے ہی کراؤن اینڈ اینکر پہنچ گئی اور مائیک کا انتظار کرنے لگی۔ وہ اپنے ساتھ ٹائمز کے علاوہ وفیڈرنگ آبزرور کا وہ شمارہ بھی لائی تھی جس میں لاش کے بارے میں خبر شائع ہوئی تھی، اس نے وہ صفحہ کھول کر مائیک کو پکڑا دیا۔ اس نے مائیک کو اس بارے میں پہلے ہی بتا دیا تھا تاکہ وہ اسے پہچان سکے۔

وہ ایک دبلا پتلا شخص تھا۔ اس نے سبز شرٹ اور براؤن رنگ کی پتلون پہن رکھی تھی۔ مائیک نے دیر سے آنے کی معذرت کی اور کہا کہ وہ اس کے لیے ڈرنک نہیں خرید سکا لیکن جب وہ بار سے واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں منرل واٹر کی بوتل تھی۔

''تم نے فون پر کہا تھا کہ کرائم ایونگ کے بارے میں جاننا چاہتی ہو؟''

کیرول کے لیے یہ ایک ہلکا سا جھٹکا تھا۔ وہ تقریباً بھول چکی تھی کہ اس نے اس ملاقات کے لیے کیا عذر تراشا تھا لیکن اس نے فوراً ہی اپنے آپ پر قابو پالیا اور اخبار پر انگلی رکھتے ہوئے بولی۔ ''یہ تشہیر کا ایک کارگر طریقہ ہے۔''

مائیک نے جھک کر اخبار دیکھا اور بولا۔ ''کیا تمہیں اچھا نہیں لگا؟''

''نہیں لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ تم نے اس میں اپنے آپ کو بگ اینڈ کینڈل کا مالک ظاہر کیا ہے جبکہ میرا خیال تھا کہ اسے تمہاری بیوی چلا رہی ہے۔''

''میرے مقابلے میں وہ زیادہ وقت دیتی ہے لیکن یہ ہمیشہ سے ہی ہمارا مشترکہ کاروبار ہے۔''

''اوہ......''

''میرا مطلب ہے کہ یہ جگہ میرے پیسے سے خریدی گئی تھی لیکن میں کئی سالوں سے اس سے دور رہا کیونکہ ملازمت کی وجہ سے اس کے لیے وقت نہیں نکال سکتا تھا۔ البتہ اب میں اس میں پوری طرح شامل ہوگیا ہوں۔ میں

لے کل اتنا وقت دینا زحمت لگ رہی ہے لہٰذا اب دکان کو زیادہ وقت دے سکتا ہوں۔"

"اوہ اچھا، اب میں سمجھی۔" کیرول نے کہا اور دل ہی دل میں سوچنے لگی کہ یہ کہانی تھی جو وہ لوگوں کو سنانا چاہ رہا تھا۔

مائیک نے اخبار پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ "اور اس کی وجہ یہ ہے کہ تم بھی کرائم رائٹنگ میں دلچسپی لیتی ہو۔"

"ہاں۔"

وہ ایک بار پھر اخبار پر جھکتے ہوئے بولا۔ "کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ یادگار واقعات کے ساتھ شائع ہو جائے؟"

"میرا یہ خیال تھا کہ ایک اچھے کیٹلاگ کا تعارف خصوصی نوعیت کی ہوتی ہیں اور اس میں تقریباً ایک ہی گروپ کے لوگ شرکت کرتے تھے۔"

"ماضی میں بھی ہوتا تھا۔" مائیک نے کہا۔ "لیکن اب حالات بدل گئے ہیں اور میں اس میں پوری طرح شامل ہو گیا ہوں۔ تمہیں معلوم ہے میرا کاروبار کتب ہے۔"

"اور تمہارا خیال ہے کہ تم کاروبار کو بڑھاوا دے سکتے ہو؟"

"بالکل۔" وہ بازی جواب۔ "کسی ایک ہی دکان سے گزارا ہو گی۔"

ایک بار پھر کیرول نے اخبار پر انگلی رکھتے ہوئے کہا۔ "تم نے بڑی ہوشیاری دکھائی کہ دکان میں ایک لاش رکھ دی۔"

اس کی جانب سے کوئی رد عمل ظاہر نہیں ہوا بلکہ وہ ایک بار پھر جھک کر اخبار دیکھنے لگا پھر بولا۔ "بعض اوقات کامیابی حاصل کرنے کے لیے غیر روایتی راستہ اختیار کرنا پڑتا ہے۔"

"مجھے یقین ہے کہ یہ تمہارا ہی کام ہے اور تم جانتے تھے کہ کوئی بھی فرد تمہارا تعاقب نہیں کرے گا اور وہ دیکھے گا اور سن اور دیکھے یہ بات پورے گاؤں میں پھیل جائے گی۔"

اس نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "مجھے یقین تھا کہ کسی نے یہ منظر دیکھا ہو۔ میں نے رات نو بجے کے قریب دکان میں رکھی ہوئی ایک ڈمی کو اس مقصد کے لیے استعمال کیا۔ میں نے تقریباً ایک گھنٹے کے قریب سب کچھ صاف کر دیا جو وہاں بکھرا ہوا تھا۔ البتہ پی۔ اے پولیس کے انتظار میں باہر آ گیا۔ لیکن جب پولیس آئی تو میں نے یہی سمجھا کہ کسی نے وہ منظر دیکھ لیا۔"

کیرول اسے بتانا چاہ رہی تھی کہ اس کا کاروبار وہ پھولوں کی بھی اور دوسری چیزوں سے دیکھ بھال ہے لیکن اس کے لیے یہ مناسب وقت نہیں تھا۔ اس کے بجائے اس نے کہا۔ "تم نے اس شہر میں زیادہ وقت نہیں گزارا۔ یہاں بہت کم لوگ اندھیرا ہونے کے بعد باہر نکلتے ہیں۔"

"یہ میں تو سمجھ گیا تھا۔" مائیک نے کہا۔ "اور مجھے خود ہی پولیس کو کال موصول کرنا پڑی۔"

"اور یہ ہوا کہ تم ہی وہ شخص ہو جس نے دکان میں لاش دیکھی تھی؟"

"بالکل..." اس کا چہرہ کھل اٹھا۔ "اس کے بعد پولیس آئی اور مجھے وضاحت کرنا پڑی کہ وہاں کوئی لاش نہیں تھی اور محض کرائم رائٹنگ کی تیاری کر رہا تھا۔ ان کی سمجھ میں بات آ گئی اور ہم نے یہاں کے لوگوں کی سادہ لوحی پر تعجب کیا، کتنی جلدی اپنا رد عمل ظاہر کرتے ہیں۔"

"اور تم سمجھتے ہو کہ مقامی اخبار نے کیا کہاں تک بیان کر دیا۔"

"ہاں... وہ بھی کتنا ہوشیار تھا لیکن وہ یہ خبر شائع کر کے بہت خوش لگ رہے تھے۔"

کیرول نے دل میں سوچا۔ "انھیں تو ہر خبر کے بعد خوشی ہوتی ہے۔"

مائیک کا انداز بھی بھول جاتا تھا اس نے کہا۔ "مارکیٹنگ کی دنیا میں آپ کو ہر طرح کے طریقے استعمال کرنے پڑتے ہیں۔ دنیا کا ہر بڑا کاروباری بھی اصولوں سے ہٹ کر ہی چلتا ہے۔"

کافی اور سموسے ختم ہو گئے۔ کیرول زور دار تجسس لیے اس شخص سے سوالوں کی دوڑ میں دو حصوں پر تکلیف نہ ہو، اب دو ایسا سوال شاید کے سب سے بڑے سوال سے گریز کر رہا تھا۔

"تمہیں یہ کامیابی مبارک ہو۔" کیرول نے کہا۔ "مجھے امید ہے کہ کرائم رائٹنگ بہت کامیاب ہو گی۔"

"ہاں۔" مائیک مسکراتے ہوئے بولا۔ "میرے پاس تشہیر کے اور بھی کئی طریقے ہیں جنہیں مناسب وقت پر آزماؤں گا۔"

کیرول نے گفتگو کا رخ بدلتے ہوئے کہا۔ "تم نے بتایا کہ تم کہانیاں لکھتے ہو؟"

"ہاں۔"

"بہت خوب۔ اب آج میں ایک اور وقت سے باتیں کر

رہی تھی جو اسی شعبے سے منسلک ہے......''

یہ کہتے کہتے وہ رک گئی۔ مزید تفصیل بتانا مناسب نہیں تھا جب تک رچرڈ کی طرف سے کوئی جواب نہ آجاتا۔ دو ہفتے بعد جب وہ اپنے گھر میں بیٹھی ٹائمز کا مطالعہ کر رہی تھی تو رچرڈ نے اسے فون پر بتایا۔

''وہ ہمارے کام کے لیے مناسب رہے گا۔''

''واقعی رچرڈ! مجھے بہت خوشی ہو رہی ہے۔''

''میں جب بھی کوئی نیا دفتر کھولتا ہوں تو مجھے نئے لوگوں کی کوئی کمی نہیں ہوتی اور میرے پاس درخواستوں کا انبار لگ جاتا ہے لیکن کسی ایسے شخص کو تلاش کرنا بہت مشکل ہے جو کام کی نگرانی کر سکے۔ ایسا شخص جو پختہ عمر کا ہو سنجیدگی سے کام کرے۔ بہت زیادہ آرزومند نہ ہو ہر وقت دوسری کمپنیوں میں بہتر ملازمت کی تلاش میں نہ رہے۔ ایک ایسا شخص جو......''

''محنت مشقت کرنے والا ہو۔'' کیرول نے اس کا جملہ پورا کر دیا۔

''ہاں۔ مائیک فلٹوٹ میرے معیار پر پورا اترتا ہے۔ لہٰذا میں نے یہ فون تمہارا شکریہ ادا کرنے کے لیے کیا ہے کہ تم نے اس کا نام تجویز کیا۔ اس نے یہ پیشکش قبول کر لی ہے۔ گو کہ تنخواہ اس سے کم ہے جو وہ بینک سے لے رہا تھا لیکن وہ اس بارے میں فکرمند نہیں ہے۔ جس دفتر کی سربراہی اسے دی جا رہی ہے وہ بھی ورتھنگ میں ہے لہٰذا اسے گھر بھی نہیں بدلنا پڑے گا۔''

ایک ہفتے بعد لورنا نے جوڈی کو فون کر کے بتایا کہ مصروفیت کی وجہ سے وہ تھراپی کے لیے نہیں آسکے گی اور وہ یہ محسوس کرتی ہے کہ اب اسے مزید علاج کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ سن کر جوڈی کے ہونٹوں پر ایک اطمینان بھری مسکراہٹ دوڑ گئی۔

پونے سات بجے کیرول اپنی پڑوسن جوڈی کے پاس گئی۔ انہیں لورنا کی کرائم ایوننگ میں جانا تھا۔ جوڈی ویسے بھی ٹلی وائٹ سے ملنا چاہ رہی تھی۔ اس نے جانے سے پہلے کیرول کو مشروب پیش کیا اور بولی۔ ''بہت اچھا نتیجہ آیا ہے۔''

''ہاں۔ میں تم سے متفق ہوں جوڈی۔ کیا تم نے ان دونوں بہنوں کے بارے میں کچھ اور سنا ہے؟''

''آج رات ان سے ملاقات ہوگی۔''

''انہوں نے بھی خوب تماشا کیا جبکہ وہاں کوئی لاش نہیں تھی۔ کوئی جرم نہیں ہوا، نہ ہی کسی کو قتل کیا گیا۔''

''نہیں۔'' جوڈی متفق ہوتے ہوئے بولی۔ ''بلکہ ایک موت ٹل گئی۔''

''کس کی موت؟''

''ازدواجی زندگی کی موت!'' جوڈی نے مشروب کا گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔ ''یوں سمجھو کہ لورنا اور مائیک کے رشتے کو نئی زندگی مل گئی۔''

شیش محل

اقصیٰ ارشاد ورک

قسط: 20

جہاں ہر انسان کی بے بسی کی انتہا ہو... وہیں سے رب جلیل کی رحمتوں کی ابتدا ہوتی ہے۔ یہ بات کبھی اس کی سمجھ میں آئی تھی مگر حادثات، واقعات اور جذباتی کشمکش میں گھری مختصر سی فانی زندگی کے پیچ و خم میں الجھ کر اسے کب یاد نہ رہا... اسے نہیں معلوم تھا کہ یکسر ذات سے بے زار اور نفرت کے علاوہ لوگ معزز اور بلند مقام کے حصول کی خاطر خود کو کتنی پستی میں گرا لیتے ہیں۔ وہ ذہین و فطین نوجوان بھی آنکھوں میں خوش امیدی کے خواب لیے راہ میں بلکتے ہوئے محبت اس کا منتظر رہا تھا لیکن دغا، آرزوؤں اور ناآسودہ تمناؤں کی انجام نے اس کی منزل زخموں کو لہو لہو کر دیا... راکھ میں دبی چنگاری نے اس کے تمام ارادوں کو خاکستر کر ڈالا۔ دل کی بے ترتیب دھڑکنوں کی ساز کے درمیان جو خوش امیدی کبھی اس کی زندگی کا حصہ تھی اب نہ تو وہ خوش دکھائی دیتا تھا اور نہ ہی کسی کی نگاہ میں اس کی نہ کوئی امید باقی تھی۔ جانے یہ زندگی کا کیسا موڑ تھا... وہ تو شیش محل کی ہر منظر میں محبوب کی مسکراتی آنکھوں کے جلتے دیپ میں اپنی عکس کو دیکھنے کا عادی تھا... کھنکتی کلائیوں اور محبتوں کی سرگوشی بھلا دینے خود کو بہت محسوس کرتا تھا کہ اچانک اس شیش محل میں ہر جانب لٹکتے آئینوں کی جھنک دکھائی دی تو احساس ہوا کہ زندگی کے ہجوم میں کس قدر تنہا ہے... جیسے وہ اپنا ہمسفر اور رفیق سمجھتا رہا اس سے بڑا رقیب کوئی نہ نکلا۔

[illegible]

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

[illegible]

''اب کیسی طبیعت ہے تمہاری؟'' جولیٹ کی آنکھ کھلی تو اس نے اپنے بستر کے قریب ایک مہربان صورت خاتون کو بیٹھے دیکھا جو نرم لہجے میں اس سے اس کا حال دریافت کر رہی تھیں۔ وہ خالی الذہنی کی کیفیت میں ان کی شکل دیکھتی رہی۔ فوری طور پر اسے سمجھ نہیں آیا کہ وہ کہاں اور کیوں ہے۔

''کچھ کھاؤ گی؟'' خاتون نے اس سے اپنے پہلے سوال کے جواب کا اصرار کیے بغیر دوسرا سوال کیا اور اس بار بھی جواب کا انتظار کرنے کے بجائے اپنے قریب دھری پلاسٹک کی باسکٹ سے ایک سیب نکال کر اسے چھری کی مدد سے کاٹنے لگیں۔ جولیٹ کی نظریں ان کے ہاتھ میں پکڑی چھری پر جم گئیں اور ذہن پر چھائی دھند چھٹنے لگی۔ چھریاں، چاقو، لاٹھی، بلم، کرپانیں، نیزے...... یکدم ہی اس کے ذہن میں سارے خونیں ہتھیاروں کی تصویریں لہرانے لگیں۔ ان تصویروں کے ساتھ ہی درد میں ڈوبی دردناک وہشت ناک چیخیں بھی تھیں۔ ان چیخوں نے اس کے جسم پر ہلکا سا لرزہ طاری کر دیا پھر اسے یوں محسوس ہوا کہ اس کے منہ اور جسم پر کوئی گرم، چپچپا سا سیال گر رہا ہو۔ اس نے اگلے ہی لمحے اس سیال کو بھی شناخت کر لیا۔ وہ انسانی خون تھا۔ ہر طرف بہتا، صحت مند اور زندہ جسموں سے اچھل کر نکلتا انسانی خون جس میں وہ رفتہ رفتہ نہاتی جا رہی تھی۔ اپنے کپڑوں اور جسم پر انسانی خون کو محسوس کر کے اسے زور کی ابکائی آئی اور اس نے بے ساختہ ہی اپنا سر دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔

''کیا بات ہے بیٹی، تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں لگتی۔'' خاتون نے سیب کاٹنے کا عمل ترک کیا اور لپک کر اس کے قریب آئیں۔ جولیٹ انہیں کوئی جواب دینے کے بجائے سسکیاں لے لے کر رونے لگی۔ انہوں نے اسے اپنے ساتھ لگا لیا اور ہولے ہولے تھپکتے ہوئے تسلی دینے لگیں۔ دہشت اور خوف میں ڈوبی جولیٹ کو ان کا دم غنیمت محسوس ہوا۔ اب اس کا ذہن پوری طرح کام کر رہا تھا اور اسے سب کچھ اچھی طرح یاد آ گیا تھا۔ ظلم و بربریت کا جو تماشا دیکھنے اور سہنے کے بعد وہ یہاں تک پہنچی تھی، اس نے اس کے حواس کو مختل کر دیا تھا۔ وہ تو اب تک دلدار آغا کے خود پر کیے ہوئے ظلم کو ہی ظلم کی انتہا سمجھتی رہی تھی لیکن جو کچھ رات کی تاریکی میں اس کے ہم سفروں پر بیتا تھا، وہ ایسی درندگی تھی کہ درندے بھی اس پر شرما جائیں۔ اس درندگی نے اس سے جانی کو بھی چھین لیا تھا اور ایک بار پھر وہ اس بے رحم دنیا میں بالکل تنہا رہ گئی تھی۔ اس کی قسمت کی ستم ظریفی کہ اسے کبھی زیادہ دیر کسی سایۂ عافیت میں پناہ نہیں مل پائی تھی۔ محبت کرنے والے پُرخلوص لوگوں سے بچھڑتے رہنا جیسے اس کا مقدر ہو گیا تھا۔

''صبر اور ہمت سے کام لو بیٹی۔ اس وقت ہماری پوری قوم کو ان ہی دو جذبوں کی ضرورت ہے۔ ہم سب ہی کے دل زخم زخم ہیں لیکن نئے سرے سے زندگی کا آغاز کرنے کے لیے ہمارے پاس صبر اور ہمت سے کام لینے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔'' خاتون بھیگے ہوئے لہجے میں اسے سمجھا رہی تھیں۔ جولیٹ نے آہستہ آہستہ خود کو سنبھال لیا تو وہ اسے خود سے الگ کر کے دوبارہ اپنی جگہ جا بیٹھیں اور سیب کی ایک قاش اس کی طرف بڑھائی۔ اس نے دل نہ چاہتے ہوئے بھی ان کے خلوص کے پیش نظر وہ قاش تھام لی اور ان سے مخاطب ہوتے ہوئے پوچھنے لگی۔

''آپ کون ہیں اور میں آپ تک کیسے پہنچی؟'' اپنے اردگرد کا جائزہ لے کر وہ پہلے ہی اندازہ لگا چکی تھی کہ وہ ایک آسودہ حال گھر میں موجود ہے۔ وہ جس کمرے میں موجود تھی، اس کا فرنیچر اور دیگر اشیا مکینوں کی آسودگی کی گواہی دے رہی تھیں۔

''مجھے بیگم آصفہ علی کہا جاتا ہے۔ میرے شوہر عنایت علی پولیس میں ملازمت کرتے ہیں۔ ان ہی کی زبانی میرے علم میں یہ بات آئی تھی کہ دہلی سے آنے والی ایک ٹرین اٹا اٹ لاشوں سے بھر کر آئی ہے۔ اس ٹرین میں لاشوں کے علاوہ کچھ زخمی بھی تھے جنہیں فوری طور پر اسپتال منتقل کر دیا گیا۔ تم مرنے والوں کے جسموں کے نیچے خون میں نہائی ہوئی ملی تھیں اور پہلی نظر میں تمہیں مرا ہوا ہی سمجھا گیا تھا لیکن بعد میں احساس ہوا کہ تم زندہ ہو اور زخمی نہ ہونے کے باوجود یقیناً صدمے کی زیادتی کے باعث بے ہوش ہو گئی ہو۔ تمہیں خواتین کے لیے بنائے گئے کیمپ میں بھجوایا گیا۔ میں دن میں چند گھنٹے رضاکارانہ طور پر اس کیمپ میں کام کرتی ہوں۔ میں نے تجویز دی کہ تمہیں ہوش میں لانے کی کوشش کرنے سے پہلے خون آلود لباس سے نجات دلانی چاہیے تاکہ ہوش میں آنے کے بعد تمہاری حالت خون کو دیکھ کر دوبارہ نہ بگڑ جائے۔ میں نے خود اپنے ہاتھوں سے تمہارا لباس تبدیل کیا اور اسفنج کی مدد سے تمہارے جسم کے خون آلود حصوں کو بھی صاف کیا۔ اس کارروائی کے دوران تمہیں ہوش آ گیا تھا اور تم ہسٹریا کی سی کیفیت کا شکار ہو رہی تھیں اس لیے تمہیں ایک سکون آور

انجکشن لگا دیا گیا۔ بعد میں نے فیصلہ کیا۔ تمھیں کیمپ سے اسپتال کر لے آؤں۔ سو اب تم میرے گھر میں موجود ہو۔"

انھوں نے اپنے نرم لہجے میں اس کے سوال کا جواب دیتے ہوئے اسے اشارہ کیا کہ وہ سیب کی قاش کو ہاتھ میں پکڑ کر بیٹھے رہنے کے بجائے اسے کھا لے۔ جولیٹ آہستہ آہستہ اس قاش کو کترنے لگی۔ اسی وقت اس کے ذہن میں ایک خیال کوندا اور اس نے اپنی گردن پر ہاتھ پھیر کر دیکھا۔ وہاں جو چین کا ہونے کی وجہ سے پڑا ہوا تھا، وہ اپنی جگہ موجود نہیں تھا جس کی اہمیت اس کے نزدیک اس کی قیمت سے کہیں بڑھ کر تھی۔ وہ اس کے لیے اس کے والدین کی آخری نشانی کی حیثیت رکھتا تھا جسے وہ مرتے دم تک اپنے سینے سے لگائے رکھنا چاہتی تھی لیکن معلوم نہیں وہ وہیں کہیں گر گیا تھا یا کسی نے اس کے گلے سے اتار لیا تھا۔ گلے سے لاکٹ کے غائب ہونے کے خیال پر اس کی نظر فوراً بیگم آصف علی کی طرف گئی۔ انھوں نے بتایا تھا کہ انھوں نے ہی اس کا لباس تبدیل کروایا تھا اور اگر اس کا لاکٹ زمین میں نہیں گرا تھا تو یقیناً وہ اس کے بارے میں کچھ جانتی ہوں گی۔ اس کی [illegible] بیگم آصف علی نے اس کی وہ [illegible] نظروں کو بھی محسوس کیا [illegible] کی دراز کھول کر اس کی طرف ایک [illegible] بڑھاتے ہوئے بولیں۔

"[illegible] اس کی تلاش ہے۔" جولیٹ نے اس کے ہاتھ سے وہ [illegible] اور اس میں لاکٹ [illegible] دیکھ کر [illegible]

"تمہارے گلے میں [illegible] اس لاکٹ سے [illegible] کی [illegible] کے [illegible] میں [illegible] جتنی کیونکہ تمہیں [illegible] کیمپ میں [illegible] گیا تھا۔ [illegible] کرنے والے [illegible] اپنے ساتھ مسافروں کا زیادہ سامان [illegible] کرنے لگے تھے۔ میں [illegible] بہت سامان [illegible] نے اپنی [illegible] میں لے لیا ہے۔ [illegible] کی لسٹ والا۔ تم [illegible] جانے والے سامان میں اگر وہ [illegible] نہیں [illegible] تھی۔" [illegible] نے اس سے [illegible]

"[illegible] میرے [illegible] اس لاکٹ کے [illegible] اس کی [illegible] کے لیے [illegible] [illegible] بہت [illegible] [illegible]

دیوار [illegible] بولتے ہوئے اس نے اپنے حلق میں چبھن پانی کا گلاس پھنستا محسوس کیا۔

"[illegible] سے دونوں ہاتھوں سے [illegible] تھے۔ انھیں [illegible] کے حوالے کر دیا گیا تھا جبکہ لاوارث اور ناقابل شناخت لاشوں کو اجتماعی [illegible] کر دیا گیا ہے۔ تمہارے [illegible] کی لاش بھی ان ہی میں شامل ہوگی۔" انھوں نے اسے جواب دیا اور سیب کی ایک اور قاش اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولیں۔

"ہمارے درمیان [illegible] گفتگو ہو گی لیکن مجھے تم سے تمہارا تعارف حاصل کرنے کا خیال ہی نہیں آیا۔ کچھ اپنے بارے میں بھی بتاؤ۔"

"میرا نام جولیٹ ہے۔ [illegible] والی ہوں۔ وہاں ایک [illegible] اپنے [illegible] کے ساتھ پاکستان آ رہی تھی۔ لاہور [illegible] کراچی جانے کا تھا [illegible] میں [illegible] میں آپ [illegible] اس نے اپنا مختصر تعارف کروایا۔

"[illegible] تمہاری [illegible] تھا [illegible] اپنے اخبار کے لیے [illegible] کرنے کے لیے [illegible] میں [illegible] ہوئی۔ تم [illegible] کیوں [illegible] سوال لیے ہوں۔ [illegible] اپنے تجربات [illegible] تھی [illegible] تمہارے [illegible] کیا [illegible] کی۔ [illegible] تھے [illegible] کا [illegible] ہے [illegible] کا [illegible] کر [illegible] کام [illegible] سے [illegible] کے [illegible] [illegible] کے [illegible] دونوں [illegible] اپنے [illegible] بیٹھ [illegible] تمہاری [illegible] تھی کہ تم لاشوں کے بیچ [illegible] تمہاری [illegible] [illegible] کرنے جس میں [illegible] تھی۔ جولیٹ [illegible] سے [illegible] اس کی [illegible] اور بیگم آصف علی کے کسی [illegible] کی [illegible] انھوں نے ایک [illegible] سے [illegible] والے [illegible] کے لیے [illegible] کی [illegible]

"[illegible] تم [illegible] میری [illegible] لیے [illegible] [illegible] کرتے تھے۔

"برا ماننے کی تو کوئی بات ہی نہیں ہے۔ آپ نے کوئی غلط بات تو نہیں کہی ہے۔" جولیٹ نے کہا تو وہ خوش ہوگئیں۔

"جیتی رہو۔ یقیناً تمہارے والدین نے تمہاری بہت اچھی تربیت کی ہے۔ اگر تمہارے گھر فون ہے تو تم یہاں سے انہیں فون کرسکتی ہو۔ تمہیں اپنے برادر کی موت کی افسوسناک خبر انہیں دینی ہوگی۔" اسے دعائیں دیتے ہوئے انہیں دھیان آیا کہ اس کا بھائی اس حادثے میں مرگیا ہے اور یقیناً اسے اس کی اطلاع اپنے گھر پر دینی چاہیے۔

"میرے پیرنٹس کی ڈیتھ ہوچکی ہے اور اب میں اس دنیا میں بالکل اکیلی ہوں۔" انہیں جواب دیتے ہوئے اس کا گلا خود بخود رندھ گیا۔ ایک طرف اسے جانی کی موت کا دکھ تھا جو اس سے اپنے منہ بولے رشتے کو نبھاتے نبھاتے اپنی جان کی قربانی دے گیا تھا تو دوسری طرف اسے اسد اللہ شدت سے یاد آئے تھے۔ اسد اللہ...... اس کے سگے باپ اس خطۂ ارض پر زندہ سلامت موجود تھے لیکن اس نے اپنی رضا سے انہیں چھوڑ دیا تھا اور اب اپنی محسنہ کو یہ بتا رہی تھی کہ اس کے والدین کی ڈیتھ ہوچکی ہے۔ جوزف کے حوالے سے اس کی یہ بات غلط بھی نہیں تھی لیکن اسد اللہ...... اسد اللہ تو زندہ تھے اور وہ جیتے جی انہیں چھوڑ آئی تھی۔

"غم نہ کر، بیٹی اور اس گھر کو اپنا ہی گھر سمجھو۔ سگے والدین کا کوئی نعم البدل نہیں لیکن میں اور میرے شوہر تمہیں اپنی بیٹی ہی کی طرح عزیز رکھیں گے۔ ابھی تم صدمے کی حالت میں ہو، دونوں طرف کے حالات بھی اچھے نہیں ہیں اس لیے بہتر یہی ہے کہ تم یہاں رہ کر مناسب وقت کا انتظار کرو اور بعد میں سوچ سمجھ کر اپنے لیے جو چاہے فیصلہ کرلو۔" وہ اس کے ساتھ بہت اپنائیت کا مظاہرہ کررہی تھیں اور جولیٹ حیران تھی کہ ابھی دنیا میں ایسے اچھے لوگوں کا وجود باقی ہے۔

"تھینک یو سو مچ آنٹی! آپ کے اس خلوص کو میں ہمیشہ یاد رکھوں گی۔" اس نے ممنونیت سے ان کی طرف دیکھا۔

"شکریے کی کیا بات ہے بیٹی۔ ہم تو خود اپنے زخموں پر مرہم رکھنے کے لیے یہ سب کرتے پھر رہے ہیں۔" ان کے لبوں کی مسکراہٹ معدوم ہوگئی اور آنکھوں سے گہری اداسی جھلکنے لگی۔

"آپ مجھ سے اپنا دکھ شیئر کریں تو یہ میرے لیے بڑے اعزاز کی بات ہوگی۔" جولیٹ نے فوراً ہی ان سے کہا کہ سنا تھا بانٹنے سے غم کی شدت کم ہوجاتی ہے اور اگر وہ اپنی محسنہ کا غم بانٹ لیتی تو یہ ان کے احسان کا بہت معمولی سا بدلہ ہوتا۔

"کیا کہوں بیٹی، تمہاری ہی جیسی میری بھی ایک بیٹی تھی۔ دو بھائیوں کی اکلوتی بہن...... بہت پیاری، فرمانبردار اور ہر وقت ہنسنے مسکرانے والی۔ ہم نے اسے کم عمری میں ہی اس کی پھپھی کی خواہش پر ان کے بیٹے سے الٰہ آباد میں بیاہ دیا تھا۔ فاصلہ زیادہ تھا لیکن یہ اطمینان تھا کہ وہ وہاں خوش رہ رہی ہے اور پھپھی نے ساس کے بجائے ماں بن کر اسے اپنے گھر رکھا ہوا ہے۔ سال میں دو بار وہ مہینا پندرہ دن کے لیے یہاں رہنے آجاتی تھی تو جدائی کی ساری کسر نکل جاتی تھی۔ ہم خود بھی جب دل چاہتا تھا اس سے ملنے الٰہ آباد چلے جاتے تھے۔ اس کا دو سال کا ایک بیٹا بھی تھا اور جانو زندگی میں بس خوشیاں ہی خوشیاں تھیں۔ ان خوشیوں کو نہ جانے کس حاسد کی نظر کھا گئی۔ میرا داماد تحریک پاکستان کا بڑا سرگرم کارکن تھا اور ظاہر ہے مخالفین کی نظر میں بھی رہا ہوگا۔ جس روز تین جون کا اعلان ہوا اور تقسیم کا حتمی فیصلہ ہوگیا، اسی روز ظالموں نے اس کے گھر میں گھس کر ایک ایک کو قتل کرڈالا۔ دو سال کے معصوم بچے کو بھی نہیں چھوڑا۔ اس سانحے کے بعد میرے تو حواس ہی چھن گئے تھے اور آٹھوں پہر روتے رہنے کے علاوہ کچھ سجھائی نہیں دیتا تھا۔ کوئی تسلی، کوئی دلاسا دل کو سکون نہیں دیتا تھا، حالانکہ میرے شوہر مجھے سمجھاتے تھے کہ ہماری بیٹی کو شہادت کی موت نصیب ہوئی ہے اور شہید زندہ ہوتے ہیں۔ ہندوستان سے لٹے پٹے قافلے یہاں پہنچنا شروع ہوئے تو میرے شوہر اپنی ملازمت کی ذمے داریوں کی وجہ سے مصروف ہوگئے پھر وہی ایک دن مجھے ایک کیمپ میں لے گئے اور مجھ سے کہا کہ تم تو اپنی ایک بیٹی کے لیے آنسو بہا رہی ہو، یہاں موجود ان عورتوں کو دیکھو، ان سے ملوجنہوں نے اپنے پورے پورے خاندان کھودیے ہیں۔ بس پھر اس دن کے بعد سے مجھ میں تبدیلی آگئی۔ میں ان کا غم بانٹنے لگی جو مجھ سے کہیں زیادہ دکھی تھیں۔ میں نے اللہ کا شکر بھی ادا کیا کہ اس نے بیٹی لے لی ہے لیکن کم از کم میرے پاس میرے بیٹے تو زندگی کا سہارا ہیں۔ بیٹی کی یاد تو ظاہر ہے دل سے نہیں جاسکتی لیکن تم جیسی کسی بیٹی کو سہارا دے کر مجھے لگتا ہے کہ میں نے اپنی بیٹی کو بچالیا ہے۔" وہ نم آنکھوں سے اپنا غم سنانے لگیں۔ جولیٹ نے ان کے لیے اپنے دل میں بڑا احترام محسوس کیا۔ اپنے غم کو سینے میں چھپا کر دوسروں کا غم بانٹنا کوئی اتنا آسان کام نہیں ہوتا اور ایک دکھی ماں یہ سب کررہی تھی۔

"بہن کی شہادت کے بعد میرے دونوں بیٹے جو کالج میں پڑھتے ہیں اور اپنی عمر کے حساب سے بہت جذباتی بھی

تھیں۔ سب طلسم میں تھے۔ ان کا ہی نہیں پتا تھا کہ پھر ان کی بہن کا مقدر ختم ہوا ہے۔ وہ بھی ان ارب والے ہندوؤں کے گھر بھی جلا کر خاک کر دیے لیکن میرے شوہر نے انھیں سمجھایا اور سنبھالا کہ انتقام کی راہ پر چل کر انسانیت کی تذلیل کے سوا کچھ نہ ہو پائے گا۔ یہ سب کرنے سے تمہاری بہن کی روح کو سکون نہیں ملے گا۔ یہ سب کرنے سے بہتر ہے کہ تم مصیبت زدہ لوگوں کے کام آؤ اور بیماروں کا علاج بانٹو۔ انسانیت کا حق بھی ادا ہوگا اور تمہاری بہن کی روح کو بھی سکون ملے گا۔ شکر ہے انھیں یہ بات سمجھ آ گئی اور وہ تب سے قاتل اور شریر سے بچنے سے بچ کر لوگوں کے دکھ درد بانٹنے میں لگ گئے۔ کیمپ میں لائے جاتے تھے اور وقت سے پہلے گزر جانے کے کیمپ جا کر کام کرتے تھے۔ وہ ان کو کھانا بانٹتی میں بھی ساتھ رہتی تھی ہوں۔ بس یہاں آنا کل ہمارے خاندان کے سب لوگ روز بروز ہے تھے۔ تب سے کبھی کبھی تمہارے لیے ایسا دل میں اپنی انسیت محسوس کی تھی اس لیے تب سے تمہیں اپنے گھر لے آئی۔ اب یہ تمہاری مرضی پر ہے کہ ہمارے ساتھ رہو اور ہمارے خاندان کا حصہ بن کر رہو یا اپنے لیے جو چاہو فیصلہ کرو۔" انھوں نے اسے اپنے خاندان کے بارے میں معلومات فراہم کر کے فیصلے کا کلی اختیار دے دیا اور اس نے جو فیصلہ لے کے اپنے دل میں ایک ایسا فیصلہ کر لیا کہ جس کے بعد اس کی زندگی پرسکون ہو گئی۔

☆☆☆

"ایک کب تک ہے [illegible] بھائی؟" اس [illegible] ابھی تک بابا کو گئی زمیں دولتیں لے کے۔ ایک روپا [illegible] بہت یاد آ رہی ہے۔" آج کا دن [illegible] بہت اچھا لگ رہا تھا۔ اس نے سب کے درمیان بیٹھ کر کھانا اپنے [illegible] کیا تھا اور [illegible] کے بعد اور اپنے کمرے میں جا کر [illegible] کے بجائے سب کے درمیان ہی بیٹھا ہلکی پھلکی گفتگو کر رہا تھا۔ یوں کے قتل میں قاتل اور بیماری کے راستوں ان کے عبرت ناک انجام تک پہنچانے کے بعد وہ خود کو خاصا پرسکون اور ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔ [illegible] کی وجہ سے اسے پرسکون ماحول میں [illegible] سب سے بڑا سوال [illegible] تھا اس معاملے [illegible] زندگی کے ایسے [illegible] کا [illegible] ہی تھا۔ [illegible] کے ہاتھ اور [illegible] کی [illegible] کوشش کی آ [illegible] لگنے کے بجائے [illegible] ان کی [illegible]

تھوڑی کر پا یا کہ وہ میرے بہت صاحب نفراد [illegible] میں مرنے کو ہے بھڑکا کام [illegible] کے لیے ان سے اسے کھانا پیش کرنے کے بعد از سے کی چوکی سے فرار کر دیا۔ مجھ حیرت [illegible] ایک طرف ہو جاتا لیکن اس نے [illegible] شروع کر دی۔ اسے پیچھے ساتھیوں کا ساتھ بھی حاصل تھا اور اس نے [illegible] بھی تعلقات [illegible] لیے تھے۔ [illegible] کے تعاون سے [illegible] کے شہروں کے [illegible] اس نے [illegible] کر [illegible] سے نکل جانے [illegible] میں [illegible] کی کوشش کی۔ اس وقت حفاظت کے لیے ساتھ جانے والے [illegible] کو لے مدافعت کی۔ ان کی مداخلت سے [illegible] کا [illegible] خاندان کو [illegible] اپنی جان کی بازی ہار گیا۔

[illegible] کے [illegible] کے جذبات [illegible] میں لے کر وہ [illegible] لوگ پولیس کی آ [illegible] کے سامنے میں [illegible] طرح طرح سے [illegible] اور [illegible] کی کوشش ہوئی [illegible] کے [illegible] سے [illegible] کی [illegible] سے [illegible] کی قدر [illegible] رنگ دکھایا [illegible] کر کے [illegible] کا [illegible] پر اس نے [illegible] الزام [illegible] آیا [illegible] کا [illegible] کیا۔ [illegible] سے [illegible] آ [illegible] کے [illegible] کی [illegible] کے لیے [illegible] کا [illegible] بیٹے کو [illegible] سب سے [illegible] اور [illegible] کا [illegible] دشمنوں [illegible] میں [illegible] سب سے زیادہ [illegible] تھے [illegible] کے [illegible] پر [illegible] بہت پرسکون محسوس کر رہا تھا [illegible] اس نے اس کے [illegible] کو [illegible] دیا تھا۔

اسے [illegible] سے بدلہ لینا تھا ان میں سے اب صرف [illegible] باقی رہ گیا تھا اور ایک مشکل [illegible] کے باوجود اسے [illegible] تھا کہ [illegible] انتقام اس کی آخری [illegible] انجام تک پہنچانے [illegible] سے [illegible] کرے گا۔ [illegible] میں [illegible] کر کے [illegible] قدم اٹھانے کا [illegible] تھا [illegible] سوال کا سامنا تھا۔ [illegible] جب [illegible] کے [illegible] سے [illegible] ایک [illegible]

بہار کے موسم سے لطف اندوز کرواتا مارچ 2017ء کا پرکشش شمارہ



ماہنامہ **پاکیزہ** کراچی

انجم انصار، رفعت سراج و شیریں حیدر کے خوب صورت ناول

سحر ساجد کا دل نشیں ناولٹ...... **من جانبازم**

سیما رضا ردا کی دل کش تحریر منی ناول **ہم کو عبث بدنام کیا** کی صورت

پاکیزہ کے خوب صورت مہمان کی بزم میں خوشگوار آمد

ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی کے قلم سے نیا سلسلہ **اللہ اور اس کا نور**

باتیں بہار و خزاں کی

کے سلسلے میں آپ بھی شامل ہوئیے

اختر شجاعت کی پر روح تحریر **تحمل و برداشت** کے موضوع پر

نگہت سیم ، عقیلہ حق ، پروین عذرا تشنہ کی خصوصی تحریر

اس کے علاوہ

مشاق قلم کاروں کے دل پذیر افسانے، ناولٹ جس میں **تحسین اختر، سارا احمد، سمیرا یونس ھارون** و دیگر شامل ہیں

کے ساتھ ساتھ دلچسپ معلومات افروز سلسلے صرف آپ کی اعلیٰ ذوقی کی نذر

تھا۔ وہ بھول گیا تھا کہ کیسے وہ ذہنی سوچ سے ان کی نمازوں پر قادر ہو کر ہمیشہ کے لیے اپنے خاندان سے جدا ہو گیا تھا۔ اس کے لیے اب بھی اس کا خاندان تھا اور یہیں اس کا باپ تھے وہ بابا کہہ کر پکارتا تھا اور اب اپنے بابا سے جدائی پر مضطرب ہو رہا تھا۔ "یہاں تمہیں کوئی تکلیف ہے کیا؟ تم کھانے پینے کا کہیں دیتا یا کوئی اور مسئلہ ہے تو مجھے بتاؤ۔" فاروق نے اسے بچوں کی طرح پیار کر کے اس کی سوال کا جواب دینے سے بہلانے کی کوشش کی۔

"کوئی مسئلہ نہیں ہے لیکن اپنا گاؤں یاد آتا ہے تو لگتا ہے سب لوگ کا یاد آتا ہے سب سے زیادہ [illegible] رشتے کا [illegible] ہے آپ نے کی ملاقات [illegible] اس کی نگاہیں [illegible] لگی ہوتی تھی۔

"کہاں پریشان ہوتا ہے کہ فاروق بھائی کر..... کیا اتنے عرصے تک بچے ہو گئی۔ ایک آنسو اس سے دیکھ سکی۔ بابا کو یاد اور سے بھیا کے کوششوں میں لگے ہوئے ہیں۔ بات یہ تھی بھیا نے زکی وہیں آتے تھے تو اسے تھی دیکھنا تھا کہ [illegible] بیٹے ہونے کو کہا تو [illegible] وہی بابا جیسا مانوس تھا [illegible] اس لیے بہت ہمدردی اور محسوس کرتا تھا۔ اس عمر میں عجیب کر رہا [illegible] لگتا ہے کہ [illegible] تھا۔ وہ فاروق اور شبیر کے درمیان ہونے والی [illegible] گفتگو سے بھی واقف تھا اور محسوس کر رہا تھا کہ بہت [illegible] ہے اس لیے [illegible] کی درخواست کی تھی۔

"اپنے کو سب [illegible] بابا کو [illegible] ہو۔" نہایت معصومیت سے کہتے ہوئے اس کی آنکھوں میں [illegible] آئی تو [illegible] سے فاروق کا دل بھی [illegible] اس نے [illegible] ساتھ ہی [illegible] اپنے سینے سے لگایا اور بے [illegible] لیے [illegible] کی چادر [illegible] کر دے اور [illegible] کرنے کو اب [illegible] ہے۔ وہ بس ابھی چلا گیا ہے وہاں سے [illegible] نہیں آتا لیکن [illegible] بے پناہ محبت کرتے ہوئے اس نے اپنے سارے [illegible] اندر کی [illegible] لیے اور [illegible] ہوا۔

"یہ کیا [illegible] رہے ہیں؟" [illegible] آئی تو [illegible] کرسی [illegible] پوچھا۔ [illegible] یہاں آئی تھی [illegible] کے بارے میں [illegible] تھا۔ اس [illegible] رات [illegible] ایک [illegible] اسے فاروق نے [illegible]

اس لیے وہ جو کچھ کر رہا تھا اسے اس سے تو تمہیں روکی تھی لیکن اس کی طرف سے فکر مند رہا کرتی تھی۔ اس لیے آج رہی تھی آتے ہوئے بھی ان لوگوں کی خیریت معلوم کرنے یہاں چلی آئی تھی۔ یہاں آ کر اس نے میجر کے زخم دیکھے تو اسے تشویش ہوئی۔ اس کے کھانے اور گردن کی حالت خراب ہو رہی تھی۔ [illegible] نے فوری طبی امداد [illegible] کا سامان [illegible] کیا تھا اس لیے رات کو [illegible] آنے کے بعد فاروق نے اس کے زخم صاف کر کے ان کی مرہم پٹی کر دی تھی لیکن [illegible] بات کی [illegible] کے بعد وہ [illegible] زخموں کی [illegible] اور [illegible] کرنے کے لیے اسے اندرونی کمرے میں لے گئی [illegible] کے دوران اس نے [illegible] بات کی [illegible] تفصیلات بھی [illegible]

[illegible]

واپسی میں انہوں نے کوئی [illegible] لی اور زیادہ [illegible] گلیوں سے گزرتے ہوئے پیدل ہی اپنے [illegible] واپس پہنچے تھے۔ [illegible] انہوں نے پہلے [illegible] پولیس کے سامنے ان کی [illegible] کی [illegible] کر دے۔ [illegible] کے بجائے انہوں نے پیدل چلنے کی [illegible]

کی مرہم پٹی کرتے ہوئے ساری تفصیل سنی اور پھر اسے ایک پین کلر دے کر آرام کا مشورہ دیتی باہر آ گئی۔ باہر اس نے فاروق کے سینے سے لگے گولو کو دیکھا تو سمجھ گئی کہ گولو نے کوئی ایسی بات چھیڑ دی ہوگی جس کا جواب فاروق کے پاس نہیں ہوگا اس لیے ہلکے پھلکے انداز میں ان دونوں سے مخاطب ہوئی۔

''دادا کا لاڈ! لاڈ دادا کے نہ ہونے سے اداس ہو رہا ہے تو میں اس کے لاڈ اٹھا کر اس کی اداسی کم کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔'' فاروق نے بھی اپنی اندرونی کیفیت کے برعکس شوخ لہجے میں اسے جواب دیا۔

''یہ کام تو میں بھی اچھی طرح کر سکتی ہوں۔ کیوں گولو برادر..... کیا میں تمہاری سسٹر نہیں ہوں اور تمہارے لاڈ نہیں اٹھاتی ہوں؟'' اس نے گولو کو اپنی طرف متوجہ کیا۔

''تم تو اپن کا بہت پیارا سسٹر ہے۔ بس اپن کو ذرا بابا کی یاد آ گئی تھی۔'' گولو اب تھوڑا سا جھینپ رہا تھا۔ فاروق نے اسے اپنے سینے سے الگ کر دیا تھا لیکن اب بھی اس کی گردن میں بازو حمائل کر کے بیٹھا ہوا تھا۔

''تمہیں پتا ہے نا کہ تمہارا بابا بھی تم سے بہت لو کرتا ہے۔ اس کا بھی تمہارے پاس آنے کا من کرتا ہوگا لیکن کبھی کبھی آدمی بڑا مجبور ہوتا ہے اور اپنی مرضی نہیں کر سکتا۔ تم بس اپنے بابا کے لیے ڈھیر ساری پرے (دعا) کیا کرو کہ وہ جس جگہ ہے، وہاں بہت اچھا رہے۔'' کیتھرائن پیار سے اسے سمجھانے لگی۔

''ٹھیک ہے سسٹر! جیسا تم بولو۔ اپن پرامس کرتا ہے کہ آج کے بعد دوبارہ فاروق بھائی کو بابا کا بول کر تنگ نہیں کرے گا اور بس اللہ میاں سے اس کے لیے دعا کرے گا۔'' گولو پر ہمیشہ کی طرح کیتھرائن کی باتوں کا خاصا اثر ہوا اور اس نے فوراً ہی اس سے وعدہ کر لیا۔

''گڈ بوائے۔ تم اتنا اوبیڈیئنٹ ہے اسی لیے تو زیادہ لولی لگتا ہے۔'' کیتھرائن نے ہولے سے اس کے رخسار پر چٹکی لی تو وہ شرما گیا اور اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولا۔

''اپن جا کر جو کا ہاتھ بٹاتا ہے اور تمہارے لیے اس سے چائے جلدی بنوا کر لاتا ہے۔''

''یہ تو بہت اچھا ہوگا۔ چائے پینے سے میری نیند بھاگ جائے گی اور میں تھوڑی فریش بھی ہو جاؤں گی۔'' کیتھرائن نے اس کے عمل کو سراہا۔

''تھینک یو۔ تم نے مجھے نازک وقت میں میرا ساتھ دیا۔'' گولو چلا گیا تو فاروق نے کیتھرائن کا شکریہ ادا کیا۔

''تھینک یو کی کیا بات ہے۔ گولو اور آپ دونوں مجھے عزیز ہیں اور میں آپ دونوں کو ہی اداس نہیں دیکھ سکتی۔'' کیتھرائن نے اسے جواب دیتے ہوئے ہلکی سی جمائی لی۔

''تم تھکی ہوئی ہو، یہاں آنے سے پہلے تمہیں اپنی نیند پوری کر لینی چاہیے تھی۔'' فاروق نے اسے ٹوکا۔

''آپ لوگوں کی خیریت معلوم کیے بغیر مجھے نیند نہیں آتی اس لیے پہلے یہاں چلی آئی۔ اور اچھا ہی ہوا کہ آ گئی۔ اس طرح دیجے کی پراپر ڈریسنگ بھی ہو گئی۔ اب واپس ہاسٹل جاؤں گی تو مزے سے لمبی نیند لے لوں گی۔ ویسے بھی آج میرا آف ڈے ہے۔'' اس نے مسکراتے ہوئے فاروق کو جواب دیا۔

''چلو جیسی تمہاری خوشی لیکن یہ آج تم نیوز پیپر لے کر کیوں نہیں آئیں، ہو سکتا ہے کوئی خبر آئی ہو۔'' فاروق کا اشارہ کس خبر کی طرف تھا؟ وہ سمجھتی تھی۔ وہ اپنی رات والی کارروائی کے حوالے سے بات کر رہا تھا۔

''سوری۔ آنے کی جلدی میں میرا اس طرف دھیان ہی نہیں گیا... ویسے بھی اس وقت خبر نیوز پیپر میں آنا مشکل ہے۔ اتنی رات کی بات ہے۔ نیوز پہنچنے سے پہلے ہی نیوز پیپر کی کاپیاں پریس میں چلی گئی ہوں گی۔ ہاں ہو سکتا ہے ایوننگ پیپر میں ساری ڈیٹیل آ جائے۔'' اس نے فاروق سے اخبار نہ لا سکنے پر معذرت کرتے ہوئے اپنی رائے کا اظہار کیا۔ اسی وقت گولو چائے کی پیالیاں لیے وہاں چلا آیا۔ کیتھرائن نے ایک پیالی فاروق کو پکڑائی اور دوسری اپنے لیے اٹھانے ہی لگی تھی کہ دروازے پر زوردار دستک کی آواز ابھری۔ آواز سن کر گولو دروازے کی طرف جانے لگا۔

''تم رکو گولو! میں دیکھتی ہوں۔'' کیتھرائن نے اسے روک لیا۔ دستک کا انداز کچھ غیر معمولی سا تھا اس لیے اس نے خود دیکھنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس کے روکنے پر گولو رک گیا اور وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر بے آواز قدموں سے دروازے پر پہنچی۔ دروازہ کھولنے سے پہلے اس نے ایک جھری سے باہر جھانکا اور بری طرح چونک گئی۔ باہر پولیس کی وردی میں ملبوس افراد کھڑے تھے۔ وہ بلی کی چال چلتی تیزی سے واپس اندر گئی۔ اس کے چہرے پر چھائی سراسیمگی نے فاروق کو بھی اپنی جگہ سے کھڑے ہونے پر مجبور کر دیا۔

''باہر پولیس ہے۔ آپ لوگ احتیاطاً اوپر چھت پر چلے جائیں۔ میں دیکھتی ہوں وہ لوگ کیوں آئے ہیں۔ خطرہ ہوا تو میں اشارہ کر دوں گی۔ چھت پر سے آپ لوگوں کو فرار کا راستہ مل جائے گا۔'' کیتھی نے جلدی جلدی فاروق

سے کچھ۔ ان لوگوں کو دور سے ہی دروازہ دستک دی جانے لگی تھی اور پہلے سے زیادہ زوردار تھی۔ مجبوراً تیزی سے حرکت میں آنا پڑا۔ سوچنے اور رکنے کی ضرورت نہیں پڑی تھی۔ رنگ کی ذمہ داری تو اسی لیے خود ہی باہر سے آئی تھی۔ اسی کی طرح گھر گئی یا اس نے فاصلے سے باہر نکل آیا تھا۔ فاروق نے ان سب کو اپنے ساتھ آنے اور پیچھے کا اشارہ کیا۔ کیتھرائن دروازے کی طرف بڑھی تھی۔ دروازے پر پہنچ کر اس نے فوری طور پر کنڈی کھولنے کے بجائے اندر سے ہی بلند آواز میں پوچھا۔

"کون ہے؟ [illegible] سے دروازہ کیوں توڑ رہے ہو؟" اسے یہ سوالات کرنے کی ضرورت نہیں تھی وہ صرف فاروق اور اس کے ساتھیوں کو مہلت فراہم کر رہی تھی۔

"دروازہ کھولو، باہر پولیس ہے۔" کرخت لہجے میں اطلاع دی گئی۔

"پولیس..... پولیس کا یہاں کیا کام ہے؟" کیتھرائن نے اپنی آواز میں حیرت پیدا کی۔

"تم دروازہ کھولو پھر ہم سب بتاتے ہیں۔" اب [illegible] دروازہ [illegible] پولیس والوں کے تیور خطرناک تھے۔ کیتھرائن نے دروازہ کھول دیا۔ تین چار پولیس والے دندناتے ہوئے اندر گھس گئے۔

"یہاں کیا بات ہے آفیسر؟" کیتھرائن نے ان کی قیادت کرنے والے آفیسر سے مخاطب ہو کر پوچھا۔

"مفرور مجرموں کو پناہ دینے کے جرم میں [illegible] ہو گیا ہے۔ کہاں ہے [illegible] کا گھر کا راستہ ہے۔" ان الفاظ سے [illegible] ہو گیا کہ لوگ فاروق کے لیے ہی آئے تھے۔

"بھاگ جاؤ یہاں سے۔ یہاں کوئی [illegible] موجود نہیں ہے۔ یہاں میں اکیلی ہوں۔" بھاگ جانے کا اشارہ اس نے اور ہی لوگوں کو دیا تھا لیکن بظاہر پولیس والوں سے مخاطب تھی۔ پولیس والے بھی اس کے تیور پہچانتے تھے اور کمرے کی تلاشی میں مصروف تھے اور مکان میں پھیل کر اس کے مختلف حصوں کی تلاشی لے رہے تھے۔ صرف ان کی رہنمائی کرنے والا کیتھرائن کے سر پر موجود تھا اور نہایت حقارت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"تم تو اور بھی زیادہ [illegible] ہو۔ تم [illegible] اصل میں [illegible] سے آئی ہو اور تم کیا [illegible] اصل سے [illegible]

[illegible] کیتھرائن [illegible]

غصے سے سرخ ہو گیا اور اس نے کتاب کی پروا کیے بغیر پولیس والے کو ڈانٹ دیا۔

"شٹ اپ، پیچھے ہٹو۔ تمہیں [illegible] زمین پر سے گرا دی۔" ایک [illegible] نے پولیس کو چپ لگا دیا۔ مریم خانے سے برآمد ہونے والی [illegible] اس کے بعد [illegible] الگ کر سکا [illegible] کے پیچھے کتاب [illegible] والے کے الفاظ نے کیتھرائن پر واضح کر دیا کہ وہ مکمل معلومات کے ساتھ یہاں پہنچے تھے۔ صورت حال بالکل واضح تھی۔ پولیس والوں [illegible] اور پیچھے کی سیڑھیاں اور گھر سے ہونے والی [illegible] میں یہ بات مشترک تھی کہ ہر ایک کی انگلیاں [illegible] ان کی شکلیں کاٹنے والوں کے لیے ایک واضح اشارہ تھا کہ ان کا تعاقب کیا جا رہا ہے۔ ہو سکتا ہے پولیس کی اطلاع کی بنیاد پر دروازہ توڑ کے لیکن جب [illegible] اس کا ہاتھ [illegible] تھا۔ ان کو [illegible] لگے اور اس کے [illegible] کے بعد مسلسل ہو کہ جانے والوں کو پتے چل جاتی ہوگی اور سب سے پہلے انہوں نے [illegible] کی شکایت کی۔ پولیس پر دباؤ کرنے پر آئے تو صرف تسلیم کر سکتے ہیں کہ انہوں نے کیتھرائن کو دور سے ہی [illegible] کے طور پر [illegible] اس پر نظر رکھنا شروع کر دی۔ پیچھے میں وہ اس کے پیچھے لگ کر یہاں تک پہنچ گئے۔ بہرحال [illegible] کہ کل اس نے اس طرف کا رخ نہیں کیا ورنہ پولیس پہلے ہی پہنچ جاتی اور مجرموں کو انجام تک پہنچانے میں [illegible]

[illegible] ہے مریم [illegible] سے اور [illegible] اور کمرے میں جانے والوں نے [illegible] اطلاع دی۔

"اب تم یہاں اکیلی ہو تو مفرور مجرم کہاں سے آئے؟" [illegible] ہے اور [illegible] اطلاع ملی کر [illegible] سے باہر گیا اور ہاتھ میں پکڑی چھڑی کی نوک کیتھرائن کی ٹھوڑی کے نیچے رکھ کر اس پر دباؤ ڈالا۔ تکلیف سے اس کے ہونٹوں سے ہلکی سی سسکاری نکلی لیکن اس نے ہمت نہیں چھوڑی اور مضبوط لہجے میں بولی۔

"یہ میری ایک سلم فرینڈ کا گھر ہے... اس گھر کی چابی کسی نے مجھے دے کر اپنی جگہ کے ساتھ یا کہ [illegible] کر رکھی ہے اور [illegible] کرتے ہوئے کچھ دن [illegible] کے [illegible] ہیں۔ میں یہاں صرف [illegible] آخر ہم کام [illegible] آتے رہتے ہیں۔ وہ بھی اس

مکان کو دیکھیں گے۔'' اس کی باتوں میں کافی کچھ مبنی برحقیقت بھی تھا۔

''بکواس بند کر۔ ہمارے جس بندے نے تیرا پیچھا کر کے انفارمیشن دی ہے، اس نے آزو بازو سے بھی معلوم کیا ہے۔ پڑوسیوں کا کہنا ہے کہ مکان میں تین چار بندے رہ رہے ہیں اور تو ادھر آتی جاتی رہتی ہے۔'' اس بار اس نے غصے میں کیتھرائن کے منہ پر ایک تھپڑ جڑ دیا۔

''سر! لگتا ہے اس نے بندوں کو فرار کروا دیا ہے۔'' اس کے ایک ماتحت نے خیال آرائی کی۔

''پر کیسے؟ جب سے یہ ادھر آئی ہے، باہر ہمارا بندہ نگرانی کر رہا ہے۔ اس نے کسی کو مکان سے نکلتے نہیں دیکھا۔ اس مکان کا کوئی دوسرا دروازہ ہے کیا؟'' وہ جھنجلاہٹ کا شکار ہونے لگا۔ وہ ڈی ایس پی راٹھور کا خاص چمچہ راہول تھا جو اس کی ہدایت پر یہ کام کر رہا تھا۔ کامیابی کی صورت میں اس کے حصے میں ترقی یا کوئی دوسرا انعام آتا اس لیے وہ ناکام نہیں ہونا چاہتا تھا۔

''دروازہ تو نہیں ہے سر چھت پر چڑھ کر بندہ فرار ہو سکتا ہے۔ بس چھت پر جانے کے لیے کوئی سیڑھی ویڑھی نہیں ہے تو پہلے ادھر دھیان نہیں گیا۔'' ماتحت نے شرمندہ سے لہجے میں کہا تو وہ مزید جھنجلا گیا اور حلق کے بل دہاڑا۔

''دیکھو حرام خورو! چھت پر جا کر دیکھو۔ اب تک تو وہ حرام زادے نکل گئے ہوں گے۔ اس لونڈیا نے باتوں میں لگا کر اتنا سے برباد کر دیا۔''

سپاہی تیزی سے حرکت میں آ گئے۔ ادھر فاروق ابھی تک اوپر چھت پر ہی موجود تھا۔ چھت پر چڑھنے کے لیے انہوں نے لکڑی کی ایک سیڑھی استعمال کی تھی۔ سیڑھی مکان میں موجود تھی جو یقیناً اہلِ خانہ کبھی کبھار ضرور تا چھت پر جانے کے لیے استعمال کرتے ہوں گے، ورنہ چھت تک جانے کا کوئی مستقل انتظام موجود نہیں تھا۔ سب ساتھیوں کے اوپر چڑھ جانے کے بعد فاروق نے احتیاطاً وہ سیڑھی اوپر کھینچ لی تھی کہ فوری طور پر کسی کی توجہ چھت کی طرف مبذول نہ ہو اور یہاں سے نکلنے کی ضرورت پڑے تو تھوڑی سی مہلت مل جائے۔ انہیں کیتھرائن کے اشارے کا انتظار تھا اور اشارہ فوراً ہی مل گیا۔ اس نے ''بھاگ جاؤ'' کے الفاظ استعمال کیے تھے جس کا مطلب تھا کہ پولیس ان ہی لوگوں کی تلاش میں وہاں آئی ہے۔ سامنے کے رخ سے اترنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ دائیں بائیں کے مکانات کی چھتیں اس مکان سے ملی ہوئی تھیں لیکن وہ سنگل اسٹوری مکانات تھے جن کی

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایتُ اللّٰہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللّٰہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

چھتوں پر کوئی بڑا ہوا ٹاوری نما ل موجود نہیں تھی اور وہ کھڑی [illegible] میں آ گئے تھے۔ ایسے میں فاروق نے عقب کے دو منزلہ مکان کا انتخاب کیا۔ ان کے پاس سیڑھی تھی۔ سیڑھی کو اس مکان کی دیوار کے ساتھ لگا دیا گیا تو وہ لمبائی میں کچھ کم نکلی لیکن ہاتھوں پر زور دے کر تھوڑی سی کوشش سے اوپر چڑھا جا سکتا تھا۔ اس نے پہلے راجے اور بجو کو اوپر چڑھنے کا اشارہ کیا۔ حکم دیا کہ اوپر چڑھتے ہی وہ دیکھو تمام کی تلاش میں بھاگ نکلیں، رک کر انتظار نہ کریں۔ راجے اور بجو نے اس کی ہدایت پر عمل کیا اور یکے بعد دیگرے اوپر چڑھنے کے بعد ہاتھ ہلا کر فاروق اور گلو کو الوداع کہتے ہوئے وہاں سے بھاگ نکلے۔

ان دونوں کے بعد فاروق نے گلو کو سیڑھی چڑھنے کو کہا۔ وہ بھاری بدن اور چھوٹے قد کا تھوڑے سست گو کا تھا جس کا اس طرح چڑھنا کام مشکل تھا لیکن فاروق کے حکم سے انکار کا بھی کوئی سوال نہیں تھا اس لیے وہ ہمت کر کے سیڑھی پر قدم رکھتا اور ایک ایک کر کے اوپر چڑھتا گیا۔ اوپر پہنچ کر گلو کو کیا۔ یہاں سے اسے چھت کی منڈیر تک ہاتھ لے جا کر فاروق کے کندھے پر چڑھنا تھا۔ وہ سیڑھی پر کھڑا [illegible] کے لیے وہ [illegible] کے لیے منڈیر تک ہاتھ لے جانے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے بعد اسے اپنے بازوؤں پر زور دے کر اوپر چڑھنا تھا۔ اس نے کوشش کی لیکن اس کے بازوؤں نے اس کے گول مٹول بھاری بدن کا بوجھ سہارنے سے انکار کر دیا۔ مسئلہ فاروق کے لیے بھی تھا۔ گلو کو اس طرح لٹکے ہوئے دیکھ کر وہ مشکل میں تھا کیونکہ اس کے اندر اسے کھینچ کر اوپر پہنچانے کی صلاحیت نہیں تھی۔ اس لیے وہ نیچے کے اتنے قریب پہنچ کر بھی بیکار تھا۔ گلو کو سا کام بھی اس کے لیے مشکل بن گیا تھا۔ وہ تین بار کوشش کے بعد اس نے ہمت ہار دی اور فاروق کی طرف دیکھ کر بے بسی سے دیکھنے لگا۔

"مجھ سے تو نہیں چڑھا جاتا فاروق بھائی۔" فاروق نے بھی سوچا تھا کہ وہ گلو اس طرح نہیں چڑھ سکے گا اور اسے پیچھے چھوڑنا بھی ممکن نہیں۔ اس کے لیے ایک طریقہ یہ تھا کہ وہ خود بھی سیڑھی پر چڑھ جاتا اور نیچے سے گلو کو سہارا دے کر اسے اوپر پہنچانے کی کوشش کرتا لیکن مسئلہ یہ تھا کہ گلو کو اوپر پہنچا کر وہ خود کیسے چڑھتا۔ ممکن تھا سیڑھی اس کا بوجھ برداشت نہ کر سکے۔

سے نیچے لے جانے کا... [illegible]

اس کے سینے پر ایک کی ٹانگ اٹھا کر [illegible]

ان کے سینے پر دستک دی، گرنے سے بچ گئی۔ پھر اسے کھوکھلا اور آنے کا اشارہ کر کے وہ تیزی سے گزر گیا تھا اور اسے اندازہ تھا کہ اگر پولیس والے چھت کی طرف چڑھ گئے تو اس کے فرار کی راہیں مسدود ہو جائیں گی۔

"پہلے تم اوپر جاؤ اور... میرے بعد تم سیڑھی پر چڑھو اور مجھ کو اوپر سے ہاتھ دے کر کھینچ لینا۔" اس نے دبی دبی آواز میں گلو کو سمجھایا اور خود مکمل تیزی سے سیڑھی پر چڑھنے کے بعد ہاتھ لگا کر چھت پر پہنچ گیا۔ اس کوشش پر وہ خود بھی حیران تھا جب اس نے نظروں سے اسے دیکھا۔ فاروق بھائی اس کے پیچھے تھے اور وہ ان کی بہادری پر نازاں تھا۔ بچہ ایک وقت میں گلو کو اپنی بقا کے لیے نہیں سوچ سکا تھا کہ راجے اور بجو کے ساتھ بھاگ گیا ہوتا اور اب وہ چھت تک جانے کے لیے کچھ کر رہا تھا۔ پیچھے کھڑا بچتی تھی جس کا فاروق بھائی نے منصوبہ بنایا تھا۔

"اوپر آ جاؤ گلو۔" اوپر سے فاروق نے دبی دبی آواز میں... سیڑھی اوپر سے نیچے اتری۔ اس کے پاؤں عجلت میں پڑتے رہ گئے۔ سیڑھی اس کے وزن سے ہلی۔ گلو اوپر آیا تو اس کے وزن سے اور پلا بھاری تھا اور پہلے فاروق نے سیڑھی اوپر کھینچ لی تھی۔ اس کے پاؤں کے نیچے سے سیڑھی کھسک گئی تھی۔ اب اس کے دل میں اندیشہ تھا کہ سیڑھی اس کا بوجھ اٹھا کر کہیں ٹوٹ نہ جائے، اس لیے وہ احتیاط سے چڑھ رہا تھا۔

"شاباش گلو... ہمت کرو، تم اوپر آ گئے ہو۔ دیکھو میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔" فاروق نے اس کی ہمت بڑھائی تو وہ ایک اور قدم بڑھا کر اوپر چڑھنے لگا۔ اس کا چہرہ ایسا تھا جیسے کوئی بچہ پیچھے کیا ہو۔ اور اس کے ساتھ اور دوسرے قدم پر جو مشکل ہو رہی تھی وہ جانتا تھا۔ فاروق کا دم بھی حلق میں اٹکا ہوا تھا اور وہ مسلسل اپنے دل میں دعا کر رہا تھا کہ گلو خیریت سے سیڑھی تک پہنچ جائے تو وہ ہاتھ پکڑ کر کسی نہ کسی طرح اسے اوپر کھینچ لے گا۔ اس لیے وہ اپنے اور گلو کو دیکھتا رہا اور نیچے گلی کی طرف بھی نگاہ رکھ رہا تھا۔ ان دونوں میں سے کوئی ایک بھی پولیس کی زد میں آ جاتا تو دوسرے کا بچنا بھی مشکل تھا۔ بہرحال اب تو سب قسمت پر ہی منحصر ہو رہا تھا۔ اس کی یہی فکر تھی کہ گلو کسی طرح اوپر پہنچ جائے۔ وہ اپنی پوری کوشش کر رہا تھا اور سیڑھی پر چڑھتے ہوئے کسی نہ کسی طرح اپنا توازن قائم رکھے ہوئے تھا۔ وہ آخری قدم پر سے نیچے والے قدم پر تھا کہ اسی لمحے گلی میں کسی کے بھاگنے کی آواز آئی۔

"... " گلو کے [illegible] کی آواز آئی۔" فاروق نے کہا اور ... سیڑھی کو... اس نے جلدی سے ہاتھ پکڑنے کے لیے سامنے

والے دو منزلہ مکان کا انتخاب کیا تھا اور وہاں سے سیڑھی چڑھتا گولو اور اوپر موجود فاروق اس کی نظروں میں آگئے تھے۔ یہ وہ دور نہیں تھا کہ ہر پولیس والے کے پاس اسلحہ ہوتا لیکن راہول کی ماتحتی میں آنے والی یہ پارٹی مبینہ خطرناک قاتل کو پکڑنے کے لیے نکلی تھی اس لیے ان کے پاس دو عدد رائفلیں موجود تھیں اور ایک رائفل بردار سامنے والے مکان کی کھڑکی میں کھڑا انہیں للکار رہا تھا۔ اس کی للکار نے مشکل سے سیڑھی پر اپنا توازن قائم رکھے گولو کو سہما دیا اور اس کے قدم بری طرح ڈگمگا گئے۔ اس کی ڈگمگاہٹ نے لمحوں میں توازن بگاڑ ڈالا اور سارا کھیل ہی توازن کا تھا۔ سیڑھی لہراتی ہوئی نیچے کی طرف آنے لگی اور گولو کی اس پر سے گرفت ختم ہوگئی۔ پہلے وہ زوردار آواز کے ساتھ چھت پر گرا اور پھر سیڑھی اس کے اوپر آن گری۔ اس منظر کو دیکھتے فاروق کے حلق سے بے ساختہ ایک زوردار چیخ نکلی۔ دن کا وقت ہونے کے باعث وہ اتنے فاصلے سے بھی دیکھ سکتا تھا کہ گرنے سے گولو کا سر پھٹ گیا ہے اور پھٹے ہوئے سر سے تیزی سے خون بہہ رہا ہے۔

"میں آرہا ہوں گولو۔ تم پریشان مت ہونا۔" وہ گولو کو زخمی حالت میں چھوڑ کر نہیں جا سکتا تھا اس لیے واپس چھت پر اترنے کا فیصلہ کیا۔ درمیانی فاصلہ زیادہ تھا اور سیڑھی گر چکی تھی۔ اسے چھلانگ لگا کر اتنی بلندی سے کودنا پڑتا اور اندازے کی ذراسی غلطی خود اس کے لیے وبال بن جاتی اس لیے وہ جانچ کے لیے لمحہ بھر کو رکا مگر اس پل گولو نے حیرت انگیز ہمت کا مظاہرہ کیا۔ شدید زخمی ہونے کے باوجود اس نے اپنے اوپر گرنے والے سیڑھی کو ایک طرف ہٹایا اور اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کی اس پھرتی نے فاروق کو بھی دنگ کردیا۔ وہ تو عام حالات میں بھی اتنی پھرتی سے کام نہیں لے پاتا تھا اور اب اتنی شدید زخمی حالت میں اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"آپ کو اپنی قسم فاروق بھائی...... ادھر سے بھاگ جاؤ۔ آپ پکڑے گئے تو میرے بابا کو کون ڈھونڈ کر لائے گا۔" اس کے سر سے بہنے والا خون اس کے چہرے کو رنگ رہا تھا اور اس عالم میں بھی اسے فکر تھی کہ ربن کی تلاش کا عمل نہ رکے۔ اس کی یہ ہمت شاید للکارنے والے پولیس والے کو پسند نہیں آئی اور اس نے "تیری تو......" کہتے ہوئے اس معصوم کے جسم پر ایک گولی داغ دی۔ گولی اس کی پشت پر لگی اور وہ ایک ثانیے میں نیچے گر گیا۔ نیچے اترنے کا خواہاں فاروق اپنی جگہ ساکت رہ گیا۔ اسی وقت فضا میں ایک اور فائر کی آواز گونجی۔ گولی اس کے کان کے بالکل قریب سے گزری تو اس کا سکتہ ٹوٹا۔ نیچے گرے گولو کے چہرے پر ابدی سکون تھا اور وہ اس بے رحم دنیا کو چھوڑ کر اس دنیا میں چلا گیا تھا جہاں اس کے بابا اسے اپنی بانہوں میں لینے کے لیے موجود تھے۔ وہ بابا کا دیوانہ زیادہ دن بھلا بابا سے جدا کیسے رہ سکتا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ آج کے بعد وہ فاروق بھائی کو بابا کا بول کر تنگ نہیں کرے گا اور صرف اللہ سے بابا کے لیے دعا مانگے گا۔ اس کی دعا کتنی تیزی سے قبول ہوئی تھی کہ فوراً اس کے اپنے بابا سے ملنے کا بندوبست ہوگیا تھا۔

فرطِ غم اور غصے سے تڑپ جانے والے فاروق نے اس کے خون آلود مردہ چہرے پر آخری نظر ڈالی اور تیزی سے حرکت میں آگیا۔ گولو اس کی مدد سے بے نیاز ہوگیا تھا لیکن اس کا مشن ابھی ادھورا تھا۔ قاتلوں کو انجام تک پہنچائے بغیر پولیس کے ہاتھ آنا تو دور کی بات، وہ مرنا بھی قبول نہیں کرسکتا تھا چنانچہ تیسری گولی چلی تو ضرور لیکن وہ اس کی زد سے نکل چکا تھا۔ گنجان آبادی والے بمبئی کے مکانات کی اونچی نیچی چھتیں اس کے قدموں کے لیے اڑن کھٹولا بنی ہوئی تھیں اور اسے پولیس والوں کی پہنچ سے بہت دور لے جارہی تھیں۔ اگرچہ پولیس والوں نے تعاقب کی اپنی سی کوشش کی تھی لیکن بمبئی آج بھی فاروق پر مہربان تھا۔ اس بمبئی میں برسوں پہلے بھی اسے پناہ ملی تھی اور آج بھی وہ اسے اپنی حفاظت میں لیے ہوئے تھا۔ اسے بالکل فکر نہیں تھی کہ اس پناہ گاہ کے چھن جانے کے بعد وہ کہاں رہے گا۔ ہنگامی حالات کے پیشِ نظر اپنے پاس موجود رقم وہ ہمیشہ لباس کے نیچے پہنی صدری میں محفوظ رکھتا تھا۔ اس کا چاقو بھی اس کی جیب میں ہر وقت موجود رہتا تھا اس لیے اسے اپنی بقا کی جنگ لڑنے میں کوئی پریشانی نہیں تھی۔ دکھ تھا تو صرف گولو کا۔ ربن کے بعد وہ اس کے لاڈلے کی حفاظت نہیں کرسکا تھا اور وہ اس کی نظروں کے سامنے اپنی جان سے چلا گیا تھا۔ خود اسے بھی تو گولو سے کم پیار نہیں تھا۔ بھاگتے ہوئے بھی اس کی آنکھوں میں مسلسل گولو کی تصویر تھی۔ اس پر پروانہ وار نثار ہوتا گولو، اس کی چھوٹی چھوٹی ضرورتوں کا خیال رکھ کر اس سے اپنی محبت کا اظہار کرتا گولو، ذرا سی بات پر ناراض ہوجانے اور پھر فوراً مان جانے والا گولو...... کتنے سارے روپ تھے اس معصوم و بے ضرر سے گولو کے جو ایک ایک کرکے اس کی نگاہوں کے سامنے آرہے تھے اور اس کی آنکھوں سے خودبخود ہی آنسو بہتے چلے جارہے تھے۔ ان بہتے آنسوؤں کے ساتھ وہ گلی کوچوں میں جاتا تو لوگوں کی نظر میں آجاتا چنانچہ جن چھتوں پر کودتا پھاندتا پھر رہا تھا، ان

قاتلوں نے کوئی کسر نہ چھوڑی تھی، اس نے فیصلہ کیا تو وہاں بیٹھے بیٹھے
اور مناسب مکان کے انتخاب پر غور کرنے لگا تو فوراً ہی ایک
چھوٹا سا ایک منزلہ مکان نظروں میں آ گیا۔

مکان میں خاموشی تھی اور یوں لگتا تھا کہ اہل خانہ غیر موجود ہوں۔ اگر کوئی ایک آدھ فرد موجود بھی ہو تو وہ اسے چوٹ کے علاوہ بھی خاموش رہنے پر مجبور کر سکتا تھا چنانچہ تھوڑا دیر تک ان تمام کے بعد آہستہ سے مکان کے صحن میں کود گیا۔ کودنے پر بہت معمولی سی آواز ابھری تھی اور اسے یقین تھا کہ اگر کوئی اندر موجود بھی ہوا تو متوجہ نہیں ہوا ہوگا۔ اپنی جگہ کھڑے ہو کر اس نے چوکنی نظروں سے مکان کا جائزہ لیا۔ مکان صاف ستھرا تھا اور سامنے باورچی خانے کے دروازے سے اندر تک سب کچھ ڈھکے ہوئے برتن نظر آ رہے تھے اس لیے یہ تو بخوبی سوچا جا سکتا تھا کہ مکان غیر آباد نہیں ہے [illegible] اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ مکین کہیں باہر گئے ہوئے ہیں۔ اس صف کے پیچھے بند دروازوں میں سے ایک پر ہاتھ رکھ کر دبایا تو دروازہ کھل گیا۔ کمرا [illegible] انداز میں آراستہ تھا اور وہاں کوئی ذی نفس موجود نہیں تھا۔ اس نے [illegible] کرنے کا جائزہ لیتے ہوئے فیصلہ کیا اور وہ اسی پناہ گاہ کے لیے [illegible] ہوا اور وہ پلنگ کی طرف متوجہ ہوا۔ جائزہ پہلے ہی اس کے ہاتھ میں موجود تھا [illegible] ان کے سرہانے ایک اور [illegible] بھی موجود تھا جو [illegible] دباؤ سے کور ہو چکا تھا۔

☆☆☆

ہوٹل کے کمرے میں [illegible] سے انتقام کا خیال نہیں نکل رہا تھا۔ نجانے کیا سوال ہی [illegible] تھا [illegible] ابھی تک اس کے دل میں کیا تھا کہ اپنے بھائی کے انجام سے دوچار کر کے اس کے قاتلوں کو سبق دے دی کہ دولت کو کچھ سمجھ کر اس کی طاقت سے کھلواڑ کرنے والے جان لیں کہ دولت اتنی بھی کمزور شے نہیں ہے اور اس کو پامال کرنے والے اس کے بدلے کی سزا دینے کی طاقت رکھتی ہے لیکن انتقام کی اس خواہش میں دولت کی ہوس اور ایک غیرت کا عنصر بھی تھا۔ اس نے اس کے دل و دماغ کو جھنجوڑ کر رکھ دیا تھا [illegible] کسی طرح اس شہر میں [illegible] کی تلاش کی تھی جو اس سے یہاں آ کے ملے [illegible] کی آنکھوں میں [illegible] وہ کر رہے تھے شہروں کی گلیوں میں [illegible] ان لوگوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ وہ صرف یہی ہے [illegible] اپنا [illegible] تھا [illegible]
[illegible] قاتلوں کے ساتھ [illegible]

بے چارے کسی کا کیا بگاڑ کر [illegible] رہے تھے۔ وہ تو خود [illegible] بنے ہوئے [illegible] وہاں سے [illegible] سب کچھ [illegible] کے [illegible] کی تلاش میں [illegible] تھے۔ ان کے چہروں پر [illegible] آنکھوں میں امیدوں کے چراغ جلتے تھے [illegible] دل [illegible] کہ سب کچھ چھوڑ کر یہ منزل کی تلاش میں چل پڑے [illegible] وہاں اپنے خوابوں کی تعبیر لے کر یا منزل پا کر [illegible] وہاں وہ جا بیٹھے تھے اور اپنے [illegible] زندگی [illegible] بنایا گیا تھا کہ انسانیت [illegible] انسان ہی اور انسانیت کی اس [illegible] کے آنسو [illegible] تھا۔ اس طرح [illegible] کی قدرت [illegible] بڑی طاقت [illegible] کی [illegible]
[illegible]
وہ سوچ رہی [illegible] سے نہ ہو سکی [illegible]
اس حادثے میں [illegible] کی [illegible] صورت میں وہ خود بھی [illegible] سہارا [illegible] کے پاس [illegible] والا [illegible]
اس کی ہمت [illegible] ایک بار پھر سہارا دے [illegible] تھا۔ وہ بہت سے نقصانات [illegible] کمزوری [illegible] اس نقصان [illegible] سے کمزوری [illegible] تھی اور اس بار اس نے فیصلہ کیا [illegible] کی زندگی [illegible] دینے کے بجائے اس کا [illegible] کام آ سکے۔ اسی کا سہارا [illegible] ایک [illegible] کیا جائے۔ اس نے [illegible] دیا تھا [illegible] خواہش [illegible] کہا [illegible] اس خواہش کی بڑی وجہ [illegible] یہاں کے [illegible] میں [illegible] افراد کے [illegible] بہت بڑی تعداد میں [illegible]
[illegible]

اس سے کہا بھی کہ وہ اتنے بڑے صدمے سے گزرنے کے باعث نڈھال ہے، چاہے تو کچھ عرصہ آرام کرلے لیکن اسے معلوم تھا کہ آرام اور فراغت اس کے لیے ذہنی اذیت کا باعث ہوگا اس لیے فوری طور پر ان کے ساتھ شامل ہونے کا فیصلہ سنایا تھا اور اب باقاعدگی کے ساتھ امدادی کیمپ جارہی تھی۔ وہاں ہر روز اسے نئی نئی الم ناک داستانیں سننے کو ملتی تھیں۔ ان مظلوموں کا دکھ بانٹتے ہوئے اسے اپنا دکھ کم لگنے لگتا تھا اور ساتھ ہی یہ احساس ہوتا تھا کہ وہ اپنی زندگی کو یونہی برباد نہیں کررہی بلکہ انسانیت کا حق ادا کرتے ہوئے اپنی زندگی کو بامقصد بنارہی ہے۔ بیگم آصفہ علی نے تو اسے یہ پیشکش بھی کی تھی کہ اگر وہ واپس بمبئی جانا چاہے تو وہ اس کا انتظام بھی کرسکتی ہیں لیکن اس نے یہ کہہ کر انکار کردیا تھا کہ بمبئی میں اب اس کا کوئی خونی رشتہ موجود نہیں ہے اس لیے اسے وہاں واپس جانے کی بے چینی بھی نہیں ہے۔ اسے تو بس دکھی انسانیت کی خدمت ہی کرنی تھی تو انسان وہاں بھی تھے اور یہاں بھی..... تو یہیں رہنا بہتر تھا۔ یوں بھی اس کے اندازے کے مطابق یہاں مظلوموں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ ہجرت کا عمل بے شک دوطرفہ تھا لیکن جتنی بڑی تعداد میں مسلمان ہجرت کرکے پاکستان پہنچ رہے تھے، اس کے مقابلے میں یہاں سے جانے والے ہندوؤں کی تعداد اتنی زیادہ نہیں تھی۔ سو جولیٹ اسد اللہ اب لاہور میں تھی اور اس کی بیگم آصفہ علی کے دونوں بیٹوں سے بھی اچھی دوستی ہوگئی تھی۔ دونوں لڑکے کم عمر لیکن بہت پُرجوش اور متحرک تھے۔ بڑا عاکف تھرڈ ایئر کا طالب علم تھا اور عمر انیس، بیس سال سے زیادہ نہیں تھی جبکہ چھوٹا عاقب فرسٹ ایئر کا طالب علم تھا اور عمر لگ بھگ سترہ سال تھی۔ دونوں سے عموماً اس کی مغرب کے بعد ہی ملاقات ہوتی تھی کہ وہ سب تقریباً اسی وقت گھر واپس لوٹتے تھے۔ صبح سے نکل کر شام ڈھلے گھر آنے والے دونوں بھائی گھر آکر اپنی تھکاوٹ کا اظہار کرنے کے بجائے چھوٹے موٹے کاموں میں ماں کا ہاتھ بناتے رہتے تھے۔ جولیٹ خود بھی بیگم آصفہ علی کی مدد کررہی ہوتی تھی، یوں ان کے درمیان گپ شپ کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔

یہ آسودہ حال گھرانا تھا۔ گھر میں ملازمہ بھی موجود تھی لیکن شام کو اسے چھٹی دے دی جاتی تھی، یوں بھی بیگم آصفہ علی ملازمہ سے کھانا پکوانے کے بجائے خود اپنے ہاتھ سے کھانا پکانے کو ترجیح دیتی تھیں۔ ان کا خیال تھا کہ عورت کو اپنے خاندان کے افراد کے لیے ہمیشہ خود اپنے ہاتھ سے کھانا پکانا چاہیے، اس سے ان کے درمیان محبت میں اضافہ ہوتا ہے۔ ان کا یہ خیال ان کے اپنے گھر کی حد تک تو درست ہی معلوم ہوتا تھا۔ وہ ایک دوسرے سے بہت زیادہ محبت کرنے والے لوگ تھے اور اس محبت کو دوسروں کے ساتھ بانٹنے میں بھی بخل سے کام نہیں لیتے تھے۔ جولیٹ کو انہوں نے فوراً ہی اپنے خاندان کا حصہ بنالیا تھا اور اس سے یوں پیش آتے تھے جیسے وہ ہمیشہ سے ان کے ساتھ ہی رہتی آرہی ہو۔ گھر کے سربراہ یعنی بیگم آصفہ علی کے شوہر بھی ایک سنجیدہ، بردبار اور انسان دوست انسان تھے۔ اپنی ملازمت کی بے پناہ مصروفیات کی وجہ سے وہ بہت تاخیر سے گھر واپس آتے تھے اور کبھی کبھی نہیں بھی آتے تھے اس لیے جولیٹ سے ان کی بہت کم ہی ملاقات ہوپاتی تھی لیکن چند ملاقاتوں میں ہی اس نے انہیں بہت اچھا انسان پایا تھا اور محسوس کیا تھا کہ اس گھر کا جو ماحول ہے، اس میں بیگم آصفہ علی کے علاوہ سربراہِ خانہ کا بھی خاصا دخل ہے بلکہ حقیقتاً ان کی ہدایات کی روشنی میں ہی گھر کا پورا انتظام چل رہا ہے۔ اس نفیس عادت و اطوار والے خاندان کا ساتھ مل جانے سے اسے اپنے آپ کو سنبھالنے میں بہت مدد ملی تھی اور اسے ان کے درمیان رہنا اچھا لگنے لگا تھا۔ آج بھی وہ بیگم آصفہ علی کے ساتھ واپس گھر آنے کے بعد حسبِ معمول باورچی خانے میں ان کا ہاتھ بٹارہی تھی۔ وہ آج بکرے کے گوشت کا پلاؤ بنارہی تھیں جو ان کے مطابق ان کے بیٹوں کا پسندیدہ کھانا تھا۔ دونوں لڑکے اچھا کھانے پینے کے شوقین تھے لیکن موجودہ مصروفیات کے باعث ماں کو بچوں کے پسندیدہ کھانے پکانے کا وقت نہیں مل پارہا تھا۔ انہوں نے شکوہ بھی نہیں کیا تھا لیکن ان کی ماں کو احساس تھا اسی لیے تھکی ہوئی ہونے کے باوجود آج انہوں نے ہمت کرلی اور پلاؤ بنانے کھڑی ہوگئیں۔ جولیٹ کو پلاؤ بنانا نہیں آتا تھا اس لیے اس نے میٹھا بنانے کی ذمے داری لے لی اور لوکی کا حلوہ بنانے لگی۔ یہ حلوہ وہ باقاعدہ طور پر پہلی بار بنارہی تھی۔ بچپن سے اس نے جوزفین کو یہ حلوا بناتے ہوئے دیکھا تھا اور کبھی کبھی اس کا تھوڑا بہت ہاتھ بھی بٹادیتی تھی اس لیے بنانے کا آئیڈیا بہرحال تھا۔

عاکف اور عاقب نے بڑے شوق سے اسے لوکی کش کرکے دی اور اشتیاق سے اس اجنبی سویٹ ڈش کے تیار ہونے کا انتظار کرتے ہوئے باتوں باتوں میں سلاد اور رائتا تیار کرڈالا۔ خوشگوار ماحول میں تیار ہونے والا کھانا بہت شوق سے تناول کیا گیا۔ خصوصاً جولیٹ کی کاوش کو بے

حد درجہ لاپروا انسان تھی اسے ہماری محبتوں پر جولیٹ چھوڑ کر گیا بھی کیا کہ اس کا اندازہ تھا اس نے علم الاسلام سے مرنے کا تجربہ ہوا ہے۔ جتنے مرنے کا خطرہ جتنا مشکل ہوتی گئی۔ بہرحال اس دن کا اختتام ان کے لیے خوشگوار ہونے کے ساتھ ساتھ یادوں کی بہار سے لگ گیا آ رہا تھا۔ اسے جو زخمی ہو چکا تھا کے ساتھ چھوڑنے سے گھر میں وہ بچپن والا کھیل سب طرح یاد آنے کے علاوہ اماں ابا کی شفقت کے ساتھ گزارے ہوئے چند دن بھی شدت سے یاد آتے چلے گئے اور حالات کی کارستانی وقت ہو بیت گئے۔ تھک چکا تھا گئے۔ خود کو اس کیفیت سے نکالنے کے لیے وہ اپنے تصورات کو کرتے سے نکل کر بکھرنے سے لان میں نکل گئی۔ آج چودھویں رات کی تھی سو چاند خوب روشن تھا اور لان کی روشنیاں گل ہونے کے باوجود منظر اتنا غیر واضح نہیں تھا۔ اس نے بھی دیکھا لاؤنج میں ہال کے ایک کونے میں بیٹھے ایک ادھیڑ سے ساتھ [illegible] میں مصروف تھیں۔ اسے اس وقت ان کی یہاں موجودگی پر تھوڑی سی حیرت بھی ہوئی کیونکہ [illegible] کرامات سے [illegible] کے بعد کا وقت وہ [illegible] گزارتے تھے اور معمولات کے پابند [illegible] جیوان تک نقصان اٹھانے کے بعد بھی ٹھیک تھیں۔ حیرت کے ساتھ ہی اسے تھوڑی سی شرارت بھی سوجھی اور وہ پیچھے سے انہیں ڈرانے کے ارادے سے دبے قدموں ان کی طرف بڑھی۔ وہ جہاں بیٹھے تھے وہاں قریب ہی پودے تھے۔ اولاد کا کیا تم کا تو تھا۔ جولیٹ ان پودوں کی آڑ میں کھڑی ہوئی۔ وہ ادھر کے کھڑکی سے [illegible] انہیں [illegible] کی بات کی آواز سے اور ادھر سے [illegible] کے الفاظ [illegible] کرنے پر مجبور کر دیا۔ دونوں بھائیوں کی مصروفیت کا اندازہ حال کا فرق تھا اس لیے وہ آج بھی کچھ پریشانی سے بات کر رہے تھے۔ اس وقت بھی ثاقب بے چینی سے ناصف سے مخاطب تھا اور کہہ رہا تھا۔

"تم کسی چکر میں پڑ گئے ہو وہ خطرناک بھی ہو سکتا ہے بڑے بھائی! آج تمہاری بڑی بات کب تک چھپ پاؤ گے۔ وہ لڑکی ہے کوئی بے جان گڑیا نہیں کہ تم اسے کسی صندوق میں بند کر کے رکھو گے اور کسی کو اس کے بارے میں پتا نہیں چلے گا۔ جس دن بھی بھانڈا پھوٹا کہ تم برے پھنسو گے۔"

"مجھے معلوم ہے لیکن کیا کروں یار... میرا اپنا دل [illegible] ناصف کے لہجے میں بے بسی تھی۔

"لیکن پتا نہیں کیا بے چاری کے ساتھ زیادتی ہوئی۔ اپنے پورے خاندان سے کٹ کر وہ بیچاری اکیلی کیسے رہ رہی ہو گی۔ وہ لاوارث لڑکوں میں جا کر چاہتی ہوگی۔" ثاقب چھوٹا ہونے کے باوجود بڑے بھائی کو بردباری سے سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"میں نے تمہیں بتایا تو تھا کہ اس کے گھر کے افراد ختم ہو گئے ہیں۔ اگر کوئی بچا بھی ہے تو اس کی کوئی خبر نہیں ہے۔ ایسے میں وہ جا بھی چاہے گی تو کہاں جائے گی۔"

"کوئی تو ہوگا اس کا۔ ننھیال ددھیال میں سے کوئی قریبی عزیز؟" ثاقب نے جرح کی۔

"ننھیال کا پتا نہیں کہ کبھی پال کہاں سے [illegible] گئے یا معلوم نہیں ہے۔ بہت بچپن میں اس کی والدہ کی فوتگی ہو گئی تھی۔ اب تم ہی بتاؤ ایسے میں وہ کہاں اور کیسے بھیجوں۔" ناصف شدید بے بسی کا شکار معلوم ہو رہا تھا۔

"کسی فلاحی ادارے میں بھیج دو... وہ آپ کی اس کا کوئی انتظام کر دیں گے۔" ثاقب نے مشورہ دیا۔

"نہیں یار! وہاں کا کچھ علم نہیں ہے۔ ایسے اداروں کے ساتھ کوئی اچھی شہرت نہیں جڑی ہوتی ہے۔ کسی غلط بندے کے ہاتھ لگ گئی تو بے چاری کی زندگی تباہ ہو جائے گی۔" ناصف نے فوراً انکار کر دیا۔

"تو کوئی اور تا [illegible] ادارے سے پتا کر کے ان کا کوئی اچھا انتظام کر دیں گی۔" آپ ثاقب کے لہجے میں بھی بے چینی تھی۔

"ہمارے تم ٹھیک ہو یہ سب لیکن میں کیا کروں گا۔ وہ بہت زیادہ ڈر کے لیے بھی سخت مصیبت ہو جائے گی۔" ناصف کا انداز ایسا تھا اور گفتگو شاید زیادہ ہی انتقام پر آ گئی تھی جہاں سے اس کا آغاز ہوا تھا۔ جولیٹ نے اب مزید چھپے رہنا مناسب نہ سمجھا اور پتے کے پیچھے سے نکل کر ان کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

"آپ... آپ کب آئیں بھابی؟" اسے سامنے پا کر دونوں بھائی بول اٹھے۔

"میرے یہاں آنے پر کوئی پابندی ہے کیا؟"

جولیٹ نے بھنویں اچکا کر دونوں کے ہونق چہروں کی طرف دیکھا۔

"نہیں۔ ایسی تو کوئی بات نہیں۔ میں آپ کو یہاں [illegible]" پھر ثاقب نے [illegible]

"بیٹا گاؤں کے افراد سے تو میں مل چکی ہوں مگر
یہاں آ کر حویلی کی حالت دیکھ کر مجھے اچھا خاصا جھٹکا لگا ہے۔ اور اس کا
اندازہ ہے کہ کوئی بہت بڑی گڑبڑ ہو رہی ہے اس لیے اپنا
دل تھام کر دوسروں سے پہلے مجھے ساری بات تفصیل
سے بتاؤ تاکہ میں تمہیں کوئی بہتر مشورہ دے سکوں۔" وہ
خود بھی ان کے قریب ہی بیٹھ گئی۔ زرینہ بیگم نے عاکف کی
طرف دیکھا۔ وہ بے چارہ تذبذب کے عالم میں تھا۔ پھر گویا
جولیٹ کو سب کچھ بتا دینے کا فیصلہ کرتے ہوئے اپنا سر اوپر
اٹھایا اور بولا۔

"امی جان! آپ کو نہیں پتا کہ اس گھر میں کیا ہوا ہے
اور ہم جانتے ہیں کہ آپ کی شکل میں [illegible]
دکھائی دیتی ہے اس لیے میں آپ کو [illegible] بتانے میں کوئی
حرج نہیں سمجھتا۔ بات دراصل یہ ہے کہ ..." اس نے تمام
حقیقت کیا اور بےپروائی سے بتانے لگا۔

"[illegible] کو کچھ عرصہ قبل بات آرہی تھی
اور [illegible] گاؤں کے لوگوں نے یہاں ایک [illegible]
[illegible] کی جگہ پر بیٹھ کر دے اور باقاعدہ [illegible]
[illegible] وقت میں [illegible] پورا ہوتا تھا۔
اس کے گاؤں کے [illegible] گئی اور [illegible]
سب نے ان [illegible] کے کاروبار کو اچھے طریقے سے
[illegible] آ رہا ہے [illegible] حویلی
کی [illegible] میں بیٹھ کر [illegible] سے میں ان [illegible]
حساب کتاب وغیرہ دیکھتے تھے۔ [illegible] لیکن [illegible]
صاحب کو ہر دم ایسی [illegible] کر سکتا تھا لیکن میرے
دوست کے مطابق [illegible] کر کے [illegible]
مقرر کرنے کے طریقے آتے تھے۔ وہ حساب کتاب کا
کام تو اس سے بھی تھا۔ مولوی صاحب کے علاوہ بھی
ڈھیر ساری ذمہ داریاں ان کے سر ڈال دی گئیں۔ مولوی
صاحب نے بچیوں اور بچوں کے لیے [illegible] کروانے اور
ان کی کلاس کرنے جیسے کئی کام ان سے بہت سے دوست
سکھ رہے تھے اور وہ سب کر رہا تھا۔ تقسیم کا
فیصلہ آتا ہوا تو وہ یہاں سے چلے جانے کا فیصلہ کر کے
یہاں موجود اپنے سامان اٹھانے شروع کر دیے اور
بڑی کامیابی سے اپنی ساری دولت منتقل کرنے میں کامیاب
بھی ہو گیا۔ لیکن اس نے اپنی رہائش گاہ بھی بیچ دی۔
جانے سے پہلے ہی وقت پر سودا کرنے کا [illegible]
حالات [illegible] کی [illegible] اور [illegible]
[illegible]

تم ساری دولت خرچ کر کے بھی اس نقصان کو پورا نہیں
کر پاؤ گے۔ میری سمجھ میں یہ کی بات آ گئی اور میں نے
رخصت ہو کر ابو کو بتایا لیکن ابو کی حویلی کو اسے چھوڑ کر
جاتے ہوئے بھی اس کا دل دکھ رہا تھا۔ بچو دو گلی سے نکل
کر ان کے گھر سے کچھ فاصلے پر وہاں ابا کہنے لگے کہ کوئی
اطلاع تو نہیں ملاقات کی خرابی کی وجہ سے یہاں سے چلا جا
رہا ہوں لیکن جیسے ہی حالات بہتر ہوں گے میں یہاں آ کر
گاؤں اور حویلی کا سودا کرنے کی کوشش کروں گا۔ اس عرصے میں
تم یہیں رہنا۔ تمہاری رہائش کا مسئلہ بھی حل ہو گا اور
میری حویلی کی دیکھ بھال بھی ہو جائے گی۔ میرے دوست
[illegible] کہہ گیا ہے۔ بلکہ ابا کہنے لگے میں اس حویلی کو
[illegible] کر اس کی دیکھ بھال کرو اور [illegible] جانے
کے بعد [illegible] اپنا ہمیشہ شروع کر دیا [illegible]
[illegible] سے [illegible]
[illegible] کہ کوئی [illegible]
ہوتی اس کے خیال میں [illegible] کے کاؤں کے [illegible]
[illegible] سے مل کر بچتے تھے
[illegible] سے مشورہ کیے [illegible]
[illegible] کے ارادے سے گاؤں واپس ہوا اور تھے
[illegible] سب سے پہلے [illegible] میرے
کام تک پہنچ کر میں اپنی حویلی میں واپس [illegible]
ڈالا کر دیں۔ دوستی اور [illegible] نے پہلے ساری
اپنے سر لے لی۔ میرا [illegible] اور میں وہاں
[illegible]
[illegible] کی حالت
[illegible] ہو گی۔ [illegible] کے پیٹ کے
تھے اور [illegible] تھے۔ میں نے [illegible] وقت کے
کمرے میں لے گیا اور پانی کے چھینٹے مار کر ہوش میں
لایا۔ ہوش میں آتے ہی اس نے چیخنا شروع کر دیا۔ وہ
[illegible] بھی تھی اور [illegible] سے ڈر
رہی تھی۔ [illegible] بیٹا کی [illegible] کی۔ میں
بڑی مشکل سے اسے قابو میں لانے میں کامیاب ہوا تھا۔
ابھی وقت ہی تھا کہ اس حویلی کے ساتھ والی کوٹھی کی قتل ہو گئی
کی اس نے اس کے پیچھے چھپانے کی آواز سن کر [illegible]
نہیں ہوا۔ اس نے [illegible] بہت دیر تک روتی۔ میں
پر [illegible] جانے کو تیار ہو گئی۔
[illegible]
[illegible]

آبادی تھی اور بہت کم ہی گھرانے ایسے تھے جنہوں نے وہاں سے ہجرت کا فیصلہ کیا تھا۔ اس کے ماتا پتا بھی تین لڑکیوں کو لے کر کہیں جانے کے حق میں نہیں تھے اور انہیں لگتا تھا کہ وہ اپنے گھر میں زیادہ محفوظ ہیں لیکن آپ کو معلوم ہی ہوگا کہ وہاں سرحد کے پار مسلمانوں کے ساتھ جو ظلم و ستم ہو رہے ہیں، اس کا ردِعمل یہاں بھی دیکھنے میں آ رہا ہے۔ خصوصاً جن کے قریبی رشتے دار نشانہ بنے ہیں، وہ تو بہت ہی غصے میں ہیں۔ ہمیں بھی جب اپنی بہن اور بہنوئی کی پورے خاندان سمیت شہادت کی اطلاع ملی تھی تو ہم بھی طیش میں آ گئے تھے اور ہمارا بھی دل یہی چاہتا تھا کہ یہاں موجود ہندوؤں کو اسی طرح مار ڈالیں جیسے وہاں ہمارے پیاروں کو نشانہ بنایا گیا ہے۔ غم و غصے کی اس کیفیت میں اگر ابا اور امی جان ہمیں قابو میں نہ رکھتے اور ہمیں مثبت طرزِعمل اپنانے کی نصیحت نہ کرتے تو ہم بھی انتقامی ردِعمل کا مظاہرہ کرتے۔ اس لڑکی انجلی کا خاندان بھی ایسے ہی دل جلے کی زد میں آ گیا۔ رات گئے ان کے محلے پر حملہ کیا گیا اور گھروں کو آگ لگا دی گئی۔ انجلی اس آگ میں سے پتا نہیں کیسے بچ کر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گئی اور دہشت کے عالم میں بے سمت بھاگتی ہوئی ان کوٹھی تک پہنچ گئی۔ خوف اور جان بچانے کی جبلی خواہش نے اسے لوہے کے جنگلے والا گیٹ پھلانگ کر کوٹھی کے لان میں پہنچا دیا اور وہ جو شاید بہت تھک گئی تھی خود کو محفوظ پا کر ساری ہمت کھو بیٹھی اور بے ہوش ہو گئی۔ میں نے اس کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا اور کہا کہ وہ گھبرائے نہیں، میں خود اس کے گھر والوں کا پتا کروں گا۔ امی نے اس روز مجھے جو لنچ باندھ کر دیا تھا، وہ میں نے زبردستی اسے تھوڑا سا کھانے پر راضی کیا اور اس سے اس کے گھر کا ایڈریس معلوم کر کے اسے ڈھیروں تسلیاں دے کر ان لوگوں کے بارے میں معلوم کرنے پہنچ گیا لیکن وہاں تو کچھ بچا ہی نہیں تھا۔ پورے محلے میں تباہی و بربادی کی داستانیں پھیلی ہوئی تھیں۔ اس کے ماں باپ اور ایک چھوٹی بہن کی جلی ہوئی لاشیں میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔ دوسری بہن کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا کہ وہ ناقابلِ شناخت لاشوں میں شامل ہے یا اسی کی طرح بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئی ہے۔ میں یہ ساری معلومات جمع کر کے واپس اس کے پاس پہنچا تو وہ آنکھوں میں ڈھیروں امیدیں لیے میری منتظر بیٹھی تھی۔ میری ہمت نہیں ہوئی کہ اسے حقیقت بتا سکوں۔ میں نے اس سے یہی کہا کہ اس کے ماں باپ اور بہنیں بھی اسی کی طرح آگ سے بچ کر بھاگ نکلے تھے لیکن فی الحال ان کی کوئی خبر نہیں ہے۔ میں کوشش کروں گا کہ ان کے بارے میں کچھ معلوم کر سکوں۔ چار دن سے میں اسے ایسے ہی بہلا رہا ہوں۔ روزانہ کالج جانے سے پہلے اس کے پاس جاتا ہوں۔ اپنا لنچ زبردستی اسے کھلاتا ہوں۔ ڈبل روٹی اور پھل فروٹ بھی اس کے پاس پہنچا رکھے ہیں کہ جس وقت اسے بھوک لگے، وہ کھا لے لیکن وہ کچھ کھاتی پیتی نہیں ہے۔ رو رو کر اس نے اپنی آنکھیں سجا لی ہیں۔ بس یہی کہتی ہے کہ اپنے گھر والوں کے پاس جانا ہے اور میں اسے سچ نہیں بتا پاتا۔ پرسوں میرا دوست اپنے والد کو لے کر گاؤں سے واپس آ جائے گا اس لیے میرے سامنے یہ مسئلہ بھی ہے کہ کل کے بعد میں اسے کہاں رکھوں گا۔ عاقب کا خیال ہے کہ مجھے اسے کسی ریلیف کیمپ بھجوا دینا چاہیے لیکن میرا دل نہیں مانتا۔ اتنی خوبصورت اور کم عمر لڑکی کے لیے ہر جگہ ہی بہت خطرہ ہوتا ہے اور میرا دل اسے کسی خطرے میں ڈالنے کے لیے راضی نہیں ہوتا۔" اس نے ایک سانس میں جولیٹ کو پورا قصہ سنایا اور پھر خاموش ہو کر سر جھکا لیا۔

"خطرے میں تو وہ اب بھی ہے مائی برادر! تم اسے ایک خالی کوٹھی میں بالکل تنہا چھوڑ کر کس طرح محفوظ سمجھ رہے ہو؟ جس طرح کے حالات ہیں اس میں کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ کوئی کوٹھی کو خالی جان کر اس پر قبضہ کرنے آ سکتا ہے۔ کسی کو وہاں لڑکی کی موجودگی کی بھنک پڑ گئی تو معاملہ اور بھی سیریس ہو جائے گا یا فرض کرو کہ تمہارا دوست ہی وقت سے پہلے واپس آ گیا تو کیا ہوگا۔ جو آدمی کسی کی کوٹھی پر جالا کی سے قبضہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہو، اس کے کریکٹر کو تو ویسے ہی سمجھا جا سکتا ہے۔" جولیٹ نے نرم لہجے میں اسے اس کی غلطی کا احساس دلایا۔

"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں، بس مجھ سے جذبات میں غلطی ہو گئی۔ وہ پہلے ہی دن مجھے اتنی اچھی لگی کہ میرا دل اسے کہیں بھیجنے کو راضی نہیں ہوا۔" عاکف نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔

"حالانکہ تمہیں چاہیے تھا کہ فوری طور پر آصفہ آنٹی کو اس بارے میں انفارم کرتے۔"

"ہاں۔ بس مجھے لگا کہ امی اسے کسی ریلیف کیمپ بھجوا دیں گی یا کسی طرح بھوپال، اس کے ننھیال بھجوانے کی کوشش کریں گی اس لیے میں نے ان سے بھی کچھ نہیں کہا۔" اس کا سر کسی مجرم کی طرح جھکا ہوا تھا۔ جولیٹ کو اس پر کسی چھوٹے سے بچے کا گمان ہوا اور دل میں محبت کا دھارا سا

بھی تو اکمل میں وہ سمجھ اور تجربہ کار تو تھا جو بہت عجیب سے حالات میں وانیہ اچانک محبت جیسے جذبے میں مبتلا ہو گیا تھا اور جسے کوئی بھی اپنا کے چھوڑ سکتا تھا۔ کھو جانے سے ڈرتے ہیں، وہ بھی اس لڑکی انجلی کے خود سے دور چلے جانے کے خیال سے خوف زدہ تھا۔ حالانکہ اس کے پاس اسے رکھنے کے لیے کوئی ٹھکانا ابھی نہیں تھا۔ ابھی اس نے انجلی کو دوست کی قیام گاہ پر چھپا رکھا تھا۔ اور اس مسئلے کی وجہ سے کم پریشان تھا مگر کل دوست واپس آ گیا تو اسے کہاں لے جائے گا۔ ایک انجمن مسائل کا لڑکا جو ابھی تعلیم حاصل کر رہا تھا اور خود اپنی ذات کے لیے ماں باپ پر انحصار کرتا تھا کیسے جوان لڑکی کی ذمے داری اٹھانے کا متحمل کس طرح ہو سکتا تھا۔ نتیجتاً وہ خود اسے کسی ان سب پر آزمائش کا ادراک تو لیکن کچھ جذبات کی وجہ سے کوئی مناسب فیصلہ کرنے سے بھی قاصر تھا۔

''میری بات سنو ثاقب...... آسفہ آنٹی کی اس لڑکی کے بارے میں تو وہ تمہاری ماں بہت معاملہ فہم اور سمجھ دار خاتون ہیں۔ میرا خیال تمہارے جانتے ہیں کہ انہیں سے کس طرح لگے اپنے گھر میں جگہ دے رکھی ہے وہ انجلی کے لیے بھی کوئی ٹھکانا ڈھونڈ لیں گی۔ وہاں سب لوگوں کے درمیان رہے گی تو اسے خود کو سنبھالنے میں مدد ملے گی اور اس وقت اسے اس کے گھر والوں کے بارے میں تحقیق سے آگاہ کر دیا جائے گا یہ بہت ضروری ہے۔ تم نے ساری زندگی محبت سے کیا سمجھتے ہو۔ اسے ایک بار کچھ تحمل سے بیٹھ کر اور بھرپور مشورے سے کل آ لے تو اسے اس کی زندگی کا فیصلہ کرنے کی آزادی دو۔ اور خود بھی اپنے خیال جانے کی خواہش کر سکتے ہو تم۔ اسے وہ مجھ کا لڑکی تو تم بھی ہے۔ میری بات غور سے سنو، بھی پیار اور محبت کوئی زندگی کا سودا نہیں ہے۔ بہت اچھی اور جو چیز ہم جو محبت کرتے ہیں انہیں سب سے پہلے اپنا ظرف بڑا کرنا پڑتا ہے۔ تمہیں بھی اسے زیادہ انجلی کا سوچنا چاہیے۔ تم بہت سوچ سکو۔ وہ بھی تو اس کی بہتری تمہیں مخلص ہونے کی بجائے پر سوچ کر وہ کسی تکلیف میں مبتلا ہو تو اس کی تکلیف کم کرنے میں کیا مدد کر سکتے ہو۔'' خولہ بہت نرمی سے سمجھا رہی تھی اور اس کے انداز سے ظاہر تھا کہ وہ اس کی باتوں سے قائل ہو رہا ہے۔

''اب تم جاؤ کچھ کیا کہو آسفہ آنٹی سے بات کر لو اور ان کی اجازت سے کل تم اسے لے جانا ... میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔ ٹھیک ہے؟'' ثاقب کو قائل دیکھ کر اس نے اس سے پوچھا۔

''اوکے آپی! جو آپ ٹھیک سمجھیں گی آپ وہ کریں۔'' اس نے بالآخر ہتھیار ڈال دیے۔

''تم فکر مت کرو کل تم اسے لے چلیں گے۔ میں اس کے لیے کپڑے وغیرہ بھی ساتھ لے لوں گی۔ چار دن میں تو اس بے چاری کا حال خراب ہو گیا ہوگا۔''

''کپڑے تو اس کے پاس آ گئے ہیں۔ اس نے پانی کے دو جوڑے اسے لے کر دیے تھے۔'' ثاقب نے مزید بتایا کہ اس کے حوالے سے اپنی کارگزاری بتائی تو خولہ کے ہونٹوں پر بے ساختہ مسکراہٹ آ گئی۔ موصوف اپنی عمر کے مطابق انجلی کا پورا خیال رکھ رہے تھے اور اپنے طور پر اس کی مکمل ذمے داری اٹھا رکھی تھی۔

''اچھی بات ہے۔ میں بھی کل جا رہی ہوں کہ اب آ جائیں گے اب تم دونوں یہاں سے گھر کے لیے نکل جاؤ۔ اگر آنٹی نے اس وقت تم لوگوں کو یہاں دیکھ لیا تو پریشان ہو جائیں گی۔'' اس نے ان دونوں کو ہدایت کی اور خود بھی اٹھ کے کچن میں گئی۔

''ٹھیک ہے آپی! ٹھیک ہے سوچ کر آیا ہوں۔'' ثاقب گھر میں داخل ہوا اور میری بات سمجھ آ رہی تھی کہ یہ کیا کرتے ہیں۔'' پوری گفتگو کے دوران خاموش بیٹھے رہنے والے ثاقب نے بہت غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔

''ٹھیک ہے کہ کسی کی اپنی عمر بہت کم ہوتی ہے لیکن اس بات کو ہمیشہ یاد رکھنا کہ اپنے بڑوں سے کچھ بھی نہ چھپاؤ۔ انہیں کسی قسم کی بھی انجانے دشواری کا سامنا ہوتا ہے اور انسان ان سے مشورہ لے تو وہ بہت کچھ بتا سکتے ہیں جو وہ اپنے تجربے کی روشنی میں رکھتے ہیں اور جس کی وجہ سے زیادہ اچھے اور درست نتائج حاصل کیے جا سکتے ہیں۔'' اس نے بہت خلوص سے مشورہ دیا اور پھر وہ دونوں ایک دوسرے کو گڈ نائٹ کہتے ہوئے ہال سے نکل کر اپنے اپنے کمروں کی طرف بڑھ گئے۔ اسے اپنے کمرے کی طرف جاتا دیکھ کر خولہ کی ہدایت کی قدر کی کیفیت بالکل بدل چکی تھی اور اب اسے یاد ہے کہ کیسی اہم داستان تھا جس سے گھر کا ماحول درہم برہم کیا تھا۔ اس وقت وہ صرف ثاقب کے متعلق سوچ رہی تھی اور اپنے ذہن میں وہ الفاظ مرتب کر رہی تھی جن کا آج اسے بیگم آفندی کو قائل کرنے کے لیے استعمال کرنا تھا۔ یکی اس کو یاد کرنے میں بھی ہوتا ہے۔ ذہن خود کو صرف اپنی ذات تک محدود کر لے تو انسان ... اپنے دوسرے لوگوں کے بارے میں کچھ سوچتا ہے اور صرف اپنی ذات سے ہٹ کر

کسی اور کے اچھے بُرے کے بارے میں فکر کرنا اپنی جگہ خود ایک ایسا مثبت طرزِ عمل ہے جو انسان کو اندرونی سکون اور طمانیت عطا کرتا ہے۔ جولیٹ بھی اسی سکون اور طمانیت کو محسوس کر رہی تھی۔

☆☆☆

کھلے چاقو آمنے سامنے تھے اور دونوں ہی فریق وار کرنے کے لیے بالکل تیار بھی تھے لیکن دونوں میں سے ایک بھی اپنے ہاتھ کو حرکت نہیں دے سکا اور آنکھوں میں حیرت لیے دونوں ہی ایک دوسرے کی شکل دیکھتے رہے۔ حیرت کے فوری جھٹکے سے سنبھلے تو تڑپ کر ایک دوسرے کی بانہوں میں سما گئے۔ کسی اپنے کا قرب پا کر فاروق کا دل رقیق مادہ بن گیا اور آنکھوں سے آنسو بن کر بہنے لگا۔ ربن کے جانے کا دکھ ہی کیا کم تھا کہ اسے گولو کی جدائی بھی سہنی پڑی تھی۔ وہ ابھی کچھ دیر پہلے ہی تو اپنے پیچھے اس کی خون میں رنگی لاش چھوڑ کر آیا تھا پھر رامو کے گلے لگنے کے بعد خود کو قابو میں کیسے رکھ پاتا۔ ہاں، وہ رامو ہی تھا۔ ربن کا دست راست جو ربن کے سب سے زیادہ قریب تھا، جس پر ربن سب سے زیادہ بھروسا کرتا تھا اور جس کی صلاحیتوں پر اسے اتنا اعتماد تھا کہ مجو والا اڈا اپنے نام کر لینے کے بعد اس نے اس اڈے کی چوکی عملاً رامو کے حوالے کر رکھی تھی۔ رامو اس اڈے کے معاملات کو بڑے اچھے طریقے سے دیکھ رہا تھا لیکن اس دن پولیس نے بیک وقت دونوں اڈوں پر اتنی اچانک ریڈ کیا کہ کسی کو سنبھلنے کا موقع ہی نہیں مل سکا اور سب کچھ بکھر کر رہ گیا۔ بہت سے گرفتار ہو گئے اور جن کو بھاگ نکلنے کا موقع مل گیا، وہ کہیں نہ کہیں چھپ کر بیٹھ رہے۔ رامو کی اس چھوٹے سے گھر میں موجودگی کا مطلب تھا کہ اسے بھی بھاگ نکلنے کا موقع مل گیا تھا اور وہ یہاں چھپا بیٹھا تھا۔ فاروق کو سامنے پا کر اس نے اسے بہت جوش و جذبات میں گلے لگایا تھا اور اس کے دل میں بھی اپنے پیارے کو سامنے پا کر گداز پیدا ہوا تھا جو آنکھوں میں ہلکی سی نمی لے آیا تھا لیکن فاروق کی تو حالت ہی جدا تھی۔ وہ ایسے رو رہا تھا جیسے کسی بہت عظیم نقصان سے دوچار ہو گیا ہو۔ رامو پہلے تو اس کی پیٹھ کو تسلی آمیز انداز میں تھپکتا رہا پھر چونک گیا اور اسے دونوں بازوؤں سے تھام کر خود سے الگ کرتے ہوئے اس کے چہرے پر کچھ پڑھنے کی کوشش کرتے ہوئے پوچھنے لگا۔

''کیا بات ہے شہزادے! تو ایسے کیوں روتا ہے؟ اپن اتنے برسوں سے تیرے کو جانتا ہے، تو کسی مشکل یا پریشانی میں پہلے بھی تو ایسے مجھک کر نہیں رویا۔'' فاروق جواب دینے کے بجائے ایک بار پھر اس سے چمٹ گیا اور پہلے سے زیادہ شدت سے رونے لگا۔ رویا وہ پہلے بھی تھا، غم گسار اسے پہلے بھی ملے تھے لیکن رامو کی بات جدا تھی۔ کیتھرائن اور وجے کے سامنے اپنا غم مناتے اسے کہیں نہ کہیں یہ خیال تھا کہ ربن کے بعد وہ ان کی سرپرستی کا ذمے دار ہے اور اسے ان کے سامنے ٹوٹ کر بکھرنا نہیں چاہیے لیکن رامو کی تو اپنی حیثیت سرپرست کی تھی۔ وہ ربن کا دستِ راست اور رمز شناس تھا تو فاروق بھی ربن کے بعد اس کا بہت احترام کرتا تھا۔ ربن کے بعد وہی تھا جو اس کے لیے سرپرست اور بزرگ کی حیثیت رکھتا تھا اور چھوٹے اپنے بڑوں کے سامنے ہی تو اپنے دکھ، درد اور غم کا اظہار کرتے ہیں، سو وہ بھی کھل کر رو رہا تھا۔

''کیا کرتا ہے فاروق استاد۔ تو ایسے روتا رہا تو اپنا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔ اپنے کو بتا کہ تجھ پر کیا بیتی۔ اپن تیرے کو دکھ دینے والوں کو بھی چین سے نہیں رہنے دے گا۔'' اس بار اس نے فاروق کو جھنجوڑ ڈالا۔ اس کے جھنجوڑنے پر فاروق کو تھوڑا سا ہوش آیا اور وہ خود کو سنبھالنے کی کوشش کرنے لگا۔ رامو نے اسے تھام کر اسی بیٹھک نما کمرے میں رکھے ریگزین چڑھے اسپرنگ والے صوفے پر بٹھایا اور خود پلٹ کر باہر نکل گیا۔ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں سلور کا نقشین گلاس تھا۔ اس نے گلاس فاروق کے ہونٹوں سے لگا کر اسے پانی پلانے کی کوشش کی۔ فاروق صرف ایک گھونٹ پانی ہی پی سکا لیکن اس ایک گھونٹ نے ہی اثر دکھایا اور اندر سے ابھر کر آتے آنسوؤں کے سمندر کو قابو میں رکھنے میں اس کا مددگار ثابت ہوا۔

''اب بتا کہ کیا ہوا؟ تو تو لندن جاتا تھا نا۔ دادا نے تیرے جانے کا سارا انجام (انتظام) بھی کر دیا تھا پھر تو ادھر بمبئی میں کدھر گھومتا پھرتا ہے۔'' رامو گلاس ایک تپائی پر رکھ کر خود بھی صوفے پر اس کے برابر میں آ بیٹھا اور نرمی سے پوچھنے لگا۔

''کیا بتاؤں کہ کیا ہوا ہے؟ ایک تیر سا ہے جو سینے میں گڑا ہے یا پھر نشتر ہے جو روح پر چلتا ہے اور میں درد سے تڑپتا سوچے جاتا ہوں کہ میں کیسے زندہ ہوں۔ زندہ ہوں بھی یا نہیں؟'' فاروق نے اپنا چہرہ اپنے ہی بازوؤں میں چھپا لیا۔

''ادھر تو سب ٹھیک ہے۔ اپن کا مطلب ہے جولی ...... جولیٹ تو ٹھیک ہے نا؟'' رامو کے ذہن میں یہی آیا کہ فاروق کی یہ حالت جولیٹ کے کسی مسئلے کی وجہ سے ہے اس

لیے دوڑے چلے آئے ہو؟" اس نے پوچھا۔

"اس کی بات ٹھیک ہے استاد۔ ساری گڑبڑ تو اسی طرف سے ہے۔" فاروق کے منہ سے ایک سرد آہ نکلی۔

"تو کیا ہوا؟ لڑکی اور لڑکے تو اپنے دھندے میں ہوتے رہتے ہیں۔ ہوا یہ ہے کہ پولیس اور گرفتاری سے بچ کر ہی تو کوئی اپنا کام نکالے گی۔ گھبرانے سے کیا ہوگا۔ پریشان ہونے سے سب ٹھیک ہو جائے گا۔" ماسٹر نے اسے تسلی دی۔

"سب کیسے ٹھیک ہوگا..... ٹھیک کرنے والا ہی نہیں رہا تو کون ٹھیک کرے گا؟" فاروق کی آواز بھیگ گئی اور حلق میں آنسوؤں کا گولہ سا اٹک گیا۔

"کیا مطلب — کیا ہوا ہے فاروق استاد۔" ماسٹر بری طرح چونکا اور ایک بار پھر فاروق کو گھور ڈالا۔ فاروق کے لہجے کا جو مفہوم اس کی سمجھ میں آیا تھا، وہ اسے سمجھنے کے لیے کسی صورت تیار نہیں تھا۔

"وہ نہیں رہا استاد! ماردیا اسے۔" اس دنیا میں نہیں رہا۔ فاروق کی ہچکیاں بندھ گئیں جس کے دل میں ماسٹر کو ایک دم جھٹکا سا لگا اور وہ کرنٹ کھائے ہوئے شخص کی طرح اچھل کر پیچھے ہٹا۔ فاروق کے لفظوں اس کا یہ ردعمل دیکھ کر چاچا پھر بولا۔ سب کچھ ماسٹر کے گوش گزار کر دیا گیا۔ وہ بے چینی سے سب سنتا رہا۔ فاروق نے داستان شروع کی تو ماسٹر سے آگے بھی جانا ہے۔ اپنی انتہائی کوشش کے باوجود وہ اس کی آنکھیں چھلکنے سے روک نہ سکا۔ وہ ہر بات پر وال سے نہ سمجھ سکا لیکن جب داستان لڑکی کی موت تک پہنچی تو وہ ایک بار پھر تڑپ کر رونے لگا۔ ماسٹر نے ساری داستان سنا کسی سمجھدار آدمی کی طرح سن لیا تھا اور یوں فاروق کی شکل دیکھ رہا تھا جیسے اسے اس کی دماغی حالت پر شبہ ہو۔ ماسٹر کے لیے یہ بات ہضم کرنے کی بات ہی نہیں تھی۔ اس کے دل میں شک پیدا ہوا تھا۔ جیسے یہ کوئی موت سے کسی طرح چھٹکارا پانے کا بہانہ ہو۔ اس کی زبان بند نہیں ہو رہی تھی۔ آج بہت سے کاغذی ضرورتیں پوری ہو سکتی تھیں۔ کیا عجب تھا، شاید فاروق کو زیادہ بڑے خطرے کا سامنا کرنا پڑا ہو۔ فاروق نے اس کا اعتبار کرلیا تھا۔ ایسی صورت میں شک بھی ہو سکتا تھا۔ فاروق استاد کوئی تلاش ہوتی رہی۔ وہ ہر بات سمجھ رہا تھا لیکن اس کا ذہن کچھ بھی قبول کرنے کے لیے تیار نہیں تھا اور یہی طرف باہر ہوگیا تھا۔ لڑکی کی موت کا ذکر کرتے ہوئے فاروق رو پڑا تو ماسٹر کیفیت سے باہر آیا اور پھر بھی اس کے ساتھ رونے میں شریک ہوگیا۔ ماسٹر کو یہ خیال بھی آیا کہ وہ بیٹھ جائے اور اس کے ساتھ اس کا دکھ بانٹے۔ بیٹھ جانے سے ساری کیفیت ختم نہیں ہوئی۔ اسے لڑکی کی دنیا کی یاد آگئی جہاں وہ رہتی تھی۔

بیٹھ گیا۔ لیکن وہ تو پہلے ہی خطرہ تھا کہ زندگی کی رونق اپنی روشنی ختم کرنے لگے گی۔ خود اس سے رابطہ کرنے کا مطلب ہوتا کہ ایک دنیا میں چلا گیا تھا جہاں سے کسی کا کوئی رابطہ نہیں ہوتا۔ عجب تماشا تھا کہ وہ ان سب کے دلوں کی دھڑکن بن کر چلا گیا تھا اور پھر بھی وہ سوال لیے کھڑے تھے۔ کچھ تھے وہ جو اپنی اپنی انتہا پر پہنچا ہوا تھا اور وہ روتا جا رہا تھا۔ فاروق نے کبھی آنسو نہیں بہائے تھے۔ آج اس کے پھیلے ہاتھ میں دہشت چھپی ہوئی تھی اور ماسٹر کے ساتھ مل کر خوب آنسو بہا رہا تھا۔ آنسوؤں اور آہوں کا یہ سلسلہ جانے کب تک جاری رہتا کہ دروازہ کھلا اور ایک نسوانی وجود کمرے میں داخل ہوا۔ آنے والی نے حیرت اور پریشانی کے عالم میں اس منظر کو دیکھا اور بے اختیار پکار اٹھی۔

"رام داس...... اے داس کیا ہوا ہے؟" پکارنے کے ساتھ ہی اس نے ماسٹر کے قریب آکر اس کا بازو پکڑ کر جھنجھوڑا تھا۔

"بالا...... تم آ گئیں بالا۔ کیا تم کسی بھلے مانس کی طرح پوچھ کر اندر نہیں آ سکتیں۔" اس نے جلدی سے اپنے آنسو پونچھے۔ "بہت بولا ہے پتا ہے تمہیں کیا ہوا ہے..... کیا ہو گیا ہے؟"

"بتایا کیوں نہیں ہوا؟ کیا بات ہے..... تمہارا بیٹا......" عورت کے لہجے میں حیرت اور فکر جاگ اٹھی۔

"ہاں اپنے بیٹے کا ماتم کر رہا ہوں..... ہمارا بیٹا مارا گیا۔" ماسٹر اب بھی دھاڑیں مار رہا تھا لیکن فاروق پر اس عورت کی آمد کا بالکل مختلف ردعمل ہوا تھا۔ اس کے آنسو تھم گئے تھے اور وہ ایک بار پھر حیرت کے عالم میں اس عورت کو دیکھ رہا تھا۔ ادھیڑ عمر کی ایک خوش شکل عورت تھی جس کی آنکھوں میں کاجل کی دھار اور چہرے کے غازے کے علاوہ ماتھے پر بندیا بھی سجی تھی۔ وہ رنگین ساڑھی میں اپنے متناسب جسم کے ساتھ خاصی پرکشش لگ رہی تھی اور یقین سے کہا جا سکتا تھا کہ چند سال پیچھے جانے والوں کی نسلوں میں سے کئی اس کے قدموں میں لوٹ پوٹ ہوتے ہوں گے۔ وہ بالکل سادہ سی عمر کی عورت کے روپ میں نظر آ رہی تھی اور گویا ماسٹر سے دس پندرہ سال چھوٹی تھی لیکن اس کا حلیہ بتا رہا تھا کہ وہ عام گھریلو عورت سے بہت مختلف تھی۔ ماسٹر سے اس کی بے تکلفی ظاہر کرتی تھی کہ ان کے درمیان کوئی قریبی رشتہ ہے اور فاروق پہلی بار اس سے ملا تھا، اس لیے اسے اس عورت کا کچھ علم نہیں تھا۔ وہ آنکھیں پھاڑے اسے دیکھتا رہا۔ عورت نے ماسٹر کو سنبھالا اور اس کا چہرہ اپنی طرف کیا۔ ماسٹر کے چہرے پر دکھ کی گہری لکیریں تھیں جیسے وہ اپنی دنیا لٹا کر یہاں آیا تھا۔

لیکن آج اس کا یہ اندازہ بھی غلط ثابت ہو رہا تھا۔

فاروق کے دیکھتے دیکھتے ہی اس عورت نے جسے رامو نے مالا کہہ کر پکارا تھا، رامو کو بڑے احسن طریقے سے سنبھال لیا۔ چپکے چپکے اس کے کان میں سرگوشیاں کرتی وہ جانے اسے کیا کچھ سمجھاتی رہی کہ آخر کار اس کی ہچکیاں سسکیوں میں تبدیل ہو گئیں۔ مالا نے اسے پانی لاکر پلایا تو سسکیوں کا سلسلہ بھی دم توڑ گیا اور وہ صوفے کی پشت سے سر ٹکا کر یوں ڈھیلے ڈھالے انداز میں بیٹھ گیا جیسے اس کا سب کچھ لٹ چکا ہو۔ اسے قدرے پُرسکون پا کر مالا فاروق کی طرف متوجہ ہوئی اور اس کی طرف بھی پانی کا گلاس بڑھایا جسے فاروق نے تھام لیا۔ خود پر قابو پالینے کے باوجود فاروق کو پانی کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی کہ اندر سینے میں جو آنسوؤں کا ایک گولا سا اٹکا ہوا ہے، اسے تحلیل کر سکے۔ آدھے گلاس کے قریب پانی پی کر فاروق نے گلاس مالا کو واپس تھما دیا تو وہ مڑ کر کمرے سے باہر نکل گئی اور دو منٹ بعد ہی واپس آ کر فاروق کے مقابل بیٹھ گئی۔

''میں مالا ہوں، رام داس کی پتنی اور ایک جیون ساتھی کی حیثیت سے ان کے بارے میں سب کچھ جانتی ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ ان کی زندگی میں اڈے اور رین دادا کی کیا حیثیت ہے اور اس وقت یہ کتنے گہرے صدمے سے گزر رہے ہیں۔ میرے خیال میں ان تک یہ دکھی خبر آپ نے ہی پہنچائی ہے اور جہاں تک میرا اندازہ ہے، آپ فاروق استاد ہیں۔'' اس نے تائید چاہنے والی نظروں سے فاروق کی طرف دیکھا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''رام داس اڈے کے جن چند لوگوں کا بہت زیادہ ذکر کرتے ہیں، ان میں رین دادا کے بعد آپ ہی کا نمبر آتا ہے۔ مجھے یہ بھی اندازہ ہے کہ اس وقت آپ کی حالت بھی کچھ اچھی نہیں ہے اور آپ کو سکون کی ضرورت ہے اس لیے ابھی آپ پر کچھ بھی بتانے کے لیے زور نہیں دوں گی۔ آپ یہاں اس کمرے میں آرام کریں، میں رام داس کو دوسرے کمرے میں لے جاتی ہوں۔ دو تین گھنٹوں میں آپ دونوں ہی کو سنبھلنے کا موقع مل جائے گا پھر ہم سکون سے بیٹھ کر بات کریں گے۔'' اس نے فاروق سے کہا اور اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہونے کے بعد رامو کے قریب جا کر اسے سہارا دے کر اٹھایا۔ رامو اس نازک سی عورت کے سہارے کمرے سے باہر جاتا اگرچہ اب بھی نڈھال ہی دکھائی دیتا تھا لیکن سہارا دینے والی کا انداز بتاتا تھا کہ وہ اسے سنبھال لے گی۔ فاروق کو اس لمحے بے اختیار دویا (؟) یاد آئی

جو دل کے بہت قریب ہو کر بھی ہمیشہ اس سے بہت دور رہی تھی اور شاید یہ دوری ہی اس کا مقدر تھی۔

☆☆☆

ناشتے کی میز پر گھر کے تمام افراد موجود تھے اور دن کا آغاز معمول کے مطابق ہی ہوا تھا لیکن سوائے صاحب خانہ کے کوئی بھی خود کو اندر سے نارمل محسوس نہیں کر رہا تھا۔ جولیٹ نے صبح ہی بیگم آصفہ علی سے انجلی والا قصہ بیان کر کے بہ صد اصرار اسے یہاں لانے کی اجازت لے لی تھی۔ وہ کھلے دل سے اجازت دے دینے کے باوجود معاملے کی گمبھیرتا کی وجہ سے مضطرب اور پریشان تھیں۔ ان کی مدد کرتی جولیٹ ان کے احساسات کو سمجھتی خود بھی خاصی سنجیدہ تھی اور مسلسل عاکف اور عاقب کی اپنی طرف اٹھی سوالیہ نظروں کو نظر انداز کر رہی تھی۔ دونوں حسب معمول باورچی خانے سے کھانے کے کمرے تک ناشتے کا سامان منتقل کرتے ہوئے بار بار کھوجتی ہوئی نگاہوں سے ماں اور جولیٹ کے چہروں کو دیکھ رہے تھے لیکن دونوں ہی نے ایسا کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا جس سے وہ دونوں کوئی اندازہ قائم کر سکیں، چنانچہ وہ مایوس ہو کر اپنی مخصوص نشستوں کو سنبھال کر بیٹھ گئے۔ جولیٹ نے بھی اپنی جگہ سنبھال لی۔ سب سے آخر میں بیگم آصفہ علی آئیں اور آہستہ سے کرسی کھینچ کر اپنی جگہ پر بیٹھ گئیں۔

''کیا بات ہے، آج آپ لوگ بہت خاموش دکھائی دے رہے ہیں؟'' ناشتے کے انتظار میں اخبار کا جائزہ لیتے صاحب خانہ جناب عنایت علی نے اخبار چہرے کے سامنے سے ہٹایا اور سب پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہوئے سوال کیا۔

''ایسی کوئی خاص بات نہیں ابو، بس ہم آپ کے خیال سے خاموش ہیں کہ آپ اتنی رات کو گھر واپس آئے تھے یقیناً تھکے ہوں گے اور ہمارا شور شرابا آپ کے مزاج پر گراں گزرے گا۔'' عاقب چھوٹا تھا لیکن بڑے بھائی کی نسبت زیادہ تیز اور معاملہ فہم تھا، اس لیے اب بھی بہت خوبی سے بات بنا گیا۔

''اس طرح نہ سوچا کرو یار، تم لوگوں کی وجہ سے تو اس گھر میں رونق ہے۔ تمہارا ہنستا بولنا مجھے ڈسٹرب نہیں کرتا بلکہ فریش کر دیتا ہے۔'' عنایت نے نہایت شفقت و محبت سے دونوں بیٹوں کی طرف دیکھا اور پھر اپنی بیگم کی طرف متوجہ ہو کر بولے۔

''سن رہی ہیں آپ اپنے راج دلاروں کی باتیں۔ ماشاء اللہ سے کافی سمجھدار ہو گئے ہیں۔'' بیگم آصفہ علی جو

اب شوہر سے بھی الجھتی، ان کے مخاطب کرنے پر ماحول میں واپس آگئیں لیکن ان کے تاثرات سے ظاہر تھا کہ اس سے قبل وہ ناصر دبالی کی وجہ سے الجھی تھیں اور انہوں نے اپنے شوہر کی بات نہیں سنی تھی۔

"آپ کیوں کوئی بولی اٹھی؟" انہوں نے [illegible] سے [illegible] کہا۔

"میں نہیں۔ آپ کھانا شروع کریں۔ جو کھانا سب کچھ ٹھنڈا ہو رہا ہے۔" انہوں نے خود کو سنبھالا اور ڈش کی پلیٹ تیزی سے ان کی طرف بڑھائی اور پھر حسب معمول ایک ایک کو ناشتے کے لوازمات پیش کرتی رہیں۔ عاقب نے بھی سمجھداری کا مظاہرہ کیا اور عادت کے مطابق ہنسنے ہنسانے لگے تاکہ سب انجوائے کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ اس کی اس کوشش سے ماحول میں خاصی تبدیلی آگئی اور کھانا خوش گوار ماحول میں کیا جانے لگا۔ ناشتے کے دوران ہدایت علی دونوں بیٹوں سے ان کی پڑھائی اور رزلٹ کے نمبروں کے حوالے سے پوچھتے رہے پھر سے سوالات کرتے رہے۔ جولیٹ نے اپنے مختصر قیام کے عرصے میں دیکھا تھا کہ وہ دونوں کے کام میں دلچسپی لیتے تھے۔ والدین کی محبت اور مستقل توجہ کے اثرات دونوں بچوں میں واضح طور پر نظر آتے تھے اور وہ بہت مہذب اور تمیز دار انسان بھی تھے اور اپنے باپ کی پولیس کی نوکری کے دم سے کوئی انا بھی نہیں رکھتے کہ نظر نہیں آتے تھے۔

"جولی! کیا ایسا کرو کہ آج تم بھی اور ان بھائیوں کے ساتھ ہی جاؤ۔ مجھے گھر پر تھوڑا کام ہے اس لیے آج میں آپ کے ساتھ نہیں جا سکوں گی۔" کھانا اپنے اختتام پر تھا جب بیگم ہدایت علی نے جولیٹ کو مخاطب کرتے ہوئے سے کہا۔

"او کے آنٹی۔" جولیٹ نے بھی تابعداری کا مظاہرہ کیا۔ وہ آج عاقب اور ثاقب کے ساتھ جائے گی، یہ بات ان کے درمیان پہلے ہی طے ہو چکی تھی لیکن اس وقت شاید انہیں شوہر اور بچوں کو مطلع کرنے کے لیے اسے مخاطب کیا تھا۔

"خیریت! آج آپ کو گھر پر ایسا کیا کام ہے؟" ہدایت علی زیرک آدمی تھے اور پہلے ہی ماحول کا تغیر محسوس کر چکے تھے، اب بیوی کی بات سن کر مزید چونک گئے اور پوچھنے لگے۔

"آپ سے بڑا کام [illegible] ہے۔ [illegible] اپنے [illegible] ضروری [illegible] ہوگا۔"

"آپ کی بات سے شوہر بنانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، بچے سرکار نہیں نوکری سے ہی نکال دے۔ سرکار [illegible] کا اندازہ ہے۔" انہوں نے [illegible] سے جواب دیا تو ماحول میں محسوس ہونے والا تناؤ کچھ کم محسوس ہونے لگا اور سب کے ہونٹوں پر ہنسی کی مسکراہٹ آگئی۔ ان مسکراہٹوں میں بیگم ہدایت علی کی بوجھل سی مسکراہٹ بھی شامل تھی۔

"میرا خیال ہے اب ہمیں چلنا چاہیے تاکہ یہاں کا بچہ کا جلوس شروع ہو جائے اور اس عرصے میں ہم لوگ بھی اپنے کچھ کام نمٹا لیں۔" چائے کی خالی پیالی میز پر رکھتے ہوئے عاقب نے کہا تو سب ایک بار پھر مسکرانے لگے۔ عاکف جو ابھی [illegible] بڑی مشکل سے [illegible] سے اٹھ کھڑا ہوا۔ جولیٹ اور عاقب نے بھی [illegible] دکھائی اور تینوں ایک ساتھ روانہ ہو گئے۔ [illegible] دونوں بھائی اپنی اپنی سائیکلوں پر کالج جایا کرتے تھے لیکن آج جولیٹ کے ساتھ ہونے کی وجہ سے انہوں نے [illegible] ان کے [illegible] پر پہنچا کر [illegible] واپسی تک [illegible] واپس چلی جائے گی۔ [illegible] کی طرف روانہ ہو گئے۔ عاکف تھوڑا سا [illegible] سے ان نے کسی سے [illegible] بات [illegible] اور عاقب کی [illegible] ایک دوسرے سے [illegible] مختلف موڑوں سے گزرتی ہوئی ایک رہائشی علاقے میں پہنچی تو جولیٹ دلچسپی سے [illegible] وہاں زیادہ تر بڑی [illegible] ہوئی تھیں اور طرز تعمیر کے اعتبار سے کئی کوٹھیاں ایسی تھیں جنہیں دیکھتے ہی یہ احساس ہوتا تھا کہ ان کی [illegible] کیسے [illegible] رہے ہوں گے۔ دوسرے الفاظ میں [illegible] والا علاقہ تھا جہاں اب مسلمان آ بسے تھے اور ان کوٹھیوں کے [illegible] اپنی کوٹھیاں فروخت کر کے یا پھر ایسے ہی چھوڑ کر سرحد کی دوسری طرف جا چکے تھے۔ عاکف کی رہنمائی میں [illegible] ان کے [illegible] کی [illegible] کے ایک [illegible] رہائش کا [illegible] تھا۔ عاکف نے [illegible] [illegible] اور [illegible] سب [illegible] مرکزی عمارت سے [illegible]

ہی ہوئی تھی اور انہیں وہیں جانا تھا۔ وہاں پہنچ کر عاکف نے ایک کمرے کے دروازے پر دھیرے سے دستک دی۔ ردعمل میں کسی کی دلنشین لیکن خوف میں ڈوبی ہوئی آواز سنائی دی۔

"کک...... کون؟" وہ جانتی تھی کہ یہاں عاکف کے سوا کوئی اور نہیں آتا پھر بھی پوچھ کر اپنے دل کی تسلی کر رہی تھی۔ اتنی بڑی کوٹھی کے ایک کمرے میں تنہا رات دن رہنا ایک نوعمر لڑکی کے لیے یقیناً ایک خوفناک تجربہ تھا اور اسی وجہ سے وہ محتاط بھی تھی۔

"دروازہ کھولو انجلی، میں ہوں عاکف!" عاکف نے نرمی سے اسے پکارا تو اس نے تیزی سے دروازہ کھول دیا اور یکدم ہی اس سے لپٹ کر رونے لگی۔ اس اچانک افتاد پر عاکف بوکھلا گیا۔ اکیلا ہوتا تو شاید اتنی بوکھلاہٹ کا شکار نہیں ہوتا لیکن جولیٹ اور عاقب کی موجودگی کی وجہ سے وہ اچھی خاصی خفت محسوس کر رہا تھا۔ جولیٹ نے اس کی کیفیت کو محسوس کیا اور خود آگے بڑھ کر انجلی کو سنبھال لیا۔ وہ جواب تک عاکف کے ساتھ کسی اور کی موجودگی سے بے خبر تھی، اس بار خود بوکھلا گئی۔

"یہ میری آپی ہیں انجلی اور یہ میرا چھوٹا بھائی ہے۔ میں نے ان لوگوں کو تمہارے بارے میں بتایا تو یہ میرے ساتھ تم سے ملنے کے لیے چلے آئے۔ تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہے نا؟" عاکف نے اس سے ان دونوں کا تعارف کروایا تو وہ دلچسپی سے ان دونوں کی طرف دیکھنے لگی۔ اس کی چشم آہو میں ابھی تک آنسو اٹکے ہوئے تھے اور سورج کی کرنیں اس کے صبیح چہرے پر پڑتی وہاں قوس قزح کے رنگ پھیلا رہی تھیں۔ جولیٹ نے اپنے دل میں اعتراف کیا کہ وہ زہد شکن حسن کی مالک ہے اور عاکف اس کا اسیر ہو گیا ہے تو یہ کوئی انہونی نہیں ہے۔

"آپ اندر آجائیں۔" جولیٹ کی نظروں کو خود پر ٹکا محسوس کر کے وہ تھوڑا سا جھینپی اور ان لوگوں کو اندر آنے کا راستہ دیا۔

"تم کیوں رو رہی تھیں...... کیا ڈر لگ رہا تھا؟" جولیٹ اس کے قریب ہی سنگل بیڈ پر ٹک گئی اور اس کا ہاتھ تھام کر اس سے پیار سے دریافت کیا۔ عاکف اور عاقب نے بھی وہاں رکھے ایک ٹو سیٹر صوفے پر جگہ سنبھال لی تھی۔ جولیٹ کے سوال کے جواب میں انجلی نے زور و شور سے سر کو اثبات میں حرکت دی اور کمرے کی شمالی دیوار کی طرف ترچھی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی۔

"رات سے ایک چھپکلی آکر وہاں بیٹھی ہوئی ہے۔ میں بھگانے کی کوشش کرتی ہوں لیکن بھاگتی ہی نہیں۔" اس کے اس معصومانہ انداز پر جولیٹ کو ہنسی بھی آئی اور دل میں ہمدردی کے جذبات بھی پیدا ہوئے۔ وہ چھوٹی سی لڑکی جو ایک معمولی چھپکلی سے ڈرتی تھی، اس دنیا میں تنہا رہ گئی تھی جہاں بڑے بڑے مگرمچھ ہر دم اس جیسی نوخیز کلیوں کو ہڑپ کرنے کے لیے تیار بیٹھے ہوئے ہیں۔

"اصل میں چھپکلی کو پتا چل گیا تھا کہ یہ کمرا خالی ہونے والا ہے اس لیے وہ پہلے سے یہاں آکر بیٹھ گئی ہے۔ تم اس چھپکلی کو یہیں چھوڑو اور خود ہمارے ساتھ چلنے کی تیاری کرو۔" انجلی کے لیے محسوس ہونے والے خدشات کو پس پشت ڈال کر اس نے شگفتگی سے اس سے کہا تو وہ حیرت سے اس کا چہرہ تکنے لگی پھر سوالیہ نظروں سے عاکف کی طرف دیکھا۔

"آپی ٹھیک کہہ رہی ہیں انجلی! آج ہم تمہیں یہاں سے لے جانے کے لیے آئے ہیں۔ میں نے کل رات آپی کو تمہارے بارے میں بتایا تھا۔ انہوں نے مجھے بہت ڈانٹا کہ میں نے تمہیں تنہا اس خالی کوٹھی میں کیوں چھوڑا ہوا ہے اور صبح ہوتے ہی یہ تمہیں لینے کے لیے میرے ساتھ یہاں آگئی ہیں۔" عاکف نے جولیٹ کی بات کی وضاحت کی۔

"پر تو مجھے اپنے پریوار کے پاس اپنے گھر جانا ہے۔" وہ عاکف کی بات سن کر منمنائی۔

"میں نے تمہیں بتایا تھا نا کہ تمہارا گھر جل چکا ہے اور تمہارے پریوار کی کوئی خبر نہیں ہے۔ جب تک ان لوگوں کا پتا نہیں چل جاتا تم کو کہیں نہ کہیں تو رہنا ہے اس لیے ہم تمہیں اپنے ساتھ اپنے گھر لے جانے کے لیے آئے ہیں۔" عاکف نے اس سے نظریں چراتے ہوئے اسے سمجھایا۔

"عاکف ٹھیک کہہ رہا ہے انجلی! تمہارا اکیلے یہاں رہنا ویسے بھی مناسب نہیں ہے اور اب تو عاکف کا وہ دوست بھی واپس آنے والا ہے جو اس کے ذمے اس کوٹھی کی دیکھ بھال کا کام دے کر گیا تھا۔ اس کے آنے کے بعد تم یہاں کیسے رہو گی؟ اس لیے بہتر ہے کہ ہمارے ساتھ چلو ہم تمہاری پرابلم سولو کرنے کی پوری کوشش کریں گے۔" جولیٹ نے بھی عاکف کا ساتھ دیتے ہوئے اسے سمجھایا تو وہ چاروناچار راضی ہو گئی۔ اس کے پاس سامان تو کوئی تھا نہیں جسے سمیٹنا ہو۔ بس عاکف کی مرحومہ بہن کا ایک اضافی جوڑا اور کچھ پھل اور ڈبل روٹی وغیرہ ہی رکھے تھے جنہیں ساتھ لے لیا گیا۔ کمرے سے نکلنے سے قبل عاقب نے ایک بار پورے کمرے پر اچھی طرح نظر دوڑا کر دیکھ لیا کہ کہیں

کوئی ایسی علامت موجود نہ ہو جس کی وجہ سے اس کی پہچان کی جا سکتی
کی موجودگی کا پتا دے سکے۔ اگر کوئی نشانی رہ جاتی تو
نائف کا دوست اس کی طرف سے مشکوک ہو سکتا تھا کہ
جانے اس کی غیر موجودگی میں نائف کس قسم کی [illegible]
میں مصروف تھا۔ [illegible] دوستوں کے سامنے
اس کے کردار پر انگلی بھی اٹھا سکتا تھا اس لیے احتیاط ہی
مناسب تھی۔ اسی احتیاط کے پیش نظر اس نے [illegible] میں
[illegible] ایک جگہ [illegible] ڈالا۔ کمرے میں [illegible] کا
[illegible] تھا جو کسی بھی وقت گھر میں آ جاتا تو وہ بھی
نائف کے لیے پریشانی کھڑی کر سکتی تھی۔

اس سارے کام سے فارغ ہو کر وہ لوگ انجی کے ساتھ باہر نکلے اور [illegible] میں بیٹھ گئے۔ باہر نکلنے سے پہلے ہی [illegible] نے انجی [illegible] کر بال سنوارنے کی ہدایت کر دی تھی [illegible] کسی غیر مسلمان لڑکی کا احساس نہ ہو۔ اس کے گھر جانے پر انجی نے [illegible] اسے چہرے سے لگ [illegible] تھے اور شاید اسی سے ان کے ساتھ گاڑی میں [illegible] بیٹھی تھی۔ ان سب کے پیچھے [illegible] نے [illegible] آگے بڑھ جانا۔ [illegible] کے ساتھ [illegible] ہوا [illegible] کے سامنے کا منظر دیکھ کر ساکت رہ گیا۔ وہاں ایک سفید رنگ کی گاڑی کھڑی ہوئی تھی جس کے پاس [illegible] کے ساتھ [illegible] اسد اللہ [illegible] تھے۔ اس کی [illegible] طرف [illegible] ان کی طرف نظر [illegible] دل اپنی جگہ [illegible] ہونے لگا۔ [illegible] دیکھ کر [illegible] آسمان [illegible] تھا۔ [illegible] اس کے لیے قیامت بن گئے اور بے اختیار [illegible] اس کی آنکھوں سے [illegible] جنہیں اس نے بہت خاموشی سے اپنی انگلیوں کی پوروں پر سمیٹا اور [illegible] کی طرف دیکھنے لگی۔ [illegible] کیا تھا اس کی طرف بڑھنے کی کوئی [illegible]

☆☆☆

[illegible]

پر [illegible] کی [illegible] ماں نے [illegible] کے ساتھ [illegible] اسے ختم کر دیا تھا۔ [illegible] کے پیار [illegible] کی [illegible] مار دیا گیا لیکن جمیا کی آنکھوں کو [illegible] کا بچہ [illegible] کر گیا۔ [illegible] اس بچے کو [illegible] کر کے [illegible] کے لیے [illegible] آگے [illegible] اور [illegible] کی [illegible] کے ساتھ [illegible] کی طرف [illegible] جمیا [illegible] کا [illegible] لیے [illegible] دینے [illegible] کر دیا۔ [illegible] اس کے [illegible] جمیا [illegible] سے [illegible] دو [illegible] کی [illegible] موجود [illegible] سے۔ [illegible] دن [illegible] سامنے [illegible] کی [illegible] تھی۔ [illegible] میں [illegible] رہ [illegible] آنکھوں [illegible] تھے۔

[illegible] کی آنکھیں جھکا کر [illegible] اس کی [illegible] آنکھوں کی [illegible] وقت [illegible] کی [illegible] ایک جمیا [illegible] ایک [illegible] جمیا کی

اچھا لگتا۔ ایسے کالا ہی تھا ملکانی کے تو تڑیں کی کٹڑیوں نے بھری بھیڑ میں الٹ دیتے کے لالہ زادوں میں بیگیا پچھے سے بڑی انگوٹھیاں اور ہیرے ہی کے کرتب والی کوٹھی کا گھری کی اجاڑ کر سامنے رکھ دی گئی۔ اس سب انجی نظر اٹھا کر ہری ہونے کا پتا لگا۔ امیرزادے کے جی خوشامدانہ انداز پہ بھیا بالکل عش عش کر اٹھی اور اسے صاف شاباش بھی دے دیا۔ لو تمہاری کمی محسوس ہوئی، کہا اور سامان لیا کر۔ بھیا راضی ہوا نے جو وعدہ کیا ہے سامان تو ضرور دے جائے گا، تو وہ بھی تھی۔ کی بات اٹکی پڑی تو امیرزادے نے پستول کے لیے گر سے بڑھا پستول باہر نکال لیا۔ جو تجوری دیکھ کر سب کی گمی ہو گئی۔ بیچارہ ڈوکر دے والے کی ایک طرف ہٹ گئے کہ کہیں پستول چل گیا تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ ایک واحد بھیا آگے کی [illegible] سے پہلا کھڑی کی کی اس کی بیٹی پتا کا مال تھی [illegible] کر گیا، اسے بچے لوٹ کے مال کی طرح کسی جہاں سے بھی لے جا سکتا۔ ایک کمزور عورت کی بیٹی بیٹی کا امیرزادے نے [illegible] اس کے پستول کو دیکھ کر بیٹی کے دو چار [illegible] کر لیے [illegible] اور [illegible] دیے تھے۔ [illegible] ایک طرف کر کے [illegible] ہو گئے تھے۔ اپنی سے [illegible] بڑی برداشت نہیں ہوئی اور اس [illegible] کے بیچ میں کود پڑی۔ امیرزادے نے بڑا دھکا دیا کہ گر گئی اور وہ ہی کالا [illegible] پستول چلا دی تو [illegible] سے بھرا اسے بچے [illegible] بیٹے کا [illegible] جاتا تھا [illegible] نکالنے کا کہا تھا [illegible] ہوتے پیچھے ہٹ کر [illegible] کی تو ان کا اس سے پہلے [illegible] اس کا پستول والا ہاتھ مروڑ کر اس کے ہاتھ سے پستول گرا دیا اور گردن پہ چاقو رکھ کر بولی کہ اللہ کو یاد کر لو ورنہ ابھی تمہارا کام تمام کر دوں گی۔۔۔۔۔ (کالی اتنا ہی اوسان [illegible] جان کی بازی لگا دی۔ سارا نشہ اور جنون اڑن چھو ہو گیا اور قت سے اللہ کا ہاتھ چھوڑا اور وہ ہاں بھاگ کر اندر چلی گئی۔ پر جاتے جاتے نظروں سے اپنی گھر والی اور ضرور بولی۔ بہت تو کو تکلی کی اس لیے امیرزادہ خود چلا گیا تھا۔ گولی کی آواز سن کر کسی نے بھاگ کر تھانے میں خبر کر دی تھی۔ پولیس آ گئی۔ وہ سب گواہ تھے جنہوں نے اس امیرزادے کو گولی چلاتے دیکھا تھا اس لیے پولیس کو اسے گرفتار کرنا پڑا۔ وہ گرفتار ہوا اور بہت دنوں تک سلاخوں کے پیچھے پڑا رہا۔ بھیا کے ایسے کو [illegible] اپنی مرادوں کی [illegible]

بالا جو بیچ نظر اس کو جما کر [illegible] کی طرف اٹھا کر دیکھنے گی۔ اپنا کے لیے اس کا گھر اٹھا کر دکھانا کی نوبت تھا۔ پھر ایک دن بھیا بالکی نے اپنی گود لے لیا اور بنا لے۔ امیرزادہ قتل سے بچ گی اور دھمکیاں دیتا رہا کہ بالا اس کی ہوگی تو وہ اسے کسی اور کے ہاتھ نہیں لگنے دے گا۔ ادھر اپنی بھی کسی کو تاثیر کا دو سے کی ذہنیت سب کی نظروں میں تھی۔ اس امیرزادے کے قتل نے اپنی راہ بنا کر جگر پکڑ کر باتوں باتوں میں سمجھایا تھا کہ گوہی سے پیچھے ہٹ جاؤ، تو تم کو بے مطلب ہو گے وہ نہ کہیں اپنا تمہارے گلے میں بھی پڑ سکتا ہے۔ اس دفعہ پکڑا آتی گئی تھی اور تصدیق کے آ گیا تھا اس لیے اپنی اس کے قتل کی بات ماننے سے صاف منع کر کے آ گیا تھا۔ اب جو بالا کے لیے رشتے آنے لگے تو اس کی قسمت آ گئی اور اعلان کر دیا کہ اپنی ہو کے بالا کو بیاہ دے گا اور دیکھے گا کہ کون اس کا بال بھی بیکا کرتا ہے۔ وہیں کی اس بات سے بالا بہت خوش ہوئی اور مسکرا کر اپنی کا شکریہ ادا کیا۔ پھر کہا تھا اپنی آج تو ماں ہوں اس کے کام کے بھی آتے لگا۔ وہ تو محلے والوں نے بتایا تھا اب چھوڑو [illegible] کے گالی دے کر [illegible] بھیا کی [illegible] اور اس نے کو بھیا کہ بالا سے ایسا ہی عشق ہے تو اس سے بیاہ کر لے اور امیرزادے سے پیچھا چھڑا لے۔ پھر اس نے آ کے پوچھا بھیا سے بات کی۔ بھیا یہ تو کب سے راضی ہو گئی تھی اور بالا کے گن تو گاتی رہتی تھی ساری تیاریاں چھوڑ کر [illegible] بیاہ کی تیاری ہونے لگی۔ ادھر اپنی نے امیرزادے کے قتل اور باپ سے بھی [illegible] نہیں کیا تو اس کو اس دیتے سے پیچھے ہٹ جانے کا [illegible] کرنے سے بچا گیا۔ بالا [illegible] دوسرے بھی شکی گولی کی ہے۔ اس کے پیچھوں کو اتنا بڑا کر دو کسی کو کر دے۔ باپ مرنے کے دکھوں سے پہلے ہی پریشان تھا۔ بولا کہ جس طرح ہو سکا وہ اپنے لڑکے کو پہ وہ بھی بچا لے گا۔ ادھر پنچلی کے گھر والوں کی بات تو ان کے ساتھ پانی کا قطرہ بھی نہ ہو۔ اسے تو سے بیٹے کو تیار ہو گیا کہ اپنے بالا اپنی کی بنی ہو گی اور وہی اسے یہ چھوٹا سا گھر بنا کر دے دیا۔

شادی سے پہلے ہی اپنی نے اعلان کر دیا تھا کہ اپنی بالا سے کا آدمی ہے اب اپنے لیے سب پکا کر دو دوسرے مردوں کی طرح اپنے روز صبح کام پر جا کر شام کو واپس گھر آ جائے گا۔ وہیں اپنے حساب کتاب سے ہی آ کا بالا کرے گا کہاں خرچ ہو گی۔ [illegible]

ہنتوں بھی ادھر کا چکر نہیں لگا پاتا۔ دو برس پہلے چھنیا کا دیہانت ہوگیا۔ وہ زندہ تھی تو بیٹی کو کبھی کبھی میرے خلاف اکساتی تھی پر اس اللہ کی بندی نے کبھی ماں کی باتوں میں آکر بھی اپن سے جھگڑا نہیں کیا۔ دادا کبھی کبھار مالا سے ملنے آتا تھا اور ہر بار اپن سے بولتا تھا کہ رامو ایسی عورت نصیب والوں کو ملتی ہے تو اس کی قدر کرنا۔ اپن اور کچھ کرسکا یا نہیں لیکن مالا سے پریم بہت کیا۔ بھگوان نے اپن کو بچہ نہیں دیا۔ یہ اس کی مرضی پر اگر ایک بچہ ہوجاتا تو مالا کا اکیلا پن دور ہوجاتا۔ اب بھی وہ بیچاری اپنا من بہلانے کو کچھ نہ کچھ کرتی رہتی ہے۔ اس نے کہیں سے روئی اور کپڑوں سے کھلونے بنانے کا ہنر سیکھ لیا ہے۔ گھر کے کام کاج نمٹا کے اسی کام میں لگی رہتی ہے۔ اس کے بنائے کھلونے اتنے سندر ہوتے ہیں کہ کھلونوں کی دکان پر ہاتھوں ہاتھ بک جاتے ہیں۔ مالا کو پیسے سے مطلب نہیں، بس مصروفیت چاہیے۔ پیسے تو وہ سب کسی نہ کسی غریب محتاج کو دے دیتی ہے۔ بیاہ کے بارہ برسوں میں دو تین بار ہی ایسا ہوا کہ اپن اکٹھے اتنے دنوں کے لیے اس کے ساتھ رکا ہو۔ اس رات پولیس والوں کے تیور دیکھ کر اپن اڈے سے نکل کر بھاگا تو سیدھا ادھر آگیا۔ اس جگہ کا دادا کے سوا کسی کو نہیں پتا۔ اپن یہاں بیٹھا مالا کو خوش ہوتا دیکھتا رہتا ہے۔ یہی اپن کو باہر کی خبریں لادیتی ہے۔ اپن کو سب پتا ہے کہ ادھر اڈے پر بھی ریڈ پڑا تھا اور دادا سمیت سب غائب ہیں۔ مالا نے اپنی سوگند دے کر گھر کے اندر بٹھا رکھا تھا اور کہتی تھی کہ حالات بہتر ہونے سے پہلے کسی صورت نہیں جانے دے گی۔ اپن کیا پتا تھا کہ دادا......

رامو اپنی بات پوری نہیں کرسکا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

مالا نے دو تین گھنٹے کے وقفے کے بعد دوبارہ ملاقات کا عندیہ دیا تھا لیکن رامو بہ مشکل سوا گھنٹا اپنے کمرے میں گزار کر واپس فاروق کے پاس پہنچ گیا تھا اور اسے اپنی زندگی کے اس گوشے سے متعارف کروایا تھا جس سے ربن کے سوا اڈے کا کوئی دوسرا شخص واقف ہی نہیں تھا۔ اتنے برسوں سے وہ اپنی دونوں زندگیوں کو الگ الگ رکھ کر اتنی کامیابی سے چل رہا تھا کہ کبھی کسی کو گمان بھی نہیں ہوا تھا کہ اس کا بھی کوئی گھر ہوگا جہاں ایک خوبصورت دجان چھڑکنے والی بیوی ہر پل اس کا انتظار کرتی ہوگی۔ وہ خود بھی اپنی پتنی کو چاہتا تھا لیکن اس کی پہلی ترجیح اڈا ہی تھا اور وہ ربن کے قدموں سے چپکے رہنے پر ہی خوش رہتا تھا۔ اسے کیا معلوم تھا کہ اس کی زندگی کی یہ سب سے بڑی خوشی اس سے چھن چکی ہے۔ اب پتا چلا تھا تو شدت غم سے بلبلا اٹھا تھا۔ فاروق جس نے تنہا اس غم کو جھیلا تھا، رامو کے سامنے ایک بار بکھرنے کے بعد دوبارہ خود کو سمیٹنے میں کامیاب ہوگیا تھا اور اب رامو کا غم بانٹنے کی کوشش کر رہا تھا۔ رامو خود اپنی جگہ ایک جی دار اور حوصلہ مند آدمی تھا اس لیے اپنے سے چھوٹے کے سامنے مزید آنسو بہانے کے بجائے خود کو سمیٹنے میں کامیاب ہوگیا اور آنسو پونچھ ڈالے۔

”مالا بھابی کہاں گئی ہیں؟ میں نے انہیں باہر جاتے دیکھا تھا۔“ ماحول کا بوجھل پن دور کرنے کے لیے فاروق نے اس سے سوال کیا۔

”کچھ دیر میں آتی ہوگی۔“ اس کے سوال کا مختصر جواب دے کر رامو نے چپ سادھ لی تو وہ بھی مزید کچھ نہیں پوچھ سکا۔ فضول کھوج میں لگے رہنے کی اسے بھی عادت نہیں تھی۔

”تم نے بتایا تھا کہ دبے اور سجو بھی مکان سے تمہارے آگے ہی بھاگے تھے۔ ان کا کچھ پتا ہے کہ وہ دونوں کدھر ہیں؟“ رامو نے کچھ پل کی خاموشی کے بعد اس سے دریافت کیا۔ اس نے نفی میں گردن کو جنبش دی اور بولا۔

”نہیں اتنی اچانک وہاں سے بھاگنا پڑا تھا کہ ہم کچھ طے ہی نہیں کرسکے اور جسے جدھر سمجھ آیا ادھر بھاگ نکلا۔“

”یہ اچھا نہیں ہوا۔ وہ دونوں پولیس کے ہاتھ بھی لگ سکتا ہے۔“ رامو نے تشویش کا اظہار کیا۔ خود فاروق کو اس بات کا اندیشہ تھا بلکہ اسے تو گولو کی بھی فکر تھی کہ اس کی لاش نہ جانے کس حال میں ہوگی اور پولیس والوں نے اسے کہاں رکھا ہوگا۔ دوسری فکر اسے کیتھرائن کی تھی۔ پولیس اسے اعانت جرم کے الزام میں لازماً گرفتار کرتی اور پھر تفتیش کے نام پر جانے اسے کس سلوک کا نشانہ بنایا جاتا۔ گولو دیرینہ ساتھ اور اپنی بے لوث محبت کے نتیجے میں اس کے لیے سگے بھائی جیسا تھا تو کیتھرائن نے بھی مختصر عرصے میں اپنے خلوص سے اس کے لیے چھوٹی بہن کی حیثیت ہی حاصل کر رکھی تھی۔ اصل میں وہ سب حقیقی رشتوں سے محروم دنیا میں تنہا زندگی گزارنے والے یکجا ہوکر ایک دوسرے کی محرومی کا مداوا بن گئے تھے اور ہر ایک ہی دوسرے پر جان لٹاتا تھا۔ فاروق بھی اپنے پیاروں کے لیے بے چین تھا۔ اسے گولو کی قبر کو مٹی دینی تھی اور کیتھرائن کو پولیس کے چنگل سے نکالنا تھا اور ان دونوں ہی کاموں کے لیے ضروری تھا کہ اپنے غم کو اپنے اندر سمو کر حواس کو پوری طرح قابو میں رکھا جائے۔ ان چند دنوں میں اس نے اپنے بکھرے وجود کو آپ سمیٹ لینے کا ہنر خوب سیکھا تھا۔ ربن تھا تو وہ اسے بکھرنے نہیں دیتا تھا۔

اس کے جواب نے یہ کام خود کر دیا تھا۔ دولت کی ہوس انسان کو
اسی طرح اندھا کر دیتی ہے۔ دولت آدمی کو سب سے عزیز ہو جاتی ہے۔ وہ
شدید تکلیف میں تھا لیکن مرنے کا نہیں سوچ سکتا تھا۔ اسے
اچھا دکھ ہوا۔ کریم بہت سے کام کرتے تھے اور ان کاموں کی
طرف سے بے فکر ہونے کی فرصت نہیں ملی تھی۔ اب بھی وہ
واموسے اسی سلسلے میں گفتگو کر رہے تھے۔

"لالہ روشن نے بھی بات کی ہے۔ تم نے جس بچے کا بتایا
تھا، ادھر نزدیک میں اس کی ایک جاننے والی بھی ہے۔ مجھے
شبہ ہو چلا تھا کہ ہو جائے گا۔ اب سے آگے یہ ہے کہ اپنی طرف
سے کل تک معاملات کو دیکھے۔ پہلے تو اس نے باہر پر ہاتھ
دھر کر بیٹھا تھا کہ دادا کے آنے کی آس اور اس کے حکم کا
انتظار تھا۔ اب اپنے بیٹے تو دوں کی طرح چھپ کر بیٹھ گیا۔ دادا
کا کام تمہیں کرنا ہے گا۔ اب انکل کی مدد کی ضرورت پڑی ہوئی
کہ پولیس کو کسی مشتبہ کو پکڑ کر لوگوں کے پیچھے والی
بات۔ انکل صاحب سے بات کرے گا۔ وہ ایک دن
میں کورٹ سے لڑکی کی ضمانت کا کاغذ نکلوا لے گا۔" [illegible]
سب کام کرنے لگا تھا۔

"تمہاری بات ایسی ہے ... تو قتل در
... ضمانت ... کے قتل کا الزام
ہے۔ سب سے پہلے تو پولیس مجھے اسی الزام میں گرفتار
کرنے کی کوشش ... کی کوشش ہوگی۔"
فاروق کا انکل پر یقین کا اظہار تھا۔

"تو یہاں شامل ... دیکھے کا سب کچھ
دادا نے سب کو گھر سے باہر نکلنے کا حکم دیا تھا، وہ انکل
ٹھیک تھا، اس کی بھی کرتے تھے۔" واموں نے اسے سمجھایا۔

"لیکن مجھے اب کوئی پروا نہیں ہے، دادا نے بتا دیا تھا
میں بیٹے کی طرح ہی جاؤں گا لیکن اس سے پہلے مجھے دادا
کے قاتلوں سے حساب لینا ہے۔ یہی کے سارے کام
ختم ہونے تک میں کہیں نہیں جانے والا۔" فاروق نے اپنا
فیصلہ سنایا۔

"اسے پتا ہے کہ وہ تمہارا دشمن ہے تو کیسے کرو گے؟" واموں نے
پوچھا۔

"بات صرف دشمنی کی نہیں، دل کے سکون کی ہے۔ میں
اپنے ہاتھ سے یہ سب کر کے ہی سکون حاصل کر پاؤں گا۔"

"یہ بات تیرے لیے خطرہ ہے۔ پولیس ہاتھ دھو کر
تیرے پیچھے پڑی ہے۔" واموں نے نرمی سے اسے سمجھانے
کی کوشش کی۔

"اب ... پولیس بھی کیا ... کی ... ہوں گا۔"

حال کر کے ... نے ... کی ... یہ بات ... ہے وہ ملے
ہے اس کا سامان ... میں نہیں لا سکا۔ تم بس اس کا انتظام
کر دینا۔" فاروق اپنے فیصلے میں اٹل تھا۔

"بالکل ٹھیک ہے ... تو ... کا سب ہو جائے گا۔
یہاں ایک ... کہ تیرے ... (نشر) لگا کا ہے۔" واموں نے
اس کے آگے سمجھایا۔

"پہلے تم یہ کرو کہ انکل اور ... سے ملو اور اپنے ساتھ
گرفتار ساتھیوں کی ضمانت کا انتظام کرو۔ گوری کی لاش پتا نہیں
پولیس کی تحویل میں ہوگی، اس کی رہائی کے لیے بھی دوڑ
کرنا۔ یہ ... ہاتھ سے نکل گیا تو ٹھیک ورنہ مجھے بھی
اور بہت ... "

"ٹھیک ہے تیرا دوست ... جانے تو ... جائے
دیکھا جائے گا۔ تیرا حلیہ ... بدلا ہوا ہے۔ اس
میں کوئی ... شناخت ... قتل ... اس کے لیے تو
اس کے مخبروں میں سے ... قتل ... کا
... بیہوش ہو گیا۔ ... وقت ... آئی اس
کی ... سمجھ گئی تھی۔

"کیوں ... معلوم ہوا؟" ... واقعی ... ہو گیا۔
... خوف ... پھیلا ہوا ہے اور ہر طرف
... اس علاقے میں ... لوگ ... سے پیچھے ہو گئے
تھے جن کے ... پولیس نے چھاپا مارا۔ تیرے ساتھی
گرفتار ہوئی ... اور ... بھاگ جانے میں
کامیاب ہو گئے۔ گھر والوں نے پولیس کی کہانی کر دی تھا
ہے کیونکہ وہ پہلے ہی خوف کے ... تھا ... سے جس
میں ایک لڑکی کے ساتھ ... اور دوسری ... کام کاج
کے لیے ... گئی تھی۔ ... لڑکی ... آئی ... جانی
کھائی ... سو پولیس کا چھاپا پڑا تو ... داموں
ہر دن میں پولیس ... ان کے بارے میں رپورٹ کرنے
والے تھے۔" واموں نے اپنی حاصل کردہ معلومات اس کے
سامنے بیان کیں۔

"اس کا کیا ہوا؟" واموں نے دل پر جبر کر کے
دریافت کیا۔ ... کے لیے لاش کا لفظ استعمال کرتے ہوئے
اسے ... ہو رہا تھا۔ سیدھا سادہ ... سے ... کو اس
سے وہ ... نکلنے کے لیے ... کر دیا تھا۔ اسے
... اپنا ... چلا جائے گا ... کی ... محسوس ... تھا۔

"لاش تو پولیس والوں کی تحویل میں ہی ہے۔" ...
... انکل ... کے لیے ... ہی ہوگا۔ ایسی

تیاری کرتا ہے۔''

''آپ کہاں جانے والے ہیں؟ باہر تو پولیس کا خطرہ ہے نا آپ کو؟'' مالا اس کی بات سن کر گھبرا گئی۔

''فکر نہ کر اور دیکھتی جا کہ اپن کیسے پولیس کی آنکھوں میں دھول جھونکتا ہے۔ ویسے بھی ابھی پولیس والوں کو جا دتی فرصت نہیں ہے۔ بلوؤں ہنگاموں میں گھرے ہوئے ہیں۔ اکیلے اپن کی کھوج کا کام نہیں ہے انہیں۔'' رامو نے اسے تسلی دی اور پھر اس سے کچھ چیزوں کے بارے میں دریافت کر کے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''میں بھی تمہارے ساتھ ہی وکیل سے ملنے چلتا ہوں۔ یہاں فارغ بیٹھ کر کیا فائدہ ہوگا۔'' فاروق نے بالکل اچانک اپنا فیصلہ سنایا جسے سن کر رامو کے چہرے پر تذبذب کے آثار ابھرے لیکن پھر وہ نارمل ہو گیا اور فاروق کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ آدھ گھنٹے سے کچھ اوپر کا وقت لگا کر وہ دوبارہ مالا کے سامنے آئے تو وہ انہیں دیکھ کر چونک گئی۔ دونوں نے سفید دھوتیاں باندھ کر اوپر سے کرتے چڑھا رکھے تھے اور شانوں پر چادریں ڈالی ہوئی تھیں۔ دھوتی اور کرتہ ایسا لباس تھا جس میں سائز کا زیادہ مسئلہ نہیں تھا اس لیے جسامت میں فرق کے باوجود فاروق نے آرام سے رامو کا دھوتی کرتہ پہن لیا تھا۔ چادریں مالا کی تھیں۔ ماتھے پر تلک اور آنکھوں میں سرمے کی موٹی موٹی لکیریں پھیرنے کے لیے بھی انہوں نے مالا کے میک اپ کے سامان پر ہاتھ صاف کیا تھا۔ بالوں کو خوب تیل چپڑ کر بیچ کی مانگ نکالنے کے بعد دونوں جانب ان کی پٹیاں سی جمائی گئی تھیں۔ رامو کے کرتے کا رنگ زرد تھا جبکہ فاروق نے سفید کرتہ پہن رکھا تھا جو اس کے جسم پر قدرے ڈھیلا تھا لیکن زیادہ برا نہیں لگ رہا تھا۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ وہ دونوں اس حلیے میں اتنے مختلف لگ رہے تھے کہ سرسری نظر میں انہیں پہچاننا آسان نہیں تھا۔

''یہ آپ دونوں نے اپنا کیا حال بنا لیا؟'' مالا نے انہیں دیکھ کر اپنی حیرت کا اظہار کیا۔

''تیری چنتا دور کرنے کا انتظام کیا ہے۔ بول پولیس اب بھی ہمیں پہچان سکتی ہے کیا؟'' رامو نے اس سے کارکردگی کی داد چاہی۔

''بالکل نہیں۔'' مالا نے جواب دیا اور ان دونوں کو رکنے کا اشارہ کر کے تیزی سے باورچی خانے کی طرف دوڑی پھر اس نے جھٹ پٹ دسترخوان بچھا دیا۔ ان دونوں کا ہی کھانا کھانے کا موڈ نہیں تھا لیکن مالا کے اصرار اور خلوص

غالب

کانوں پر رہتے ہوئے بھی ہوا کے گیلے جھونکے کو محسوس کر کے پھول کی طرح مسکرایا کرو۔ شک وشبہ کو اپنے دماغ میں کسی صورت بھی پیدا نہ ہونے دو۔ زندگی کا ہر لمحہ، ہر پل محبت کا ہے۔ اس لیے وقتی خوشی کو دائمی مسرت جانا کرو۔ سب سے پیار کرو، سب کو اچھا سمجھو لیکن کسی سے یہ توقع نہ رکھو کہ وہ بھی تم سے پیار کرے اور اچھا سمجھے۔

تم دن کے آفتاب کے سامنے بھی آزاد ہو، تم رات کے چاند ستاروں کے سامنے بھی آزاد ہو۔ تم وہاں بھی آزاد ہو، جہاں نہ سورج ہے، نہ چاند ہے، نہ تارے ہیں بلکہ کائنات کی طرف آنکھیں بند رکھنے کے بعد بھی آزاد ہو لیکن تم غلام ہو تو اس چیز کے سامنے، جس سے تم محبت کرتے ہو۔

مرسلہ: ہمیرا سعید..... سکھر

نے مجبور کر دیا اور وہ دل پر جبر کر کے چند لقمے کھانے پر مجبور ہو گئے۔ ابھی مشکل سے چند گھنٹے ہی تو گزرے تھے گولو کی موت کو۔ خود کو لاکھ سنبھال لینے کے باوجود اس دکھ سے نکلنا آسان نہیں تھا۔ مالا خود بھی اس بات کو سمجھتی تھی اس لیے ایک حد سے زیادہ اصرار نہیں کیا۔ کھانے سے فارغ ہو کر وہ دونوں اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔ اشوک بچن کا دفتر یہاں سے دور ہونے کی وجہ سے انہوں نے سواری کے لیے ٹیکسی کا انتخاب کیا تھا۔ ٹیکسی نے انہیں مطلوبہ مقام پر اتار دیا۔ اشوک بچن کی اسسٹنٹ نے ان کی خواہش پر اشوک سے اجازت لے کر انہیں اس کے دفتر میں بھیج دیا۔ وہ کوئی فائل دیکھ رہا تھا۔ ان دونوں پر اچٹتی ہوئی نظر ڈال کر انہیں بیٹھنے کو کہا اور ایک آدھ منٹ فائل میں مصروف رہنے کے بعد اسے بند کر کے ان کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔

''فرمایئے! میں آپ کی کیا سیوا کر سکتا ہوں؟''

''وہی جواب تک کرتے رہے ہیں۔'' فاروق نے سنجیدگی سے اسے جواب دیا تو وہ چونک کر۔ ان دونوں کی شکلیں دیکھنے لگا اور پھر ایک گہری سانس لے کر بولا۔

''اچھا تو یہ آپ لوگ ہیں۔ میں اتنے دنوں سے ویٹ کر رہا تھا کہ کب آپ میں سے کوئی کونٹیکٹ کرتا ہے۔ جو کچھ ادھر ہوا اس کی مجھے خبر مل گئی تھی لیکن کسی کارروائی

کے لیے مرتضیٰ کو ختم کرانا لازم ہو جاتا ہے۔ دوسرے لوگوں میں سے یہ
ضرور معلوم کرا لیا تھا کہ گرفتار افراد میں کون کون شامل
ہے۔ دلاور نام کا ایک شخص آپ کے نام گرفتار ہونے والوں
میں شامل نہیں تھے اسی لیے یقین تھا کہ کوئی نہ کوئی جلد
کو تلاش کرے گا۔" اب وہ براہ راست فاروق سے
مخاطب تھا۔

"حالات ہی ایسے ہو گئے تھے کہ مجھے انڈر گراؤنڈ
ہونا پڑا۔ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ [illegible] بھی دو گروہ
سے کام نہیں کر پا رہا تھا۔ دوسرے پچھلے سال سے بھی
بدحال کر رکھا ہے اسی لیے اب چھپ چھپا کر آپ کے پاس
آیا ہے تاکہ آپ کوئی اچھا مشورہ دے دیں۔ ہماری خواہش
ہے کہ معاملات قانونی طور پر حل ہو جائیں تو اچھا ہے ورنہ باقی
مجرم وقت کی ضرورت کے حساب سے دیکھیں گے۔"

"آپ مجھے مکمل کر سب بتا دیں۔ سب کچھ جان کر ہی آپ کو
بہتر مشورہ دے سکوں گا۔" اشوک چٹنی سنجیدہ ہو گیا۔
فاروق نے بڑی تفصیل سے سارا قصہ شروع کیا کہ
کیسے اس کو [illegible] کا رنگ دے کر پولیس والوں نے اسے
پھنسانے کی کوشش کی اور پھر دلاور کی سازشوں کے گھر سے
[illegible] لیا چاہا۔ دلاور [illegible] کا پتا چلا تو انھوں نے
[illegible] کی ہی چالاکی اور ہوشیاری کے ساتھ اسے تنہا گھیر کر
مار دیا۔ دلاور کے قتل سے [illegible] کو اس کی موت
تک سب [illegible] چلا گیا [illegible] کا
اکٹھا کیا۔ اشوک چٹنی [illegible] تھا [illegible] میں عجیب و
غریب کہانیاں [illegible] تھا لیکن [illegible] کی موت نے اسے بھی
صدمے سے دوچار کر دیا [illegible] شخصیت تھے کہ
[illegible] کے نام سے ہوتا۔

"آپ کی بات ٹھیک ہے [illegible] شاندار آدمی اس
[illegible] سے چلا گیا ہے۔ [illegible] پہنچی تو کہ
اس کے پیچھے مرتے ہوئے [illegible] عجیب لگتا ہے۔"

"یقین تو نہیں مجھے بھی آتا لیکن حالات کی کڑی
دھوپ میں اپنے سروں پر کوئی سایہ نہیں پاتے تو یقین کرنا
پڑتا ہے کہ وہ اب اس دنیا میں نہیں ہے ورنہ ان کے
ہوتے ہوئے ہم اتنے خوار کیوں ہوتے۔" فاروق نے مجھے
[illegible] جواب دیا۔

"آپ ٹھیک کہتے ہیں لیکن [illegible] دی۔ مجھ سے
جتنا ہو سکا میں آپ لوگوں کا ساتھ دوں گا۔ جہاں تک میں سمجھا
ہوں، مجھے فوری طور پر چار کام کرنے ہوں گے۔ نمبر ایک
مسٹر امام [illegible] کی [illegible]

عدالت کے لوگوں کی ضمانت پر رہائی، نمبر دو: مرتضیٰ کی لاش کی
وصولی اور نمبر چار: مظفر خان کو پولیس کے چنگل سے نکالنا۔
پہلا اور دوسرا کام اتنا مشکل نہیں۔ مرتضیٰ کی لاش کی حوالگی پر
پولیس تھوڑی بہت مزاحمت کرے گی لیکن اس کا ایک حل یہ ہے کہ
ہم کسی ڈاکٹر سے پوسٹ مارٹم رپورٹ لیں کہ وہ [illegible]
ایسا کیا تھا جس کے [illegible] مرتضیٰ کی موت ہونے کا سوال
ہی پیدا نہیں ہوتا اور اگر وہ مجرموں کے ساتھ مارا بھی گیا تو
ان میں اس کی شکل [illegible] کوئی دخل نہیں ہو گا۔ وہ [illegible]
[illegible] کے بعد [illegible] سے نکل بھاگنے کے بعد ان کے چنگل میں
پھنس گیا ہو گا۔ موت کے بعد بہرحال پولیس لاش ورثا کے
حوالے کرنے کی پابند ہوتی ہے، چاہے مرنے والا کتنا ہی بڑا
مجرم ہو۔ کوئی [illegible] کے وارث [illegible] والوں
کو اس کی لاش وصول کرنے کا حق ہے۔ نمبر تین والا معاملہ کچھ
الجھا ہوا ہے۔ اس کے [illegible] پولیس کو [illegible] کے بیان کا علم [illegible]
بعد [illegible] کی ضمانت کروانے کے لیے اس کا بیان
بہت اہمیت رکھتا ہے۔" اشوک چٹنی بڑا ذہین آدمی تھا لیکن اس
کی [illegible]
بڑی تیزی سے مسائل کا حل سوچ رہا تھا اور اگلے اقدامات
[illegible] رہا تھا۔ اس سے ملاقات [illegible]
اور فاروق کے لیے حسب توقع سود مند ثابت ہوئی اور وہ خود
کو [illegible] ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگے۔

"آپ [illegible] کے لیے کوئی رائے نہیں
دے سکیں گے؟ [illegible]" اشوک
چٹنی سے سوال کیا۔

"ابھی [illegible] پہلے
والے کو بھی [illegible] لندن چلا گیا ہے۔ دادا کی موت سے
واقف ہونے کا اعلان کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ یہ
ظاہر کرو کہ تم لوگوں کو اس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے
اور [illegible] تم لوگوں [illegible]
ہو گیا ہے۔" اشوک چٹنی نے مشورہ دیا جس پر فاروق
[illegible] انداز میں [illegible] گفتگو کے بعد اشوک چٹنی
نے ضروری کاغذات کی [illegible] پوری کر [illegible] پھر ان لوگوں کو
وہاں سے جانے کی اجازت دی۔ وہ لوگ روانہ ہونے لگے
تو اس نے اپنی جگہ سے اٹھ کر پہلے [illegible] سے مصافحہ کیا پھر
فاروق کا ہاتھ تھام [illegible] رخصت ہونے لگے۔

"ارے مسٹر فاروق! [illegible]"
فاروق نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں
میں [illegible]

نے بیان نہیں کیا، وہ بھی اشوک بچن سمجھ چکا ہے۔ وہ وکیل تھا، اخبارات کے علاوہ دیگر ذرائع سے بھی ہونے والے واقعات کی خبریں اس تک پہنچ جاتی تھیں۔ بھاٹیہ سیٹھ، ٹیکسی ڈرائیور مکیش، مجو دادا اور فیکے کی اموات کی خبریں اس تک بھی پہنچی ہوں گی۔ ممکن ہے ان خبروں کے ساتھ فاروق کا نام بھی کانوں تک پہنچا ہو اور اب رین کی موت سے واقف ہونے کے بعد وہ ''محرک'' بھی جان چکا تھا تو اس نے یونہی فاروق کو ''کیری آن'' کا اشارہ نہیں دیا تھا۔ فاروق نے بھرپور اعتماد کے ساتھ اس سے نظریں ملائیں اور نظروں ہی میں پیغام دیا کہ اب وہ پیچھے ہٹنے والا ہے بھی نہیں۔ جو کام شروع کیا ہے، اسے ہر حال میں پورا کر کے چھوڑے گا۔ اشوک بچن نے اس پیغام کو پڑھ لیا اور ایک بار پھر اس کے ہاتھ کو دھیرے سے دوستانہ انداز میں دبا کر چھوڑ دیا۔

☆☆☆

اسد اللہ کی طبیعت بہت مضمحل تھی۔ صدمات نے جو متاثر کیا سو کیا تھا، ایک بوجھ اپنے عزیز دوست کے بیٹے آصف خان کے مارے جانے کا بھی تھا۔ دوست نے تو اپنے بیٹے کو اس لیے حیدر آباد بھجوایا تھا کہ وہ اسے خاندانی دشمنی کی بھینٹ نہیں چڑھانا چاہتا تھا۔ ماں باپ نے اپنے جوان بیٹے کی دوری پر یہ سوچ کر صبر کر لیا تھا کہ وہ ان سے دور سہی پر جیتا تو رہے گا لیکن قسمت کی ستم ظریفی کہ موت نے وہاں بھی اس کو گھیر لیا تھا۔ موت ہے ہی ایسی چیز کہ جب کسی روح کو اپنے ساتھ لے جانے کا فیصلہ کر لیتی ہے تو اس کے آگے ہر تدبیر بے کار چلی جاتی ہے۔ آصف خان کے باپ کی تدبیر بھی کام نہیں کر سکی تھی اور اس کا لختِ جگر بلوائیوں کی نفرت و لالچ کا نشانہ بن کر ہمیشہ کے لیے اس سے جدا ہو گیا تھا۔ حالات ایسے نہیں تھے کہ اسد اللہ، آصف خان کے باپ کو وقت پر اطلاع دے پاتے۔ وہ تو خود اس وقت حیدر آباد پہنچے تھے جب مرنے والوں کی تدفین کی جا چکی تھی۔ ایسے میں ان کی ہمت نہیں ہوئی کہ اپنے دوست کو اس اندوہناک واقعے کی اطلاع دے سکیں۔ وہ بے چارے ماں باپ تو یقیناً اس بات کے منتظر ہوں گے کہ کب اسد اللہ کی طرف سے جولیٹ اور آصف خان کے رشتے کی منظوری دی جاتی ہے اور منگنی کی تاریخ طے ہوتی ہے۔ وہ بے چارے تو بیٹے کی خوشیاں دیکھنے کی آرزو رکھتے تھے، انہیں اس کی موت کی خبر دینا کیسا کارِ دشوار تھا لیکن یہ فریضہ تو انجام دینا ہی تھا اس لیے پاکستان پہنچنے کے بعد چند بہت ہی اہم امور کی انجام دہی سے جیسے ہی فرصت ملی انہوں نے رختِ سفر باندھا اور دوست سے ملاقات کے لیے روانہ ہو گئے۔

ان کے کلیم کے کاغذات جمع ہو گئے تھے اور شجاعت نے انہیں یقین دلایا تھا کہ بہت جلد کراچی میں ان کے لیے رہائش گاہ کا انتظام ہو جائے گا۔ ثروت بیگ بھی کافی مطمئن دکھائی دے رہے تھے اور اسد اللہ کے ساتھ اس بات پر متفق تھے کہ قدرت نے دستِ غیب سے ان کی مدد کی تھی جو اتنے اچھے خاندان سے ملاقات ہو گئی تھی۔ ان دونوں خاندانوں کے افراد کی رہائش و طعام کی مکمل ذمے داری ان کے میزبانوں نے اپنے ذمے لے رکھی تھی۔ صاحبِ فراش ندرت جہاں کی بھی زنان خانے میں تسلی بخش دیکھ بھال ہو رہی تھی اور مایوسی اور دکھ میں مبتلا صفی اللہ کو بھی شجاعت اور صداقت کے والد وقتاً فوقتاً حوصلہ دیتے رہتے تھے۔ اس طرف سے مطمئن اسد اللہ نے دوست سے ملاقات کے لیے سامان باندھا اور اس کے گھر جا پہنچے۔ دوست انہیں دیکھ کر حیران بھی ہوا اور بہت خوش بھی۔ خوشی کی ایک وجہ تو طویل عرصے بعد اچھے دوست سے ملنا تھی اور دوسری وجہ یہ تھی کہ وہ سمجھ رہا تھا کہ اسد اللہ نے آصف خان کا رشتہ منظور کر لیا ہے اور اس سلسلے میں ضروری بات چیت کے لیے اس کے پاس آئے ہیں۔ بیٹے کے سر پر سہرا سجنے کے خیال سے وہ بہت خوش تھا۔ اس کے خاندان میں کسی دوسرے خاندان میں رشتہ کرنے کا رواج نہیں تھا۔ جو ایسا کرتا تھا اس کا دوسرے خاندان والے بائیکاٹ کر دیتے تھے اور دوسرے بچوں کے لیے بھی رشتے نہیں ملتے تھے لیکن آصف خان کی زندگی اور خوشی کے لیے اس کے باپ نے یہ بھی منظور کر لیا تھا۔ اسے خوشی تھی کہ آصف خان نے کسی ایسی ویسی لڑکی کے بجائے اسد اللہ کی بیٹی کا انتخاب کیا ہے، چنانچہ اس نے صرف ایک دوست ہی نہیں، ہونے والے سمدھی کا بھی بانہیں کھول کر استقبال کیا تھا۔ ان کی آمد کی اطلاع پاتے ہی اس کے گھر میں خوشی کی ایک لہر پھیل گئی تھی۔ فوراً ہی معزز مہمان کی عمدہ خاطر مدارات کے انتظامات شروع ہو گئے تھے۔ ان رویوں کو دیکھ کر اسد اللہ فوری طور پر کچھ بتانے کی ہمت نہیں کر سکے اور خاموشی اختیار کر لی۔ دوست نے ان کی خاموشی کو محسوس تو کیا لیکن خود کو یہ کہہ کر مطمئن کر لیا کہ اسد اللہ طویل سفر سے تھکے ہوئے ہیں، دوسرے وہ بیٹی کے باپ ہیں اس لیے کھل کر خوشی کا اظہار کرنا انہیں معیوب لگتا ہوگا۔ اس نے مہمان خانہ کھلوا کر اسد اللہ کے نہانے دھونے اور آرام کا انتظام کروایا۔ اسد اللہ دوبارہ اس کے روبرو ہوئے تو اس نے کھانا تیار ہونے کی اطلاع دیتے ہوئے ان سے

خبر [illegible] زندگی کی آواز [illegible] کی تحریر [illegible] گھر کے جوان بیٹے کی موت کی افواہ بھی گردش [illegible] خاندان کے بعد ہوئی تھی۔ غم سے نڈھال [illegible] روایت کی تحت پابند [illegible] جلد [illegible] کی کہانی [illegible] تھا کہ اس قدر ان کی عورتوں کی آوازیں بھی غیر مردوں کے کانوں میں جانا گوارا نہیں کیا جاتا۔ اسد اللہ وہاں سے لوٹ آئے تھے لیکن حقیقت کا احتمال کسی طرح کم نہیں ہوا تھا۔ شجاعت نے انہیں گھر کے سلسلے میں ضروری کارروائی کے لیے کراچی جانے کا کہا۔ [illegible] جانے کے لیے راضی [illegible] پایا کہ [illegible] صرف وہ اور ثروت بیگم ہی کراچی جائیں گے اور باقی اہل خانہ لاہور ہی میں رہ کر [illegible]۔ شجاعت نے ریل کے فرسٹ کلاس ڈبے میں ان کی کراچی جانے کی بکنگ کرا دی تھی۔ وہ خود ان دونوں کو ریلوے اسٹیشن چھوڑنے کے لیے آیا تھا اور انہیں ان کی نشستوں پر بٹھا کر ان سے رخصت ہوا تھا۔

ریل کی روانگی میں ابھی کچھ دیر باقی تھی۔ شجاعت کے جانے کے [illegible] ایک ہم [illegible] میں [illegible] روانہ ہونے [illegible]۔ انہوں نے اور ثروت بیگم نے ان کی [illegible] ادا کیا تھا کہ [illegible] جو [illegible] ان کے لیے کر رہا تھا وہ بہت تھا۔ شجاعت [illegible] ثروت بیگم ایک کتاب کے مطالعے میں مشغول ہو گئے [illegible] اسد اللہ [illegible] کیفیت کے [illegible] لوگوں کی آمد ہوئی تو انہوں نے سر اٹھا کر [illegible] دیکھا۔ [illegible] آوازوں سے [illegible] رخصت کرنے آئے ہیں اور طرح طرح کی [illegible] ہدایات جاری کی جا رہی تھیں۔

''بس کرو اب [illegible] کوئی پہلی مرتبہ [illegible] سفر نہیں [illegible] ہے جو تم لوگ [illegible] ہدایات دے رہے ہو۔'' مسافر نے [illegible] پر [illegible] کیا اور [illegible] اسد اللہ نے [illegible] سے [illegible] دیکھا۔ ان کی نظروں نے [illegible] ایک [illegible] چہرے [illegible] گرفت میں لیا [illegible] جس کو یہاں دیکھنے کا انہیں [illegible] گمان ہی نہیں تھا۔ وہ یک ٹک [illegible] نظروں سے اسے دیکھے [illegible] اور [illegible] میں ان کے ہونٹ لرز رہے تھے۔

زندگی کے تلخ و ترش حقائق اور
محبت کی دلنشیں کہانیوں کا عکس
افسانوں [illegible] ملاحظہ فرمائیں

ان کی فرض شناسی اور [illegible] کی۔

''انکل شجاعت خان! پہلے ہمیں وضاحت کرنے دو [illegible] کرنے کے لیے ہم تمہارے پاس آئے ہیں۔'' اسد اللہ نے اسے کھانا لگوانے سے روک دیا۔

''بات کیا کرنی ہے یار! [illegible] کی [illegible] ہے۔ اور یہ بھی [illegible] مناسب سمجھو کرو۔ مجھے تمہاری کسی شرط پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔'' اسے گمان ہوا تھا کہ اسد اللہ رشتے طے کرتے ہوئے کوئی کڑی شرط عائد کرنا چاہتے ہیں اسی لیے خود اتنا طویل سفر طے کر کے یہاں آئے ہیں اور اس قدر سنجیدہ ہیں۔

''ہمیں معاف کر دو خان! ہم تمہارے بھروسے اور اعتبار پر پورے نہیں اتر سکے۔ ہم سے تمہاری بیٹی کی امانت کی حفاظت نہیں ہو سکی۔'' انہوں نے دوست کی تقلید کی اور گردن جھکا کر آزردگی سے بولے۔

''تم کیا کہہ رہے ہو اسد اللہ! میں کچھ سمجھ نہیں پایا۔'' اس بار وہ بری طرح چونک گیا۔

''ہم [illegible] وقت نے [illegible] ہم سے بہت بڑا بھیانک مذاق کیا ہے۔ ہم اپنی بیٹی اور تمہارے بیٹے دونوں کو کھو چکے ہیں۔''

''کھل کر بات کرو اسد اللہ! آخر کیا ہوا ہے؟'' اس بار شدت سے اس کی آواز لرزی۔ جواب میں اسد اللہ نے حویلی پر ٹوٹنے والی قیامت کی پوری تفصیل سنا دی۔ اس خوفناک داستان کو سننے والا اپنی جگہ ساکت ہو گیا۔ شکوہ کرتا بھی تو کس سے۔ جو ان کے بیٹے کی موت کی خبر سنانے آیا تھا اس کا اپنا [illegible] میں آ گیا تھا [illegible] کی داستان نہیں تھی۔ کئی دن بیتنے لگے تھے [illegible] ہو گئے تھے۔ اخبارات میں خبریں دیتے رہے [illegible] حساب کتاب ان سے کہیں اوپر تھا۔ بہت سی خبروں کو تو [illegible] پر آنے ہی نہیں دیا جاتا تھا [illegible] اسد اللہ [illegible] ان پر بیتنے والے سانحے کی [illegible] نہ ہو پائی۔

اسد اللہ نے [illegible] دوست کو اپنے طور پر تسلی دینا [illegible] دیا اور فوری واپسی کا فیصلہ بھی سنا دیا۔ دوست کا غم بانٹنے کی خواہش کے باوجود ان میں حوصلہ نہیں تھا کہ [illegible] اور غم کریں [illegible] لوگوں کے آنسو بھی [illegible] سکیں [illegible] جانے کا [illegible] پہلے [illegible] واپس [illegible] دوست [illegible]

چارلی گریوز کو فٹز ولیم میوزیم میں کام کرتے ہوئے بیس سال سے زیادہ کا عرصہ ہو چکا تھا۔ وہ عجائب گھر کے نوادرات کے شعبے کا نگراں تھا۔ اس کی کارکردگی ہمیشہ سے صاف ستھری اور بے عیب رہی تھی۔ اسے اپنے کام سے عشق تھا اور وہ اس پر ناز کرتا تھا۔

اس روز بھی وہ حسب معمول صبح سویرے میوزیم پہنچ گیا تاکہ نادر قدیم مصری نیکلس پر گہری نظر ڈال سکے۔

ساٹھ سالہ کیوریٹر کو اس نادر نیکلس کو دیکھے بغیر سکون

کرشمہ

سلیم انور

دنیا میں جس طرح عقلمند ایک سے بڑھ کر ایک پیدا کیے گئے ہیں... اسی طرح بے وقوفوں کی بھی کمی نہیں ہے... جسے اپنی ذات پر بھروسا اور خدا پر یقین نہ ہو... تو وہ ایسے ہی اپنی ان چالوں میں الجھ الجھ کر گرتا ہے جو زہ دوسروں کے لیے چلنے کی کوشش کر رہا ہوتا ہے۔ کچھ ایسا ہی کرشمہ یہاں بھی سب کی توجہ کا منتظر تھا۔

ایسی خواہش کا احوال جو ایک دیوی کے روپ میں پوری ہونے والی تھی

بیکس کا تھا اور یہی قیاس ہے کہ اسی نے بیکس سے اس کی
الفت میں اضافہ ہوتا چلا گیا تھا۔ یہ بیکس صلیب کی شکل
کا تھا اور اس کے کھودی ہاتھ میں ایک ڈوری لگی ہوئی تھی۔
اس بیکس میں ہیرے اور یاقوت جڑے ہوئے تھے۔ یہ
بیکس سونے کا بنا ہوا تھا۔ تقریباً سو برس قدیم نوادرات
میں سے ایک تھا۔

چارلی گر کر پیچھے میں رکھے ہوئے قدیم مصری اور
بیکس کا حسب عادت جڑے ہوئے جائزہ لے رہا تھا۔
اسے ایک گہری سکون محسوس ہو رہا تھا اور جب اس کی نگاہ
اچانک شیشے کے پاس میں اپنے عکس پر پڑی تو اسے یوں
محسوس ہوا جیسے وقت کا ٹھہراؤ ہو گیا ہو۔ یہ عکس اس بات
کی تصدیق کر رہا تھا کہ وہ اب جوان آدمی نہیں رہا اور
بڑھاپا اس کے جسم پر مسلط ہو چکا ہے۔ آنکھوں کے
گرد حلقے، چہرے پر جھریاں اور سر کے بالوں سے
جھڑتے ہوئے بال اور رہے سہے بال بھی ان میں بھی
سفیدی آ چکی تھی۔

ساٹھ سال کی عمر میں پہنچنے کے بعد اسے یہ احساس
ہو جانا چاہیے تھا کہ وہ ابھی ہو سکتا ہے سال تک ہی اپنے گھر میں
نوادرات کا اچھا ہونا ہے لیکن حالات سے یہ ظاہر ہو رہا
تھا کہ پیسوں کے لیے اس کی ملازمت کے دن ختم ہو گئے ہیں۔
میوزیم کی کینٹین میں ہونے والی گفتگو اس پر بری طرح اثر
انداز ہو رہی تھی۔ اسے یوں محسوس ہوا تھا جیسے قدیم نوادرات
کا ذخیرہ ہی اس کے دل میں ہیجان کا سبب
بن گیا ہو۔

"میں نے سنا ہے کہ بوڑھے چارلی کو ریٹائر کیا جا رہا
ہے۔ کیا یہ درست ہے؟" کوئی کہہ رہا تھا۔

"اچھے وقت سے پانچ سال قبل۔ بڑا خوش قسمت
ہے... لیکن یہ... البتہ وہ اپنی محنت کا صلہ پا چکا ہے۔"

اس الزام کی وضاحت اس حقیقت سے ظاہر ہو گئی
جب ڈائریکٹر... میں کو اس سے متعارف کرایا گیا تھے
انہیں ایک ایسی چیز نے سمجھا تھا۔

"ساٹھ کی عمر یہ تھا" اسے طور طریقے سمجھاؤ چارلی۔
یہ پانچ سال میں اس حد تک تیار ہو جائے گا کہ جب تم ریٹائر
ہو گے تو یہ تمہاری جگہ سنبھال لے گا۔"

"یہ لوگ مجھے زبردستی ریٹائر کر رہے ہیں۔" چارلی
نے دل ہی دل میں کہا۔ "ان کا شکی یہ ارادہ لگتا ہے کہ میں
میوزیم میں اپنی ملازمت کی مدت پوری کر لوں۔"

"ہیلو بیکس، مسٹر گیج!"

بوڑھے تم بوڑھے چارلی نے پلٹ کر دیکھا تو اس کے پیچھے
پانچ آدمی اور جوان تھا۔ ٹینا کا چہرہ اس کے سامنے تھا۔ "آ
ٹینا... گڈ مارننگ! تم جلدی کیسے آ گئے؟" چارلی نے
خوش دلی کا مظاہرہ کیا... تمہاری وردی کے کوٹ کا بٹن
ٹھیک کرتے ہوئے کہا۔

"ڈیڈی تم ہی نے تو کہا تھا کہ یہ وقت ایک اہم
اعلان ہے اور پیک کے پاس ہو جاؤں مسٹر گیج!"

چارلی کے ہونٹوں پر ایک مصنوعی مسکراہٹ ابھر کر
آئی۔ اس نے ایک طرف دیکھا۔ اپنے ڈیسک پر تیز تیز نگاہ
ڈالی۔ اس کے گلے میں پانی اور سامنے شیشے میں آنکھوں
کی چمک اس بات کی جدائی کا منظر دکھا رہی تھی۔

"یہ بیکس مسٹر گیج! آپ اسے بے حد پسند کرتے
ہیں؟" ٹینا نے معصومیت سے پوچھا۔

چارلی نے پلٹ کر اپنی پیٹھ کی طرف آنکھیں
اور بیکس پر مرکوز کر دیں۔ "ہاں ٹینا، اس کا یہ چہرہ ایسا
لگتا ہے کہ جب یہاں آئے ہوئے... کیا تم تصور
کر سکتے ہو کہ یہ بیکس ایک قدیم مصری شہزادی کے جسم کی
زینت تھا؟"

"یہ بیکس کیا ہے مسٹر گیج؟"

"ہاں، اللہ اس کی کرامات کی آگہی تھی
کہ تم نے پوچھا ہے بیکس کے۔" بیکس حسن کی دیوی
آئزس سے منسوب ہے اور اس کی نذر کیا گیا تھا۔
روایت ہے کہ آدمی نے جو کوئی بھی اس بیکس کو پہنے گا،
اسے جوانی کی دولت بخش دی جاتی ہے۔"

اس بات پر چارلی نے ٹینا کا چہرہ سرخ اور تاثرات
بدلتے ہوئے دیکھے۔ "کیا یہ کوئی جادو ہے ٹینا؟"

"نہیں مسٹر گیج! دراصل مجھے اس وقت بھی میوزیم
کے کھلنے کا وقت ہو گیا ہے۔" ٹینا نے جواب دیا۔

اور کچھ لمحوں بعد دونوں میوزیم کی کینٹین میں آمنے
سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ ٹینا کی یہ سوالیہ خاموشی کو
بوڑھے چوکیدار نے محسوس کر لیا۔ یکا یک اسے یاد آیا تھا
اس وقت اس کی جگہ لینے کے لیے ایک دعا تیز کی ہوئی تھی
لیکن اس کے باوجود وہ اپنے کام کرتا رہے گا۔

نوادرات کے ہال میں چارلی سے کینٹین میں پہنچ کر ہر طرف
دیکھا۔ مذاق اڑانے والوں کی آنکھوں کی چمک اس کے جسم
کے اندر محسوس ہو رہی تھی لیکن اسے ان میں سے کسی کی
پروا نہ تھی۔ اسے میوزیم کے نئے گارڈ کو سنبھالنا تھا جو نئی نئی

''تمہارا منہ کیوں لٹکا ہوا ہے، بین؟'' چارلی نے پوچھا۔ ''تم بلاتکلف اپنے دل کی بات مجھ سے کہہ سکتے ہو۔''

بین نے اپنی کافی کا ایک گھونٹ بھرا اور کسٹرڈ کریم کا ایک چمچا اپنے حلق سے نیچے اتارنے کے بعد بولا۔ ''معاملہ میری بیوی ٹریسیا کا ہے۔'' وہ چارلی سے نظریں ملانے سے گریز کر رہا تھا۔ ''بلکہ حقیقت میں ہم دونوں کا ہے۔''

''تم شادی شدہ ہو؟''

''ہاں۔ دو سال ہو چکے ہیں۔''

''گڈ گریف!'' چارلی کے منہ سے بے ساختہ حیرت کا کلمہ نکل گیا۔ ''لگتا تو یوں ہے جیسے تم ابھی حال ہی میں اسکول سے فارغ ہوئے ہو، بیٹے!''

''میری عمر تیس برس ہے مسٹر گریوز!''

''پلیز، مجھے چارلی کہہ کر پکارو ...... سو تمہارا اور تمہاری بیوی کا کیا معاملہ ہے بین؟''

''ہم دو برس سے اولاد کے لیے کوشش کر رہے ہیں لیکن ابھی تک کچھ آثار پیدا نہیں ہوئے۔ ہم کلینک میں اپنے ٹیسٹ بھی کرا چکے ہیں' نتیجہ یہ ظاہر ہوا ہے کہ ٹریسیا اولاد پیدا کرنے کے قابل نہیں ہے۔''

''اوہ، آئی ایم سوری بین۔''

بین نے بالآخر نظریں اٹھا کر چارلی کی طرف دیکھا اور بولا۔ ''کیا تمہارے بچے ہیں، مسٹر ...... چارلی؟''

''نہیں ...... میں نے کبھی شادی ہی نہیں کی ...... میری خواہش ہی نہیں تھی۔ تم سمجھ رہے ہو نا؟ یہ میوزیم ہی میری بیوی اور میری فیملی ہے۔'' چارلی نے کہا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے۔

''تمہیں اپنے کام سے واقعی عشق ہے۔ ہے نا؟''

''ہاں، بین! میں اس سے والہانہ عشق کرتا ہوں لیکن مجھے ڈر ہے یہاں میرا وقت پورا ہو رہا ہے۔''

''ممکن ہی نہیں چارلی! تم ایسا کیوں کہہ رہے ہو؟''

''اوہ، بس افواہیں ہیں ...... میں نے سنا ہے کہ تم نے میری جگہ لینی ہے۔''

''میں نے؟ تم نے بالکل غلط سنا ہے، چارلی ...... مسٹر موبرے نے مجھے بتایا ہے کہ میں تمہاری جگہ لینے کے لیے زیر تربیت ہوں ...... لیکن اس میں پانچ سال کا عرصہ لگے گا۔''

''واقعی؟''

''ہاں ...... میں تنخواہ میں اضافے کا کہنے کے لیے ان کے پاس گیا تھا۔ چونکہ میں ابھی جاب کری ایشن اسکیم میں ہوں اس لیے میری تنخواہ نہ ہونے کے برابر ہے ...... انہوں نے مجھے مستقل کرنے سے انکار کر دیا۔ البتہ یہ وعدہ ضرور کیا ہے کہ پانچ سال بعد جب تم ریٹائر ہو جاؤ گے تو وہ تمہارا عہدہ مجھے دیں گے۔''

چارلی زیر تربیت بین کے معصوم چہرے کو ٹٹولنے لگا۔ وہ یہ وضاحت چاہ رہا تھا کہ کہیں بین جھوٹ تو نہیں بول رہا ہے۔ ''تم ایک عمدہ کیوریٹر ثابت ہو گے، بین۔''

''تھینک یو ...... مجھے افسوس ہے کہ آج میں قدرے کھویا کھویا رہا ہوں لیکن اس کی وجہ وہ کچھ ہے جو تم نے مجھے حل کی دیوی سے منسوب اس نیکلس کے بارے میں بتائی ہے۔''

''اوہ مائی گاڈ، آئی ایم سوری بین ...... مجھے معلوم نہیں تھا......''

''میں جانتا ہوں کہ تمہیں معلوم نہیں تھا، چارلی۔ اس بات کو بھول جاؤ۔ اب کام پر واپس جانے کا وقت ہو گیا ہے۔'' بین نے اٹھتے ہوئے کہا۔

☆☆☆

اس رات چارلی اپنے بستر پر بے چینی سے کروٹیں بدلتا رہا۔ نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ اس کا بوجھل ضمیر بین کے لیے اس کی چاہت اور اس کے ذاتی مستقبل کے درمیان تقسیم ہو رہا تھا۔

وہ اپنے بستر سے نکلا اور ننگے پاؤں سیڑھیاں اتر کر نیچے آ گیا۔ اس کی پالتو ادرک رنگی بلی دوڑتی ہوئی آئی اور اس کے پیروں سے اپنے جسم کو رگڑنے لگی۔ ''کم آن آئسز، اولڈ گرل۔ دودھ کی پرچ چاہیے، ایں؟''

چارلی نے اپنے لاؤنج کی لائٹ آن کر دی اور اس نادر مصری نیکلس کی متعدد تصاویر اور تراشوں پر نظریں جما دیں جو آتش دان کے اوپر پوری دیوار پر چسپاں تھیں۔ اس نے جھک کر اپنی پالتو بلی کو تھپتھپایا۔ اس کے ذہن میں کئی شیطانی خیالات ابھر رہے تھے۔ پھر وہ سیدھا کھڑا ہو گیا اور اس قدیم نیکلس کے ایک گلوسی فوٹوگراف پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ اسے اس اصلی نیکلس کو چھونے کی شدید خواہش ہو رہی تھی۔

وہ اپنے محبوب خزانے سے اتنا قریب تر ہونے کے باوجود اسے چھو نہیں سکتا تھا، اس خیال سے اس کی انتڑیوں میں اینٹھن سی ہونے لگی۔ یہ کرب اس کے لیے اتنی اذیت کا باعث تھا کہ اس کی عقل مندی کو متاثر کر رہا تھا۔

اس نے مسکراتے ہوئے اپنی پیاسی بلی کی طرف دیکھا جو ٹھنڈے دودھ کی پیالی کی جانب لپک گئی تھی۔ ''کل

آنسو بہنے لگے۔"

☆☆☆

اگلا دن روشن اور چمک دار تھا۔

چارلی نے گین پر زور دیا کہ وہ اس کے ساتھ ورزش کرنے کے لیے قریبی پارک میں چلے۔ کیا وہ سب سے لطف اندوز ہو سکیں۔ حقیقت میں یہ صبح چارلی کے لیے خوش گوار موسم سے بالکل الگ تھی۔ پارک کا آنگن اور کھلی فضا ان کی خلوت کی ضمانت تھا جو کہ بیڈروم کا کونا مہیا نہیں کر سکتا تھا۔

چارلی نے گین کی رضامندی کے پیش نظر بیڈ روم کا دل بائیں ساتھ لے لیا تھا۔ انہوں نے گھاس کے قریب ایک ویران مقام کا انتخاب کیا اور ایک خالی تختے پر جا بیٹھے۔

"مجھے امید ہے کہ تم سمجھ گئی اور پھر سے کوشش کرتے رہو گے؟"

"ہاں، دوبارہ کوشش کے پیارے۔"

چارلی کی خوبیاں نظروں میں محسوس کرتے ہوئے وہ کچھ کشمکش سا ہوگیا تھا۔ اسے یقین تھا کہ چارلی کوئی نئی اور کوئی بات کہنے والی ہے لیکن اسے یہ یقین نہیں تھا کہ وہ اس کے جواب میں کس رد عمل کا مظاہرہ کرے گا۔ کیا اس کے پاس بیٹھ کر چارلی کی باتوں کی گہرائی کو سمجھنا ممکن ہو گا یا اس نے کچھ اور سوچا تھا۔

"لیکن تم مجھے کتنا خوش کر دیتے ہو، تنہا کسی بھی وقت جب تم ضروری سمجھو مجھے بتا سکتے ہو۔"

"میں تمہارے ساتھ ایک پر مسرت شادی شدہ زندگی گزارنا چاہتا ہوں۔" گین نے قدرے جھجکتے ہوئے کہا۔

"کیا؟ خدا را ایسا مت کہو ..... یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟" چارلی نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ "تمہارے ذہن کے کسی کونے میں اس بات کا وہم کیوں ہے کہ میں ایک ساتھ ساری زندگی گزارنا چاہتی ہوں اور میری کسی قسم کی کوئی خواہش نہیں ہے اور مجھے آئندہ بھی اسی طرح رہنے کی خواہش ہے۔"

چارلی کے اس اعتراف کے بعد گین نے قدرے اطمینان کا سانس لیا اور سیدھا ہو کر ایک لمحہ لیتے ہوئے ان پھولوں کی جانب دیکھنے لگا جو کھلی دھوپ میں ترو تازہ ان ہی کی جانب آ رہی تھیں۔ "تم نے مجھے یہاں کیوں بلایا ہے؟" اس نے چارلی سے پوچھا۔

چارلی کی جانب کرتے ہوئے ....

پھولوں کی جانب اشارہ کیا۔ "جو بات تم نے اپنی بیوی اور اپنے بارے میں اس دن مجھ سے متعلق بات کی ہے۔"

"اپنی بیوی کے بارے میں؟"

"ہاں، تم نے ہی تو کہا تھا ..... کہ وہ بچے پیدا کرنے کے قابل نہیں ہے۔"

"پلیز مسٹر ..... چارلی، میں اس بارے میں بات نہیں کرنا چاہوں گا۔"

"ٹھیک ہے، میں سمجھ سکتی ہوں لیکن مجھے بتاؤ میری بات اس بار ..... اگر وہ حمل کی وجہ کا مسئلہ تمہارے لیے حل کر دیا جائے تو ..... کیسا رہے گا؟"

گین ٹھٹکا سا گیا اور اس کے چہرے کے تاثرات سے جو اس کی شکل میں اس کے جذبے کا پتا دے رہے تھے۔ "کیا تم مجھے یہ کہنا چاہتی ہو؟" اس نے ایک بے چینی سا تصور پیدا کرتے ہوئے پوچھا۔

"کیا تم نے مجھ سے کچھ وعدہ کیا ہے؟"

"چارلی! اگر میں اس شخص کے قریب ہونے کے بارے میں سوچوں تو لگتا ہے کہ تم ایک بچہ کرنے کے قابل نہیں ہو۔" گین نے کہا۔

"اور تم؟"

"الارم سسٹم جو شخص کی حفاظت کے لیے لگا ہوا ہے۔"

"جیسا کہ تم جانتے ہو یہ الارم سسٹم آر ڈر دے کر اس کی حفاظت کا کام کر رہا ہے۔ چارلی نے آرڈر دیا ہے کہ الارم کو بند کر دیا جائے۔ اسی لیے الارم سسٹم کی چابیاں مجھے سونپ دی گئی تھیں۔ مگر تم کو معلوم ہی ہو گا کہ سب رہائی کی وجہ سے میں الارم کو ایک بار کھلنے کے بعد آن کرنا بھول جاتا ہوں۔" چارلی نے بتایا۔

"الارم سسٹم کی چابیاں تمہیں سونپی گئی تھیں؟" گین نے قدرے حیرانی کا اظہار کیا۔

"صحیح ..... لیکن صرف پچھلی کھڑکی کی چابیاں ..... اور تمہارے لیے یہ لازم ہوگا کہ تم اس بارے میں یقیناً کسی سے کوئی بات نہیں کرو گے۔"

گین نے اپنے بکھرے ہوئے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے انہیں درست کیا اور قدرے سوچنے کے بعد بولا۔ "تم نے ان تمام باتوں پر کس طرح غور کر لیا ہے؟"

"تم مجھ پر احسان کرو گے گین۔"

"کیسا احسان؟"

"یہی کہ تم تمہارے ساتھ ہو کر بھی ..... اسی طرح"

قدیم مصری نیکلس کی پوجا کرتا ہوں اور اس کو حقیقت میں استعمال میں لانے سے میرا دل خوشی سے نہال ہوجائے گا۔''

''میں اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا...... اگر ہم پکڑے گئے تو پھر؟'' بین نے اپنے خدشے کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''میری بات توجہ سے سنو، بین۔ میں تمہیں میوزیم کی فالتو چابی دے دوں گا۔ تم کل صبح خاص طور پر جلدی آجانا۔ سویرے سات بجے کیسا رہے گا؟ میں الارم سسٹم کو غیر فعال کردوں گا اور تمہارے پاس اتنا وقت ہوگا کہ تم اپنے گھر کھسک جاؤ اور وہ کام کرلو جو تمہیں لازمی کرنا ہوگا!'' چارلی نے کہا۔

''تم وہاں موجود نہیں ہوگے؟''

''نہیں، بین۔ میں نہیں سمجھتا کہ میرا کمزور دل خوشی کی اس ولولہ انگیزی کو برداشت کرپائے گا۔ تمہاری آمد سے کچھ دیر قبل میں میوزیم پہنچ جاؤں گا اور گھر واپسی سے پہلے الارم کو آف کردوں گا۔''

''مجھے حقیقت میں کیا کرنا ہوگا؟''

''تمہاری شادی کو دو سال ہوچکے ہیں اور تمہیں معلوم نہیں؟''

''نہیں...... میرا مطلب ہے کہ مجھے نیکلس کا کیا کرنا ہوگا؟''

''ملاپ سے پہلے نیکلس کو اپنی بیوی کی گردن میں پہنادینا...... سمجھ رہے ہونا؟''

''اور تمہیں مجھ پر اعتبار ہے کہ میں نیکلس لوٹادوں گا؟''

''یقیناً...... سو تم کیا کہتے ہو، بین۔ کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا اور تمہارے یہاں اگلے موسم بہار میں بچوں کی بہار کا آغاز ہوجائے گا۔''

''مجھے اس بارے میں غور کرنا پڑے گا، چارلی...... مجھے اس بارے میں اپنی بیوی سے بھی بات کرنا پڑے گی۔''

چارلی بینچ پر سے اٹھ کھڑا ہوا اور متشککہ بین کی جانب گھوم گیا۔ ''یہ دانش مندی نہیں ہوگی، بین...... اس بات سے قطع نظر کہ تمہارا فیصلہ کیا ہوگا، میں صبح الارم سسٹم کو آف کروں گا۔ میں چپکے سے غائب ہوجاؤں گا لہٰذا تم مجھے تلاش کرنے کی کوشش مت کرنا...... آٹھ بج کر پندرہ منٹ پر نیکلس مجھے لوٹا دینا اور میں اسے واپس اس کے شیشے کے کیس میں رکھ دوں گا۔ اس طرح کسی کو بھی اس بارے میں کچھ پتا نہیں چلے گا۔''

''جیسا کہ میں نے کہا چارلی، مجھے اس بارے میں اپنی بیوی سے بات کرنا پڑے گی۔'' بین نے کہا۔

''یہ ممکن نہیں ہوسکتا...... میں تمہارے لیے اتنا بڑا رسک لے رہا ہوں بین...... جتنے کم لوگوں کو ہمارے اس منصوبے کا علم ہو اتنا ہی بہتر ہوگا۔''

''کلوز سرکٹ کیمروں کے بارے میں کیا ہوگا؟'' بین نے پوچھا۔

چارلی نے اپنی انگلیوں میں دبی چابیاں لہرادیں اور مسکراتے ہوئے بولا۔ ''ماسٹر کی میرے پاس ہے، بین...... آؤ اب چلیں۔ ہم لیٹ ہورہے ہیں۔''

☆☆☆

چارلی کے معمول سے زیادہ پسینا آنے کا سبب ہوا کا بند ہونا یا سورج کی تپش نہیں تھا۔ اس نے میوزیم جانے کے لیے اس روز صبح پارک کے اندر کا لمبا راستہ اختیار کیا تھا۔ اس نے اپنی جیبی گھڑی چیک کی۔ اس وقت آٹھ بج کر پچاس منٹ ہورہے تھے۔

چارلی اس توقع کے ساتھ میوزیم پہنچا کہ وہاں پولیس کی گاڑیاں موجود ہوں گی لیکن وہاں تو سب کچھ معمول کے مطابق دکھائی دے رہا تھا۔

کیا پولیس نے ممکنہ طور پر اتنی پھرتی دکھائی ہے؟ بین اب یقینی طور پر پولیس کی حراست میں ہوگا اور بہ طور منتظم عجائب گھر اس کی ملازمت کو مزید پانچ سال کے لیے تحفظ حاصل ہوجائے گا۔

چارلی نے سیڑھیاں چڑھنے سے قبل اپنے رومال سے اپنی چمکتی پیشانی سے پسینے کو صاف کیا اور پھر جوں ہی وہ اوپر پہنچا، اسے اپنے عقب سے ایک آواز سنائی دی۔

''تم لیٹ ہوگئے، چارلی۔''

چارلی یہ سن کر حیرانی سے پلٹ گیا۔

اس کے سامنے بین کھڑا مسکرا رہا تھا۔ چارلی آہستہ قدموں سے اس طرح پیچھے ہٹ گیا جیسے بین اسے گھونسا رسید کرنے والا ہے۔

''کیا بات ہے، چارلی؟ تم بہت زدہ کیوں ہو؟''

''وہ...... وہ...... وہ نیکلس؟''

''اوہ، وہ میں نے لوٹا دیا ہے...... جب تم طے شدہ وقت کے باوجود نہیں آئے تو میں نے سوچا بہتر ہے کہ اسے میں خود واپس رکھ دوں...... یہ رہی چابی!'' بین نے چابی بڑھاتے ہوئے کہا۔

...بیا ... جو ان کے سر ... پڑا تھا لیکن کیسے
اس اجنبی لڑکے نے الارم کو آف کرنا تھا اور اسے کیسے ماسٹرز پکڑنا ہوتا تھا۔ سیکرٹ کی چابیاں چرانا ہونے کی ضرورت ہو جاتی تھی۔

چارلی کو اتنا کچھ لینے میں خواہ کچھ آ رہی تھی اور اس کی انگلیاں ادھر ادھر ٹٹول رہی تھیں۔ تیمی نے دراز کھولنے میں اس کی مدد کی۔

"چارلی! تم نروس کیوں ہو؟... فکر کی کوئی بات نہیں ہے۔ میں نے ٹھیک بالکل ٹھیک ہی جگہ ڈھونڈی ہے جہاں سے اسے اٹھایا تھا۔"

☆☆☆

دو تین دن چارلی بے حد پریشان رہا۔ اس کا ذہن [illegible] کا بھرا ادھر سے ادھر بھٹکتے رہے۔

اور [illegible] سوچ [illegible] کہ الارم کو آف کیے بغیر [illegible] کو اس کے شیشے کے باکس میں سے نکالنے میں کیسے کامیاب رہا [illegible] حرکت [illegible] اپنی [illegible] اور اس کو سراغ [illegible] لگتا ہے [illegible] کے لڑکے نے [illegible] کوئی کھیل کھیلا ہے [illegible] ایسا ہی [illegible] وہ شیشے کے کیس میں [illegible] کال سکتا تھا۔

چارلی نے اپنا [illegible] اٹھایا لیکن اس کی [illegible] ہو گئی۔ اس نے [illegible] کیا اور اس کے کانوں میں کسی کی آواز آئی۔

"ہیلو چارلی!"

"ارے مسز ہوپ...! یہاں کیا کر رہی ہو؟"

[illegible] "میں یہاں [illegible] چارلی اور لگتا ہے کہ یہاں اس [illegible] میں [illegible] رہا ہوں۔"

"ہاں، مجھے معلوم ہے لیکن"

"کیا کوئی پریشانی ہے چارلی؟"

"پریشانی نہیں... کیا ہونی چاہیے تھی؟"

"تم کچھ [illegible] میں الگ رہتے ہو... میرے خیال سے تمہاری تفصیلات [illegible] واجب ہو گئی ہیں۔ شاید مجھے [illegible] بتا دینے سے تمہاری ٹینشن کم ہو جائے۔" مسز ہوپ نے مشورہ دیا۔

"ٹھیک!" چارلی نے اپنی کیبنٹ پر [illegible] ہوئے کہا۔ "مسز ہوپ [illegible] اپنی تفصیلات [illegible] بتانا چاہتا ہوں۔"

"تمہارا یہ خیال عجیب سا ہے لیکن میرے خیال میں کہیں اس بات کو [illegible] ہے... [illegible] کہ دو نوجوان کس طرح الارم کو [illegible] سکتا ہے؟"

"[illegible] ہے لیکن وہ ایسی [illegible] ہے... حقیقت میں..."

"جب تم [illegible] جاؤ گے تو اس وقت تک وہ تمہاری جگہ لینے کے قابل ہو جائے گا۔ کیوں چارلی؟"

"اس وقت کب آئے گا مسز ہوپ؟"

[illegible] پریشان ہوتے چارلی کی طرف دیکھا اور بولا۔ "پانچ سال کے عرصے میں، اور تب؟... تمہاری [illegible] انتظار کرتے [illegible] لیکن [illegible] خیال [illegible] کہ تمہارے [illegible] ایسا [illegible] معاملہ ہے، چارلی!"

"کیا ایسا ممکن ہوگا کہ جب میں ریٹائر ہو جاؤں تو مجھے [illegible] سے مسز ہوپ؟"

[illegible] نے اپنی نظریں چارلی کے چہرے پر [illegible] "[illegible] جاؤ گی۔"

"ٹھیک چارلی!"

"[illegible] ایک [illegible] بتاؤ کہ [illegible] ہو چارلی؟"

"مسز ہوپ... مجھے الارم سسٹم کے بارے میں تشویش ہے۔"

"الارم سسٹم؟" [illegible] نے حیرت [illegible] ہوئے کہا۔

"ہاں مسز ہوپ... [illegible] یہاں [illegible] تو میرے خیال میں اسے الارم سسٹم کو چیک کر لینا چاہیے!"

"چارلی، چارلی... یہ بات تم بھی بخوبی جانتے ہو کہ سسٹم کو ہر تین ماہ کے بعد چیک کیا جاتا ہے اور اگر کوئی خرابی ہوتی بھی ہے تو وہ دور کر دی جاتی ہے... تمہارے اس اچانک [illegible] کی وجہ کیا ہے؟"

"بس مجھے یونہی خیال آ گیا تھا کہ سسٹم کو چیک کر لینا چاہیے مسز ہوپ۔"

"سسٹم ضرور چیک کیا جائے گا اگلے [illegible]... لیکن [illegible] میں... اس میں فکرمند ہونے کی کوئی بات نہیں چارلی۔"

"الارم کی [illegible] کیوں؟"

"[illegible] بھی [illegible] کیوں ہے؟"

''اس دوران بھی کبھی نہیں جس دوران بڑے پیمانے پر آرائش و زیبائش کا کام ہو رہا ہے؟''

''یقیناً نہیں۔ بھلا ہم اسے آف کیوں کریں گے؟ اب مجھے جلدی سے جانا ہوگا۔ تم سے پھر ملوں گا، چارلی۔''

چارلی کی نظریں اسٹاف کے ان دو ممبروں پر مرکوز ہوگئیں جو بلند آواز سے ہنس رہے تھے۔ اسے یقین ہوگیا کہ وہ لوگ اس کا ہی مذاق اڑا رہے ہیں۔ وہ سب کے سب مل کر اسے دھوکا دے رہے ہیں۔ اسے یقین تھا کہ مسٹر موبرے بھی ان لوگوں کے ساتھ شامل ہیں۔

چارلی کو یقین تھا کہ اپنے دل و جان سے عزیز اس قدیم مصری نیکلس کے بغیر زندہ رہنا اس کے لیے ناقابلِ برداشت ہوگا۔

اگلے تین ہفتوں تک چارلی خراب الارم سسٹم کی کوتاہی پر سخت ذہنی اذیت میں مبتلا رہا۔ دوسروں کی طرف سے ناعتباری اور شبے کا رجحان، اس کی موجودہ ذہنی کیفیت کا ایک بڑا سبب تھا۔ وہ جس طرف بھی دیکھتا، اسے یوں لگتا تھا جیسے میوزیم کا اسٹاف اس کے مخمصے پر آپس میں سرگوشیاں کر رہا ہے اور اس کا مذاق اڑا رہا ہے۔ حتیٰ کہ جب بھی مسٹر موبرے اطراف میں کہیں نمودار ہوتا تھا تو چارلی ادھر اُدھر چھپنے کی کوشش کرتا تھا۔ اسے یہی دھڑکا لگا رہتا تھا کہ کہیں مسٹر موبرے اس کی قبل از وقت ریٹائرمنٹ کی بری خبر دینے کے لیے تو نہیں آ رہا ہے۔

چارلی نیکلس کے شیشے کے بنے ہوئے کیس سے صرف چند انچ کے فاصلے پر کھڑا ہوا تھا۔ اس بیش قیمت نیکلس کو ہاتھ میں لینے کی شدید خواہش اس پر غلبہ پا رہی تھی۔ اس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ اس کا جھریوں والا ہاتھ اس خزانے سے اس حد تک قریب ہونے کے باوجود اب بھی بہت فاصلے پر تھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ وہ شدید ذہنی اذیت کا شکار تھا۔ اس کی غیر یقینی کیفیت نے اس کے دلی جذبات کو کرب میں مبتلا کر رکھا تھا۔

''چارلی، تو تم یہاں ہو!''

بوڑھے چارلی نے اپنی آنکھیں بند کرلیں اور دل ہی دل میں اس بے جا دخل اندازی پر کوسنے لگا۔ پھر اس نے اپنا چہرہ آواز کی سمت گھما دیا۔

اس کے سامنے بین کھڑا تھا۔ ''کیا بات ہے، بین؟''

نوجوان بین نے اپنی کلائی پر بندھی گھڑی کی سمت اشارہ کیا اور بولا۔ ''لنچ کا ٹائم ہوگیا ہے اور اس مرتبہ تمہیں ٹریٹ دینے کی باری میری ہے۔''

''کیا؟''

''آؤ چلیں۔ میرے پاس تمہارے لیے ایک سرپرائز ہے۔''

چارلی قدرے تذبذب کے بعد میوزیم سے نکل کھڑا ہوا اور بین کے ہمراہ پارک کی سمت روانہ ہوگیا۔ باہر کی خوش گوار فضا اور پارک میں کھیل کود میں مگن بے فکرے بچوں کی موجودگی نے بھی اس کی دلی کیفیت کو متاثر نہیں کیا اور بین کے برعکس وہ قطعی طور پر اس ماحول سے لطف اندوز نہیں ہو رہا تھا۔

بین چارلی کو ساتھ لیے پارک کی اس مخصوص بینچ تک لے گیا جہاں وہ ہمیشہ بیٹھا کرتے تھے۔ وہاں اس بینچ پر سنہری زلفوں والی ایک نازک اندام لڑکی پہلے سے بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کی آغوش میں ایک پکنک باسکٹ رکھی تھی۔

''چارلی! میں تمہیں اپنی بیوی ٹریسیا سے ملانا چاہتا ہوں..... ٹریسیا! یہ وہ شخص ہے جس کے بارے میں، میں نے تمہیں بتایا تھا..... چارلی گریوز!''

وہ دلکش لڑکی بے ساختہ مسکرادی۔ اس کے دانت بالکل پرفیکٹ تھے۔ وہ بینچ پر ایک جانب کھسک گئی تاکہ وہ دونوں بھی بینچ پر اس کے برابر میں بیٹھ جائیں۔

''مسٹر گریوز! آپ نے ہمارے لیے جو کچھ بھی کیا ہے میں اس کے لیے آپ کی بے حد شکر گزار ہوں۔'' اس لڑکی نے کہا۔

''میں نے کچھ کیا ہے؟ میں سمجھا نہیں کہ میں نے حقیقت میں تم لوگوں کے لیے کیا، کیا ہے؟'' چارلی نے قدرے حیرانی سے پوچھا۔

''چارلی! یہ حاملہ ہوگئی ہے..... اسے حمل ٹھہر گیا ہے!''

''گڈ گاڈ!'' چارلی کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ یہ سنتے ہی اس کا چہرہ سنگِ مرمر کے مانند سفید ہوگیا۔ اس کے اندر غیظ و غضب کا ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کی اسکیم پوری سنجیدگی کے ساتھ اس پر ہی پلٹ آئی تھی۔ ان بے اعتقاد لوگوں کی ہمت کیسے ہوئی کہ وہ اس کے مقدس نیکلس کی بے حرمتی کریں۔

''ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا!'' چارلی بڑبڑایا۔

ٹریسیا نے آنکھیں گھماتے ہوئے چارلی کو احسان مندی کی نظروں سے دیکھا اور بولی۔ ''یہ سچ ہے مسٹر گریوز۔ میں نے حمل کے مجوزہ گھریلو ٹیسٹ میں سے ایک ٹیسٹ کیا تھا جو کہ مثبت آگیا تھا۔ پھر میری ڈاکٹر نے بھی اس کی

صدر بن گئی ہے۔"
یہ سنتے ہی بارلی تیزی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔
"کتنی مدت اور روز زندگی سے جڑ رہا ہے تھا۔"
مجید نے دیکھا اور دلاسا دینے کے انداز میں بارلی کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ "بارلی! تمہیں ابھی تک معلوم نہیں کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ تم نے الارم والی گھڑی سے چوری تو آف کر دی ہے۔ کیا تمہیں پتا نہیں... تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے بارلی؟"
"مجھے کچھ معلوم نہیں کہ کیا ہوا ہے؟ مگر مجھے معلوم ہونا چاہیے کہ تم نے اس صندوق کو کس طرح کھولا ہے؟"
"تمہیں کیا ہو گیا ہے، بارلی... تم نے بکس چرا لیا تھا اور اب وہ غائب ہے... کیا تم یہ نہیں جانتے تھے؟"
"نہیں... نہیں... ایسا..."
بارلی نے اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ لیے اور پلٹ کر پارک کی طرف بھاگا۔ وہ اس بات سے بے خبر تھا کہ پارک میں بیٹھے والے بچے اس سے ٹکرا کر پیچھے ہٹ گئے۔ وہ مجید کی جانب دوڑتا جا رہا تھا۔
مجید نے کہا کہ ایک بار بھی وہ اس پیچھا کرے گا۔ اس کی یادیں اس کے ذہن میں نہ جانے کہاں کہاں سے آ گئی تھیں۔ اس کا جسم پسینے میں تر ہو رہا تھا اور وہ اپنے خون سے اس بات سے پہلے ہی باہر نکلا ہوا تھا۔
مجید نے جب اسے دیکھا تو وہاں کے ساتھی اور اساتذہ بھی... لوگ حیرت بھری نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔ جن میں وہ سب سے بے پروا اپنی تجسس کاروں کو نظرانداز کرتے ہوئے مجید کے کلینک میں داخل ہو گیا۔ وہ بری طرح ہانپ رہا تھا اور اس کے سینے سے سسکی کی آواز نکل رہی تھی۔ اس نے اپنا سینہ تھام رکھا تھا۔ اس کی ذہنی اذیت کی انتہا اس کی تکلیف پر حاوی ہو گئی تھی۔
سکیورٹی گارڈ کی نظریں بارلی پر مرکوز تھیں جو اس قدیم نایاب مصری بکس کو چرا کر لے جانے والے تابوت نما بکس کے پاس کی جانب بڑھ رہا تھا۔
اپنے قدیم ادوار... بکس کی جانب...
اس نے ... کے کرتا ... کی طرف ...
... اس کے ... بری طرح کپکپا رہے تھے۔
... میں اس ... بھی بار ... تھا
... کے بیٹے کی ... تھی

جن میں سکیورٹی گارڈز نے صورت حال سے باخبر کر دیا تھا۔ "یہ سب کیا ہو رہا ہے، بارلی؟ اس کا مطلب کیا ہے؟"
بارلی نے بتایا کہ کچھ کی بات یاد آتے ہی چیخ پڑا اسے نظرانداز کر دو۔ اس نے ... جاتے ہوئے ہاتھ کو دھکا دے کر بکس کے پاس کا شیشہ بھاری گرز سے اتار دیا۔
عین اسی لمحے دوسری کون چھوڑ دینے والی آواز گونج گئی۔
بارلی نے الارم کی پروا کیے بغیر ایک ہاتھ اندر ڈالا اور وہاں کشن پر رکھا ہوا قدیم مصری نایاب بکس اٹھا لیا۔ اس نے اپنے دوسرے ہاتھ سے بہ مشکل اپنا سینہ دبا رکھا تھا۔
پھر وہ گھٹنوں کے بل فرش پر گر پڑا، اس کے ہاتھ سے بکس ... نکل کر ہاتھوں سے لگ گیا اور پاؤں کے اندر اسے بھینچ لیا۔
سکیورٹی گارڈ اس کے قریب آ کر پہنچا ... اس سے پہلے کہ وہ ... ہاتھ کے اشارے سے اسے روک دیا۔
بارلی فرش پر بیٹھ کر پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ اس کی نظریں بکس پر لگی ہوئی تھیں جو اس نے اپنے سینے سے ... رکھا تھا... اس دوران اس کا پسینہ بھی خشک ہو چکا تھا۔
اس کی تمام زندگی ایک لمحے کے لیے بھی اس کی زندگی کے بھیانک ... سے گزر گئی تھی۔
"کوئی جلدی سے ایمبولینس کو فون کرے۔" سکیورٹی ... پھر وہ بارلی کے بے جان جسم کے پاس گھٹنوں کے بل جھک گیا اور اس کی نبض چیک کرنے لگا۔
☆☆☆
صبح کے وقت میں مجید کے کلاس کی ... میں ایک نوجوان بچی اس کے بل کھڑا ... کر دیا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر ... مسکراہٹ رقص کر رہی اور وہ اپنے مستقبل کے بارے میں سوچ رہا تھا۔
اس نے پارک میں جس لڑکی کو ... دیکھا تھا ... وہ بارلی سے ملا ... اس کی ... ایک ... کی ... اس نے کرنے پر حاصل کی تھی۔ اس نے ... کے ... حاصل کرنے کے لیے ... تھا کیونکہ اس کی ... شادی کی ... ہونی تھی۔

شاہکار

مہتاب خان

غور کیا جائے تو احساس ہوگا کہ اگر اداسی اور کسک کو کسی چہرے میں ڈھال کر بھیجا جاتا تو شاید وہ جھریوں زدہ بے بس انسان کا چہرہ ہوتا... جس کی ویران آنکھیں دنیا جہان کا درد سمیٹے آتے جاتے خوش باش لوگوں کو بڑی حسرت سے تکا کرتیں... یہ اداسی، کسک اور چبھن دل کو جتنا اپنی جانب متوجہ کرتی ہیں... انسان اتنا ہی اسے اپنی ذات کے لیے نظر انداز کرنے کی کوشش کرتا ہے مگر... وہ جو بہت بڑا فنکار تھا، اس کی گہری نگاہوں نے اس کی نظر کا انداز ہی بدل ڈالا تھا جب ایک ایسا ہی چہرہ اس کے سامنے اس کا شاہکار بن کر آگیا تو...

درد و اذیت کے تاثرات ابھارنے والے ایک سنگدل مصور کا ماجرا

آزر جمال اس شہر کا نامور مصور تھا..... زندگی کی حقیقتوں کی عکاسی کرتے ہوئے رنگ اور برش اس کے ہاتھوں میں آکر گویا باتیں کرتے تھے اور جب یہ شاہکار منظرِ عام پر آتے تو فن شناس جوق در جوق انہیں دیکھنے آتے اور اس کے فن کو سراہتے تھے۔ وہ اپنے فن میں منفرد انداز کا حامل تھا ملک میں اور ملک سے باہر بھی کئی بار اس کی تصویروں کی کامیاب نمائش ہو چکی تھی۔

ایک پوش علاقے میں اس کا وسیع و عریض بنگلا تھا۔

اسی سے نگری جمن کا شمار ہوتا تھا جس کی تخلیق وہ بالکل آزاد نے خود کی تھی۔ جیسا ایک مصور کا نازک سا پہلو کا تخلیق ہوتا ہے تھا۔ اس کے گھر اور آفس کی دوست جب بھی یہاں آتے اس کی مہارت دیکھ کر دنگ رہ جاتے تھے۔

اس بار آرٹسٹوں کی ایک انجمن نے مصوری کی نمائش کا اعلان کیا تھا اور ملک کے بڑے بڑے مصوروں کو اس مقابلے میں حصہ لینے کی دعوت دی گئی۔ آذر عام طور پر اس قسم کے مقابلوں سے گریز ہی کرتا تھا مگر اب نا جانے اس کے دل میں کیا آئی کہ اس نے اس مقابلے میں حصہ لے لیا۔ فنِ مصوری سے دلچسپی رکھنے والوں کی نظریں اس پر لگی ہوئی تھیں۔ وہ سب اس کی فنکارانہ صلاحیتوں سے واقف تھے۔ وہ ایک ایسا ہی باکمال مصور تھا جو زندگی کے نشیب و فراز کو بڑی باریک بینی سے جوڑ لینے کی صلاحیت رکھتا تھا اور پھر رنگ اور برش سے کسی بھی خیال کو زندہ جاوید بنا دیتا تھا۔

ان دنوں وہ کسی اچھوتے خیال کی تلاش میں سرگرداں تھا۔ اس کی بے چینی کا مرکز کینوس، رنگ، برش اور پیالوں میں بھری تھی۔ وہ ضرورت محسوس کر رہا تھا کہ اس مقابلے کے لیے وہ کسی خیال کو موضوع بنائے۔ اس کی خواہش تھی کہ کوئی ایسی تخلیق ہو، کوئی ایسا خیال ہو جو شکل پا سکے اور پھر اسے اس کا شعور مل گیا۔

جب وہ [illegible] کا مرکز [illegible] آرٹ کے کیفے کے باہر فٹ پاتھ پر لاٹھی کا سہارا لیے ایک بوڑھا تھا۔ [illegible] اس وقت آذر کی آرٹ گیلری کے سامنے [illegible] میں [illegible] ہوئی تھی۔ وہ کار کی [illegible] بیٹھا کھڑکی کے [illegible] دیکھ رہا تھا کہ اچانک اس کی نظر اس بوڑھے پر پڑی اور وہ چونک گیا۔ اس کی فنکارانہ نظریں اس شخص کا تجزیہ [illegible] رہی تھیں۔

اپنے حلیے اور وضع قطع سے وہ کوئی بھکاری لگتا تھا۔ بوسیدہ میلا کچیلا لباس، دھوپ سے اٹے ہوئے بال، ڈھلکا ہوا جھریوں بھرا چہرہ، سانولا رنگ جسے زمانے کی سختیوں نے ماند کر دیا تھا۔ وہ بار بار امید بھری نظروں سے ادھر ادھر دیکھتا تھا اور پھر مایوس ہو کر سر جھکا لیتا۔ درحقیقت اس کی آنکھوں کی ویرانی اور بے بسی نے اسے اپنی جانب کھینچ لیا تھا۔ اس نے اشارے سے اسے قریب آنے کا [illegible] بلایا لیکن [illegible] نے اس کا انتظار نہیں کیا۔ وہ خود ہی گاڑی [illegible]

اٹھ کر وہ اس کے پاس جا کھڑا ہوا۔ وہ حیران نظروں سے آذر کو دیکھ رہا تھا۔ آذر نے اس کی سوالیہ نظروں کو پڑھا مگر جلدی سے بولا۔

"بابا! آپ میرے ساتھ چلیں۔ مجھے آپ سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔" اس کی آنکھوں میں تجسس ابھر آئے۔

"فکر نہ کریں، میں آپ کو کچھ دے کر آپ کو ادھر ہی چھوڑ دوں گا۔"

"کیا بات کرنی ہے بیٹا؟" بابا نے اس خوبصورت [illegible] پہنے ہوئے [illegible] اور [illegible] نظر آنے والے شخص کی طرف حیران کن نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں آپ کو کچھ دینا چاہتا ہوں۔" اس نے اپنی جیب سے ہزار اور پانچ سو کا نوٹ بوڑھے کی طرف بڑھا دیا۔

"میں بھکاری نہیں ہوں۔" اس نے ایک شانِ بے نیازی سے کہا۔

"مجھے پتا ہے کہ آپ بھکاری نہیں ہیں لیکن آپ میرے ساتھ چلیں [illegible] آپ بہت کمزور لگ رہے ہیں۔" اس نے نرمی اور [illegible] لہجے میں کہا۔ "آپ [illegible] یہاں [illegible] پاس بیٹھے ہیں تو [illegible] ہوں گے۔ میں آپ کے کام آ سکتا ہوں [illegible] میرے ساتھ [illegible]"

وہ کچھ دیر تذبذب کے عالم میں کھڑا رہا [illegible]

"آئیں میرے ساتھ [illegible] وہ سامنے کھڑی گاڑی میں بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔" اس [illegible] ہوا تھا۔ [illegible] نے گاڑی [illegible] کے قریب روکی۔ [illegible] صاحب بھی جھجک رہا تھا۔

"بے وقوف کہیں کا۔" آذر نے دل میں سوچا۔ [illegible] عجیب [illegible] اور جب اس کے ساتھ گاڑی میں بیٹھا تو آذر کو [illegible] سکون ہوا۔

"چلو...!" اس نے ڈرائیور سے کہا۔

گاڑی آگے بڑھی تو وہ شخص کچھ گھبرا سا گیا۔

"آپ اطمینان سے بیٹھیں، میں کچھ دیر بعد آپ کو واپس یہیں چھوڑ دوں گا۔ آپ کا نام کیا ہے بابا؟" آذر نے دریافت کیا۔

"اللہ دتا۔"

"یہاں [illegible] کس [illegible] میں آئے تھے؟"

"بس صاحب جی، کیا بتاؤں ایک افتاد پڑ گئی ہے ہم پر۔ میرا بیٹا دین محمد صدر میں ایک ہوٹل پر بیرے کا کام کرتا تھا۔ اس واقعے کو تقریباً دو مہینے ہو گئے ہیں۔ اس دن کچھ لڑکے دکانیں بند کروا رہے تھے کہ اچانک پولیس آ گئی اور اس نے آتے ہی پکڑ دھکڑ شروع کر دی۔ میرا بیٹا بھی وہیں کھڑا تماشا دیکھ رہا تھا۔ انہوں نے اسے بھی دھر لیا اور پولیس اسٹیشن لے گئے۔ وہ لڑکے تو رشوت دے دلا کے چھوٹ گئے، پر میرے بیٹے کو جیل ہو گئی۔ مجھے تو جی ایک مہینے بعد گاؤں میں اس کی خبر ملی تو دوڑا چلا آیا۔ بڑی مشکل سے قرض ادھار کر کے ایک وکیل کا بندوبست کیا تھا۔ اس نے صبح دس بجے مجھے کورٹ کے گیٹ پر ملنے کے لیے کہا تھا۔ اسی کا انتظار کر رہا تھا مگر ایک بج گیا، وہ اب تک نہیں آیا۔" وہ مایوس لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"فکر نہ کریں بابا! آپ کے بیٹے کی ضمانت کا بندوبست ہو جائے گا۔"

اس کے مایوس چہرے پر امید کی کرن لہرائی۔ "آپ سچ کہہ رہے ہیں صاحب؟"

"جی بالکل سچ......"

"لیکن آپ یہ مہربانی کیوں کریں گے؟ میں تو آپ کو کچھ نہیں دے سکتا۔ بہت غریب آدمی ہوں۔ گاؤں سے آیا ہوں۔ دین محمد ہمارا واحد سہارا ہے۔ سال بھر ہی تو ہوا ہے اسے کراچی آئے ہوئے۔ بڑی مشکل سے اسے یہ نوکری ملی تھی۔"

"بابا جی! مجھے آپ سے کچھ نہیں چاہیے۔ میں مصور ہوں۔ آپ کی تصویر بنانا چاہتا ہوں! تصویر سمجھتے ہیں نا آپ؟"

"ہاں صاحب!"

"میں آپ کی تصویر بناؤں گا۔ روزانہ دو تین گھنٹے کے لیے آپ کو میرے گھر آنا ہوگا۔ جہاں آپ رہتے ہو وہاں سے میرا ڈرائیور آپ کو لے آیا کرے گا اور واپس چھوڑ آئے گا۔ کم از کم ایک دو ہفتے کا کام ہوگا۔ میں آپ کو پانچ سو روپے روز دوں گا۔ اس کے علاوہ آپ کے بیٹے کی ضمانت بھی کروا دوں گا۔ بولیے منظور ہے؟"

"میرا بیٹا آزاد ہو جائے گا؟" انہوں نے بے یقینی سے آزر کو دیکھا۔

"بالکل ہو جائے گا۔ میں آپ سے وعدہ کر رہا ہوں، مجھ پر بھروسا کریں۔ آپ کو کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔ بیٹا بھی چھوٹ جائے گا اور پیسے اس کے علاوہ ملیں گے۔"

ڈاکٹر کہہ رہے تھے ... [illegible] ... کہہ رہا تھا۔ کیا
میرا بیٹا بچ گیا بابا جی؟"

"میرا بیٹا چھوٹ تو جائے گا نا؟"

"ایک بار تم گھر آ جاؤ بابا — میرا یقین کریں۔" وہ کسی قدر جھنجھلا گیا۔

"ٹھیک ہے لیکن یہ تمہارا گھر ہے؟"

"نہیں یہ کسی اور کے والے ہیں۔"

پھر بہرے والے نے اس سے کوئی بات نہیں کی اور ڈرائیور بھی خاموش رہا۔ ڈرائیور نے اس کے اسٹوڈیو کے سامنے کار روکی۔ وہ نیچے اترا۔ بوڑھا شخص بھی جھجکتا ہوا نیچے اتر آیا۔

"آ جائیں..." اس نے بوڑھے شخص کی طرف مڑ کر کہا۔ آزر کے ساتھ وہ آگے بڑھا اور اس طلسم کدے میں داخل ہو گیا جہاں بڑے بڑے لوگ قدم رکھنا اپنی خوش نصیبی سمجھتے تھے۔

یہاں ہر طرف حسن تھا۔ بڑا ہال تھا اور اس کے چاروں طرف [illegible] تصویریں لگی ہوئی تھیں۔ بوڑھا شخص حیرت زدہ سا ہر جانب دیکھ رہا تھا۔ یہ مجسم حسینات تصویروں کی صورت [illegible] خوف زدہ سا بھی نظر آ رہا تھا۔

"آپ یہاں اکیلے بیٹھ گئے؟" کچھ دیر بعد اس نے کہا۔

[illegible] کی بات کے دوسرے حصے میں [illegible] میرا [illegible] جہاں میں کام کرتا ہوں [illegible] اس نے ایک جانب صوفے پر [illegible] بوڑھا شخص جھجکتے ہوئے وہاں بیٹھ گیا تو وہ دوبارہ اپنا کام میں مصروف ہو گیا۔ وہ مصور تھا اور اس کی نظر اپنے شاہکار پر جمی ہوئی تھی۔ وہ گہری نظروں سے اس شخص کا جائزہ لے رہا تھا اور وہ اس کی نظروں کا [illegible] محسوس کر رہا تھا۔ پھر آزر نے کیمرا سنبھالا اور مختلف زاویوں سے اس کی تصویریں اتارنے لگا۔

اس نے بوڑھے کی درجنوں تصویریں اتاریں [illegible] وہ مطمئن نظر آ رہا تھا۔ آج کا کام بس اتنا ہی تھا۔ ان تصویروں میں سے اس نے کوئی ایک پوز منتخب کرنا تھا اور اس کی مدد سے تصویر بنانی تھی۔

"[illegible] بابا جی [illegible]"
[illegible] بابا کی طرف [illegible]

"آپ کو یہاں ایک ہفتہ آنا ہوگا اور [illegible] روپے ملا کریں گے۔"

"روزانہ..." بابا کی آواز لرز گئی۔ "اور میرا بیٹا؟"

"ہاں، وہ ایک ہفتہ... میں وکیل سے بات کرتا ہوں۔" اس نے بابا کی تسلی کی۔ [illegible] موبائل نکال کر وکیل سے بات کرتا رہا، پھر فون بند کر کے اس نے کاغذ پر وکیل کا ایڈریس اور فون نمبر لکھ کر بوڑھے شخص کی طرف بڑھا دیا۔

"آپ کل صبح اس ایڈریس پر پہنچ جائیں اور وکیل صاحب سے مل لیں۔ انھیں میں نے سمجھا دیا ہے۔ آپ کا بیٹا چھوٹ جائے گا۔ ابھی آپ [illegible] ڈرائیور آپ کو ٹھکانے پر چھوڑ آئے گا اور کل اسی وقت آپ کو لینے آئے گا۔"

آزر نے ڈرائیور کو بلا کر اسے اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ وہ بابا کو اس کے گھر چھوڑ دے [illegible] اچھی طرح اطمینان کر کے [illegible] اس شخص کی [illegible] جب تک اس کی [illegible] اس [illegible] نہیں کر سکتا تھا۔

ان کے جانے کے بعد [illegible] اور ان [illegible] سب سے پہلے [illegible] کرنے لگا [illegible] بہرحال اس نے کوئی سوچ بچار کے بعد ایک تصویر منتخب کر لی اور اس پر کام شروع کر دیا۔

دوسرے دن [illegible] وقت [illegible] بابا جی آ گئے [illegible] کسی قدر مطمئن نظر آ رہا تھا۔

"[illegible] بابا جی! کیسے ہیں آپ؟"

"[illegible] بہت خوش ہوں بیٹا... آج آپ کے وکیل نے [illegible] ضمانت [illegible] گھر آ گیا ہے۔ آپ کا بڑا احسان ہے۔ [illegible] ایک بیٹے سے [illegible] کام [illegible] آپ کے ایک فون نے کر دیا۔"

"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے بابا جی... چلیں اپنا کام شروع کرتے ہیں۔"

بابا جی کی باتیں اس کے لیے [illegible] تھیں۔ اس نے [illegible] بیٹے [illegible] کر چکا تھا اور [illegible] شروع کر دیا۔

[illegible] کام کر رہا تھا۔ اس کی [illegible]

نگاہوں میں پیار تھا، ستائش تھی...... وہ ایک فنکار کی نظریں تھیں۔ وہ ان کے چہرے کو اپنی آنکھوں میں اتار رہا تھا اور اس کے ہاتھ اسے کینوس پر منتقل کر رہے تھے۔

کچھ دیر ہوئی تھی۔ وہ اپنے کام میں منہمک تھا کہ بابا کچھ بے چین سا ہوا۔

"کیا ہوا بابا؟"

"تھک گیا ہوں بیٹا۔"

"چلیں تھوڑی دیر آرام کرلیں پھر کام شروع کریں گے۔"

بابا آرام دہ صوفے پر آکر بیٹھ گیا۔ آزر نے ملازم سے چائے منگوائی۔ وہ دونوں بیٹھے چائے پی رہے تھے جب بابا نے کہا۔

"مجھے ایک بات سمجھ نہیں آئی کہ آپ کو میرے اس جھریوں بھرے بوڑھے چہرے میں کیا نظر آیا تھا؟"

"ارے بابا جی! ایک فنکار کی نظریں ہی ان لکیروں کو پڑھ سکتی ہیں جو آپ کے چہرے پر نمایاں ہیں۔ ان میں ایک داستان لکھی ہوئی ہے۔"

"بیٹا!" تیسرے دن بابا نے اسے مخاطب کیا تھا جب وہ انتہائی انہماک سے تصویر بنا رہا تھا۔

"ہوں......"

"ایک ضروری بات کرنی تھی آپ سے۔" وہ امید بھری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا لیکن آزر کا ذہن تصویر میں الجھا ہوا تھا۔ اس نے بڑے سپاٹ انداز میں کہا۔

"کام ختم کرلیں پھر آپ کی بات سنوں گا۔" وہ کچھ مایوس سا نظر آیا، اس کے کندھے جھک گئے۔

"اب کیا ہوا؟" آزر جھلا کر بولا۔

"تھک گیا ہوں بیٹا...... بڑھاپے میں اتنی دیر بیٹھا نہیں جاتا۔"

آزر نے گہری سانس لی۔ "ٹھیک ہے، چند منٹ آرام کرلیں۔" اس نے پنسل رکھ دی اور خود اپنی کرسی پر جا کر بیٹھ گیا۔

"جی، کیا ضروری بات کرنی تھی آپ کو؟"

"میرے بیٹے کو وہ ہوٹل والا دوبارہ نوکری پر نہیں رکھ رہا۔ کہتا ہے تجھے جیل ہو چکی ہے، اب تیرا اعتبار نہیں ہے۔"

"تو پھر......؟" آزر کا ذہن تصویر میں الجھا ہوا تھا۔

"آپ کے تو بہت سارے جاننے والے ہوں گے۔ اسے کہیں ملازمت دلوادیں۔ پوری دس جماعت پاس ہے۔" بابا فخریہ انداز میں بتا رہا تھا۔

"دین محمد میرا سب سے بڑا بیٹا ہے۔ اسی نے جی گھر سنبھالا ہوا ہے۔ گاؤں میں تھوڑی سی زمین ہے۔ اس سے گزارہ نہیں ہوتا۔ اسی لیے وہ یہاں آ گیا تھا۔ اچھا خاصا کام کر رہا تھا ہمارے بھی دن بدلنے لگے تھے کہ یہ افتاد پڑ گئی۔" بابا مسلسل بولے جا رہا تھا اور آزر اسے خالی الذہنی کی سی کیفیت میں دیکھ رہا تھا۔

"کتنے بچے ہیں آپ کے؟" کچھ دیر بعد آزر نے پوچھا۔

"پانچ ہیں...... تین بیٹیاں اور دو بیٹے۔ بیٹی کی شادی کرنی ہے۔ ہم غریب لوگ ہیں۔ میں بیمار رہتا ہوں۔ پہلے کھیتی باڑی کرلیتا تھا مگر اب بیماری کی وجہ سے نہیں کرسکتا۔ گھر کا پورا بوجھ دین محمد نے اٹھایا ہوا ہے اور اب وہ بھی بے روزگار ہو گیا ہے۔"

"اپنا علاج کیوں نہیں کراتے بابا جی۔" آزر نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"علاج کے لیے پیسے کہاں سے لاؤں؟"

"میں جو پیسے دیتا ہوں آپ کو، ان سے علاج کروائیں۔"

"دوا سے زیادہ روٹی ضروری ہے صاحب۔ میں نے تو سوچا تھا کہ بیوی بچوں کو یہاں لے آؤں گا مگر دین محمد کی نوکری چلی گئی۔ اس کا کچھ انتظام ہو جائے تو......" وہ امید بھری نظروں سے آزر کی طرف دیکھنے لگا کہ شاید وہ کچھ بولے گا مگر آزر ایک برش اٹھا کر صاف کرنے لگا۔

"اچھا کچھ کرتے ہیں۔" وہ کافی دیر بعد بولا۔ "چلیں اب کام شروع کریں۔"

وہ خاموشی سے اسی پوزیشن میں آ کر بیٹھ گیا جیسا کہ آزر چاہتا تھا۔ ایک گھنٹا ہو گیا اسے بیٹھے بیٹھے، تب وہ اچانک بول پڑا۔ "جیسے ہی دین محمد کا کام لگے گا میں بیوی بچوں کو شہر لے آؤں گا پھر ہم یہیں رہ بس جائیں گے۔"

"ایں......" آزر اسے خالی خالی نظروں سے دیکھنے لگا۔ اس کا انہماک ٹوٹ گیا تھا۔ "چلیں جی آج کے لیے اتنا ہی...... باقی کام کل مکمل کریں گے۔"

دوسرے دن بابا آیا تو آزر اسے دیکھ کر پہچان نہیں سکا۔ آج اس نے بلو رنگ کا صاف ستھرا لباس پہنا ہوا تھا۔ اس کا حلیہ ہی بدل گیا تھا۔ وہ کچھ خوش بھی نظر آ رہا تھا۔ اسے خوش دیکھ کر آزر پریشان ہو گیا۔

"یہ کیا حلیہ بنا کر آئے ہیں آپ؟" وہ جھنجلائے

ہوئے انداز میں بولا۔

"کہیں گیا ہوا؟ کیا گھر سے ہو کر آئے ہو۔" وہ معصومیت سے بولا۔

آذر مزید گھبرا کر بولا۔ "یہ کیا کیا آپ نے... اپنا حلیہ ہی بدل لیا۔ آج کام کیسے ہو گا۔"

"میرا حلیہ کیا ہوا ہے صاحب.... گھر گیا تھا۔" وہ حیرت زدہ سے لہجے میں بولا۔

"ہاں، تصویر بننے تک تمہیں اسی حلیے میں رہنا ہے۔ اسی حلیے میں ہو کر آ جاؤ۔ میں انتظار کر رہا ہوں، جلدی کرنا۔"

اس کے چہرے کی چمک ماند پڑ گئی۔ وہ منٹ کے اندر کمرے سے واپس لوٹ گیا۔ اس دن کا کام کافی دیر سے شروع ہوا تھا۔ وہ آیا تو بہت اداس تھا اور پھر اسی اداسی میں بیٹھا رہا۔ دوپہر کے وقت وہ اسی اداس چہرے کے ساتھ اجازت لے کر چلا گیا۔

"آذر، میں نے سوچا تھا کہ اسے کہیں دیکھ کر گھر والی بھی خوش ہو جائے گی... اب تو تصویر مکمل ہونے تک گاؤں جاؤں۔"

اس دن کام جلدی ختم ہوا تو اس نے اجازت چاہی۔

"ہوں..." آذر نے ہنکارا بھرا۔

"سوچ رہا ہوں چلا جاؤں۔"

"ٹھیک ہے۔" اس نے جواب دیا۔ اور پھر اس کے چہرے سے آذر کو لگا کہ وہ خاموش ہو گیا۔

"مجھے جانے کا کہہ کر کام مکمل ہونے کے بعد... مجھے اجازت دیں آپ ہر وقت"

دوسرے اور تیسرے دن بھی مکمل خاموشی میں کام ہوتا رہا اور اس نے کچھ نہ کہا لیکن اب اس کے چہرے پر پہلی والی اداسی لوٹ آئی تھی۔

آذر نے اس کے چہرے کے سارے تاثرات تصویر میں سمو دیے تھے۔ تصویر مکمل ہو گئی تھی۔

"بس بابا جی! آپ کا کام ختم۔" اس کی طرف اس تصویر کے پیچھے ہوئی تھی جس میں بس اب رنگ بھرنا باقی تھا۔

"میں جاؤں؟" وہ کچھ جھجکتے ہوئے بولا۔

"ہاں، تم جا سکتے ہو۔" اس نے پانچ سو کا نوٹ اس کی طرف بڑھایا۔ ... وہ نوٹ لے کر کمرے سے نکل گیا۔ "شکریہ صاحب۔"

"بس صاحب مجھے بتا دیں کام ہو گیا ہو تو"

"آپ گاؤں سے ہو کر آ جائیں پھر دیکھتے ہیں۔"

تصویر بنتا کے آگے دیکھتے ہوئے بولا۔

"بتا مجھ کو اس گلی سے آ کر بولا؟" وہ امید بھری آواز میں بولا۔ خوشی سے اس کی آنکھیں چمک گئی تھیں۔

"ہاں۔" وہ تصویر کے ساتھ کی نظروں سے دیکھتے ہوئے سپاٹ لہجے میں بولا۔

وہ پیچھے سے بڑھ کر چلا گیا۔ تصویر مکمل ہو گئی تھی۔ حسرت و یاس کی تصویر۔ اس تصویر میں آذر نے انسان کی بے بسی شامل کی تھی۔ دل میں چھپا درد، آنسو، اس نے تصویر میں سمو دیا تھا۔

تصویر نمائش میں رکھتے ہی لاکھوں نگاہوں کا مرکز بن گئی۔ دیکھتے ہی دیکھتے دیکھنے والوں کے دلوں پر چھا گئی۔ اس تصویر کو دیکھ کر ہر کوئی تعریف کر رہا تھا۔ آذر کو عالمی سطح پر ایک پہچان مل گئی تھی۔

پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا میں اس کے فن پر تبصرے ہو رہے تھے۔ اس کے انٹرویو ہو رہے تھے۔ کسی نے کہا فن کار سے فن کا اظہار ہوتا ہے۔ آذر ایک عظیم فن کار ہے۔ وقت کی چمک نے اسے اندھا نہیں کیا جس کا ثبوت تصویر ہے۔ وہ وقت قید ہو گئے تھے۔ اس کا دل انسانیت کے دکھوں سے لبریز ہے۔ آذر لوگوں کے درد کی بات کرتا ہے اور ہر ایک کا درد دل سے محسوس کرتا ہے۔ آذر نے اس درد کو محسوس کیا اور خون دل سے اس شاہکار کو تخلیق کر کے سب کے سامنے لا رکھا۔

لیکن ہو گیا تھا۔ اس تصویر کو ہول تک پہنچا کر آذر کو چاروں طرف سے پذیرائی ملی۔ انٹرویو، ٹی وی شوز، اخبارات، رسالوں نے پہلی صفحے پر جگہ دی اور اخباری رپورٹروں نے گھیرا ہوا تھا۔ لوگ اس کے ساتھ تصویریں کھنچوا رہے تھے۔ اسی وقت ایک ٹی وی رپورٹر اس کے قریب آیا اور کہا۔

"مسٹر آذر! مجھے اپنے چینل کے لیے آپ سے کچھ سوال کرنے ہیں۔"

"کیا فرما رہے ہیں؟" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"آپ کو یہ خیال کہاں سے آیا؟ میرا مطلب ہے یہ تصویر بنانے کا آئیڈیا؟"

"یہ ایک حقیقت ہے۔"

"یعنی آپ نے کسی کو دیکھ کر بنایا تھا؟" رپورٹر نے پوچھا۔

"ہاں!"

"کون ہے وہ؟ وہ کہاں ہے؟"

یہاں وہ رک گیا۔ اس کی نظروں میں گاؤں والے بابا جی

سے بھرا پڑا ہے۔ اسے غربت و افلاس نے یہ روپ بخشا تھا۔ آپ اسے تلاش کریں، کسی سڑک یا گلی میں ضرور مل جائے گا۔''

''آپ نے صرف ان بابا جی کی تصویر ہی بنائی ہے یا ان کی غربت بھی دور کی ہے۔ آپ خاصے دولت مند بھی ہیں؟''

رپورٹر نے ایک تند و تیز سوال کیا۔

''ایکسکیوزمی...... آزر صاحب! آپ اس تصویر کو فروخت کریں گے؟ سیٹھ رزاق باٹلی والا اس کی منہ مانگی قیمت ادا کرنے کو تیار ہیں۔ میں ان کا منیجر ہوں۔''

اسی وقت ایک وجیہہ نوجوان نے اسے اس نازک سوال سے بچالیا تھا۔

''جی نہیں، میرا اسے فروخت کرنے کا کوئی ارادہ نہیں۔'' اس نے ایک شان سے کہا اور آگے بڑھ گیا۔

نمائش ختم ہوئے دو ہفتے گزر چکے تھے۔ وہ اس تصویر کی بڑی بڑی آفرز ٹھکرا چکا تھا۔ ان میں سیٹھ رزاق باٹلی والا کی شاندار آفر بھی شامل تھی لیکن سیٹھ صاحب نے ہار نہیں مانی تھی۔ وہ تو اس کے سر ہی ہو گئے تھے اور آج بھی وہ اسی سلسلے میں اس کے گھر آئے تھے اور اس وقت اس کے سامنے اس کے اسٹوڈیو میں بیٹھے تھے کہ اسی دوران ملازم اندر آیا اور کہا۔

''صاحب! وہ بابا آیا ہے۔ اس سے پہلے بھی دو تین بار آچکا ہے۔ آپ سے ملنا چاہتا ہے۔ صبح سے گیٹ پر بیٹھا ہے۔''

''میں نے انہیں بتا تو دیا تھا کہ اب ان کی ضرورت نہیں ہے۔ ان کا کام ختم ہو گیا ہے۔ جاؤ ان سے کہہ دو کہ اب ان کی ضرورت نہیں ہے۔''

کچھ دیر بعد ملازم پھر واپس آ گیا اور بولا۔ ''وہ کہہ رہے ہیں کہ انہیں اپنے جس بیٹے کی نوکری کی بات کرنی تھی کل رات اس کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔ اس کے علاج کے لیے...... انہوں نے آپ کو گاڑی میں آتے دیکھ لیا ہے۔ وہ آپ سے ملنے کے لیے بضد ہیں، ایک بار مل لیں۔''

وہ ملازم کو خونخوار نظروں سے گھورنے لگا۔ ''اب تم مجھے بتاؤ گے کہ مجھے کیا کرنا ہے۔''

''نہیں سرکار!'' ملازم گھبرا گیا۔

''میں نے کسی کا ٹھیکا نہیں لیا تمام عمر کے لیے دوبارہ مجھے ان کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں ملنی چاہیے۔'' اس نے غراتی ہوئی آواز میں کہا۔

سیٹھ رزاق اپنی شاندار گاڑی کے پاس مایوس کھڑے منیجر سے کہہ رہے تھے۔

''کسی طرح اسے تیار کرو یعقوب...... مجھے ہر صورت میں یہ تصویر چاہیے۔ کم بخت نے کیا چیز بنائی ہے کہ لوگ دیوانے ہوئے جا رہے ہیں۔ مجھے تو خیر آرٹ کی کوئی سمجھ نہیں مگر اپنے اسٹیٹس کے لیے یہ چاہیے۔''

''وہ تصویر بیچنے کے لیے تیار نہیں ہے سر! آپ نے بھی بات کر کے دیکھ لی۔''

''ارے بابا اسی لیے تو تمہیں کہہ رہا ہوں، کوئی چکر چلاؤ، اسے راضی کرو کچھ بھی کر کے...... یہ تصویر مجھے چاہیے بس۔ یہ ڈرائیور کہاں مر گیا؟''

''ابھی دیکھتا ہوں سر۔'' یعقوب آگے بڑھ گیا۔

ڈرائیور گیٹ کے پاس کھڑا تھا جہاں ملازم بابا جی سے بات کر رہا تھا۔

یعقوب نے ڈرائیور کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ''تم یہاں کھڑے ہو اور سیٹھ صاحب اتنی دیر سے گاڑی کے قریب کھڑے تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔''

اسی وقت اچانک اس کی نظر بابا پر پڑی اور وہ ٹھٹکے میں رہ گیا۔

''ارے یہ تو وہی ہے تصویر والا بابا...... بالکل وہی ہے۔'' یعقوب، بابا کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

ڈرائیور جا چکا تھا۔ یعقوب بھی دوڑتا ہوا گاڑی کی طرف بھاگا۔ ''سر! وہی ہے...... وہی تصویر والا بابا ادھر گیٹ پر۔ آج تو اس کے چہرے پر تصویر سے زیادہ حزن و ملال ہے...... جانے کیا دکھ پالا ہے اس نے......''

وہ سیٹھ صاحب کے قریب پہنچ کر بولا پھر ان کی گھورتی ہوئی نظروں کو دیکھ کر سنبھل گیا۔ ڈرائیور نے جلدی سے دروازہ کھولا۔ سیٹھ رزاق گاڑی میں بیٹھ گئے اور یعقوب کو اشارے سے اپنے پاس بلایا اور کہا۔

''تم نرے گاؤدی ہو۔ مجھے تصویر چاہیے تصویر والا بابا نہیں۔ اس بابا کو تو دیوار پر نہیں لٹکا سکتا نا۔ گدھا کہیں کا۔ چلو ڈرائیور۔''

سیٹھ صاحب کی سیاہ مرسیڈیز تیزی سے بوڑھے شخص کے سامنے سے گزر گئی اور وہ شاہکار...... جس نے ایک تصویر کو زندگی دی، آج گویا خود بے جان سی شے بن چکا تھا۔

صلح جو

ملک صفدر حیات

سمندر کی تہ میں اترنے والے غوطہ خور خود کو چاہے کتنا ہی ماہر کیوں نہ سمجھ لیں مگر جس دلدل میں اترتے ہیں تو ساری مہارت دھری کی دھری رہ جاتی ہے جیسے کہ وہ ملوث خود کو عقل کل سمجھ کر جرائم کا بازار گرم کیے ہوئے تھے مگر جب قانون کی عقابی نگاہوں میں آئے تو لاکھ پردہ پوشی کی باوجود شک شبہ کی بنیاد پر حیوان کی تفتیش نے سخت نگاہوں کو اسی طرح موڑ ڈالا کہ... جہاں سب ہی بڑی بڑی کڑیاں کتنے ہی جرائم کا پردہ چاک کر گئیں۔ کسی مجرم کے پہلے جرم کی وجہ اس کو تلاش بنانے اور اس کے ماضی کو کھنگالنا ہوگا... کیونکہ وجہ بھی وہیں کہیں چھپی بیٹھی ہوتی ہے۔ وہ خود بھی ان کے دوپ میں سمانے کے مانند شاند [illegible] بالآخر انجام ابو کے ہی سائے کی مانند مٹا [illegible] [illegible]

[illegible]

[illegible]

وہ ایک جنگ بہت بڑی تھی۔ ہیروئن کا بیوپاری تھا۔ ایک عام انسان جو ایسے ماحول اور قتل کی ... جو بچے گئے تھے ... [illegible] ... [illegible] اس کے ساتھ تیار تھی۔

اسی وہ معمولی کہ وہ ایک لڑکی کے لحاظ سے نجی آنسو نما بہتے رہا ... [illegible] ... جس کے اندر ... ایک گاڑی رکی تھی۔

اس رات [illegible] ... [illegible] ... اور پھر ... [illegible] ... [illegible] ... سب کچھ ٹھیک تھا۔

[illegible]

تم نے شکیل سے کہا کہ [illegible] ... اس نے ... خان صاحب نے [illegible] ... [illegible]

جب بھی بھونچال سے پہلے اچھا کرے گی بات ہوتی۔ ... [illegible] ... ایک [illegible] ... [illegible] ... وہ اس سے واقف نہیں تھا اس نے پوچھ لیا۔

”کون ہیں یہ خان صاحب؟“

”یوسف خان صاحب جناب غلام مصطفیٰ کے بیٹے ہیں!“ شکیل نے سر ہلاتے ہوئے بتایا۔

”ایک کے ... [illegible] ... کس کام سے [illegible]“ شکیل نے استفسار کیا۔ ”گاڑی [illegible]“

[illegible]



"کسی لڑکی کے اغوا کا معاملہ ہے ملک صاحب۔"
کاشف نے بتایا۔
"اچھا وہی چلبلی سی لڑکی اپنی باجی کی بھانجی؟" میں نے اپنے چہرے کو اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "فون کی وجہ سے وہ اپنی ڈیوٹی پالی ہوں گی۔"
"جی کے سر..." کاشف نے فوراً میرے سوال کا جواب دیا تھا۔
کاشف کے ساتھ ساتھ میں نے اردو میں اپنا انداز مخاطب تبدیل کر لیا۔ ایسے ہی ایمرجنسی حالات کے لیے میں نے اپنا ایک انتظام تھانے میں بھی سنبھال کر رکھا ہوا تھا تاکہ بوقت ضرورت کام آسکے۔ سابقہ تجربات میں اکثر ایسے حالات بھی آجایا کرتے تھے کہ آج تک اس کی مثال نہیں ملتی تھی۔
میں تھانے پہنچا تو سب تیار کرنے کے بعد اپنی کرسی پر جا بیٹھا پھر تھوڑے سے ہی وقت میں ایک ادھیڑ عمر کا شخص میرے پاس لایا گیا۔ وہ کئی بار ادھر ادھر سے کسی بات کا سرا تلاش کرتا خان صاحب سے ملا اور نظر آتا تھا۔ اسی کے پیچھے ایک باریش سا فرد تھا... ڈپٹی شان دار اور ... بھٹا خان نامی حاضر کی شخصیت کا مالک تھا۔ ان دونوں کے ساتھ ایک عورت ... حالت میں شامل ایک ادھیڑ عمر شخص کی حالت کی دیکھ کر ... کا اندازہ کیا۔
وہ ہانپتا ہوا جب کمرے میں آیا تو میرے سامنے بیٹھ گیا۔ میں نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ کاشف نے ہی بتایا تھا کہ وہ اس لڑکی کے والد ہیں۔ معاملے کو اگر تو نے پہچانا ہے لیکن یہ معلومات کافی نہیں۔ میں آنے والوں کی بات بار بار سننا چاہتا تھا۔ میں نے باری باری ان کے چہروں کو غور سے دیکھا اور پوچھا۔ "ہاں بھئی... کیا معاملہ ہے؟"
"تھانے دار صاحب!" بھٹے خان نے سب کی نمائندگی کرتے ہوئے قدرے بے بسی سے کہا۔ "محلوں کے چند بدمعاش ہماری بیٹی کو اغوا کر لیا ہے۔ ہم اسی واقعے کی رپورٹ درج کرانے آپ کے پاس آئے ہیں۔"
"میں کرم دین ہوں جی۔" پہلی صورت والا شخص بھٹے خان کی تائید کرتے ہوئے لرزاں لہجے میں بولا۔ "میری بیٹی صوفیہ اغوا ہو گئی ہے سرکار۔"
اب سمجھ میں آیا کہ اس بندے کی حالت ایسی غیر کیوں ہو رہی تھی۔ میں نے ... کرم دین کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے گہری سنجیدگی سے پوچھا۔

"کرم دین! کیا نام ہے تمہاری لڑکی کا؟"
"صالحہ..." وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "گاؤں میں سب اسے "صالحی" کہتے ہیں۔"
"صالحہ کب سے غائب ہے؟" میں نے معمول کا سوال کیا۔
وہ بھی کچھ ٹھیک بولا۔ "آج کل قریب سے گھر سے غائب ہے۔"
"میں نے تو رو رو کر اپنی آنکھیں اندھی کر لی ہیں تھانے دار صاحب!" ان کے ساتھ آنے والی فربہ اندام عورت نے روہانسی آواز میں بتایا۔ "جتنی جلدی ہو سکے آپ میری صالحہ کو ڈھونڈ نکالیں گے۔ وہ بھی تو رو رو کے مر گئی جان کو روئے ہوں گی۔"
اس محنت سے کہنے کا ام اکیلا یا ماں معلوم ہوا کہ بتایا گیا وہ گمشدہ صالحہ کی ماں تھی۔ بات ختم کرتے ہی وہ پھر سے دہاڑیں مار مار کر بلند آواز سے رونا شروع کر دیا تھا۔ اس صورت حال نے مجھے عجیب سی الجھن میں ڈال دیا تھا، ورنہ تو میں کچھ اور ہی سمجھ بیٹھا تھا۔
"دیکھو بی بی! ... رونے دھونے سے مسئلے حل نہیں ہوا کرتے، میں جلد از جلد تمہاری بچی کو بازیاب کرا لوں گا۔"
"بہت اچھا، آپ کو جتنے کی بھی ضرورت ہے۔" کرم دین نے التجا کی۔ "میری اکلوتی بیٹی غائب ہو گئی ہے۔ میری تو کمر ہی ٹوٹ گئی ہے تھانے دار صاحب!"
"کسی پر شک ہے؟" میں نے پوچھا۔ "اور یہ کب سے غائب ہوئی ہے؟"
بھٹے خان نے کہا۔ "جی تھانے دار صاحب! یہ تھوڑا سا معاملہ ہے۔ یہ گاؤں کے چند اوباش لڑکوں نے کیا ہے۔ آپ انہیں گرفتار کر کے ان سے پوچھ گچھ کریں گے تو..." کرم دین نے پھر سے کہا۔ "میں نے ... کی ہی بات مکمل کر سکتے ہو سکے ہو۔"
"کرم دین صورت میں مجرم ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کی جاتی ہے۔"
مجھے پہ انداز دکھا کر کہتے ہیں۔ اسی وقت محسوس ہوا کہ بھٹا خان کسی فکر میں کسی پہلو پر الجھ رہا تھا۔ اس کا انداز مجھے ناگوار گزرا اور میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کڑے لہجے میں سوال کیا۔
"خان جی! آپ کی بات کا مطلب کیا ہے؟"
"میرا خیال ہے آپ مطلب سمجھ گئے ہیں۔ ... آپ تھوڑا سا اور ... کہ آپ بھی ... سے زیادہ ہیں۔"

''میں تو آپ کی بات کا مطلب اچھی طرح سمجھ گیا ہوں۔'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''لیکن لگتا ہے، آپ کو میرے حوالے سے کوئی بدگمانی ہوئی ہے......!''

میرے لہجے میں بلا کی کاٹ تھی۔ وہ جزبز ہو کر رہ گیا۔ تاہم کچھ بولا نہیں۔ میں نے اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

''خان جی! جب میں اس کرسی پر آ کر بیٹھتا ہوں نا...... تو ذات پات اور برادری اور رشتے داری جیسے سارے تعلق ناتے میرے دل و دماغ میں موجود نہیں ہوتے۔ میں کسی مجرم کو کوئی خاص رعایت دینے یا کسی بے گناہ کے ساتھ... خوامخواہ کی دشمنی کرنے کا قائل نہیں ہوں لہٰذا اس خیال کو ذہن سے جھٹک دیں کہ اگر کوئی مجرم ملک برادری سے تعلق رکھتا ہے تو میں اس کے ساتھ کسی قسم کی نرمی کا برتاؤ کروں گا اور اگر وہ کوئی خان بہادر ہے تو میں اس کے ساتھ سختی اپناؤں گا۔ امید ہے، میری بات بہت اچھی طرح آپ کی سمجھ میں بیٹھ گئی ہوگی!''

میرا آخری جملہ طنز میں بجھا ہوا تھا۔ وہ بہ مشکل تمام برداشت کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولا۔ ''بس تھانے دار صاحب! میں تو یہ چاہتا ہوں کہ انصاف کے تقاضے پورے ہوں۔''

''انشاء اللہ......'' میں نے پُرثوق انداز میں کہا۔ ''جہاں تک میرا اختیار اور دسترس ہے، انصاف ہی ہوگا۔ اللہ کے حکم سے میں بہت جلد کرم دین کی بیٹی کو ڈھونڈ نکالوں گا اور اسے اغوا کرنے والے شخص کو عبرت ناک سزا دلوانے کے بعد ہی سکون کی سانس لوں گا۔''

''میں تو فرید کے ٹوٹے کر کے بھوکے کتوں کے آگے ڈال دوں گا۔'' ان میں موجود ایک نوجوان نے طیش کے عالم میں کہا۔ ''ایک بار وہ میرے ہتھے چڑھ جائے، اس کی وہ حالت کروں گا کہ سوتے جاگتے اس کی زبان پر ایک ہی نام ہوگا...... اچھو جٹ...... اچھو جٹ!''

میں نے اس جوشیلے نوجوان کی دھمکی آمیز باتوں کو نظرانداز کرتے ہوئے قدرے سخت لہجے میں استفسار کیا۔ ''برخوردار! اچھو جٹ تم ہی ہو؟''

''جی تھانے دار صاحب!'' وہ سینہ پھلاتے ہوئے فخریہ انداز میں بولا۔ ''میرا نام اسلم عرف اچھو جٹ ہے۔ لوگ تو میرا نام سن کر ہی خوف زدہ ہو جاتے ہیں۔ اس چوہے کم ذات فرید کی ہمت کیسے ہوئی میری بہن کو میلی نظر سے دیکھنے کی، میں تو اس کی دونوں آنکھیں نکال کر ہاتھ میں رکھ دوں گا۔''

اچھو کی گفتگو سے مجھے اندازہ لگانے میں قطعاً کوئی دشواری محسوس نہ ہوئی کہ وہ گم شدہ لڑکی خالدہ کا بھائی تھا۔ اگرچہ اس کی بات چیت کا انداز خاصا بدمعاشانہ اور غنڈا گردانہ تھا اور میں اگر چاہتا تو ایک دبکا مار کر اسے چپ کرا سکتا تھا لیکن کسی قسم کا جارحانہ رویہ اختیار کرنے کے بجائے میں نے معتدل لہجے میں کہا۔

''اچھو جٹ! اگر تمہیں قانون کو ہاتھ میں لینے کا اتنا شوق ہے تو پھر میرے پاس کیوں آئے ہو۔ جاؤ، خود ہی اپنی بہن کو تلاش کر لو۔''

''پر کچھ پتا تو چلے ناجی......'' وہ غصے اور بے بسی کی ملی جلی کیفیت کے ساتھ بولا۔ ''کہ وہ شیطان کا بچہ فرید گیا کہاں ہے۔''

''اوئے اچھو!'' مرتضیٰ خان نے ہاتھ اٹھا کر ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''تو چپ کر کے ایک طرف بیٹھ جا اور اپنے دماغ کو ٹھنڈا رکھ۔ میں ساتھ آیا ہوں تو تھانے دار سے مجھے ہی بات کرنے دے۔''

''اچھو پتر! خان صاحب بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' ذکیہ بی بی نے مصلحت آمیز لہجے میں کہا۔ ''وہ جب بات کر رہے ہیں تو تمہیں بولنے کی کیا ضرورت ہے۔ تو صبر کر...... سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

مغوی یا گم شدہ خالدہ کی ماں کی حمایت پا کر مرتضیٰ خان کچھ اور چوڑا ہو گیا۔ براہِ راست مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے اس نے کہا۔

''تھانے دار صاحب! آپ فرید کے خلاف پرچہ کاٹیں۔'' اس کا لہجہ خاصا کھرا تھا۔ ''یہ دن دہاڑے کیسی اندھیر مچی ہوئی ہے۔ اب تو غریب آدمی کا عزت سے زندہ رہنا بھی مشکل ہو گیا ہے۔''

چھوٹے خان کی گفتگو مجھے حد سے زیادہ ناگوار گزر رہی تھی۔ اپنی خفگی اور غصے کو دباتے ہوئے میں نے کہا۔

''خان صاحب! آپ تھوڑی دیر کے لیے باہر برآمدے میں جا کر بیٹھیں۔ میں ذرا تنہائی میں لڑکی کے ماں باپ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔'' پھر میں نے کانسٹیبل کو کہا۔

''نور شاہ! چھوٹے خان صاحب کو عزت سے برآمدے میں بٹھا دو اور ان کا خاص خیال رکھنا۔ مجھے کوئی شکایت نہیں ملنا چاہیے۔'' پھر میں دوبارہ مرتضیٰ کی جانب متوجہ ہوا اور کہا۔

''خان صاحب! آپ کو زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑے

کہ میں یہاں پہنچنے تک سخت مشکل میں گرفتار ہو جاتا ہوں مگر آپ سے بات ہو جاتی۔"

اگرچہ مرتضیٰ خان یہاں سے بچے کا کوئی اتا پتا نہیں رکھتا تھا تاہم وہ میرے تیور دیکھ چکا تھا تب ہی اس نے اپنی بیٹی کی دوستی چھوڑ کر فکر سے مجھے گھورتے ہوئے کمرے سے نکل گیا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے باقی افراد میں سے کرم دین اور ذکیہ بی بی کو روک کر باقی سب کو رخصت کر دیا۔ پھر میں کرم دین کی جانب متوجہ ہو گیا۔

"اب بتاؤ کہ تم اتنے یقین کے ساتھ کیسے کہہ سکتے ہو کہ نکاح سے قبل فریدی نے تمہاری بیٹی کو اغوا کیا ہے۔ کوئی ثبوت ہے تمہارے پاس؟"

"ثبوت تو کوئی نہیں سرکار۔" وہ روہانسی صورت بنا کر بولا۔

"پورا علاقہ جانتا ہے تھانے دار صاحب۔" ذکیہ اپنے شوہر کی مدد کرتے ہوئے بولی۔ "فریدی نے ہماری بیٹی کی خواہش کی تھی اور اس نے خالدہ کے اغوا کی دھمکی بھی دی تھی۔"

"اس دھمکی کی وجہ...؟" میں نے ذکیہ سے استفسار کیا۔ "کیا فریدی کو کسی نے مجبور کیا تھا یا کوئی اور وجہ تھی؟"

"تمہیں خالدہ کی کوئی خبر نہیں ملی؟" کرم دین نے کہا۔

"ابھی دشمنی کے طور پر کسی اور کی بھی ہو سکتی ہے۔" میں نے غور کر کے کرم دین کی طرف دیکھا۔ "مجھے لگتا ہے کہ تم سے کچھ چھپانے کی کوشش کر رہے ہو۔"

"میں بتاتا ہوں جی۔" ذکیہ جلدی سے بولی۔ "دراصل فریدی خالدہ سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ ہم نے اس رشتے سے انکار کر دیا تو وہ ناراض ہو گیا۔"

"چونکہ ہم خالدہ کا رشتہ اپنے رشتے داروں میں کرنا چاہتے تھے اور ان کے خاندان والے اس کی منگنی بھی کر دی تھی۔" کرم دین نے بتایا۔ "اب آپ خود سوچیں کہ ہم کس طرح فریدی کا رشتہ قبول کر لیتے؟"

"اور جب ہم نے فریدی کے رشتے سے انکار کیا تو وہ ہمارا دشمن ہو گیا۔" ذکیہ نے بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اس نے دھمکی دی تھی کہ اگر تم نے اس کا رشتہ منظور نہ کیا تو وہ خالدہ کو اٹھا کر لے جائے گا۔"

"جی... اس نے خالدہ کے اغوا کی دھمکی دی تھی اور پھر اپنی دھمکی کو پورا بھی کر دکھایا۔" کرم دین بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

میں نے ایک نئی بات کے تحت پوچھا۔ "کیا تمہاری بیٹی کی منگنی ہو چکی ہے لیکن اس معاملے میں کچھ تو

خالق بخش دیا رہ وہیں سے ہے..... آخر کیوں؟"

"وہ جناب... خان کی وجہ سے علاقے کے بڑے بھی ہیں۔" کرم دین کے جواب دینے سے پہلے ذکیہ بول پڑی۔ "خان جی بڑا اچھا خیال رکھتے ہیں۔"

مجھے یہ اندازہ تو تھا کہ اس سلسلے میں کوئی بڑی شخصیت ہوگی کیونکہ کرم دین کی بیٹی کی بازیابی کی ذمے داری بھی ان کی تھی۔ جب میرا ان سے سامنا ہوا تھا تو وہ اپنی بیٹی کے لیے کافی پریشان تھا۔ اس نے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ اگر میں نے جلد از جلد اس کی بیٹی کو بازیاب نہ کرایا تو وہ اپنی جان دے دے گا۔ اب وہاں بھی ویسی ہی کہانی دہرائی گئی۔

میں نے کہا۔ "ٹھیک ہے، تم لوگ اطمینان رکھو۔ میں بہت جلد خالدہ کو بازیاب کرا دوں گا لیکن اس کام کے لیے مجھے تمہارے تعاون کی ضرورت ہے۔"

"کیسا تعاون تھانے دار صاحب؟" ذکیہ نے سوالیہ نظروں سے میری جانب دیکھا۔

"اگر تمہارا تعاون رہا تو میں نے سوچا ہے کہ خالدہ کا پتا لگا لوں گا۔" میں نے کہا۔ "میں ان سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔"

"بالکل جناب! خالدہ کی منگنی ایک جگہ ہوئی ہے۔" کرم دین نے بتایا۔ "اسحاق نامی شخص کی بیٹی کلثوم سے... خالدہ کا رشتہ طے ہوا تھا، کلثوم کے ساتھ ہی تو۔"

"کلثوم، خالدہ کی گمشدگی کے بارے میں کیا کہتی ہے؟" میں نے باری باری ان دونوں کے چہروں کا جائزہ لیتے ہوئے سوال کیا۔

"وہ بھی کچھ نہیں جانتی۔" کرم دین نے بتایا۔

میں مزید کچھ دیر تک ان سے سوال و جواب کرتا رہا پھر اس تسلی کے ساتھ انہیں تھانے سے رخصت کر دیا کہ میں بہت جلد ان کی بیٹی کو بازیاب کرا دوں گا۔

☆☆☆

چودھری خان محمد مرتضیٰ کے رویے سے مجھے کافی کوفت ہوئی تھی اور میرا دماغ اس کی باتوں کے حوالے سے شکوک و شبہات کا شکار ہو گیا تھا۔ کرم دین ایک عام سا آدمی تھا اور خان جیسا شخص اس کی بیٹی کے اغوا کی رپورٹ درج کرانے تھانے آیا تھا۔ صرف وہ ان لوگوں کے ساتھ آیا تو مجھے بار بار اس سلسلے میں کچھ گڑبڑ کا احساس ہوا کہ میں مجبور تھا کہ دیکھوں ان لوگوں کا اس اغوا سے کیا تعلق ہے۔ میں نے اندازے کے مطابق پھر تفتیش کا آغاز کیا... میں

سے کوئی ایک ہو سکتا تھا۔

اول یہ کہ اس کا کوئی مفاد کرم دین کی فیملی کے ساتھ جڑا ہوا تھا۔ دوم یہ کہ ملکوں سے اس کی کوئی ذاتی دشمنی تھی۔ بہرحال، دال میں کچھ کالا ضرور تھا!

میں نے ایک کانسٹیبل کو اسحاق ترکھان کی جانب روانہ کر دیا اور کہا کہ وہ اسحاق اور اس کی بیٹی کلثوم کو تھانے لے آئے تاکہ خالو کی تلاش کا آغاز کیا جا سکے۔ اس کام سے نمٹ کر میں بیٹھا ہی تھا کہ کانسٹیبل نے آکر مجھے بتایا کہ دو افراد مجھ سے ملنے آئے ہیں۔ میں نے فوراً انہیں اپنے پاس بلا لیا اور کانسٹیبل سے پوچھا۔

”کیا چھوٹا خان ابھی تک باہر ہی بیٹھا ہوا ہے؟“

”نہیں ملک صاحب۔“ کانسٹیبل نے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے جواب دیا۔ ”وہ تو کافی دیر پہلے چلے گئے تھے۔“

”میں نے تو اسے باہر بیٹھنے کو کہا تھا۔“ میرے لہجے میں الجھن در آئی۔ ”کہاں چلا گیا وہ؟“

”یہ پتا نہیں ملک صاحب لیکن وہ آپ سے خاصے خفا نظر آ رہے تھے۔“ کانسٹیبل نے بتایا۔ ”کہہ رہے تھے، یہ تھانے دار خود کو سمجھتا کیا ہے۔ ابھی اسے پتا نہیں کہ میری پہنچ کہاں تک ہے۔“ لمحاتی توقف کر کے اس نے ایک گہری سانس لی پھر بات مکمل کرتے ہوئے بولا۔

”وہ تو کرم دین کے جانے سے پہلے ہی پاؤں پٹختا ہوا تھانے سے نکل گیا تھا۔“

یہ ٹھیک ہے کہ میں مرتضیٰ خان اور اس علاقے کے دیگر افراد کے بارے میں زیادہ نہیں جانتا تھا اور اس کا سبب یہ تھا کہ اس تھانے میں میری تعیناتی کو ابھی چند روز ہی ہوئے تھے۔ باقی جہاں تک چھوٹے خان کی پہنچ کا تعلق تھا تو...... یہ تو ہاتھوں میں ہاتھ پڑنے کے بعد ہی پتا چل سکتا تھا اور...... چھوٹے خان نے اس پنجہ آزمائی کا آغاز کر دیا تھا۔

جن دو افراد کی آمد کا ذکر کانسٹیبل نے کیا تھا، ان میں ایک مرد اور دوسری عورت تھی۔ وہ چہروں سے کافی پریشان دکھائی دیتے تھے۔ میرے استفسار پر انہوں نے بتایا کہ ان کا بیٹا کہیں گم ہو گیا ہے اور وہ اس کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرانے آئے تھے۔

”تھانے دار صاحب!“ کرامت علی نے فریادی لہجے میں بتایا۔ ”کل رات سے میرے بیٹے کا کچھ پتا نہیں چل رہا۔“

”تمہارے بیٹے کا کیا نام ہے؟“ میں نے ایک فوری خیال کے تحت پوچھ لیا۔

”فرید نام ہے میرے بچے کا۔“ کرامت علی کی بیوی دل شاد نے جواب دیا۔ ”اور میرا شک ذکیہ پر ہے۔“

”اوہ......“ میں ایک گہری سانس لے کر رہ گیا پھر پوچھا۔ ”تم خالو کی ماں ذکیہ کی بات کر رہی ہو نا؟“

”جی جی وہی......“ وہ جلدی سے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولی۔ ”میرا بیٹا اسی عورت نے غائب کروایا ہے۔ آپ اس کے خلاف رپورٹ درج کریں جناب۔“

”تھوڑی دیر پہلے ذکیہ، کرم دین، اچھو اور مرتضیٰ خان یہاں سے گئے ہیں۔“ میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ”اور ان لوگوں کا خیال ہے کہ تمہارے بیٹے نے خالو کو اغوا کر لیا ہے۔ وہ بھی تمہارے بیٹے کے خلاف خالو کے اغوا کی رپورٹ لکھوانے آئے تھے۔“

”یہ سراسر جھوٹ ہے تھانے دار صاحب۔“ کرامت علی نے منت ریز لہجے میں کہا۔ ”فرید اس قسم کا لڑکا نہیں ہے۔ اغوا تو بہت بڑا جرم ہے۔ وہ اتنے سنگین کام کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔“

”ہر ماں باپ کا یہی خیال ہوتا ہے کہ اس کی اولاد کسی فرشتے سے کم نہیں۔“ میں نے معتدل انداز میں کہا۔ ”بہرحال...... یہ بتاؤ۔ تمہارا بیٹا کیا کام کرتا ہے؟“

”وہ جی مرتبان اور پیالیوں کے کارخانے میں کام کرتا ہے۔“ اس نے بتایا۔

”کارخانے کا نام؟“ میں نے پوچھا۔

”حجاز پاٹری۔“

”اوہ......“ میں نے ایک گہری سانس خارج کی۔ ”وہ پاٹری میں کرتا کیا ہے؟“

”وہ بیام بناتا ہے جی۔“ دل شاد نے جواب دیا۔ ”وہ چک (چاک) کا بہت اچھا کاریگر ہے۔“

”حجاز پاٹری“ اور ”افضل پاٹری“ پہلو بہ پہلو جی ٹی روڈ پر واقع تھیں۔ یہ مٹی کے برتن بنانے کے کارخانے ہیں اور میری معلومات کے مطابق، یہاں پر کپ پرچ، پیالیاں مگ اور بیام (مرتبان) تیار کیے جاتے تھے اور یہ سارا کام ہاتھ سے چلائے جانے والے چاک پر ہی کیا جاتا تھا۔

”وہ فیکٹری سے گھر کب آتا تھا؟“ میں نے پوچھا۔

”اس کی ڈیوٹی صبح آٹھ سے چار بجے تک ہوتی ہے۔“ کرامت علی نے بتایا۔ ”دس پندرہ منٹ میں وہ گھر پہنچ جاتا تھا۔“

”مطلب یہ کہ وہ سوا چار بجے گھر آ جاتا تھا۔“ میں نے کرامت کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ”گزشتہ روز

کسی کیا تھا، اس وقت گھر پہنچا تھا۔"

"وہ گھر نہیں پہنچا تھا۔" دل شاد نے روہانسی آواز میں کہا۔ "وہ کل کام کو گیا تھا اس کے بعد ابھی تک نہیں آیا۔"

"کل جب وہ حسبِ معمول گھر نہیں آیا تو تم لوگوں کو کوئی تشویش نہیں ہوئی؟" میں نے قدرے تیز لہجے میں استفسار کیا۔

"ہم لوگ ناظم کے بارے میں رو گئے۔" کرامت نے کہا۔

"اور وہ تم...... کیا مطلب؟" میں نے پوچھا۔

"دراصل کل کی فیکٹری میں زیادہ کام ہونے کی وجہ سے اوور ٹائم بھی لگا تھا۔" اس نے بتایا۔ "کئی دوسرے بھی چار اوور ٹائم کے بعد گئے۔ ہم سمجھے کہ وہ شاید اوور ٹائم کی وجہ سے لیٹ ہو گیا تھا لیکن وہ ابھی تک نہیں آیا......" اس کی آواز سے گہرے کرب کا اظہار ہو رہا تھا۔ "رات جیسے تیسے ہم نے گزاری اور اب آپ کے سامنے بیٹھے ہیں۔"

"تیرے سامنے بیٹھے ہیں اور......" میں نے دل شاد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اور تمہیں شک ہے کہ تمہارے لڑکے کو کسی نے غائب کر دیا ہے...... ہے نا؟"

"جی ہاں جی!" اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔

"کس پر آپ کو شک کا کوئی سبب ہے؟"

"سارا قصور اسی عورت کا ہے تھانے دار صاحب۔" وہ نفرت آمیز لہجے میں بولی۔ "آپ ذرا تحقیق کریں تو پتا چلے، بڑی چال باز عورت ہے۔"

"ہاں...... پھر اس کا کچھ اور بھی بتائیں۔ میں تھانے کے لیے آج کے ...... چاہوں گا کہ وہ کیسی عورت ہے......"

"تھانے دار صاحب! اس کا رشتہ ابھی کل یا پرسوں ...... سے ...... کیا گیا تھا۔" دل شاد بی بی نے بتایا۔ "اور بھولے ...... صاحب بھی ایسے ہی لوگوں کی حمایت کرتے ہیں۔"

"انجم سے تمہارے بیٹے کی کیوں رہی تھی؟" میں نے کرید نے والے...... انداز میں پوچھا۔

"بس...... اتفاق!" وہ بڑبڑاتے ہوئے بولی۔ "یہ لوگ بہت نیچ ہیں۔ کمینگی میں تھانے دار صاحب۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"کرم دین اور اس کا گھرانا بھی بے کار ہے۔" کرامت [illegible]

[illegible]

لوگ اچھے اور بہت ...... کا سلسلہ لگا کر مجھ کو مجروح کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

"میری بات غور سے سنو کرامت علی!" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "کوئی بھی ذات اچھی یا بری نہیں ہوتی۔ ہاں، اس ذات سے تعلق رکھنے والے لوگ اچھے برے ہوتے ہیں لہٰذا کسی بھی انسان کی کمتری اور برتری کو ذات برادری کے پیمانے سے نہیں ناپنا چاہیے۔ اصل چیز انسان کا کردار اور عمل ہے۔" لمحاتی توقف کر کے میں نے ایک گہری سانس لی، پھر اصل موضوع کی طرف آتے ہوئے کہا۔

"ابھی تک آپ لوگوں نے مجھے یہ نہیں بتایا کہ انجم بھٹ سے فریدہ کی کیسی دوستی تھی۔ آپ کی فریدہ سے کوئی دشمنی تھی۔ اگر آپ مجھ سے کچھ چھپائیں گے تو میں آپ کے بیٹے کی تلاش کے لیے کچھ نہیں کر سکوں گا۔"

کرم دین اور فریدہ کی زبانی مجھے یہ علم ہو چکا تھا کہ فریدہ خالدہ سے شادی کرنا چاہتا تھا لیکن چونکہ خالدہ کی اپنے ماموں زاد سے منگنی ہو چکی تھی لہٰذا انہوں نے اس رشتے سے انکار کر دیا تھا اور ان کے بقول اسی انکار کی وجہ سے فریدہ ان کا دشمن ہو گیا تھا۔ میرے سامنے بیٹھے ہوئے میاں بیوی خالدہ کی ماں فریدہ اور بھائی انجم پر سارا ملبہ ڈال رہے تھے کہ انہی لوگوں نے ان کے بیٹے کو غائب کیا ہے لیکن ابھی تک انہوں نے فریدہ کے رشتے کے حوالے سے کوئی بات نہیں کی تھی۔ "انکار کرنے کی وجہ سے دشمنی ہے تھانے دار صاحب۔" کرامت علی نے اصل بات بتاتے ہوئے کہا۔ "ہم نے ان کا رشتہ ٹھکرا دیا ہے اور وہ لوگ ہمارے دشمن ہو گئے۔"

میں نے کہا۔ "کسی کے گھر رشتہ بھیجنا کوئی ایسا جرم نہیں کہ آپ مجھ سے سامنے والا ...... آ کر ...... اور کوئی چکر لگتا ہے......!"

میں نے جواب میں ایک ...... دیا ...... تھانے جا کر اگلے لمحے میری بات تم سمجھے ادھر دل شاد خطرناک لہجے میں بولی۔

"میں آپ کہتی ہوں تھانے دار جی کہ...... یہ چکر ہے کیا۔" میں بھی متجسس ہو گیا۔

"سارے فساد کی جڑ یہ چھوٹے خان صاحب ہیں جناب۔" وہ انکشاف انگیز لہجے میں بولی۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" میں نے سوالیہ نظر سے اس کی طرف دیکھا۔ "چھوٹے خان کا اس معاملے سے کیا

مجھے سب معلوم ہو چکا تھا کہ صاحب بہادر سے حسب منشا جواب آنے والا ہے۔ میں شروع ہی سے خان بہادر کے کردار کو شک کی نظر سے دیکھ رہا تھا۔

دل شاد بانو نے آواز دبا کر راز دارانہ انداز میں کہا۔ ''مجھے خان صاحب کا ایک گھر آنا جانا ہے۔ لڑکی بہت اونچے خواب دیکھ رہی ہے۔ اس نے خان صاحب کو بھائی بنا رکھا ہے۔''

''میں سمجھا نہیں۔'' میں نے الجھن بھرے لہجے میں کہا۔ ''لڑکی نے کس مقصد کے لیے خان بہادر کو بھائی بنایا ہے؟ اس کا شوہر کرم الٰہی ابھی زندہ ہے اور خالدہ کی منگنی بھی ہو چکی ہے۔ میری معلومات کے مطابق اس گھر میں یہی دونوں افراد رہتے ہیں۔''

''خالدہ کی منگنی ٹوٹ چکی ہے۔'' وہ [illegible] کہانی بھول اور [illegible] تھانے دار صاحب۔'' وہ کسی قدر الجھے انداز میں کہنے لگی [illegible] ''کہتے ہیں کرم الٰہی خالدہ کا رشتہ [illegible] ان کے گھر آنا جانا ہے۔ لڑکی [illegible] خان صاحب سے [illegible] شادی [illegible]''

''اچھا...!'' میں نے [illegible] اس کے [illegible] کے گھر [illegible] کیا چل رہا ہے۔''

''یہ لڑکی کی بھول ہے کہ [illegible] خان صاحب اس کی ذات سے شادی کر لیں گے۔'' دل شاد بانو نے [illegible] سے کہا۔ ''اصل کھیل تو [illegible] ہے۔ وہ شادی شدہ ہے اور بچوں والا ہے۔ [illegible] ذات کی ایک لڑکی کو اپنا [illegible] وقت پاس کر رہا ہے اور [illegible]''

اب یہ بات واضح ہو چکی تھی کہ [illegible] خالدہ کی [illegible] کرانے کی کوشش [illegible] سال کے [illegible] ''رقیب'' سمجھتا تھا [illegible]

کرم الٰہی [illegible] نے خالدہ کی منگنی [illegible] اس بات کی [illegible] بھائی [illegible] میں نے [illegible] کے [illegible] میں کہا۔

[illegible]

خاندان میں کس نے بھیجا تھا؟''

''ہم لوگ [illegible] سے مجبور ہو گئے تھے۔'' دل شاد بانو نے [illegible] ہوئے کہا۔ ''پھر یہ معاملہ [illegible] گیا تھا۔''

''ہوں...'' میں نے ایک گہری سانس خارج کی اور پوچھا۔ ''آپ کے گھر میں کون کون افراد ہیں؟''

''ہم دونوں میاں بیوی اور [illegible]'' کرامت علی نے بتایا۔ ''[illegible] افراد ہیں۔''

''ٹھیک ہے۔'' میں نے [illegible] ہوئے لہجے میں کہا۔ ''تم لوگ گھر جاؤ اور اطمینان رکھو کہ میں بہت جلد تمہارے بیٹے کو [illegible] نکال لوں گا۔''

''اگر آپ [illegible] ایک کے گھر سے کریں تو آپ کو جلدی [illegible] جائے گی۔''

دل شاد [illegible] دے [illegible] گیا [illegible] ہے۔''

میں نے [illegible] کے بعد انہیں رخصت کر دیا۔

دل شاد بانو نے [illegible] اظہار کیا تھا [illegible] تھا۔ میں نے [illegible] خان [illegible] کے [illegible] آیا تھا اور اس کے [illegible] سے [illegible] نفرت کرنے لگی۔

ان لوگوں کے جانے کے بعد میں نے [illegible] علی کو [illegible] آنے [illegible] کے بعد [illegible] پانی [illegible]

[illegible] کے پاس [illegible] کی طرح [illegible] کی [illegible] کے لیے [illegible] گیا [illegible] بات یہ ہے کہ [illegible] بات ہے [illegible] کے [illegible] زیادہ [illegible] پڑے گا کہ [illegible] اور [illegible] کر لی تھی۔

☆☆☆

[illegible] کے [illegible] گئی [illegible]

مصنوعات تیار کرنے والی فیکٹریاں موجود ہیں جن میں سرامکس، پاٹری اور ٹیکسٹائل وسینیٹری فٹنگ سرفہرست ہیں۔

''حجاز پاٹری'' کے منشی نے بڑے تپاک سے ہمارا استقبال کیا۔ ہم دونوں یونیفارم میں تھے۔ میں نے اپنا تعارف کرایا تو منشی اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور فدویانہ انداز میں بولا۔

''سرکار تشریف رکھیں۔''

ہم دونوں کرسیوں پر بیٹھ چکے تو منشی نے کہا۔ ''ملک صاحب! چائے چلے گی یا ٹھنڈا منگوالوں؟ آج آپ پہلی بار ہمارے پاس آئے ہیں۔ خاطر تواضع بہت ضروری ہے۔''

اس طرح کے کارخانوں میں ''منشی'' ایک توپ قسم کی چیز ہوتا ہے۔ آپ اسے اکاؤنٹنٹ، کیشیر، جنرل منیجر اور مالک کا دستِ راست سمجھ لیں۔ مالک نے اسے سیاہ وسفید کا اختیار دے رکھا ہوتا ہے۔ مالک کی غیر موجودگی میں وہی... کارخانے کا مالک ہوتا ہے۔

''منشی جی! خاطر تواضع پھر کبھی سہی۔ آپ کوئی تکلف نہ کریں۔''

میں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے منع کرتے ہوئے کہا۔ ''اس وقت ہم ایک ضروری کام سے یہاں آئے ہیں اور جلدی میں بھی ہیں۔''

''جو آپ کا حکم ملک صاحب۔'' وہ عاجزی سے بولا۔ ''فرمائیں، میں آپ کی کیا خدمت کرسکتا ہوں؟''

''آپ کے کارخانے میں فرید نام کا ایک بندہ کام کرتا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''میں اسی کے بارے میں پوچھ گچھ کرنے آیا ہوں۔''

''جی..... فرید چک (چاک) پر کام کرتا ہے۔'' منشی نے بتایا۔ ''وہ بیام (مرتبان) بنانے کا بہت اچھا کاریگر ہے مگر آج وہ فیکٹری نہیں آیا۔ آپ اس کے بارے میں کیا جاننا چاہتے ہیں؟''

''وہ آج کام پر نہیں آیا، اسی لیے تو ہم آئے ہیں۔'' میں نے منشی کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اور یہ جاننا چاہتے ہیں کہ فرید کہاں غائب ہے؟''

''غائب.....!'' اس نے چونک کر میری جانب دیکھا اور بولا۔ ''کیا فرید کہیں غائب ہو گیا ہے؟''

''جی منشی جی!'' میں نے اثبات میں گردن ہلائی۔ ''وہ کل فیکٹری سے گھر نہیں پہنچا۔ اس کے والدین نے آج اس کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرائی ہے۔''

منشی کے چہرے پر پریشانی چمک اٹھی۔ ''یہ تو واقعی تشویش کی بات ہے۔''

''کل..... اس نے فیکٹری سے نکلتے وقت کچھ بتایا تھا؟'' میں نے پوچھا۔

''نہیں جناب! وہ تو کل چھٹی سے پہلے ہی چلا گیا تھا۔'' منشی نے جواب دیا۔ ''اس کی چھٹی چار بجے ہوتی ہے۔ کبھی کام زیادہ ہو تو وہ دو تین گھنٹے اوور ٹائم بھی کر لیتا ہے لیکن کل تو وہ لگ بھگ دو بجے یہاں سے چلا گیا تھا۔''

''اچھا......'' میں نے ٹٹولنے والے انداز میں پوچھا۔ ''اس نے کل جلدی چھٹی کرنے کی کوئی وجہ تو بتائی ہوگی؟''

''نہیں جناب!'' منشی نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولا... ''اس نے جلدی جانے کو کہا اور میں نے اسے چھٹی دے دی۔ آج کل کام ذرا ٹھنڈا ہے لہٰذا میں نے اس سے زیادہ جرح نہیں کی اور اس نے بھی خود کچھ نہیں بتایا۔''

مجھے محسوس ہو گیا کہ منشی سے کام کی کوئی بات معلوم نہیں ہو سکے گی لہٰذا ایک دوسرے زاویے سے سوال کیا۔ ''ویسے یہ فرید کیسا بندہ ہے؟ اس کا رکھ رکھاؤ کیسا ہے؟''

''بہت سیدھا اور شریف لڑکا ہے تھانے دار صاحب۔'' منشی نے بتایا۔ ''ہم نے کبھی اس کی کوئی شکایت نہیں سنی۔''

''اس کی کسی کے ساتھ کبھی لڑائی وغیرہ بھی ہوئی؟''..... میں نے استفسار کیا۔ ''مثلاً کسی سے اس کی کوئی دشمنی تھی؟''

''میرے علم میں ایسی کوئی بات نہیں۔''

''آپ کے خیال میں وہ کہاں جاسکتا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتا جناب۔''

''یہاں کام کرنے والوں میں کس کے ساتھ اس کی گہری دوستی تھی؟''

''وہ اپنے کام سے کام رکھنے والا لڑکا ہے۔'' منشی نے جواب دیا۔ ''لوگوں کے ساتھ زیادہ گھلنے ملنے کی اس کی عادت نہیں البتہ، انور اس کے زیادہ قریب ہے۔''

''کون انور!'' میں نے پوچھا۔ ''کیا انور اس وقت فیکٹری میں موجود ہے؟''

''جی وہ کام پر آیا ہوا ہے۔'' منشی نے جواب دیا۔ ''میں اسے بلاتا ہوں۔''

چند لمحات کے بعد انور نامی ایک نوجوان ہمارے سامنے کھڑا تھا۔ منشی نے بتایا کہ انور بھی چاک کا کاریگر ہے۔ وہ ایک دبلا پتلا، سانولی رنگت والا لڑکا تھا۔ پولیس کو کارخانے میں دیکھ کر وہ قدرے خوف زدہ ہو گیا تھا۔ میں

پچھلی رات تک یہ لڑکی کا باقاعدہ انتظار کر رہا تھا۔

"مجھے بتایا گیا ہے کہ فریدہ کے ساتھ تمہاری بڑی گہری دوستی ہے۔ وہ اچانک کہاں چلی گئی، یہ بات تمہیں پتا ہے؟"

"ہم تو ساتھ کام کرتے تھے جی۔" وہ جھجکتے ہوئے بولا۔ "آپ اسے دوستی سمجھ لیں۔"

"ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے انور۔" میں نے اس کے خوف کو کم کرنے کی غرض سے نرم لہجے میں کہا۔ "اصل میں فریدہ کل سے غائب ہے اور میں اس کا سراغ لگانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ تم اس بارے میں جو بھی جانتے ہو، سچ سچ بتا دو۔"

"وہ...... وہ کہاں سے غائب ہو گئی۔" وہ سراسیمہ لہجے میں بولا۔

اس کا خوف کم ہونے کے بجائے اور بڑھ گیا تھا۔ میں نے متحمل انداز میں کہا۔ "تم تو اس طرح ڈر رہے ہو جیسے فریدہ کو تم نے غائب کیا ہے......!"

"نن...... نہیں جناب......" وہ نفی میں گردن جھٹکتے ہوئے بولا۔ "میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتا۔"

"جب تم نے اس کا نام سنا تو گھبرا کیوں گئے؟ یہ جاننے کی ضرورت تھی۔" میں نے گہری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ "اپنے حواس پہ قابو رکھو اور میں پوچھوں اس کا ٹھیک ٹھیک جواب دو۔"

"جی...... جی آپ پوچھیں۔" انور نے سہمتے ہوئے بولا۔

"کل فریدہ کتنے بجے دکان سے گئی تھی؟" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔ "کیا اس نے اپنے جلدی جانے کی وجہ بتائی تھی؟"

"جی! اس نے کہا تھا کہ وہ اپنے ایک دوست سے ملنے جا رہی ہے۔" انور نے جواب دیا۔

"کون دوست؟" میں نے پوچھا۔

"فریدہ کے دوست کا نام حنیف ہے۔" انور نے بتایا۔ "وہ اُدھر واہنڈو میں رہتا ہے۔"

"واہنڈو" بکن آباد سے تھوڑے فاصلے پر واقع ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ میں نے انور سے پوچھا۔ "کیا فریدہ نے کوئی ایسی بات کی تھی کہ وہ رات کو اُدھر واہنڈو ہی میں ٹھہرے گی؟"

"جی نہیں، اس نے مجھے ایسی کوئی بات نہیں بتائی۔" انور نے کہا۔ "واہنڈو یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے۔ وہ اگر وہاں گئی بھی تھی تو اسے رات تک واپس گھر آ جانا چاہیے تھا۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے کہ فریدہ کو آنے اور واہنڈو سے ہو کر آنے میں زیادہ وقت نہیں لگتا۔" میں نے کہا۔ "لیکن وہ واپس نہیں آئی۔ اس کا ایک ہی مطلب ہے کہ وہ واہنڈو گئی ہی نہیں۔"

"اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ کہاں غائب ہو گئی ہے۔" وہ پُرخیال لہجے میں بولا۔

"اللہ تو بہتر جانتا ہے لیکن دنیاوی معاملات سے نمٹنے کے لیے بہت سی چیزیں انسان کو بھی جاننا پڑتی ہیں۔" میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "تمہارے خیال میں وہ کہاں گئی ہو گی؟"

"میں کچھ نہیں جانتا تھانے دار صاحب۔" وہ معذرت خواہانہ انداز میں بولا۔

"کیا فریدہ نے تمہیں بتایا تھا کہ وہ کسی لڑکے کو پسند کرتی ہے؟" میں نے انور کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"فریدہ نے اس بارے میں کبھی کوئی بات نہیں بتائی۔" وہ قائل ہوا۔ "ایک لڑکا اس سے شادی کرنا چاہتا تھا مگر خالہ کے گھر والوں نے اس رشتے سے انکار کر دیا تھا۔ اس کے بعد فریدہ خاصا چپ چپ رہنے لگا تھا۔"

"اور...... وہ خالد بھی کل شام سے غائب ہے۔" میں نے انکشاف انگیز لہجے میں بتایا۔

"کیا......!" انور حیرت بھرے لہجے میں بولا۔ "وہ بھی غائب ہو گیا؟"

"ہاں...... اب خالد بھی کل شام سے غائب ہے اور فریدہ بھی غائب ہے۔" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "وہ دونوں اپنی مرضی سے غائب ہوئے ہیں۔ کیا تم اس بارے میں کچھ جانتے ہو؟"

"آپ مجھ سے جو بات بھی پوچھیں گے میں سچ بتاؤں گا تھانے دار صاحب۔" وہ دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے بولا۔ "میں ان دونوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔"

"آپ واہنڈو جا کر فریدہ کے دوست حنیف سے بھی پوچھ گچھ کر لیں ملک صاحب۔" رشید نے مشورہ دینے والے انداز میں کہا۔ "ہو سکتا ہے وہاں سے کوئی اہم اطلاع مل جائے۔"

"یہ میرے پروگرام میں شامل ہے اور یہ کام بھی واہنڈو جا کر چیک کروں گا۔" میں یہ کہتے ہوئے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ "آپ لوگوں کو فریدہ کے بارے میں اگر کسی قسم کی کوئی اطلاع ملے تو فوراً مجھے آگاہ کر دینا۔"

"ضرور جناب......" رشید نے خلوص دل سے کہا۔ "آپ

بے فکر ہو جائیں مائی باپ۔''

منشی فیکٹری کے دروازے تک ہمیں چھوڑنے آیا اور بولا۔ ''مجھے ہمیشہ اس بات کا افسوس رہے گا کہ آپ پہلی بار یہاں آئے اور بغیر کچھ کھائے پیے واپس چلے گئے۔''

''آپ کی خاطر تواضع کی خواہش ادھار رہی۔'' میں نے زیرلب مسکراتے ہوئے کہا۔ ''اللہ نے موقع دیا تو میں جلد ہی آپ کی یہ خواہش پوری کرنے کی کوشش کروں گا۔''

واپسی کے سفر میں، میں نے بہادر علی سے پوچھا۔ ''تمہارا کیا خیال ہے، خالدہ واقعی اغوا ہوئی ہے یا یہ کوئی دوسرا ہی معاملہ ہے؟''

''ملک صاحب! اب تک فرید کے بارے میں ہم جو معلومات حاصل کر چکے ہیں، ان کی روشنی میں مجھے تو نہیں لگتا کہ اس نے خالدہ کو اغوا کیا ہوگا۔'' حوالدار نے جواب دیا۔ ''مجھے تو یہ کوئی دوسرا ہی چکر لگتا ہے۔''

''تمہارا اشارہ چھوٹے خان کی طرف ہے......!'' میں نے استفسار کیا۔

''جی بالکل۔'' وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''میری مانیں تو مرتضیٰ خان کو گرفتار کر کے تفتیش کی چکی میں پیس ڈالیں۔ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی خود ہی الگ ہو جائے گا۔''

''مجھے خود بھی چھوٹے خان پر شک ہے کہ خالدہ کی گمشدگی میں ضرور اس کا ہاتھ ہو سکتا ہے۔'' میں نے سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''لیکن بغیر کسی ثبوت کے اس کی گرفتاری مناسب نہیں ہوگی، اگر اس کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کی گئی تو وہ محتاط ہو جائے گا پھر اس کی گردن ناپنے میں مشکل پیش آسکتی ہے۔ اس کا معاملہ میرے ذہن میں ہے...... بہرحال، پہلے ہمیں واہنڈو جا کر فرید کے دوست حنیف کو چیک کرنا چاہیے پھر چھوٹے خان سے بھی نمٹ لیں گے اور یہ کام تم کرو گے۔''

''جو آپ کا حکم ملک صاحب! میں واہنڈو جانے کے لیے تیار ہوں۔'' حوالدار بہادر علی نے کہا۔ ''لیکن مجھے یقین ہے کہ مرتضیٰ خان، خالدہ کی گمشدگی میں ملوث ہے اور جہاں تک فرید کے غائب ہونے کا تعلق ہے تو ممکن ہے...... دل شاد بی بی کے خدشات کے مطابق، کہیں مرتضیٰ خان نے رقابت کے جذبے سے مغلوب ہو کر فرید کو ٹھکانے ہی نہ لگا دیا ہو......!''

''تمہاری بات میں وزن ہے بہادر علی!'' میں نے تائیدی انداز میں کہا۔ ''تم واہنڈو کی خبرگیری کر آؤ اور میں یہاں کے معاملات دیکھتا ہوں۔ انشاء اللہ، بہت جلد ان گمشدگان تک پہنچنے کے لیے ہمیں کوئی سراغ ضرور مل جائے گا۔''

''انشاء اللہ......!'' حوالدار بھی پُریقین لہجے میں بولا۔

میں نے لاری اڈے سے بہادر علی کو واہنڈو جانے والی بس پر سوار کیا اور خود تھانے آ گیا۔ لاری اڈا میرے تھانے سے چند گز کی دوری پر تھا۔

☆☆☆

میں نے تھانے پہنچ کر ایک ہوشیار قسم کے کانسٹیبل کو اپنے پاس بلایا پھر اسے چھوٹے خان کی خفیہ نگرانی کے حوالے سے ہدایات دینے لگا۔

مذکورہ کانسٹیبل کو سادہ لباس میں رہ کر مرتضیٰ کی حرکات و سکنات پر نگاہ رکھنی تھی۔ اس کانسٹیبل کا نام آفتاب تھا۔ اس نے میری ہدایات پر عمل کرنے کا وعدہ کیا اور سیلوٹ کر کے رخصت ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد کرم دین مجھ سے ملنے تھانے پہنچ گیا۔ اس کے ساتھ دو افراد اور بھی تھے جن میں ایک ادھیڑ عمر کا آدمی اور دوسری نوجوان لڑکی تھی۔ کرم دین نے ان دونوں کا تعارف کراتے ہوئے بتایا۔

''تھانے دار جی! یہ اسحاق ترکھان اور اس کی دھی کلثوم ہے جی۔ آپ نے کلثوم کو پوچھ تاچھ کے لیے تھانے بلایا تھا نا...... تو میں بھی ان کے ساتھ چلا آیا۔''

''بہت اچھا کیا تم نے کرم دین۔'' میں نے کہا۔ ''لیکن مجھے پوچھ گچھ صرف کلثوم سے کرنا ہے لہٰذا آپ دونوں باہر جا کر برآمدے میں بیٹھو۔''

''جی، بہت اچھا۔'' کرم دین جلدی سے بولا، پھر پوچھا۔ ''میری خالو کا کچھ پتا چلا سرکار؟''

''میں نے خالو کو ڈھونڈ نکالنے کے لیے ہی یہ سارا کھٹ راگ پھیلایا ہے۔'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''تم فکر نہ کرو۔ میں بہت جلد اسے تلاش کر لوں گا۔''

جب کرم دین اور اسحاق ترکھان کمرے سے باہر نکل گئے تو میں کلثوم کی جانب متوجہ ہو گیا۔ وہ سولہ سترہ سال کی ایک خوش شکل لڑکی تھی تاہم اس وقت وہ خاصی گھبرائی ہوئی تھی۔ تھانے دار اور پولیس کی اپنی ایک دہشت ہوتی ہے اور وہ بھی اسی دہشت کا شکار نظر آتی تھی۔ میں نے نرم لہجے میں کہا۔

''کلثوم! پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ تھانے میں صرف مجرموں کے ساتھ سخت سلوک کیا جاتا ہے۔ تم سے

مرزا خان کے بارے میں جو کچھ پوچھنا ہے، اطمینان سے پوچھ جاؤ۔"

میری کسی بات پر شاید اسے ترس آ گیا تھا۔ وہ کسی قدر بے رخی سے دیکھتی رہ گئی۔ میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

"مجھے پتا چلا ہے کہ تم خالدہ کے بہت قریب تھیں بلکہ تم ہی اس کی اکلوتی سہیلی ہو؟"

"جی ہاں....." وہ قدرے جھجکتے ہوئے بولی۔ "ہم دونوں میں بڑی اچھی دوستی ہے۔"

"تمہاری سہیلی کل شام سے غائب ہے۔" میں نے کہا۔ "ظاہر ہے، تمہیں اس کا بڑا دکھ ہوگا۔"

"جی بہت دکھ ہے مجھے۔" وہ بے بسی سے بولی۔ "میں کیا کر سکتی ہوں؟"

"تم اپنی سہیلی کی بازیابی کے لیے بہت کچھ کر سکتی ہو تحسین!" میں نے کہا۔

وہ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

میں نے پوچھا۔ "کیا تم چاہتی ہو کہ میں جلد از جلد خالدہ کو تلاش کر لوں؟"

"جی بالکل۔" وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولی۔ "میں خالدہ کے لیے بہت فکرمند ہوں۔"

"فکرمند ہونے سے مسئلے حل نہیں ہوا کرتے کلثوم۔" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "اگر تم مجھ سے تعاون کرو تو میں آسانی سے تمہاری سہیلی کا سراغ لگا لوں گا۔"

"جی..... میں تعاون کروں گی۔" وہ بڑی سنجیدگی سے بولی۔

"ذکیہ بی بی اور کریم بخش کا یہ خیال ہے کہ خالدہ کو مرزا خان نے اغوا کیا ہے جبکہ زبیدہ کے ماں باپ ذکیہ بی بی، اکبر اور مرزا خان پر اپنا شک ظاہر کر رہے ہیں۔" میں نے کہا۔ "تم اس کے بارے میں کیا رائے رکھتی ہو؟"

"مجھے مرزا خان پر شبہ ہے تھانے دار صاحب!" وہ پرسوچ انداز سے بولی۔ "اس لیے میں آپ سے کوئی غلط بیانی نہیں کروں گی۔"

"شاباش!" میں نے سراہنے والے انداز میں کہا۔ "میں تم سے یہی توقع کر رہا ہوں۔ تم مرزا خان کے بارے میں مجھے کچھ بتاؤ گی۔"

[illegible]

[illegible]

"مرزا خان نے اپنا رشتہ بھی بھیجا تھا لیکن خالدہ کے گھر والوں نے انکار کر دیا۔"

"مجھے پتا چلا ہے کہ خالدہ کی اس کے ماموں زاد منظور حسین سے منگنی ہو چکی ہے۔" میں نے کہا۔ "منظور حسین شہر سعودی عرب میں روزی کمانے گیا ہوا ہے۔ تحسین زبیدہ کی ماں کا یہ کہنا ہے کہ خالدہ کی کوئی منگنی نہیں ہوئی۔ دو سال قبل رشتہ ٹھکرانے کے لیے خالدہ کے ماں باپ نے منگنی کا بہانہ بنایا ہے۔ تم تو اس حقیقت سے ضرور واقف ہو گی؟"

"یہ بات سچ ہے کہ خالدہ کی منظور حسین سے منگنی ہو چکی ہے۔" وہ سنجیدہ انداز میں بولی۔ "لیکن مجھے نہیں لگتا کہ یہ شادی ہو سکے گی اور اب تو خالدہ ہی غائب ہے۔"

میں چونک اٹھا۔ "کیا تم یہ بات صرف اس لیے کہہ رہی ہو کہ خالدہ گم ہو گئی ہے یا خالدہ یہ منگنی پسند نہیں کرتی تھی؟"

"یہ دونوں باتیں نہیں ہیں۔" وہ سادگی سے بولی۔

"پھر کیا بات ہے؟" میں نے کہا۔ "میں تو وہ تیسری وجہ جاننا چاہتا ہوں۔"

اس نے ایک ہچکچاہٹ بھری نظر کمرے کے دروازے کی طرف دیکھا۔ میں نے اس کی ہمت بندھاتے ہوئے کہا۔

"ڈرو نہیں۔ ہمارے درمیان ہونے والی گفتگو اس کمرے سے باہر نہیں جائے گی۔ تم بے فکر ہو کر مجھے حقائق سے آگاہ کرو۔"

"جی، میں یہی کہنا چاہ رہی تھی کہ خالدہ مرزا خان صاحب کی وجہ سے بہت پریشان تھی۔" وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی۔ "مرزا خان اس کی شادی کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔" بات ختم کرتے ہی وہ ایک مرتبہ پھر خوف زدہ انداز میں دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔

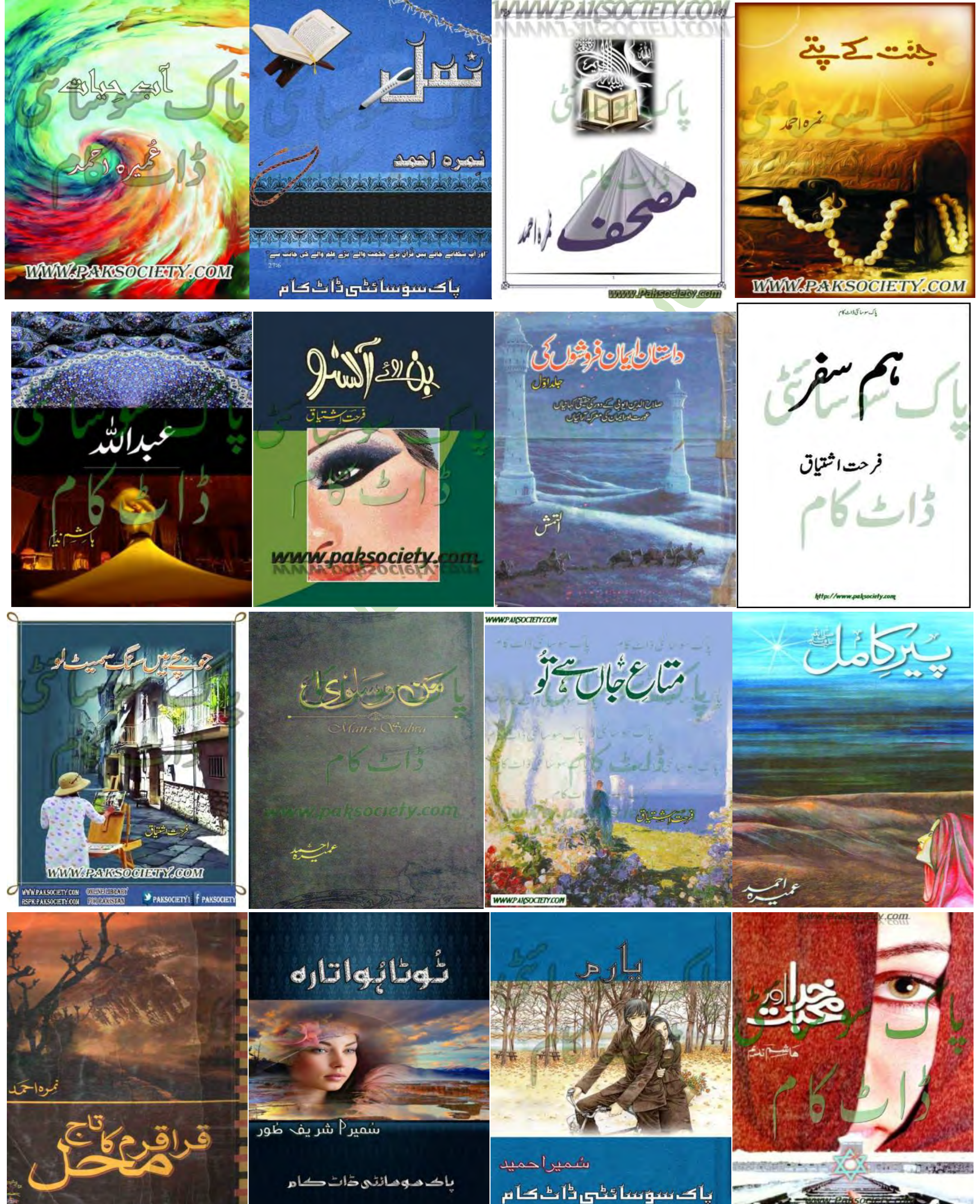
میں نے تسلی آمیز لہجے میں کہا۔ "اگر تم مرزا خان کی وجہ سے کوئی خطرہ محسوس کر رہی ہو تو میں تم سے وعدہ کرتا ہوں، تم پر کسی قسم کی کوئی آنچ نہیں آئے گی۔ ہمارے بیچ ہونے والی یہ بات چیت یہیں پر ختم ہو جائے گی۔ کسی تیسرے بندے کو پتا نہیں چلے گا کہ ہم نے آپس میں کیا گفت و شنید کی ہے۔"

اس کا اطمینان بحال ہو گیا۔ وہ کچھ اعتماد سے مجھے بتانے لگی۔

"پہلے مرزا خان صاحب کا خالدہ کے گھر میں آنا جانا تھا۔ خالدہ کا ابا اسے پسند نہیں کرتا لیکن ذکیہ چاچی مرزا خان کی حمایت کرتی ہیں۔ [illegible] ہے۔"

یہ [illegible] کے اس [illegible] نے بھی کی تھی۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-



میں نے گہری دلچسپی لیتے ہوئے کلثوم سے پوچھا۔
''کیا چاہتا ہے چھوٹا خان؟''
''بس جی، یہ قیامت کی نشانیاں ہیں۔'' وہ اذیت بھرے لہجے میں بولی۔ ''مرتضٰی خان بیوی بچوں والا ہے لیکن غضب خدا کا کہ وہ خالو پر اپنے دانت تیز کر رہا ہے۔''
''کیا وہ خالو سے شادی کرنا چاہتا ہے؟''
''کہتا تو وہ یہی ہے اور خالو کی اماں کی بھی یہی نیت ہے۔'' اس نے بتایا۔ ''لیکن خالو کا یہ خیال ہے کہ خان جی کے دل میں بے ایمانی ہے۔''
''ہوں...'' میں نے پُرسوچ انداز میں کہا۔ ''اگر چھوٹا خان واقعی اس سے شادی کے لیے سنجیدہ ہو تو کیا خالو بھی تیار ہو جائے گی؟''
''خالو، خان جی سے نفرت کرتی ہے۔ اس کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی۔'' کلثوم نے مضبوط لہجے میں کہا۔ ''پتا نہیں، اس جھمیلے کا کیا انجام ہوگا۔''
''اللہ پر بھروسا رکھو۔ انجام اچھا ہی ہوگا۔'' میں نے کہا پھر پوچھا۔ ''مجھے پتا چلا ہے کہ فرید، خالو کو پسند کرتا تھا۔ کیا خالو کی طرف سے بھی کوئی پسندیدگی تمہیں نظر آئی؟''
''جی، خالو بھی اسے پسند کرتی تھی مگر یہ پسندیدگی کوئی عشق اور محبت والی نہیں تھی۔'' کلثوم نے بتایا۔ ''وہ اپنے ماموں زاد سے منگنی ہونے کے بعد کسی اور مرد کے بارے میں سنجیدگی سے نہیں سوچ سکتی تھی۔ فرید کا رشتہ جب آیا، اس وقت تک خالو کی منظور حسین سے منگنی ہو چکی تھی اور چھوٹے خان کی آمد و رفت کا سلسلہ بھی ان کے گھر میں شروع ہو چکا تھا۔''
''اوہ..... تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ خالو اور اس کے باپ کرم دین کا خیال صرف منظور حسین کے لیے ہی تھا اور ذکیہ بی بی کی نیت مرتضٰی خان پر لگی ہوئی تھی۔''
''جی ---- ایسی ہی صورتِ حال ہے۔'' وہ سادگی سے بولی۔
''چھوٹا خان، خالو کی گم شدگی بلکہ اغوا کی رپورٹ درج کرانے کرم دین اور ذکیہ کے ساتھ تھانے آیا تھا اور اس کا زور اسی بات پر تھا کہ میں فرید کے خلاف اغوا کی رپورٹ درج کرلوں۔'' میں نے کلثوم کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ ''تمہیں کیا لگتا ہے، خالو کو کہیں فرید نے اغوا تو نہیں کرلیا؟''
''مجھے ایسا نہیں لگتا جناب۔'' وہ صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولی۔ ''فرید اتنی جرأت کا مظاہرہ نہیں کرسکتا اور نہ ہی خالو آسانی سے اس کے ساتھ جانے والی تھی۔''

''پھر چھوٹے خان کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔'' میں نے کریدنے والے انداز میں پوچھا۔ ''کہیں اسی نے فرید کو غائب تو نہیں کروایا؟''
''چھوٹا خان ایسی حرکت کرسکتا ہے۔'' وہ کچھ سوچتے ہوئے بولی۔ ''لیکن فرید کے ساتھ خالو بھی غائب ہے۔ اگر مرتضٰی خان نے اسے اٹھوایا ہوتا تو پھر یہ بات چھپی نہیں رہ سکتی تھی۔ خالو کل سہ پہر تک میرے ساتھ تھی۔ ہم دونوں کھیتوں سے ایک ساتھ گھر کی طرف آئے تھے۔''
''تم نے آخری بار خالو کو کب دیکھا تھا؟'' میں نے ایک فوری خیال کے تحت پوچھ لیا۔ ''جب تم لوگ کھیتوں سے واپس آئے تو کیا وقت تھا؟''
''شام سے تھوڑی دیر پہلے کی بات ہے۔ آپ عصر کا وقت سمجھ لیں۔''
کلثوم نے جواب دیا۔ ''یہی کوئی تین ساڑھے تین کا وقت۔''
جنوری کے مہینے میں پنجاب کے گاؤں دیہات میں پانچ بجے کے آس پاس مغرب کی اذان ہو جاتی ہے لہٰذا ساڑھے تین بجے عصر کا وقت ہوسکتا ہے۔
''کیا تم نے اپنی آنکھوں سے خالو کو گھر میں داخل ہوتے دیکھا تھا؟'' میں نے کلثوم سے پوچھا۔ ''تم دونوں کے گھروں کا دروازہ تو ساتھ ساتھ ہی ہے نا؟''
''جی دروازے تو ساتھ ساتھ ہی ہیں۔'' وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولی۔ ''ہم پڑوسی ہیں لیکن خالو میرے سامنے اپنے گھر میں داخل نہیں ہوئی تھی۔''
''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' میں چونک اٹھا۔
''جب ہم اپنی گلی میں داخل ہونے والے تھے تو حشمت چاچی نے خالو کو آواز دے کر روک لیا تھا۔'' کلثوم نے بتایا۔ ''بس، میں اپنے گھر آگئی اور خالو، حشمت چاچی کی طرف بڑھ گئی۔''
''کیا حشمت بھی اسی گاؤں میں رہتی ہے؟''
''جی تھانے دار صاحب!'' اس نے اثبات میں جواب دیا۔
''اس کے بعد پھر خالو سے تمہاری ملاقات ہوئی؟'' میں نے پوچھا۔ ''میرا مطلب ہے، رات میں کسی وقت؟''
''جی نہیں......'' وہ نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولی۔ ''میں ایک بار جب گھر آگئی تو پھر باہر نہیں نکلی اور خالو بھی میری طرف نہیں آئی۔''
''گویا آخری بار تم نے خالدہ کو کل سہ پہر میں ساڑھے تین بجے دیکھا تھا؟''

نہیں بابا" میں نے جواب دیا۔

میں نے مزید ایک دو دن والی بات کے بعد کلثوم کو فارغ کیا اور پھر اسحاق ترکمان کو اندر بلا لیا اور اسحاق کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"مجھے کلثوم سے اچھی طرح پوچھ گچھ کرنا ہے۔ یہ خالد کی گمشدگی کے بارے میں کچھ نہیں جانتی تھی۔ آپ لوگ یہاں سے جا سکتے ہیں۔"

اسحاق ترکمان نے میرا شکریہ ادا کیا اور اپنی بیٹی کلثوم کو لے کر جانے لگا تو میں نے دیکھا، کرم دین بھی وہاں سے رخصت ہونے کے لیے بے تاب نظر آ رہا تھا۔ میں نے آواز دے کر اسے روک لیا۔

"کرم دین! تم ابھی رکو۔ مجھے تم سے کچھ ضروری بات کرنا ہے۔"

وہ رک گیا اور سوالیہ نظر سے مجھے دیکھنے لگا۔ میں نے اسے بیٹھنے کے لیے کہا اور اسحاق و کلثوم کو جانے کی اجازت دے دی۔ پھر کرم دین کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا۔

"تم نے تو مجھے بتایا تھا کہ کلثوم، خالد کی بہت بڑی پسند ہے مگر مجھے محسوس ہوتا ہے کہ تمہیں اس بارے میں بھی کچھ نہیں پتا۔ میں نے اس کے ساتھ مختصر ساری گفتگو کر کے اندازہ لگایا ہے۔"

"میں بھی کیا بتاؤں، خالد کی زندگی میں کچھ ہے ہی نہیں۔" وہ سرسری انداز میں بولا۔ "کلثوم آپ کو کیا بتائے گی۔"

"کرم دین! کیا یہ بات تمہارے لیے حیران کن نہیں کہ تمہاری بیٹے کو کوئی ... دکھائی؟" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سوال کیا۔

"جی کیسی باتیں۔" وہ جلدی سے بولا۔ "میں تو یہی چاہتا ہوں تھانے دار صاحب۔"

"لیکن تمہارا عمل اس بیان سے لگا نہیں کھاتا۔" میں نے کہا۔ "مجھے محسوس ہوتا ہے کہ تم مجھ سے کچھ چھپانے کی کوشش کر رہے ہو۔ خالد کے سلسلے میں تم سے زیادہ تو چھوٹا خان پریشان دکھائی دے رہا ہے۔"

"خان صاحب کو ہمارا بڑا خیال ہے نا، اس لیے وہ چاہتے ہیں کہ خالد جلد از جلد بازیاب ہو جائے۔"

"چھوٹے خان کو تم لوگوں کا خیال ہے یا صرف خالد کا ...؟" میں نے سرسراتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

وہ ایک لمحے کے لیے گڑبڑا کر رہ گیا لیکن جلد ہی سنبھلتے ہوئے بولا۔ "نہیں، ہم سب کا خیال ہے جی کہ ان کے ہم پر بڑے احسان ہیں جب ... کی محنت ... میں ..."

ابھی کافی عرصہ نہیں ہوا کہ بڑے خان صاحب نے وعدہ کیا ہے کہ اگلے سال وہ اسے گھوڑا ... بنا دیں گے تاکہ چھوٹی موٹی تجارت کرنے لگے۔ انہوں نے یہ بھی وعدہ کیا ہے کہ خالد کی شادی میں ہونے والے سارے اخراجات خود کریں گے۔ وہ بے حد ہماری مالی مدد بھی کرتے رہتے ہیں۔"

"لیکن ان معاملات میں چھوٹے خان کا کیا کردار ہے؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔ "کوئی بھی پرائے معاملات میں مداخلت نہیں کرتا۔"

"ان کی مرضی ہے سرکار۔" وہ ٹالنے والے انداز میں بولا۔ "ہم کیا کر سکتے ہیں۔"

"اگر تم کچھ نہیں کر سکتے تو پھر میں بھی تمہارے بیٹے کی تلاش کے سلسلے میں کچھ نہیں کر سکتا۔" میں نے دو ٹوک انداز میں کہا۔ "اب تم یہاں سے جا سکتے ہو۔"

وہ آنکھیں پھاڑ کر مجھے تکنے لگا۔ "آپ تو ناراض ہو گئے تھانے دار صاحب۔"

"اگر میں تم سے ناراض ہوتا تو ابھی تمہیں حوالات میں بند کر دیتا۔" میں نے طنزیہ انداز میں کہا۔ "جب تمہیں اپنے بیٹے کی بازیابی میں کوئی دلچسپی نہیں ہے تو پھر میں کیوں اپنے ذہن کو تھکاؤں؟"

میری بات نے بے پناہ اثر کیا تو کرم دین ٹوٹ گیا۔ "تھانے دار صاحب! میں آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں مگر یہ بات چھوٹے خان صاحب تک نہیں پہنچنا چاہیے......"

"تم بے فکر ہو جاؤ۔" کرم دین کو دیکھتے ہوئے میں نے جواب دیا۔ "مرتضیٰ خان کے فرشتوں کو بھی اس کی خبر نہیں ہوگی۔ تم آج مجھے جو کچھ بھی بتاؤ گے وہ اور اس کمرے میں دفن رہے گا۔"

"میں ...... چھوٹے خان کی وجہ سے ...... بہت تنگ ہوں۔" وہ دبے دبے لہجے میں بولا۔

تھوڑی دیر پہلے وہ جو چھوٹے خان کی تعریفوں کے پل باندھ رہا تھا اب ...... پھر میں نے اسے ٹوکا نہیں اور اس کی جانب متوجہ رہا۔ وہ اپنی بات آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔

"اگر چھوٹا خان ... نے اپنی کسی سے رکھا ہے وہ میری ایک ... بیٹی ... میں نے کئی بار اسے سمجھایا ہے کہ اپنے دل کی ... سے ... اور ... لوگوں سے تعلقات نہیں رکھنا چاہئیں مگر اس کی سمجھ میں میری بات نہیں آتی تھی ... اپنے باپ کی عزت ... ہے۔"

... کا تو میں ... تھوڑے ... سے ... سوال ... چھوٹا خان ... چاہتا ہے۔ ... آپ لوگوں ... ہوں

وقت اور پیسا کیوں برباد کر رہا ہے؟''

کلثوم کی زبانی میں اس راز سے آگاہ تو ہو چکا تھا مگر کرم دین اگر اس کی تصدیق کر دیتا تو خالدہ کی تلاش کے سلسلے کو بہ آسانی آگے بڑھایا جاسکتا تھا اور..... کرم دین کی حالت بتاتی تھی کہ وہ اپنا سینہ کھول کر مجھے دکھانے کے لیے تیار ہے۔

''خان صاحب کو ذرا سا بھی خوفِ خدا نہیں ہے۔'' وہ پھٹ پڑا۔'' خان کے اپنے بیوی بچے ہیں لیکن وہ ہاتھ دھو کر میری خالدہ کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ وہ اس سے شادی کرنا چاہتا ہے۔''

''اور تم اس شادی کے لیے ہرگز تیار نہیں ہو؟''

''میں کیسے تیار ہو جاؤں تھانے دار صاحب۔'' وہ ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولا۔'' خالدہ کی منگنی ہو چکی ہے مگر ذکیہ پوری طرح خان جی کی حمایت میں ہے۔ وہ کہتی ہے، میں اپنے بھائی کو ناراض کر لوں گی اور خالدہ کی منظور حسین سے منگنی توڑ دوں گی۔ ذکیہ پوری طرح خان جی سے، خالدہ کی شادی کے لیے تیار بیٹھی ہے۔''

میں ایک مجبور باپ اور ایک بے چارے شوہر کو ہمدردی بھری نگاہ سے دیکھنے لگا۔ ان لمحات میں کرم دین مجھے بہت بے بس اور لاچار دکھائی دیا۔ میں نے تسلی بھرے انداز میں کہا۔

''پریشان ہونے کی ضرورت نہیں کرم دین۔ تم نے سچ بول کر میرا دل جیت لیا ہے۔ میں بہت جلد خالدہ کو ڈھونڈ لوں گا اور اسے مرتضیٰ خان سے محفوظ بھی کر دوں گا۔ تمہیں اب فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔''

''اگر ایسا ہو جائے تو میں آپ کا یہ احسان زندگی بھر یاد رکھوں گا۔'' وہ ممنونیت بھرے لہجے میں بولا۔

''یہ میں تم پر کوئی احسان نہیں کر رہا بلکہ میں تو اپنا فرض پورا کر رہا ہوں۔'' میں نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔'' بس تم اپنی زبان پر مہر لگا لو اور چھوٹے خان کو یہ پتا نہیں چلنا چاہیے کہ تم نے مجھے اس کے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہے۔''

''نہیں بتاؤں گا جی۔'' وہ پوری قطعیت سے بولا۔'' خان جی کو کچھ نہیں بتاؤں گا۔''

''کیا تم کسی حشمت بی بی کو جانتے ہو؟'' میں نے کرم دین سے پوچھا۔

''آپ بھولا کی بیوی کی بات کر رہے ہیں نا؟''

''میں کسی بھولا کو تو نہیں جانتا۔'' میں نے کہا۔'' بس اتنا پتا ہے کہ حشمت بی بی اسی گاؤں میں رہتی ہے۔''

''اس گاؤں میں ایک ہی حشمت بی بی ہے جناب اور وہ ہے بھولا کی بیوی۔''

''یہ حشمت کیسی عورت ہے؟'' میں نے استفسار کیا۔

''وہ کوئی اچھی شہرت کی عورت نہیں۔'' کرم دین برا سا منہ بناتے ہوئے بولا۔'' ہمارے گاؤں کے شرفاء کی رائے ان دونوں میاں بیوی کے بارے میں خراب ہے۔''

کرم دین کا یہ انکشاف میرے لیے بہت اہم تھا۔ میں نے پوچھا۔'' بھولا کیا کام کرتا ہے؟''

''وہ کوئی کام وام نہیں کرتا سرکار۔'' وہ ناپسندیدہ انداز میں بولا۔'' بھولا ایک ڈنگر چور ہے۔ اس کے علاوہ بھی چھوٹی موٹی چوری چکاری کی وارداتوں میں ملوث رہتا ہے۔ اس سلسلے میں وہ ایک دو بار جیل بھی جا چکا ہے۔ ایک بار تو چھوٹے خان صاحب نے اس کی ضمانت بھی کرائی تھی۔''

''تو اس کا مطلب ہے، حشمت اور بھولا کے لیے چھوٹے خان کے دل میں بڑی ہمدردی ہے۔'' میں نے کہا۔'' ورنہ کوئی خوامخواہ کسی کی ضمانت نہیں کراتا۔''

''جی آپ ٹھیک کہتے ہیں۔'' وہ تائیدی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔'' ان دونوں میاں بیوی کا خان جی سے ملنا جلنا تو ہے۔''

''ٹھیک ہے کرم دین!'' میں نے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے کہا۔'' اب میں نے اس علاقے کے تھانے کا چارج سنبھالا ہے تو سب غنڈوں بدمعاشوں کو نکیل ڈال کر ہی دم لوں گا۔ یہ بھولا بھی اپنے عبرت ناک انجام کو ضرور پہنچے گا ایک دن۔''

پھر میں نے کرم دین کو جانے کی اجازت دے دی مگر میں نے اسے یہ نہیں بتایا کہ حشمت بی بی کے بارے میں، میں نے یہ ساری چھان بین کیوں کی ہے۔ کلثوم نے آخری بار کل سہ پہر کے وقت خالدہ کو حشمت بی بی کے ساتھ دیکھا تھا اور اب پتا چلا کہ حشمت کی شہرت اچھی نہیں تھی اور وہ چھوٹے خان کے ساتھ بھی رابطے میں تھی۔ لہٰذا اس زاویے پر سوچنے میں کوئی مضائقہ نہیں تھا کہ خالدہ کی... گم شدگی میں مرتضیٰ خان کا ہاتھ ہو سکتا ہے!

☆☆☆

آج اٹھائیس جنوری کی تاریخ تھی اور آج کا پورا دن بے انتہا مصروف گزرا تھا۔ شکر کی بات یہ تھی کہ دوپہر تک بارش کا سلسلہ تھم گیا تھا تاہم سردی کی شدت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی تھی اور اب شام کے سائے اپنے پر پھیلانے لگے تھے جن کی وجہ سے موسم کی سنگینی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

میں تھانے سے اٹھنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ حوالدار بہادر علی دروازے سے اندر آ گیا۔ وہ اکیلا ہی تھا۔ میں نے اسے سامنے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"ادھر کی کیا رپورٹ ہے بہادر علی؟"

"رپورٹ کچھ زیادہ حوصلہ افزا نہیں ہے ملک صاحب!" وہ مایوس کن لہجے میں بولا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ "فریدہ کا پتہ چلا؟"

"بہت کچھ پتا چلا ہے جناب مگر کوئی خاص نہیں ان معلومات کا۔" وہ ایک گہری سانس لیتے ہوئے بولا۔

"تفصیلات کیا ہیں؟" میں سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

حوالدار نے بتایا۔ "میں واقعات سن کر سیدھا فریدہ کے دوست حنیف سے جا کر ملا تھا۔ [illegible] میں حنیف کی تمام [illegible] ہے۔ اس نے بتایا کہ کل سہ پہر تک فریدہ اس کے پاس آیا تھا۔"

"اوہ!" میں نے جلدی سے پوچھا۔ "کیا فریدہ اکیلا ہی وہاں پہنچا تھا یا اس کے ساتھ خالدہ بھی تھی؟"

"حنیف کے بیان کے مطابق فریدہ اکیلا ہی تھا۔" بہادر علی نے بتایا۔ "اس روز [illegible] میں کبڈی کے مقابلے ہو رہے تھے۔ فریدہ کو [illegible] اور کبڈی کے مقابلے دیکھنے کا بہت شوق ہے۔ جب حنیف سے [illegible] واپس [illegible] کبڈی مقابلے کا بتایا تو وہ [illegible] گیا کہ وہ بھی یہ مقابلے دیکھنے جائے گا۔ حنیف نے اپنی دکان بند کی اور فریدہ کے ساتھ [illegible] کی طرف چل دیا۔ کبڈی کے [illegible] ان [illegible] تھے [illegible] تک [illegible] چاول کی فصل [illegible] کی فصل کاٹی جا چکی تھی اور [illegible] حنیف [illegible] ہو رہے تھے۔"

"فصل کی بات بعد میں کریں گے بہادر علی۔" میں نے اسے ٹوک دیا۔ "فی الحال مجھے بتاؤ کہ فریدہ کہاں گیا؟"

"فریدہ شام تک حنیف کے ساتھ ہی تھا۔" بہادر علی نے کہا۔ "مغرب کی اذان کے بعد وہ وہاں سے واپس آ گیا تھا۔"

"واپس آ گیا تھا تو پھر وہ گھر کیوں نہیں پہنچا؟" میں نے تیز لہجے میں دریافت کیا۔

"یہی بات تو سمجھ میں نہیں آ رہی ملک صاحب!" حوالدار نے الجھن زدہ انداز میں کہا۔ "حنیف بھی پریشان ہے کہ فریدہ آخر گیا کہاں۔ اسے زمین نگل گئی یا آسمان کھا گیا؟"

"[illegible] اندر آنے کے لیے [illegible] کوئی بھی نام سے پہلے ہی نکل آتی ہے۔" میں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "اگر فریدہ مغرب تک حنیف کے ساتھ تھا تو پھر وہ واپس کیسے آیا ہوگا؟"

"یہی بتانے میں آیا ہوں ملک صاحب!" حوالدار نے بتایا۔ "حنیف نے اسے ایک ٹریکٹر ٹرالی پر بٹھایا تھا جس نے [illegible] والا تک آنا تھا۔ فریدہ نے [illegible] کہا تھا کہ وہ [illegible] والا سے پیدل ہی گھر چلا جائے گا۔" [illegible] "[illegible] والا اور فریدہ کے گھر کے درمیان واقع ہے۔ وہ [illegible] والا سے [illegible] میں گھر پہنچ سکتا تھا۔"

"کیا تمہیں [illegible] ٹریکٹر ٹرالی نے [illegible] والا ہی میں اتارا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"[illegible] جناب [illegible] اور [illegible] کی [illegible] ٹرالی میں یہاں پہنچا ہوں۔" بہادر علی نے بتایا۔ "میں [illegible] ٹریکٹر ٹرالی میں آیا ہوں اسے [illegible] جاتا ہے [illegible] سامنے اتار [illegible]۔"

"[illegible] مجھے [illegible] جواب دیا۔ "میری [illegible] میں بے جا اضافہ ہو گیا [illegible] ٹریکٹر ٹرالی کو کوئی [illegible] پر فریدہ [illegible] ہوا تھا؟"

"اس ٹرالی کے مالک کا نام [illegible] ہے ملک صاحب۔" بہادر علی نے بتایا۔ "وہ [illegible] کا رہنے والا ہے۔ [illegible] والا تک اس نے فریدہ کو [illegible] اتارا تھا [illegible] وہ اس سے [illegible] آگے جا کر [illegible]۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے کہا۔ "کل صبح تم [illegible] جاؤ اور اس [illegible] سے جا کر ملو۔ وہ بتا سکے گا کہ اس نے فریدہ کو کہاں اتارا تھا۔ اگر فریدہ واقعی [illegible] والا آیا تو پھر وہ اپنے گھر کیوں نہیں پہنچا؟"

"جی ملک صاحب! آپ فکر نہ کریں۔" حوالدار نے [illegible] سنجیدگی سے کہا۔ "میں صبح سویرے ہی [illegible] جاتا ہوں اسے [illegible] بھی [illegible] جائے گا۔"

"اس مسئلے کو جلد از جلد حل ہونا چاہیے بہادر علی۔" میں نے سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا۔ "[illegible] مجھے یہ بھی لگتا ہے کہ فریدہ کا خالدہ کی گمشدگی سے کوئی تعلق نہیں۔ [illegible] بہتر جانتا ہے۔ جب فریدہ سامنے آئے گا تو صورت حال واضح ہو جائے گی۔"

[illegible] فریدہ اور خالدہ کے [illegible] سے [illegible]

کوارٹر کی طرف آ گیا۔
آج دن بھر کی مصروفیت نے مجھے بہت تھکا دیا تھا۔ میں نے رات کا کھانا کھایا اور عشا کی نماز ادا کرنے کے بعد بستر میں گھس گیا۔ ایک تو تھکن، دوسرے گرم بستر، جسم کو حرارت بھرا آرام ملا تو میں گہری نیند میں چلا گیا۔ پھر اگلی صبح ہی میری آنکھ کھلی۔
میں ناشتے وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد تیار ہو کر تھانے پہنچا تو تھوڑی ہی دیر کے بعد چھوٹا خان میرا دماغ کھانے آ گیا۔ اس نے کمرے میں آنے کے بعد مجھے سلام کیا اور پوچھا۔
''تھانے دار صاحب! آپ نے ابھی تک خالدہ کو تلاش نہیں کیا اور نہ ہی فرید کی گرفتاری عمل میں آئی ہے۔ آخر آپ کر کیا رہے ہیں؟''
''خان صاحب! اس تھانے کے انچارج آپ ہیں یا میں؟'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بڑے تحمل سے دریافت کیا۔
''ظاہر ہے جی، آپ ہی یہاں کے تھانے دار ہیں۔'' وہ الجھن زدہ نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔
''بس تو پھر تھانے داری بھی مجھے ہی کرنے دیں۔'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''میں فرید اور خالدہ کی گمشدگی کے سلسلے میں جو کچھ بھی کر رہا ہوں، وہ میرے لیے تسلی بخش ہے۔ آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔''
''لیکن آپ کی کارکردگی میرے لیے تسلی بخش نہیں ہے۔'' وہ عجیب سے لہجے میں بولا۔
''میں آپ کی تسلی کے لیے نہیں، پولیس ڈیپارٹمنٹ کے لیے کام کرتا ہوں۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں بہت دور تک جھانکتے ہوئے کہا۔ ''اور آپ کون ہوتے ہیں خالدہ کے یا فرید کے...... جو میں آپ کی تسلی کرتا پھروں!''
''آپ حالات کی نزاکت کو سمجھ نہیں رہے ہیں ملک صاحب۔'' وہ سرسراتی ہوئی آواز میں بولا۔ ''مجھے یقین ہے کہ فرید ہی نے خالدہ کو اغوا کیا ہے۔'' پھر وہ ایک آنکھ دبا کر رازدارانہ لہجے میں مستفسر ہوا۔ ''اگر کوئی کمائی وائی کا مسئلہ ہے تو مجھے بتا دیں۔ میں آپ کی توقع سے زیادہ ہی دوں گا۔''
وہ مجھے رشوت دینے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کی .... پیشکش نے میرے تن بدن میں آگ لگا دی۔ میں نے اسے یہ بتانا ضروری نہیں سمجھا کہ فرید کے حوالے سے میرا کام کہاں تک پہنچ چکا ہے۔ میں نے فیصلے کن انداز میں کہا۔

وفا

دودھ والے نے برتن میں دو کلو دودھ ڈالا اور پیچھے چل دیا۔ راہ میں ہر ایک سے چھپ کر اس نے ملاوٹ کر دی۔ پانی اور دودھ باہم شیر و شکر ہو گئے۔ ملک نے واٹر کو وائٹ رہنے دیا اور اپنا لباس اسے بھی پہنا دیا۔ ملک مین نے وہ دودھ ایک گھر میں بیچ دیا۔ چار کلو دودھ میں دو کلو پانی اور دو کلو دودھ۔ عورت نے دس ضرب چار کے حساب سے چالیس روپے ادا کیے اور دودھ پتیلے میں ڈال کر آگ پر رکھ دیا۔ دودھ پانی سے کہتا ہے۔
''دیکھا! ہم نے تمہاری قیمت بھی اپنے جتنی کر دی، یہ ہوتا ہے سنگت کا فائدہ۔ چھنکے سنگ ترے بلند۔ بلند مقام پر پہنچ کر...... بلند کرنے والے کے احسان کو یاد رکھتے ہیں۔''
اتنے میں پتیلا گرم ہو چکا تھا۔ دودھ کی آہ نکلی۔ پانی نے پوچھا۔ ''کیا ہوا؟''
دودھ نے کہا۔ ''آگ تیز ہو گئی ہے، میں جل جاؤں گا۔''
پانی نے کہا۔ ''جب تک میرا دم ہے، تمہیں کچھ نہیں ہوگا۔''
پتیلا گرم ہوتا گیا اور پانی جلتا گیا۔ حتیٰ کہ پانی ختم ہو گیا۔ دودھ نے جاں نثار کو مرتے دیکھا تو غصے سے بھڑک اٹھا، آگ سے کہنے لگا۔ ''تم نے میرے یار، میرے ساتھی کو جلایا ہے۔ میں تم کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔'' پتیلے سے اچھل کر چولہے پر گرا اور آگ کو بجھا کر رکھ دیا۔ اب عورت کو پتا چل گیا ہے۔ وہ قریب بیٹھی ہے۔ جب دودھ کو غصہ آتا ہے، وہ تھوڑا سا پانی ڈال دیتی ہے۔ دودھ اپنے ساتھی کو دیکھ کر ٹھنڈا پڑ کر نرم پڑ جاتا ہے یا پھر دودھ کو اس کے ساتھی کی ''آگ'' دور لے جاتی ہے۔

محمد مختار شاہ کی کتاب ''بات سے بات'' سے انتخاب
مرسلہ۔ محمد الیاس، لسبیلہ، بلوچستان

"خان صاحب! اس رقم کو سنبھال کر رکھیں۔ کورٹ کچہری میں کام آئے گی۔"

"میں نے ایسا کیا کر دیا کہ کورٹ کچہری کی نوبت آ جائے۔" وہ پاؤں پٹختے ہوئے بولا۔

"یہ بھی آپ کو بہت جلد پتا چل جائے گا۔" میں نے سخت لہجے میں کہا۔

"مجھ پر کوئی بات ثابت نہیں ہو سکے گی تھانے دار صاحب۔"

وہ غصے سے لال پیلا ہوتے ہوئے بولا۔ "اب آپ جلدی تشریف لے جائیں۔ آپ نے مجھے گھر سے بلا کر اچھا نہیں کیا۔"

میں کافی دیر سے اس کی الٹی سیدھی باتیں برداشت کر رہا تھا لیکن جب اس کے گالوں کے پیر سے پھاڑ بہت ضروری ہو گیا تو مجھے اٹھتے ہوئے کہنا پڑا۔

"خان جی! آپ کسی غلطی میں نہیں رہنا۔ میں تھانے کا بادشاہ ہوں، اس کچہری کا باپ ہوں۔ میں نے تم جیسے کئی طرم خانوں کو سیدھا کر دیا ہے۔ یہ دھمکیاں کسی اور کو جا کر دینا۔"

میرے "آپ" سے "تم" پر اتر آنے کو اس نے اس کی گرمی پر محمول کیا۔

وہ جھنجلا کر مصنوعی آواز میں بولا۔ "ملک صاحب! ہم قانونی آدمی ہیں۔ آپ خواہ مخواہ ہمارے دروازے سے اس طرح بے عزت کر رہے ہیں۔ انشاء اللہ آپ کو بھی یہاں سے جانا ہی پڑے گا۔ ہماری پہنچ بہت اوپر تک ہے۔ آپ جیسے کئی تھانے دار آئے اور چلے گئے۔"

"اوپر" کی بات سن کر مجھے مرتضیٰ کی بات یاد آئی۔

"اوپر کی پہنچ مت جتاؤ مرتضیٰ!" میں نے جتاتے ہوئے کہا۔ "اللہ تکبر اور غرور کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا اس لیے اس نے جواب میں ایک موذی بھیجا ہے۔ خدا کے قہر سے ڈرو خان جی۔ اس کی لاٹھی بے آواز ہے۔"

"میں یہاں آپ کی تقریر سننے نہیں آیا۔" وہ بے رخی سے بولا۔

"اگر میرے الفاظ برداشت نہیں ہو رہے تو چلے جاؤ یہاں سے۔" میں نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ "میں نے تم کو روکا تو نہیں ہے۔"

وہ تن کے سخت لہجے پر وہ گیا اور خاموشی سے چلا گیا۔

مرتضیٰ کے جانے کے بعد میں گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ وہ خالہ کی بازیابی اور ملزم کی گرفتاری کے لیے مرا جا رہا تھا۔ یہ بات مجھے معلوم ہو چکی تھی کہ خالہ خان کو جو ... کی اور ... اس کی آمد سے ...

مجھے یہ بھی پتا چلا تھا کہ چاند نے ایک بار مجھے اشارۃً مرتضیٰ خان کی بے عزتی بھی کروائی تھی اور ایک مرتبہ اس نے خان کی دست درازی کی کوشش بھی ناکام بنا دی تھی۔ ان حالات کی روشنی میں... مرتضیٰ کی ذات کے گرد شکوک و شبہات کی گہری دھند اٹھائی دیتی تھی۔ وہ اپنی ذلت اور ناکامی کا بدلہ لینے کے لیے خالہ کو قتل بھی کر سکتا تھا۔ اگر ایسا تھا تو پھر خالہ کی آمدنی کے لیے بہت سوچ سمجھ کر قدم اٹھانے کی ضرورت تھی۔

میں نے مرتضیٰ خان پر مضبوط ہاتھ ڈالنے کے لیے خصوصی انتظامات کے بارے میں سوچا اور کانسٹیبل نور محمد کے ہمراہ حشمت بی بی کی جانب روانہ ہو گیا۔

☆☆☆

گزشتہ روز میں نے چاند کی سہیلی سے حشمت بی بی کے گھر کی لوکیشن معلوم کر لی تھی۔ ام کلثوم کو میں نے یہ احساس نہیں ہونے دیا تھا کہ میں حشمت بی بی کی طرف جانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔

حشمت کا گھر گاؤں کے آخری کنارے پر واقع تھا۔ جہاں سے ایک راستہ سیدھا قبرستان کی طرف جاتا تھا۔ اس کے گھر کے سامنے بہت سے بچے کھیل کود میں مصروف تھے۔ یہ ایک چھوٹا سا میدان تھا جس کا بیشتر حصہ گیلا تھا جو آج کل ہونے والی بارش کی کارستانی تھی۔ میدان کے زیادہ تر حصے پر پانی کھڑا تھا جبکہ جو حصہ کھیلنے کے قابل تھا بچوں نے اسی پر قبضہ جما رکھا تھا۔

میں نے ایک بارہ تیرہ سالہ بچے کو آواز دے کر اپنے پاس بلا لیا۔ میں اور نور محمد پولیس کی وردی میں تھے۔ بچہ ہمیں وہاں دیکھ کر سہم گیا تھا۔ بچہ تھوڑی ہچکچاہٹ کے ساتھ آگے بڑھ آیا۔

میں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا۔ "بیٹا! تمہارا نام کیا ہے؟"

"شیدا۔۔۔" اس نے بتایا۔ "میں نے کوئی شیطانی نہیں کی۔"

"ڈرو نہیں شیدا!" میں نے پیار سے کہا۔ "میں تمہیں پکڑنے نہیں آیا۔ تمہارا نام تو بڑا پیارا ہے۔"

"جی! ابا کا رکھا ہوا ہے۔" اس نے جلدی سے وضاحت کی۔ "لیکن سب مجھے شیدا ہی کہتے ہیں۔"

"تم بہت اچھے بچے ہو۔" میں نے اس کی تعریف کی۔

"تم مجھے یہ بتاؤ ... حشمت بی بی کا گھر کون سا ہے؟"

اس نے نزدیک ہی ایک دروازے کی جانب اشارہ کیا پھر وزدیدہ لہجے میں مستفسر ہوا۔ ''تھانے دار جی..... آپ میری ماں اور ابا کو تو مرغا نہیں بنائیں گے نا؟''

''اوہ.....'' میں اس کی بات کی تہ میں پہنچ کر مسکرا دیا پھر پوچھا۔ ''وہ بھی تمہیں جیدا ہی کہتے ہیں؟''

''جی..... وہ بھی.....'' وہ معصومیت سے بولا۔

''تم فکر نہ کرو۔ میں انہیں مرغا نہیں بناؤں گا۔'' میں نے تسلی آمیز لہجے میں کہا۔ ''بس انہیں تھوڑی ڈانٹ لگاؤں گا تو وہ سمجھ جائیں گے۔''

''ٹھیک ہے جی۔'' وہ خوش ہو گیا۔

وہ تالیاں بجاتے ہوئے ایک طرف چلا گیا تو میں حشمت کے دروازے کی جانب بڑھا پھر دستک دے کر ایک جانب کھڑا ہو کر انتظار کرنے لگا۔

تھوڑی ہی دیر کے بعد گھر کے اندرونی حصے میں کسی کے چلنے کی آواز ابھری پھر بند دروازے کی کنڈی گرنے کی مخصوص آواز سنائی دی۔ اگلے ہی لمحے دروازے کا ایک پٹ کھل گیا تاہم کوئی سامنے نہیں آیا بلکہ دروازہ کھولنے والے نے بند پٹ کے عقب سے استفسار کیا۔

''کون ہے؟''

یہ ایک نسوانی آواز تھی تاہم اس آواز میں نسوانیت کم اور کرختگی زیادہ پائی جاتی تھی۔ میں نے کہا۔

''میں حشمت بی بی سے ملنے آیا ہوں۔''

''حشمت سے کیا کام ہے اور تم ہو کون؟'' پھر کرخت لہجے میں پوچھا گیا۔

''میں جو کوئی بھی ہوں اس کو چھوڑو۔'' میں نے مبہم انداز میں کہا۔ ''بس سمجھ لو کہ مجھے حشمت سے بہت ضروری کام ہے اور یہ کام میں باہر گلی میں کھڑے ہو کر نہیں بتا سکتا۔ کیا تم حشمت بی بی ہی ہو؟''

''میں حشمت بی بی ہی ہوں۔'' اس نے بتایا۔ ''لیکن اس وقت میرا خاوند گھر میں نہیں ہے۔ میں کسی اجنبی کو اندر آنے کی اجازت نہیں دے سکتی۔ تم پھر کسی اور وقت آجانا یا باہر ہی سے بتا دو کہ مجھ سے کیا کام ہے؟''

''میرا نام ملک صفدر حیات ہے۔'' میں نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا۔ ''اور میں اس علاقے کا تھانے دار ہوں۔ میں تم سے خالدہ کے بارے میں چند باتیں کرنا چاہتا ہوں۔''

خالدہ کے ذکر پر دروازے کے پیچھے سناٹا چھا گیا۔ ایک لمحے کے لیے مجھے محسوس ہوا کہ وہ جھٹ سے دروازہ بند کر دے گی۔ اگلے ہی لمحے اس نے میرے محسوسات کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کرنا چاہی تو میں نے اپنا پاؤں دونوں پٹوں کے بیچ پھنسا کر اس کی یہ کوشش ناکام بنا دی۔

وہ بپھرے ہوئے لہجے میں بولی۔ ''آپ کو شرم نہیں آتی۔ ایک عورت کو گھر میں اکیلے دیکھ کر پریشان کرنے چلے آئے ہیں۔''

''شکر کرو کہ میں خود چل کر تمہارے دروازے پر آ گیا ہوں۔'' میں نے اکھڑے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''اگر میں تمہیں تھانے بلواتا تو تمہاری پریشانی میں کئی گنا اضافہ ہو جاتا۔'' میں نے لمحاتی توقف کر کے ایک گہری سانس لی پھر کہا۔

''حشمت بی بی! مجھے زبردستی پر مجبور نہ کرو ورنہ تمہارے لیے اچھا نہیں ہوگا۔''

''یہ دھمکی شمکی کسی اور کو جا کر دیں تھانے دار صاحب۔'' وہ بدستور بپھرے ہوئے لہجے میں بولی۔ ''میں نے کوئی جرم نہیں کیا جو پولیس والوں سے ڈرتی پھروں۔''

''میں نے کب کہا کہ تم نے کوئی جرم کیا ہے۔'' میں نے اس کی برہمی پر ٹھنڈے پانی کا چھڑکاؤ کرتے ہوئے کہا۔ ''اور جہاں تک پوچھ تاچھ کا تعلق ہے تو وہ میں اس علاقے کے کسی بھی دستیک سے کر سکتا ہوں۔ یہاں کے دو بندے غائب ہو گئے ہیں۔ فرید اور خالدہ..... ان دونوں کو ڈھونڈ نکالنا میرے فرائض کا حصہ ہے۔''

''لیکن میرا خالو یا فرید کی گمشدگی سے کیا لینا دینا؟'' وہ چیخ کر بولی۔ ''آپ میرے دروازے پر کیوں آئے ہیں؟''

میں نے حشمت بی بی کی فضول گوئی بہت سن لی تھی لہٰذا خاصے تھانے دارانہ انداز میں کہا۔ ''فضول باتیں بند کرو اور میری بات غور سے سنو۔ تم وہ عورت ہو جس کے ساتھ آخری بار خالدہ کو دیکھا گیا تھا۔ اگر تم تعاون کرو تو میں بہت جلد آسانی سے خالدہ تک پہنچ سکتا ہوں۔''

''میں خالدہ کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔'' وہ قدرے نرم پڑتے ہوئے بولی۔ ''آپ کو کسی نے غلط بتایا ہے۔''

''اس کا مطلب ہے 'تم شرافت سے نہیں مانو گی'۔'' میں نے سخت لہجے میں کہا۔ ''لگتا ہے تمہیں تھانے کچہری کا کچھ زیادہ ہی شوق ہے۔ ٹھیک ہے' تمہارا یہ شوق پورا کر دیتے ہیں۔ میں تمہیں گرفتار کر کے تھانے لے جا رہا ہوں۔ باقی باتیں وہیں جا کر ہوں گی۔''

''کیا آپ میری گرفتاری کا وارنٹ ساتھ لائے ہیں؟'' وہ تیکھے لہجے میں بولی۔ ''آپ وارنٹ کے بغیر مجھے گرفتار نہیں کر سکتے۔ اتنا سا قانون تو میں بھی جانتی ہوں۔''

"قانون مجھے تحفظ دے گا؟" میں نے اس پر چوٹ کی۔ "آخر بھلا کیوں... بدمعاشی ہے۔ تمہارے شوہر نے آس پاس کے علاقوں میں بڑی عزت کمائی ہوئی ہے اور ایک دربار شاہ کی مریدی اختیار کر رکھی ہے لیکن شوہر نے... اگر بھلا میرے بچے پر ہاتھ ڈالا تو ایسا قانون کروں گا کہ باقی ساری زندگی جیل کی سلاخوں کے پیچھے ہی گزرے گی۔"

"کیا کہہ رہے ہیں آپ؟" وہ تیز لہجے میں بولی۔ "میں آپ کی دھمکیوں میں آنے والی نہیں ہوں۔ آپ پولیس والے ایسے ہی ناکارہ ہوتے ہیں۔ مجرموں سے ملی بھگت رکھتے ہیں اور انہیں چھوڑ دیتے ہیں اور ہم جیسے شریف لوگوں کو تنگ کرنے آجاتے ہیں۔"

"یہ اپنے تنگ ماننے کی بات ہے صاحب..." ارشد نے بھلا بہت میرے اشارے ہی کہا۔ "اگر آپ کا حکم ہو تو میں زبردستی دروازہ کھلوا لوں۔"

"ٹھیک ہے ارشد..." میں نے آگے بڑھ کر کانسٹیبل کو ایک اشارہ کیا۔ پھر بہ آواز بلند کہا۔ "میں دروازہ کھول دو ورنہ ہم جلدی سے حشمت کو گرفتار کر لیں گے۔ بڑی شدید مجبوری ہے۔ اور حالات میں ہم کچھ نہ کر سکیں گے۔"

میری چال کامیاب رہی۔ حشمت پر میری دھمکی نے خاطر خواہ اثر کیا تھا۔ اس کا رنگ... دروازہ کھولتے ہوئے بڑی تیزی سے بولی۔

"اندر آجائیے تھانے دار صاحب۔ اس قسم کی باتیں دروازے پر کھڑے ہو کر نہیں کی جاتیں۔"

مجھے اس کے انداز پر حیرت ہوئی اور میرے ذہن میں نرگس کا تصور ابھرا جو چھوٹی لڑکی تھی۔ وہ دادی کے ساتھ کہیں گئی ہوئی تھی اور اب میری طرح گھل مل گئی تھی۔ ایک بات کا مجھے بخوبی اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ ایک تیز طرار عورت تھی۔ اس کا رویہ بتاتا تھا کہ کوئی نہ کوئی چال چل سکتی تھی۔

میں نے ارشد کو کھلے ہوئے دروازے پر متعین کر دیا اور خود حشمت کے ساتھ گھر کے صحن میں آگیا۔

حشمت کی عمر تیس اور چالیس کے درمیان تھی مگر اس نے خود کو بہت سنبھال کر رکھا ہوا تھا اور اس کے چہرے میں ایک خاص قسم کی کشش پائی جاتی تھی جو مردوں کو فوراً اپنی جانب کھینچ لیتی تھی۔ وہ مجھے اپنے ساتھ بیٹھک میں لے آئی۔ جب ہم آمنے سامنے بیٹھ گئے تو میں نے خالدہ کے بارے میں بات چیت شروع کی...

کوشش کرنے لگی۔ اس کا انداز بالکل بازاری عورتوں جیسا تھا۔ میں بے حد شاکی ہو گیا۔ تھانے دار تو میں حشمت کے چہرے کو دیکھتے ہی ہو گیا تھا۔ بھی میں نے ارشد کو گھر کے واپسی دروازے پر متعین کر دیا تھا اور حشمت کی بیٹھک کا دروازہ بھی بند کرنے دیا تھا۔

اللہ کا مجھ پر لاکھ لاکھ کرم ہے کہ اس نے مجھے ایسے معاملات پر گہری نظر رکھنے کی توفیق دی تھی۔ مجھے اپنی طویل ملازمت کے دوران چوری کرنے والے بعض اوقات رنگین و سنگین معاملات سے بھی گزرنا پڑتا تھا۔ انسان کی حیثیت ہی کیا ہے۔ یہ خطا کا پتلا ہے۔ مگر اس ذات پاک کا فضل شامل حال نہ ہو تو اس دنیا میں قدم قدم پر بھٹکنے کے مواقع موجود تھے۔

حشمت بی بی کے ساتھ میں نے تقریباً ایک گھنٹا اس کی بیٹھک میں "ملاقات" کی۔ وہ بھی تیز طرار عورت ہے اس کا انداز آپ کو بھی تحریر سے ہو گیا ہوگا۔ اس قبیلے کی عورتوں کی زبان سے کچھ اگلوانا آسان کام نہیں ہوتا تاہم میں نے اپنی پیشہ ورانہ مہارت کے ذریعے مشکل کام سرانجام دیا اور میرے پوچھے گئے سوالات کے جواب میں اس نے بہت کچھ بتا دیا۔ ... بالآخر مجھی میں بہت سی اہم باتیں جاننے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

نرگس کی گمشدگی کے بارے میں حشمت کچھ نہیں جانتی تھی تاہم اس نے یہ قبول کر لیا تھا کہ خالدہ کی مرضی سے ہی خالدہ اس سے ملی تھی اور وہ خالدہ کو اپنے ساتھ محسن شاہ کے آستانے پر لے گئی تھی۔ خالدہ کو محسن شاہ نے اپنا مرید بنا لیا تھا۔

محسن شاہ کے نام سے مجھے چونکا دیا تھا۔ مجھے ایک پرانی رپورٹ کے مطابق محسن شاہ ایک گدی پر بیٹھا تھا۔ اس نے اپنے شعبدوں کی مدد سے سادہ لوح لوگوں کو مرعوب کر رکھا تھا۔ لوگ بھی سمجھتے تھے کہ محسن شاہ کوئی بہت پہنچا ہوا اللہ کا نیک بندہ ہے۔ اس کے مریدوں اور عقیدت مندوں کی تعداد بھی خاصی تھی اور وہ دور دور تک مشہور بھی تھا۔ ابھی تک مجھے اس کے خلاف کوئی ایسا ثبوت نہیں ملا تھا کہ میں اس پر ہاتھ ڈال سکتا۔ مجھے یہ بھی پتا چلا تھا کہ بعض بااثر افراد بھی اس کے ارادت مندوں میں شامل تھے۔ محسن شاہ کا آستانہ شہر کے کنارے درختوں کے جھنڈ میں واقع تھا۔

یہ ایک نیا کردار سامنے آیا تھا۔ اس قسم کے لوگ دوسروں کا بھی ... مجھے... کہ میں ... ہاتھ ڈالنے ... بہت ...

سمجھ کر کرنا تھا۔ اگر حشمت بی بی نے کسی دروغ گوئی سے کام نہیں لیا تھا تو پھر محسن شاہ کو چیک کرنا ضروری تھا۔

حشمت بی بی کے مطابق' خالدہ اس کے ساتھ تعویذ لینے محسن شاہ کے آستانے پر پہنچی تھی اور وہ دونوں ایک ساتھ ہی آستانے سے واپس آئی تھیں لیکن خالدہ گھر نہیں پہنچی تھی۔ یہی بات مجھے کھٹک رہی تھی۔

مجھے یقین ہے کہ حشمت بی بی نے مجھ سے بہت کچھ چھپانے کی کوشش کی تھی تاہم میں نے وقتی طور پر اسے چھوڑ دیا تھا مگر میرا ارادہ یہی تھا کہ میں اس کی خفیہ نگرانی کرواؤں گا اور اگر اس کی ذات کسی زاویے سے مشکوک ثابت ہوئی تو میں پوچھ گچھ کے لیے اسے تھانے بھی بلاؤں گا۔

نور شاہ کو میں نے تھانے بھیج دیا اور خود ٹہلتے ہوئے بڑے خان صاحب غلام مصطفیٰ کی حویلی کی جانب بڑھ گیا۔ چھوٹے خان نے تھانے میں آکر مجھے خاصا تنگ کیا تھا۔ مرتضیٰ کے رویے سے مجھے بہت ذہنی اذیت پہنچی تھی اسی لیے میں نے مرتضیٰ کے باپ غلام مصطفیٰ سے ملنے کا فیصلہ کیا تھا تاکہ یہ اندازہ ہو سکے کہ چھوٹے خان کی تربیت میں کہاں کمی رہ گئی ہے۔

جب میں غلام مصطفیٰ خان کی حویلی پہنچا تو ہلکی ہلکی دھوپ نکل آئی تھی جس کی وجہ سے فضا میں موجود خنکی میں کافی حد تک کمی واقع ہو چکی تھی۔ امید کی جاسکتی تھی کہ اب موسم کھل جائے گا۔

بڑے خان نے بڑے تپاک سے میرا استقبال کیا اور بڑی عزت سے اپنی سجی سجائی بیٹھک میں بٹھایا پھر گھریلو ملازمہ کو میری خاطر تواضع کی ہدایت جاری کرنے کے بعد وہ میری جانب متوجہ ہو گیا۔

”خیریت تو ہے نا تھانے دار صاحب!“ وہ ایک ہلکا سا قہقہہ لگاتے ہوئے بولا۔ ”میں تو آپ کو دیکھ کر چونک ہی گیا تھا۔“

”آپ کیوں چونک گئے تھے خان صاحب!“ میں نے بھی مذاق کے رنگ میں کہا۔ ”آپ نے کون سا جرم کر رکھا ہے؟“

”جرم تو کوئی نہیں کیا ملک صاحب......“ وہ خوش دلی سے بولا۔ ”مگر آپ لوگوں کا پیشہ ہی ایسا ہے کہ اچھا خاصا بندہ بھی گھبرا جاتا ہے۔“

بڑے خان کے رویے میں ایک خاص قسم کی سمجھ داری اور بردباری جھلکتی تھی۔ اس کی آنکھوں سے ذہانت بھی ٹپکتی تھی۔ وہ اپنے بیٹے مرتضیٰ خان سے قطعی مختلف مزاج کا بندہ تھا۔ میں نے بھی زندہ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

”خان جی! لوگوں نے بھی خوامخواہ ہی پولیس کا ایک ہوا بنا لیا ہے۔ حالانکہ ہم دیکھ بھال کر ہی بندے پر ہاتھ ڈالتے ہیں۔“

”یہ بھی خوب کہی آپ نے۔“ بڑے خان نے بلند آہنگ قہقہہ لگایا۔ ”لیکن جب آپ کسی بندے پر ہاتھ ڈالتے ہیں تو پھر وہ مشکل ہی سے چھوٹتا ہے۔“

ہمارے درمیان اسی طرح کی ہلکی پھلکی گفتگو جاری تھی کہ ایک گھریلو ملازمہ ٹرے اٹھائے اندر داخل ہوئی۔ اس نے ٹرے کو میز پر رکھا اور خاموشی سے واپس چلی گئی۔ میں نے دیکھا' ٹرے میں موجود مختلف پلیٹوں میں کھانے پینے کی اشیا رکھی ہوئی تھیں۔ بڑے خان نے مجھ سے کہا۔

”ملک صاحب! کسی تکلف کی ضرورت نہیں۔ یہ سب آپ کے لیے ہے۔ ان نعمتِ خداوندی سے آپ نے پورا پورا انصاف کرنا ہے۔“

”خان صاحب! آپ اپنے بیٹے سے بہت مختلف ہیں۔“ میں نے کہا۔ ”آپ پھول ہیں اور وہ انگارا......“

”میں سمجھ رہا ہوں' آپ کی اس بات کے پیچھے کیا مقصد چھپا ہوا ہے۔“ وہ معنی خیز انداز میں مسکرایا۔ ”غلام مرتضیٰ نے تھانے جا کر جو کچھ کیا ہے' اس کی رپورٹ مجھے مل چکی ہے۔ اس نے آپ کے سامنے خاصی اکڑفوں دکھائی ہے۔ اس کی طرف سے میں آپ سے معذرت خواہ ہوں۔“

”شرمندہ نہ کریں خان صاحب۔“ میں نے دوستانہ انداز میں کہا۔ ”میں تو ان باتوں کو بھول بھی چکا۔“

”یہ آپ کا بڑاپن ہے۔“ وہ گہری نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔ ”جوانوں کا خون کچھ زیادہ ہی گرم ہوتا ہے لیکن آپ فکر نہ کریں۔ میں نے غلام مرتضیٰ کو اچھی طرح سمجھا دیا ہے۔ آئندہ کبھی آپ کو شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔“

”بہت بہت شکریہ خان صاحب۔“ میں نے ممنونیت بھرے لہجے میں کہا پھر پوچھا۔ ”چھوٹے خان صاحب حویلی میں نظر نہیں آ رہے' کیا وہ کہیں گئے ہوئے ہیں؟“

”غلام مرتضیٰ بیوی بچوں کے ساتھ اپنی سسرال گیا ہوا ہے۔“ غلام مصطفیٰ نے بتایا۔ ”کل شام تک واپس آجائے گا۔ ویسے سب خیریت تو ہے نا......؟“

”خان جی! خیریت ہے بھی اور نہیں بھی۔“ میں نے گمبھیر انداز میں کہا۔

”میں سمجھا نہیں......“ وہ الجھن زدہ نظر سے مجھے دیکھنے لگا۔

”آپ کو تو پتا ہی ہوگا کہ کرم دین کی لڑکی خالو دو دن

بے غائب ہونے میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ "اور دوسری طرف کراسٹ فیملی کا دکا تریں بھی دونوں ہی سے گمشدہ ہے۔ تب ہی اسی سلسلے میں تفتیش کر رہا ہوں۔"

"اور آپ کا خیال ہے کہ یہ دونوں گمشدہ افراد میری حویلی میں پائے جاتے تھے۔" وہ ذرا درشتی سے سلگتے ہوئے بولے۔ "اسی لیے آپ ادھر تشریف لائے تھے۔ اگر آپ کو واقعی ہم پر شک ہے تو یہ حویلی آپ کے حوالے ہے۔ آپ جس طرح سے چاہیں بے شک چاہیں تلاشی کروا سکتے ہیں۔"

"ایسی کوئی بات نہیں خان صاحب!" میں نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ "اگر خالد یا فرید آپ کی حویلی میں چھپے ہوتے تو پھر عامر مرتضیٰ کو اٹھانے اور ادھر بھاگنے کی کیا ضرورت تھی۔" تھوڑی دیر توقف کر کے میں نے ایک گہری سانس لی پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔ "میں تو یہاں کسی اور ہی مقصد کے لیے حاضر ہوا تھا۔"

"جی فرمائیے! میں آپ کے کس کام آ سکتا ہوں؟" وہ کرسی پر سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔

اس سے پہلے ہی تمہید کے بغیر ان کو میں نے خان کی قبرستانی سرگرمیوں سے آگاہ کیا پھر کہا۔ "میں یہ اس سانحے کی تصدیق کے لیے یہاں آیا ہوں۔"

"ملک صاحب! میں اس ساری بات سے بے خبر نہیں ہوں۔" وہ گردن ہلاتے ہوئے بولے۔ "اس قسم کی باتیں میں بھی سنتا رہتا ہوں مگر کیا آپ سمجھتے ہیں کہ ان باتوں میں کچھ حقیقت بھی ہے۔ غلام مرتضیٰ شادی شدہ اور بچوں والا ہے۔ اسے ان چکروں میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے۔ ماشاء اللہ اس کی بیوی کروڑوں میں ایک ہے۔ آپ کو اس حوالے سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔"

میں سوچ میں پڑ گیا۔ یا تو بڑا خان اپنے بیٹے کے کرتوتوں سے واقف نہیں تھا یا پھر وہ دانستہ اس کے کالے کرتوتوں پر پردہ ڈالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ بہرحال میں نے اس سلسلے میں... زیادہ کریدنا مناسب نہ سمجھا اور حویلی سے نکل کر تھانے کی جانب روانہ ہو گیا۔

☆☆☆

تھانے پہنچ کر میں نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ پولیس کے ایک ہوشیار مخبر کو اپنے پاس بلایا اور ضروری ہدایات کے بعد اسے نور پور جانے کی آگاہی دی اور کے لیے [illegible]

اسی وقت ہیڈ محرر نے میرے پاس آ کر دستک دی کہا۔ "ملک صاحب! کھانے کا کیا پروگرام ہے؟"

میں بڑے خان کی حویلی سے کافی کچھ کھا آیا تھا۔ میں نے کہہ دیا۔ "نہیں... کھانے کی طلب نہیں ہے۔"

تھوڑی ہی دیر میں حوالدار بہادر علی نور پور سے واپس آ گیا۔ میں نے اسے اپنے پاس بلایا اور پوچھا۔

"معراج دین سے ملاقات ہوئی؟"

"جی... میں اسی سے مل کر آ رہا ہوں۔"

"فرید کے بارے میں کیا رپورٹ ہے؟" میں سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"معراج دین بتاتا ہے کہ اس نے شام سے پہلے ہی رات فرید کو کشتی والا کے گھر کے سامنے دیکھا تھا۔" بہادر علی نے بتایا۔ "اس کے بعد سے فرید کہیں نظر نہیں آیا۔"

"اوہ...!" میں نے پُرسوچ انداز میں کہا۔ "یہ تو اور بھی تشویش کی بات ہوئی۔ اس صورت حال سے یہ ثابت ہو گیا کہ خالد کی گمشدگی میں فرید کا کوئی ہاتھ نہیں... اس نے تو محض خالد کی مدد کی کہ اسے بیکری سے نکال کر اپنے گھر چھپا لیا۔ وہ وہاں ہی رات تک اپنے دوست کے ساتھ رہا اور پھر وہ فرار ہونے کی کوشش میں نور پور کی کشتی والا تک پہنچا... اور اس کے کشتی والا پہنچنے سے پہلے خالد غائب ہو چکا تھا۔ اب فرید اور خالد کی گمشدگی کو اس کے ساتھ ہی ٹھہرایا جا سکتا ہے..."

میں سانس ہموار کرنے کے لیے رکا پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے کہا۔ "مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر کشتی والے سے فرید کہاں غائب ہو گیا؟"

"ایک اور سوال بھی پیدا ہوتا ہے ملک صاحب!" بہادر علی نے کہا۔

"کون سا سوال؟" میں نے پوچھا۔

"خالدہ کہاں غائب ہے...!" وہ معنی خیز انداز میں بولا۔ "اسے کس نے غائب کیا ہے؟"

"کس نے غائب کیا ہے یہ جاننا باقی ہے..." میں نے کچھ سوچتے انداز میں کہا۔

وہ میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔ "اس کا مطلب ہے آپ جانتے ہیں کہ خالدہ کہاں غائب ہوئی ہے؟"

"ہاں! پتا چل چکا ہے۔" میں نے اثبات میں گردن ہلائی پھر اسے حقیقت حال سے آگاہ کرتے ہوئے اس ہولناک سازش کی تفصیل سے بتا دیا۔

''اوہ..... یہ حشمت تو بڑی خطرناک عورت ہے!'' بہادر علی نے کہا۔ ''کہیں آپ سے اس نے غلط بیانی نہ کی ہو۔''

''ایسا ہوسکتا ہے۔'' میں نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ ''میں اس سے تفصیلی ملاقات کر کے آیا ہوں اور مجھے یہ بہ خوبی اندازہ ہوگیا ہے کہ وہ کیسی چلتر باز عورت ہے۔ بہرحال، میں آج رات محسن شاہ کے آستانے پر دھاوا بولنے والا ہوں۔ اگر حشمت نے مجھ سے کوئی غلط بیانی کی ہے تو خود ہی پچھتائے گی۔ میں تھانے میں الٹا لٹکا کر اس کی ایسی دھلائی کروں گا کہ سارے کس بل نکل جائیں گے۔''

حوالدار نے کہا۔ ''اس فریدکو اب کہاں تلاش کریں؟''

''کنگنی والا اور اس کے گھر کے درمیانی راستے پر۔'' میں نے کہا۔ ''اس بات کا ہمیں ثبوت مل چکا ہے کہ وہ ستائیس جنوری کی رات کنگنی والا تک آیا تھا اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ وہ ستائیس جنوری کی رات اپنے گھر نہیں پہنچا لہٰذا اغلب امکان بھی ہے کہ وہ اسی راستے میں کہیں غائب ہوا ہے۔''

''اور اسی راستے پر اس کی فیکٹری 'حجاز پاٹری' بھی پڑتی ہے۔'' بہادر علی نے کہا۔ ''لیکن ظاہر ہے' وہ رات کو فیکٹری کس لیے جاتا اور..... اگر جاتا بھی تو پتا چل جاتا۔''

''فرید کا سراغ ادھر ہی سے ملے گا بہادر علی ..... کنگنی والا اور اس کے گھر کے درمیانی علاقے سے۔'' میں نے کہا۔ ''ہمیں اس ایریا کے چپے چپے کو کھوجنا ہوگا۔''

''کنگنی والا سے دو راستے فرید کے گھر کی طرف آتے ہیں۔'' حوالدار نے کہا۔ ''ایک راستہ جی ٹی روڈ والا ہے اور دوسرا ریلوے لائن والا۔ معراج دین نے اسے کنگنی والا کے اندر اتارا تھا اس لیے زیادہ امکان اس بات کا ہے کہ وہ ریلوے لائن کی پٹڑی کے ساتھ چلتے ہوئے گھر کی جانب روانہ ہوا ہوگا ورنہ اگر اسے سڑک کی طرف سے آنا ہوتا تو پھر وہ کنگنی والا کے اندر داخل نہ ہوتا بلکہ جی ٹی روڈ پر ہی ٹریکٹر ٹرالی سے اتر جاتا۔''

''بہادر علی! یہ تم نے پتے کی بات کی ہے۔'' میں نے تعریفی نظر سے اس کی طرف دیکھا۔ ''ہمیں اس علاقے کا پوری طرح معائنہ کرنا چاہیے۔ مجھے یقین ہے ریلوے ٹریک کے ساتھ اس کا کوئی نہ کوئی سراغ مل جائے گا۔''

''ٹھیک ہے ملک صاحب!'' حوالدار نے پُرعزم لہجے میں کہا۔ ''میں ریڈی ہوں۔ آپ حکم کریں۔''

''حکم میں تھوڑی دیر کے بعد کروں گا۔'' میں نے کہا۔ ''پہلے تم کچھ کھا پی لو۔''

''کھانا پینا بھی ہوتا رہے گا ملک صاحب۔ پہلے ضروری کام نمٹالیں۔''

''میں مانتا ہوں، یہ کام بہت ضروری ہے۔'' میں نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔ ''لیکن فرید اس علاقے میں کھڑا ہمارا انتظار نہیں کر رہا جو اگر ہم دیر سے پہنچے تو وہ کہیں اور چلا جائے گا۔ ہمیں اس علاقے کا جائزہ لینے جانا ہے لہٰذا جو بزرگ فرما گئے ہیں' ہم اسی پر عمل کریں گے۔''

اس نے چونک کر میری جانب دیکھا اور پوچھا۔ ''کون بزرگ ملک صاحب؟''

''بھئی گئے وقتوں کے سیانوں کو بزرگ کہا جاتا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''بزرگوں کی کہاوتوں میں بڑا دم ہوتا ہے کیونکہ ہر کہاوت کے پیچھے انسان کا برسوں کا تجربہ چھپا ہوتا ہے۔''

''یہ تو آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''لیکن آپ نے وضاحت نہیں کی کہ بزرگ کیا فرما گئے ہیں؟''

میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ ''اول طعام' بعد کام۔''

''ملک صاحب! یہ محاورہ ایسے نہیں ہے۔'' وہ الجھن زدہ لہجے میں بولا۔ ''اول طعام، بعد کلام۔''

''ایسے بھی ٹھیک ہے اور ویسے بھی ٹھیک ہے۔'' میں نے بات کو ختم کرنے کی غرض سے کہا۔ ''ہم دونوں محاوروں پر بہ یک وقت عمل کریں گے یعنی ..... پہلے تم کھانا کھاؤ گے پھر ہم کلام کرتے ہوئے کام پر روانہ ہو جائیں گے..... فرید کی تلاش کا کام!''

''یہ ٹھیک ہے۔'' وہ مسکرا کر رہ گیا۔

آدھے گھنٹے کے بعد میں اور حوالدار بہادر علی کنگنی والا پہنچ گئے۔ یہ ایک چھوٹا سا گاؤں تھا جو جی ٹی روڈ سے لے کر ریلوے لائن تک پھیلا ہوا تھا اور گاؤں کا کچھ حصہ سڑک سے آگے اور لائن سے پیچھے تک بھی آباد تھا۔ گویا یوں سمجھیں کہ جی ٹی روڈ اور ریلوے ٹریک اس گاؤں کے اندر سے متوازی گزرتے تھے۔ حوالدار نے معراج دین سے اس مقام کے بارے میں اچھی طرح پوچھ لیا تھا جہاں اس نے فرید کو اتارا تھا لہٰذا ہم نے تلاش کا آغاز اسی جگہ سے کیا۔ یہ مقام ریلوے ٹریک کے کافی نزدیک تھا۔

یہ مین ریلوے ٹریک تھا جو لاہور اور پشاور تک جاتا تھا۔ اگر کراچی سے پشاور کہا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا۔ محاورتاً ''اسے کراچی تو خیبر'' بھی کہا جاسکتا ہے۔ ہم نے وہ سائڈ پگڈنڈی جو فرید کے گاؤں کی طرف والی تھی یعنی ریلوے

لالٹین کی مخالف سمت۔ پہاڑی کے ساتھ پیپل کے پیڑ کا راستہ تھا۔ پھر تو یہ ہے اس پہاڑ کے بعد کھیتوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا۔ میں نے عاشق کا نام شروع کر کے سب سے پہلے کشتی والا کے [illegible] لوگوں سے بھی پوچھ گچھ کی تھی لیکن ان میں سے کسی نے قبر کو نہیں دیکھا تھا۔

وہاں سے عاشق کے ساتھ جو کچا راستہ تھا، اسے آپ [illegible] راستہ نہیں کہہ سکتے۔ وہ اصل میں وہ نشانی ایسا تھا جو پہاڑی کو کھیتوں سے الگ کرتا تھا۔ جگہ جگہ اس راستے پر بیل [illegible] آتے جاتے دکھائی دیتے تھے یا پھر ان کے رکھوالے۔ پیپل کے نیچے والے مڑ کر پہاڑی کے اندر چلے جاتے تھے اور ان کی آواز پتوں کی صداؤں میں کھو جاتی تھی۔ [illegible] کی ایک مخصوص رونق ہوتی ہے۔ وہ [illegible] نکل جاتا ہے۔ مذکورہ راستے میں جا بجا گڑھے بھی دکھائی دے رہے تھے جن میں اکثر کے اندر بارش کا پانی بھرا ہوا تھا۔

ہم نے [illegible] کے ساتھ اپنی [illegible] پہاڑی کا رخ کیا اور [illegible] کے بعد [illegible] پہنچ گئے۔ یہ [illegible] صفائی کرنے والا [illegible] گاؤں دیہات میں چھوٹی عمر [illegible] جانے کے لیے یوں سمجھ لیں کہ ایک ایسا [illegible] سے [illegible] ہو اور پھر گاؤں کے بچوں کو [illegible] مرتب کرتے ہوئے آگے بڑھ جاتا ہے۔ اس گڑھے کے قریب ہی پہاڑی کی دوسری جانب گاؤں کا قبرستان بھی تھا۔ ہمارے [illegible] اور [illegible] کی گمشدگی کے حوالے سے بات چیت بھی ہو رہی تھی اور ہم [illegible] نظروں سے راستے کا جائزہ بھی لے رہے تھے۔ [illegible] تین چار افراد بھی ہماری جانب متوجہ ہو چکے تھے۔ یہ لوگ کھیتوں میں مسلسل کام کرنے والے کسان تھے یا پھر جانور چرانے والے۔

اچانک بہادر علی کی سرسراتی ہوئی آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔ "ملک صاحب! وہ کیا ہے؟"

"وہ کیا ہے [illegible]" میں نے بے ساختہ کہا اور اس جانب دیکھا جدھر وہ انگلی سے اشارہ کر رہا تھا۔

"وہ ..... وہ مجھے کسی کی جوتی نظر آ رہی ہے۔" بہادر علی نے پرجوش لہجے میں کہا۔

میری نگاہ بھی اس جوتی تک [illegible] کامیاب ہو گئی جس کی طرف بہادر علی اشارہ کر رہا تھا۔ ہم دونوں [illegible] کی طرف بڑھ گئے۔ [illegible] ایک پاؤں تھا جو [illegible]

ذرا سا ہٹ کر پڑا تھا۔ مذکورہ گڑھے میں بھی پانی بھرا ہوا تھا۔ میں نے جوتے کو [illegible] اٹھایا اور بغور اس کا جائزہ لینے لگا۔ وہ کوئی [illegible] زنانہ جوتا تھا [illegible] پھینک دیا گیا ہو۔ جوتے کی حالت سے پتا چلتا تھا کہ ابھی اسے ایک دو سال آسانی سے استعمال کیا جا سکتا تھا اور یہی بات مجھے بہت دور تک سوچنے پر مجبور کر رہی۔ اگر وہ کوئی پرانا [illegible] جوتا ہوتا تو یہ ایک عام سی بات ہوتی لیکن موجودہ صورت حال میں یہ بات بہت خاص ہو جاتی تھی۔

میں نے جوتے کا وہ پاؤں وہاں موجود افراد کو دکھانے کے بعد ان سے پوچھا۔

"تم لوگ اس کے بارے میں کچھ جانتے ہو؟"

"یہ کسی کی جوتی ہے جناب!" ایک [illegible] نے جواب دیا۔

وہ لوگ میرے سوال کا کوئی تسلی بخش جواب نہ دے سکے۔ ان میں سے کوئی بھی مذکورہ جوتے کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔ [illegible] جوتے کے پاؤں کو دیکھ کر میرے دماغ میں خطرے کی ایک گھنٹی سی بجی تھی جس کی آواز کی بازگشت [illegible] میں نے ایک [illegible] گڑھے کی طرف [illegible] کرامت [illegible] بلا لیا۔

"بہادر علی! میری [illegible] سمجھ میں [illegible] یہ [illegible] قریب تک [illegible] سکا ہے۔" میں نے مذکورہ جوتے کو اپنے ہاتھ میں گھماتے ہوئے [illegible] کہا۔

"تو آپ کی زبان [illegible] ملک صاحب!" وہ [illegible] کسی بڑی [illegible] کے پاؤں ہی کو دیکھ رہا تھا۔

[illegible] تھوڑی ہی دیر میں کرامت [illegible] وہ خاصا [illegible] تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ [illegible] سے [illegible] آیا ہو۔

"میرے [illegible] کا کچھ پتا چلا تھانے دار صاحب؟" وہ [illegible] آواز میں مجھ سے مستفسر ہوا۔

اس کا دھیان میرے ہاتھ میں موجود جوتے کی طرف نہیں گیا تھا۔ میں نے جوتے کا وہ پاؤں اس کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔

"یہ پہچانتے ہو کرامت علی [illegible]"

جوتے پر نگاہ پڑتے ہی کرامت کی [illegible] سی نکل گئی۔

بے ساختہ اس کی زبان سے نکلا۔ "یہ [illegible]"

"[illegible]" میں نے اس مقام کی جانب اشارہ کیا [illegible]

[illegible]

''کیسے نہیں پہچانوں گا سرکار......'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''یہ تو میرے فرید کے جوتے کا پاؤں ہے......'' پھر وہ اضطراری نظر سے چاروں جانب دیکھتے ہوئے بولا۔ ''فرید کہاں ہے؟''

میں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے تسلی بھرے لہجے میں کہا۔ ''پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے کرامت علی۔ فرید کا جوتا مل گیا ہے تو وہ بھی مل ہی جائے گا۔''

میں نے کرامت علی کو تسلی تو دے دی تھی لیکن مجھے اپنے یہ الفاظ بہت کھوکھلے محسوس ہوئے تھے۔ کوئی ایسی بات تھی جو اندر سے مجھے وارننگ دے رہی تھی کہ فرید خیریت سے نہیں ہے۔ کرامت علی چند لمحات تک بے یقینی سے مجھے دیکھتا رہا پھر بولا۔

''یہ ایک ہی جوتا کیوں ہے جناب...... دوسرا پاؤں کہاں چلا گیا؟''

کرامت علی کے پدرانہ احساس نے معاملے کی سنگینی کو بھانپ لیا تھا تبھی اس کی زبان پر یہ سوال آیا تھا۔ میں نے پھر اس کی تشفی کی خاطر کہا۔

''تم آرام سے ایک طرف بیٹھ جاؤ کرامت علی۔ میں تفتیش کر رہا ہوں نا۔''

جوتے کے پاؤں کی شناخت ہو گئی تھی۔ اب اس بات میں کسی شک و شبہے کی گنجائش باقی نہیں رہی تھی کہ فرید کنگنی والا سے نکل کر اسی راستے سے اپنے گھر کی طرف آیا تھا لیکن بدقسمتی سے وہ گھر نہیں پہنچ سکا تھا لہٰذا یہ سوچا جا سکتا تھا کہ جس مقام سے اس کا جوتا ملا تھا' وہاں پر فرید کے ساتھ کوئی گڑبڑ ہو گئی تھی۔

میں نے اس مقام کے آس پاس کے علاقے کا بڑی توجہ سے جائزہ لیا لیکن فرید کے حوالے سے کوئی سراغ نہ مل سکا۔ حوالدار نے مجھ سے کہا۔

''ملک صاحب! ہمیں کھوجی سے مدد لینا چاہیے۔''

بہادر علی کی تجویز نہایت ہی معقول تھی۔ میں نے کھوجی تاج محمد کو فوراً وہاں طلب کر لیا۔ تاج محمد آدھے گھنٹے کے بعد میری نظر کے سامنے موجود تھا۔ اس نے مجھے سلام کیا اور بولا۔

''کیا حکم ہے ملک صاحب...... کسی ڈاکو کا سراغ لگانا ہے جناب۔''

''فی الحال تو مجھے اس کا سراغ لگوانا ہے۔'' میں نے فرید کے جوتے کا پاؤں اس کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''یہ بندہ ستائیس جنوری کی رات کنگنی والا سے نکلا تھا اور اسی راستے پر چلتے ہوئے اپنے گھر کی جانب بڑھ رہا تھا کہ اچانک غائب ہو گیا۔ اب تمہیں پتا لگانا ہے کہ یہ بندہ کہاں گیا ہے۔''

''آپ کو جوتے کا یہ پاؤں کس جگہ پڑا ملا ہے؟'' کھوجی تاج محمد نے گہری سنجیدگی سے استفسار کیا۔

میں نے جواب میں مذکورہ مقام کی نشان دہی کر دی۔ وہ ایک لمحہ ضائع کیے بغیر اپنے کام میں جت گیا۔ پندرہ بیس منٹ کی کھوج کے بعد تاج محمد نے بڑی سنسنی خیز رپورٹ دی۔ میں اس رپورٹ کا خلاصہ آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

تاج محمد عرف ''بابا تاجا'' کی ماہرانہ تحقیق کے مطابق وقوعہ کی رات فرید کنگنی والا سے اس طرف آیا تھا اور جس جگہ اس کا جوتا پڑا ملا، وہاں تک وہ اپنے پاؤں پر چل کر پہنچا تھا پھر اس کے ساتھ گڑبڑ ہو گئی تھی۔ میں نے اس سے جب پوچھا کہ کیسی گڑبڑ تو اس نے بتایا کہ ایسے لگتا ہے' یہاں کچھ لوگوں سے اس کا جھگڑا وغیرہ ہو گیا تھا جس کے نتیجے میں فرید کے ساتھ کسی قسم کی مار پیٹ بھی کی گئی تھی۔

اس کی بات ختم ہوئی تو میں نے پوچھا۔ ''چاچا! یہ بتاؤ کہ اب فرید کہاں ہے؟''

''وہاں ہونا چاہیے۔'' اس نے ایک جانب اشارہ کیا۔

میں نے اس کے اشارے کے تعاقب میں نگاہ دوڑائی تو چونک کر رہ گیا۔ وہاں مجھے برساتی پانی سے بھرا ہوا گڑھا نظر آیا تھا۔ میں نے تصدیق طلب لہجے میں پوچھا۔

''تمہارا مطلب ہے' فرید اس گڑھے کے اندر ہے؟''

''جناب! میں آپ سے وہی کہہ رہا ہوں جو آثار و شواہد سے میں نے اخذ کیا ہے۔'' وہ بڑے اعتماد کے ساتھ بولا۔ ''جیسا کہ میں نے آپ کو بتایا کہ جہاں سے آپ کو یہ جوتا ملا، وہاں اس جوتے والے سے مار پیٹ وغیرہ کی گئی ہے اور پھر اسے زمین پر گھسیٹتے ہوئے اس گڑھے میں لا کر پھینک دیا گیا ہے۔ اگر میرا علم دغا نہیں دے رہا تو فرید کو اس گڑھے کے اندر ہی ہونا چاہیے اور......'' اس نے ڈرامائی انداز میں توقف کیا پھر اپنی بات کو مکمل کرتے ہوئے بولا۔

''آج تک میرے علم نے مجھے دغا نہیں دیا جناب۔''

تاج محمد کے انکشافات ہولناک اور سنسنی خیز تھے۔ اغلب امکان یہی تھا کہ فرید راہزنی کی کسی واردات کا شکار ہو گیا تھا۔ میں نے گاؤں سے فوراً چند بالٹیاں منگوائیں اور دو تین افراد کو ان بالٹیوں کی مدد سے گڑھے کا پانی نکالنے کو کہا۔

تھوڑی ہی دیر کے بعد وہ گڑھا خالی ہو گیا اور مذکورہ گڑھے کی تہ میں ایک انسانی لاش بھی دریافت ہو گئی۔ جلد

تھا اس لاش کی شناخت ہو گئی۔ وہ فریدہ کی لاش تھی۔

میں نے تمام جزئیات کا جائزہ لیا اور پھر اس حقیقت تک پہنچ گیا کہ اس کے سر پر وار کر کے اسے موت کے گھاٹ اتارا گیا تھا اور بعد ازاں اس کی لاش کو گھسیٹ کر اس گڑھے میں پھینک دیا گیا تھا۔ گر اب سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ فریدہ کی کسی سے کوئی دشمنی وغیرہ نہیں تھی پھر ابھی سوچا جا سکتا تھا کہ وہ کیوں یہاں آئی اور لاش کے جسم کو ٹھکانے لگا دیا گیا۔

میں نے موقع کی کارروائی مکمل کرنے کے بعد فریدہ کی لاش کو پوسٹ مارٹم کے لیے شفاخانہ بھجوا دیا اور خود تھانے آ گیا۔ میں پچھلے دو دن سے جس کیس کے سلسلے میں بھاگ دوڑ کر رہا تھا اس کا ایک حصہ مکمل ہو گیا تھا۔ اب فریدہ کے قاتل یا قاتلوں کا سراغ لگا کر انہیں قرار واقعی سزا دلانے کا مرحلہ باقی تھا۔

شام سے تھوڑی دیر پہلے وہ مخبر میرے پاس آیا جس کو میں نے محسن شاہ کے آستانے کی سن گن لینے پر لگا رکھا تھا۔ اس نے بتایا کہ حشمت کا نام اللہ رکھا تھا۔ اللہ رکھا کی ... کوئی نظر نہیں آئی اور وہ مسلسل انہی دنوں اس آستانے پر محسن شاہ کے ... بہت سے کام دیکھ رہے ہے۔

حشمت بی بی سے حاصل ہونے والی معلومات کے مطابق فریدہ کی سہیلی خالدہ عرف نادو اس کے ساتھ محسن شاہ سے کوئی تعویذ لینے گئی تھی۔ حشمت نے مجھے بتایا تھا کہ محسن شاہ سے تعویذ لینے کے بعد وہ دونوں آستانے سے واپس آ گئی تھیں لیکن ... راستے میں خالدہ اپنے گھر کی طرف چلی گئی تھی اور فریدہ حشمت بی بی کے مکان پر آ گئی ... تسلیم کیا جا سکتا تھا۔ اور خالدہ آستانے سے ... تو پھر وہ اپنے گھر کیوں نہیں پہنچی اور اگر حشمت نے کسی غلط بیانی سے کام لیا تھا اور خالدہ آستانے سے واپس نہیں آئی تھی تو میرے لیے یہ جاننا بہت ضروری ہو گیا تھا کہ خالدہ کے ساتھ آستانے پر کیا واقعہ پیش آیا تھا کہ وہ گھر نہیں پہنچ سکی۔

میں نے ہوشیار قسم کے دو کانسٹیبلوں کو سادہ لباس میں آستانے کی نگرانی کے لیے روانہ کر دیا اور شام کے سائے پھیلنے سے پہلے خود بھی حوالدار کے ساتھ محسن شاہ کے آستانے پر دعا لینے کے لیے نکل کھڑا ہوا۔ مجھے یقین تھا کہ وہاں سے مجھے بہت کچھ ملے گا۔ میں فریدہ کے قاتل تک ابھی رسائی حاصل نہیں کر سکا تھا لیکن خالدہ کو جلد از جلد تلاش کرنا بہت ضروری ہو گیا تھا۔ محسن شاہ جیسے بابا میں نے بہت دیکھے تھے اور ان سے نمٹنے کا مجھے ایک سے بڑھ کر ایک تجربہ تھا۔ آج کی رات محسن شاہ کی بڑے پاؤں سے ... تھی۔

تھا ایک ... کے سامنے کی طرف جا رہا تھا۔

☆☆☆

آج صبح مطلع صاف اور موسم خوش گوار تھا۔ چاروں جانب تیز اور چمکیلی دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ کئی دنوں کے بعد آج سورج کی شکل دیکھنے کو ملی تھی۔ جب میں تھانے پہنچا تو کانسٹیبلوں کی "حاضری" لگ چکی تھی۔

پچھلی رات میں نے محسن شاہ کے آستانے پر جو چھاپہ مار آپریشن کیا تھا۔ محسن شاہ نے چھوٹے سے ... بھی زیادہ ... کا منہ دیکھا تھا۔ میں نے اس کے ساتھ وقت برباد کرنے کے بجائے محسن شاہ اور ... کو گرفتار کر کے اپنے تھانے کی حوالات میں بند کر دیا تھا اور اس کیس میں حشمت بی بی اس کا شوہر ... اور محسن شاہ کے دیگر دو چیلے بھی شامل تھے۔ گرفتار ہونے والے پانچ افراد تھے جن میں ... کے آستانے پر ... کام کرنے اپنے ... تھا ... ایسے ... کا ... ہونے ... پانچوں ... کو ... پر ... کرتا تھا ... ہونے تھے ... سب ... تھا ... انہوں نے اپنے ... کا اعتراف کر لیا تھا۔

ان پانچ افراد نے جو بیانات قلم بند کروائے۔ میں ان کا خلاصہ آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں تاکہ آپ اس کیس کے انجام سے آگاہی حاصل کر سکیں۔

محسن شاہ بہت ہی ... اور شاطر شخص تھا۔ وہ اپنے شعبدوں اور عیاری سے بڑی آسانی سادہ لوح افراد کو بے وقوف بنانے میں کامیاب ہو جاتا تھا۔ لوگ اس کی ... روحانی کمالات سمجھ کر آنکھیں بند کر کے ان پر یقین کر لیتے تھے۔ اس کے مریدوں کی تعداد بھی خاصی تھی جن میں کئی بااثر افراد بھی شامل تھے۔ یہ اس دور کا قصہ ہے جب سائنس، ٹیکنالوجی اور دیگر ذرائع ابلاغ نے گاؤں دیہات تک رسائی حاصل نہیں کی تھی۔ آج کل کی بات ہی کچھ اور ہے۔

محسن شاہ نے اپنے پاس آنے والوں کو متاثر کرنے کے لیے کئی شعبدے ایجاد کر رکھے تھے۔ ... وہ ... افراد کی نفسیات سے بھی کھیلتا تھا۔ لوگ اس کے ... آ کر ... میں اس کے عقیدت مند بن جاتے تھے لہٰذا اس کے ... آسانی ہو جاتے تھے ... تمام ... اور ... اپنے پاس

آنے والی خوب صورت عورتوں کو شکار کرلیا کرتا تھا۔ خالدہ سے پہلے کئی عورتیں اس کی ہوس کا نشانہ بن چکی تھیں لیکن خالدہ محسن شاہ کے لیے تر نوالہ ثابت نہ ہوسکی۔ وہ دوسری عورتوں سے بہت مختلف ثابت ہوئی تھی۔

جب خالدہ تعویذ لینے کے لیے محسن شاہ کے پاس پہنچی تو وہ اسے دیکھتے ہی پھڑک اٹھا تھا۔ حشمت نے اس کے سامنے خالدہ کے حسن کی تعریف تو بہت کر رکھی تھی لیکن اس وقت خالدہ مجسم اس کے سامنے موجود تھی لہٰذا وہ کچھ زیادہ ہی جذباتی ہوگیا۔ حسن کے پیکر کو اپنے سامنے دیکھ کر وہ بے قابو ہوگیا تھا۔

خالدہ کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ محسن شاہ کے آستانے پر اسے ایسی صورتِ حال کا سامنا بھی ہوسکتا ہے۔ وہ محسن شاہ کے ناپاک عزائم کو دیکھتے ہی بھڑک اٹھی۔ اس نے نہ صرف محسن شاہ کی بات ماننے سے انکار کردیا بلکہ اسے دھمکی بھی دی کہ وہ پورے گاؤں کو اس کے کالے کرتوتوں کے بارے میں بتائے گی۔ مجبوراً محسن شاہ کو ہمیشہ کے لیے خالدہ کو ''خاموش'' کرانا پڑا۔

اس شیطانی کھیل میں حشمت بی بی اور اس کا گھر والا بھولا ڈنگر چور محسن شاہ کے لیے نہایت ہی اہم کردار ادا کیا کرتے تھے۔ وہ محسن شاہ کے لیے ''شکار'' گھیرنے پر مامور تھے۔ حشمت بی بی اس حقیقت سے بہ خوبی آگاہ تھی کہ چھوٹا خان غلام مرتضیٰ ہاتھ دھو کر خالدہ کے پیچھے پڑا ہوا تھا اور وہ یہ بھی جانتی تھی کہ خالدہ چھوٹے خان سے شدید نفرت کرتی تھی لہٰذا اس نے خالدہ کو گھیرنے کے لیے اس کی نفسیات سے کام لیا۔

وقوعہ سے چند روز پہلے حشمت اور خالدہ کی جب کھیتوں میں ملاقات ہوئی تو حشمت نے اس موقع کو سنہری جانا اور وہ خالدہ کو ایک طرف لے گئی۔ خالدہ نے پوچھا۔ ''چاچی! خیریت تو ہے نا......!''

''سب خیریت ہے جھلی۔'' حشمت بی بی نے... رازدارانہ.... لہجے میں کہا۔ ''میں تم سے ایک ضروری بات کرنا چاہتی ہوں اور یہ بات تمہارے ہی فائدے کی ہے۔''

اپنے فائدے کی بات ہر کسی کو اچھی لگتی ہے، لہٰذا خالدہ حشمت کی باتوں میں دلچسپی لیتے ہوئے مستفسر ہوئی۔ ''آخر بات کیا ہے' کچھ پتا تو چلے؟''

''بتاتی ہوں......'' حشمت نے اس کی دکھتی رگ پر انگلی رکھتے ہوئے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''چھوٹا خان تمہارے پیچھے پڑا ہوا ہے نا؟''

''ہاں...... یہ بات تو ہے نہ۔'' وہ بیزاری سے بولی۔

''کیا تم چھوٹے خان سے جان چھڑانا چاہتی ہو؟'' حشمت نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

خالدہ جلدی سے بولی۔ ''یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے چاچی...... پر کیا کروں، میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس لوفر سے کیسے جان چھڑاؤں؟''

''جب انسان کی سمجھ میں کچھ نہ آرہا ہو تو اسے کسی دوسرے سے مشورہ کرنا چاہیے۔'' حشمت نے شاطرانہ انداز میں کہا۔ ''ہر مسئلے کا کوئی نہ کوئی حل ہوتا ہے۔ بس اس تک پہنچنے کی بات ہے۔''

''میں کس سے مشورہ کروں؟'' خالدہ بے بسی سے بولی۔ ''چاچی! کیا تم مجھے اس مسئلے کا کوئی حل بتا سکتی ہو؟''

''کیوں نہیں......'' حشمت نے ہمدردی بھرے لہجے میں کہا۔ ''اگر تو میری بات ماننے کے لیے تیار ہوجائے تو چھوٹا خان ہمیشہ کے لیے تمہیں اپنے دل و دماغ سے نکال دے گا۔''

''تو پھر بتانا چاچی......'' خالدہ نے اضطراری لہجے میں کہا۔ ''یہ بجھارتیں کیوں ڈال رہی ہے۔ بتا' مجھے تیری کون سی بات ماننا پڑے گی؟''

حشمت بی بی نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''تم شاہ صاحب سے تعویذ کیوں نہیں لیتی ہو؟''

''شاہ صاحب......!'' خالدہ نے الجھن زدہ نظر سے حشمت کی طرف دیکھا۔

''اری پاگل...... میں محسن شاہ کی بات کررہی ہوں۔'' حشمت اس کی الجھن کو رفع کرتے ہوئے بولی۔ ''جن کا آستانہ ادھر نہر کے کنارے پر ہے۔''

''کیا تعویذ اس مسئلے کو حل کرسکتا ہے؟'' خالدہ نے بے یقینی سے اس کی طرف دیکھا۔

''کیوں نہیں۔'' حشمت نے پُروثوق انداز میں کہا۔ ''شاہ صاحب بہت پہنچے ہوئے انسان ہیں۔ ان کے تعویذوں میں بڑی تاثیر پائی جاتی ہے' بالکل جادو کی طرح کام کرتے ہیں۔''

''اچھا......'' خالدہ نے حیرت آمیز لہجے میں کہا۔ ''پھر تو میں محسن شاہ سے ضرور تعویذ لوں گی۔'' لمحاتی توقف کرکے اس نے حشمت سے کہا۔ ''چاچی! تو ہی مجھے ایک تعویذ لادے نا۔''

''تو بھی بڑی جھلی ہے۔'' حشمت نے معنی خیز انداز میں کہا۔ ''پگلی! ہر بندے کو اپنے حصے کا پانی خود کنواں کھود کر نکالنا پڑتا ہے۔''

"میں کچھ سمجھی نہیں۔" خالدہ پلکیں جھپک کر رہ گئی۔

"مطلب یہ کہ تمہیں اپنے کام کے لیے خود شاہ صاحب کے پاس جانا پڑے گا۔" حشمت وضاحت کرتے ہوئے بولی۔

"مگر میں تو پہلے کبھی ادھر گئی نہیں۔" خالدہ نے ہچکچاہٹ بھرے انداز میں کہا۔ "کیا تم میرے ساتھ آستانے تک نہیں چل سکتی ہو؟"

"میں تمہاری خاطر چلی چلوں گی۔" حشمت مکاری سے بولی۔ "لیکن اس کے لیے میری ایک شرط ہے۔"

"کیسی شرط؟" خالدہ نے سوالیہ نظر سے اس کی طرف دیکھا۔

"تم گاؤں میں کسی سے اس بات کا ذکر نہیں کرو گی۔" حشمت تنبیہ کرتے ہوئے بولی۔ "اگر یہ خبر اڑتی ہوئی چوہدری نواز تک پہنچ گئی کہ تم ان کے خلاف تعویذ وغیرہ کروا رہی ہو تو پھر خود ہی سوچ لو..... تمہارا کیا حشر ہوگا۔"

"توبہ ہے آپا..... " خالدہ دونوں ہاتھوں سے اپنے کانوں کو چھوتے ہوئے بولی۔ "میرا کیا دماغ خراب ہوا ہے کہ میں خود اپنے پاؤں پر کلہاڑی ماروں گی۔ تم اطمینان رکھو آپا، میں یہ بات کسی کو نہیں بتاؤں گی۔"

"شاباش!" حشمت شاطر نظر سے خالدہ کو دیکھتے ہوئے بولی۔ "میں تو ہوں ہی تمہاری بھلی چنگی خیر خواہ۔ آگے تمہاری بھلائی کی بات ہے۔ تم سب کچھ سوچ سمجھ لو۔ اب میں کسی دن تجھے اپنے ساتھ شاہ صاحب کے پاس لے جاؤں گی۔ مجھے لگتا ہے تیرا کام ان سے ہو جائے گا۔" بات کے اختتام پر حشمت بی بی نے تسلی بھی دے ڈالی۔

خالدہ خوشی خوشی گھر واپس آ گئی۔ چند روز بعد ہی بڑی سرعت سے حشمت بی بی خالدہ کو لے کر محسن شاہ کے آستانے پر پہنچ گئی۔

اس وقت محسن شاہ اپنے حجرے میں تھا اس نے انہیں اپنے پاس ہی بلا لیا۔ محسن شاہ نے بڑی سنجیدگی اور توجہ سے خالدہ کا مسئلہ سنا۔ اس دوران میں وہ گہری نظر سے خالدہ کے بدن کا بھی جائزہ لینے میں مصروف رہا تھا۔ ادھر خالدہ کی داستان ختم ہوئی ادھر محسن شاہ کی ہوس بھی بیدار ہو چکی تھی۔ معصوم صورت کی شکل کے لیے تیار ہو چکی تھی۔ چنانچہ اس نے بڑی چالاکی سے محسن شاہ کے سامنے بیٹھی ہوئی حشمت بی بی کی آنکھوں میں موجود ہوس کی چمک دیکھ لی تھی۔

محسن شاہ نے باقی ماندہ کام کے بہانے حشمت بی بی کو حجرے سے باہر بھیج دیا۔ کچھ ہی لمحے اس نے فراغت

لیا۔ وہ ذرا ایک طرف پہنچا اور اپنا مخبر اپنی خالدہ پر ظاہر کر دیا۔ خالدہ "شاہ صاحب" سے ایسے رویے کی توقع نہیں کر رہی تھی لہٰذا وہ بری طرح چونک گئی۔

محسن شاہ کا اب تک کا تجربہ یہی تھا کہ اس نے کسی عورت پر ہاتھ رکھ دیا تو پھر رات ہو گئی۔ کا منہ بھی دیکھنا پڑا لیکن خالدہ اس کے لیے نیا تجربہ ثابت ہوئی۔ اس نے نہ صرف بری طرح محسن شاہ کا ہاتھ جھٹک دیا بلکہ جیسے خطرناک انداز میں اسے دھمکی بھی دی کہ وہ پورے گاؤں کو اس کی اصلیت کے بارے میں بتا دے گی۔

اس صورت حال نے محسن شاہ کو پریشان کر دیا۔ اس نے غصے سے گھورتے ہوئے دیکھا تو "خدمت" کا بس اور نہ چھوڑنے کی "خدمت" کے بجائے زبردستی کوشش کر کے خالدہ کا کام تمام کر دیا۔ پھر وہ کچھ سوچ کر اپنا ایک خاص چیلا کو بلا کر خالدہ کی مردہ جسم کے ساتھ جبراً سلوک ہوگیا۔ گویا اس نے انسانیت کی تذلیل اور بے دردی کی ایک عبرت ناک مثال قائم کر دی۔ کسی بھی اس پر کوئی رحم نہیں کیا گیا۔

بعد میں محسن شاہ نے خالدہ کی لاش کو اپنے ایک خاص چیلے کے ذریعے اپنی کھیتوں میں دفنا دیا تھا۔ یہ کام محسن شاہ کے خاص مددگار جمال نے انجام دیا تھا۔ میں نے محسن شاہ کی نشان دہی پر خالدہ کی لاش برآمد کر لی اور محسن شاہ، حشمت بی بی کو ساتھ لے کر شاہ صاحب کے دونوں خاص چیلوں کے خلاف شہادتیں بھی جمع کر لی ہیں جنہیں جلد ہی سلاخوں کے پیچھے بھیج دیا۔

میں نے بیان میں محسن شاہ کے جن دو چیلوں کا ذکر کیا ہے وہی لوگ تھے جنہوں نے قتل کی رات خالدہ پر حملہ کیا تھا۔ وہ دونوں ہی ٹارچ لیے اس کی طرف بڑھے تھے لیکن قریب سے ان میں سے ایک کو پہچان لیا تھا انہوں نے اپنی حفاظت کی خاطر قریب کے کھیت میں خاموشی کر دیا پھر اس کی لاش اٹھا کر پانی سے بھرے ہوئے گڑھے میں پھینک دیا تھا۔

اس کیس کے اختتام پر میں بہت سے معاشرتی امور پر غور کرتا رہا جو سامنے آئے تھے لیکن مجھے اس بات کا افسوس تھا کہ میں ان ہستیوں کے سبب جرم کا شکار ہونے والے افراد خالدہ کو نہیں بچا سکا تھا۔

قدرت کے ہر کام میں کوئی نہ کوئی مصلحت پوشیدہ ہوتی ہے اور اس کے راز کو جاننا انسان کے بس سے باہر ہے۔ بعض اوقات حقیقت تک پہنچنے کے لیے ایسی منزلیں طے کرنا پڑتی ہیں۔

(تحریر: شام بٹ)

لارڈ رچرڈ کی عمر تو ساٹھ سے کچھ اوپر ہی تھی مگر اپنے سرخ وسپید چہرے اور مضبوط چوڑی جسامت کے باعث وہ اپنی عمر سے کہیں کم کے نظر آتے تھے۔ وہ اب بھی کسی نوجوان کی طرح چاق و چوبند تھے۔ ڈیوڈ کا ان کی صحت کے بارے میں خیال تھا کہ لارڈ رچرڈ عمر بھر معاشی تفکرات سے دور رہے تھے اسی لیے وہ اتنے صحت مند ہیں۔

لارڈ رچرڈ ایک سچا اور کھرا انسان تھا۔ ڈیوڈ یہ بات اکثر سنا کرتا تھا اور حقیقت تو یہ تھی کہ وہ خود بھی دل سے اس بات کا قائل ہو چکا تھا۔ ایک واقعے نے تو اسے حیران کر دیا۔

لارڈ رچرڈ کا کسی کے ساتھ رقم کے لین دین پر تنازع تھا اور عدالت میں ان کا ذہین وکیل کیس کو اس نہج پر لے آیا تھا کہ وہ جھوٹ بول کر اپنی مطلوبہ رقم سے ایک لاکھ ڈالرز زیادہ حاصل کر سکتے تھے مگر اس سچے اور کھرے انسان نے ایسا نہیں کیا۔ ڈیوڈ کو یہ واقعہ سن کر یقین ہی نہ آتا تھا کہ جھوٹ اور فریب زدہ امریکی معاشرے میں لارڈ رچرڈ جیسے لوگ بھی ہو سکتے ہیں۔

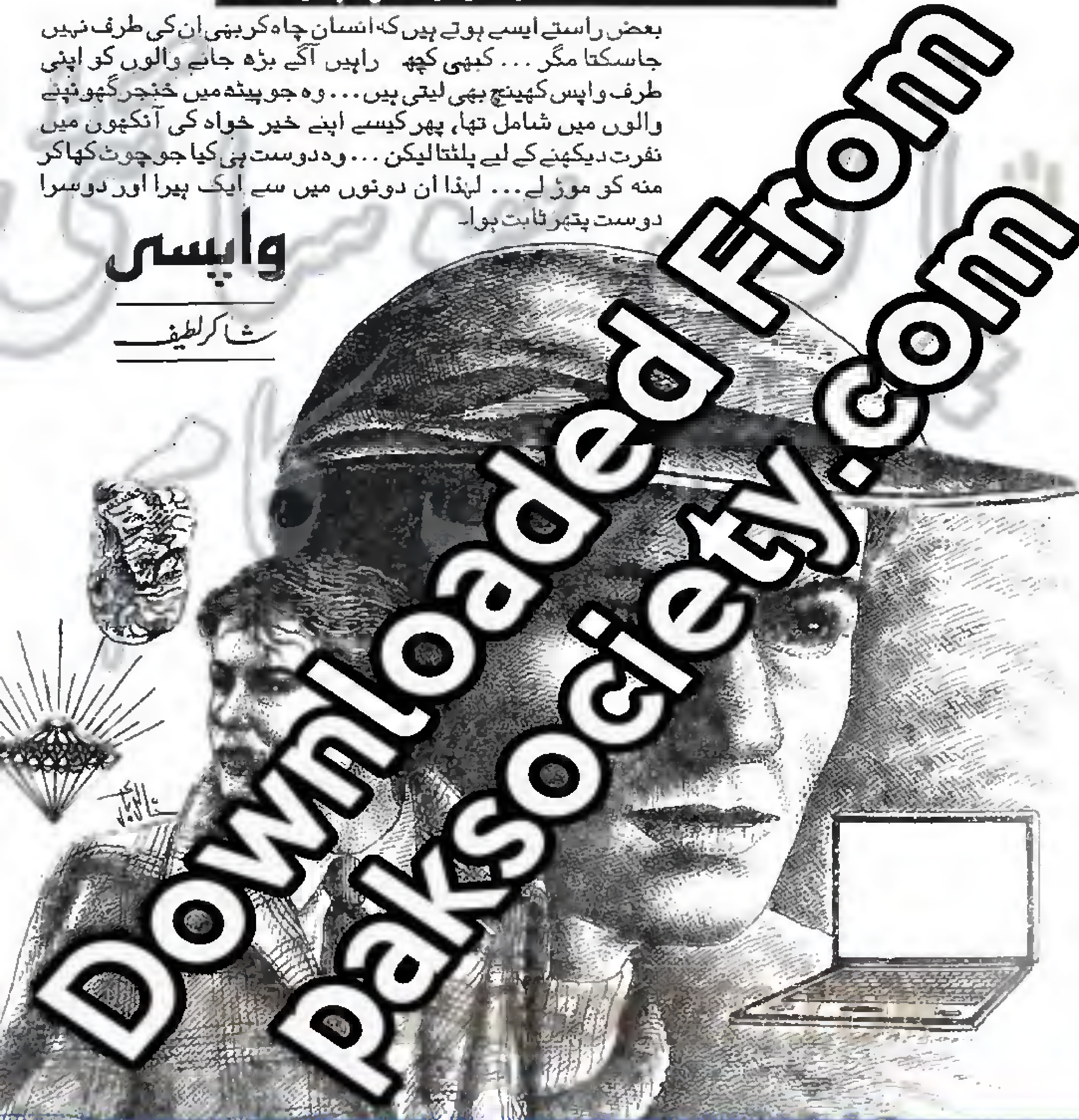
اس کی لارڈ سے دوستی کو تقریباً دو سال کا عرصہ گزر چکا

اندھے اعتماد اور منفرد تعلق کی عجیب کہانی

بعض راستے ایسے ہوتے ہیں کہ انسان چاہ کر بھی ان کی طرف نہیں جاسکتا مگر... کبھی کچھ راہیں آگے بڑھ جانے والوں کو اپنی طرف واپس کھینچ بھی لیتی ہیں... وہ جو پیٹھ میں خنجر گھونپنے والوں میں شامل تھا، پھر کیسے اپنے خیر خواہ کی آنکھوں میں نفرت دیکھنے کے لیے پلٹتا لیکن... وہ دوست ہی کیا جو چوٹ کھا کر منہ کو موڑ لے... لہذا ان دونوں میں سے ایک ہیرا اور دوسرا دوست پتھر ثابت ہوا۔

واپسی

شاکر لطیف



تھا۔ ڈیوڈ حیثیت میں لارڈ سے کمتر تھا۔ وہ ایک کمپنی میں معمولی درجے کی ملازمت کر رہا تھا جبکہ لارڈ رچرڈ کو وراثت میں اتنی دولت ملی تھی کہ انہوں نے ساری عمر کوئی کام ہی نہ کیا تھا۔ تاہم اس طبقاتی فرق کے باوجود دونوں میں گہری دوستی تھی اور ڈیوڈ کا شمار لارڈ کے چند دوستوں میں ہوتا تھا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ڈیوڈ شطرنج کا ماہر کھلاڑی تھا اور لارڈ رچرڈ بھی اس کھیل کے بہت شوقین تھے۔ اچھے کھلاڑی ہونے کی وجہ سے دونوں میں خوب جمتی تھی۔ ہر ہفتے ڈیوڈ لارڈ کا مہمان ہی ہوتا تھا۔

ڈیوڈ ہر ویک اینڈ پر لارڈ کے بنگلے پر جاتا اور پھر گھنٹوں بیٹھ کر ان کے ساتھ شطرنج کھیلتا۔

لارڈ رچرڈ اپنے بیوی بچوں سے دور اس عظیم بنگلے میں صرف ایک ملازم کے ساتھ رہتے تھے۔ بچے تو تھے نہیں، بیوی کی برسوں پہلے موت ہو چکی تھی مگر تنہائی پسند ہونے کی وجہ سے انہوں نے دوبارہ شادی نہیں کی تھی۔ ان کے قریبی دوستوں کی فہرست بھی خاصی مختصر تھی۔ بہرحال ڈیوڈ کے لیے ان کے دل میں ہمدردی کے جذبات موجود تھے اور ڈیوڈ ان کے بینک بیلنس سے بخوبی واقف تھا۔ وہ اکثر اوقات لارڈ کی ہمدردی کا ناجائز فائدہ بھی اٹھاتا رہتا تھا۔ ضرورت ہو یا مجبوری، لارڈ سے کچھ رقم ادھار لینا اس کا معمول بن چکا تھا۔ اگرچہ وہ یہ قرض کے طور پر ہی وصول کرتا تھا مگر یہ بھی حقیقت تھی کہ اس نے لارڈ رچرڈ کو آج تک ایک پائی بھی واپس نہیں کی تھی اور نہ ہی کبھی لارڈ نے اپنی رقم کا تقاضا کیا تھا۔ شاید وہ دوستی کی لاج رکھنے کے لیے لارڈ نے یہ رقم ادا کر دیتا تھا کیونکہ اس طرح لینے والے کی عزت بھی محفوظ رہتی تھی۔

ڈیوڈ کی ان سے پہلی ملاقات ایک ریسٹورنٹ میں ہوئی تھی۔ وہ اپنے ایک دوست کے ساتھ شطرنج کی بازی کھیل رہا تھا۔ لارڈ رچرڈ وہاں تفریح کے لیے آئے ہوئے تھے۔ کھیل دیکھنے کے لیے ان کے قریب آ گئے۔ وہ ڈیوڈ کی مہارت سے اتنے متاثر ہوئے کہ انہوں نے ڈیوڈ کو باقاعدہ اپنے بنگلے میں آ کر کھیلنے کی دعوت دے ڈالی اور یوں دونوں کی دوستی کا آغاز ہو گیا۔ اب ڈیوڈ پچھلے دو سال سے لارڈ کے بنگلے میں آ رہا تھا۔ لارڈ رچرڈ کو ایک ملازم تھا اور ان سے کھل کر گئے تھے اس لیے ان کے بنگلے کی کوئی بھی چیز ڈیوڈ سے بھی ان کی آنکھوں سے اوجھل نہیں ہوتا تھا۔ ان کا بنگلا باہر سے پرانا اور قدیم طرز کا دکھائی دیتا تھا مگر اندر سے بے حد جدید تزئین کیا گیا تھا۔

آج ویک اینڈ تھا اور ڈیوڈ حسب معمول لارڈ کے ساتھ شطرنج کی بازی لگانے بیٹھا تھا۔ ویسے تو لارڈ رچرڈ بھی اس میدان کے پرانے کھلاڑی تھے اور اکثر اوقات ڈیوڈ کو ہرا دیتے تھے مگر آج ان کا ستارہ گردش کے گرداب ہی میں تھا۔ وہ آج ایک بھی بازی نہیں جیت پائے تھے۔

"آج بھی آپ ہار گئے۔۔۔ میرا خیال ہے اب بازی ختم کر دی جائے۔" ڈیوڈ نے مسلسل تیسری بار جیتنے کے بعد کہا تو انہوں نے کھیل ختم کرنے کا اعلان کر دیا۔

"آج میرا کہیں کام میں دل نہیں لگ رہا۔" یہ کہتے ہوئے انہوں نے اپنے ملازم کو چائے لانے کا کہا۔

کچھ ہی دیر میں گرم گرم بھاپ اڑاتی چائے ان کے سامنے رکھ دی گئی۔

"تمہاری جاب کیسی جا رہی ہے؟" لارڈ نے چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے ڈیوڈ سے سوال کیا۔

"بس لارڈ رچرڈ! آپ تو میرے حالات سے واقف ہی ہیں۔ اچھی اسامی ملنا کتنی مشکل ہے۔ میں آج تک شادی نہیں کر سکا علاوہ ازیں آپ جانتے ہیں کہ میں ہو چکا ہوں مگر اس قدر قرض ہے کہ بہت مشکل سے گزر ہو رہی ہے۔ یہ کیا دور ہے، بھوک سے انسان کیا کرے۔" بات کرتے ہوئے ڈیوڈ نے اپنے چہرے پر مظلومیت طاری کرنے کی پوری کوشش کی۔

"اوہ اچھا۔۔۔ اداس ہونے کی ضرورت نہیں۔" لارڈ نے چہرے پر مسکراہٹ سجاتے ہوئے کہا اور ایک چیک ڈیوڈ کی طرف بڑھا دیا۔

"اوہ اس کی کیا ضرورت تھی لارڈ صاحب!" ڈیوڈ نے بظاہر شرمندگی سے کہا اور چیک جیب میں ٹھونس لیا۔

"کوئی بات نہیں۔" لارڈ نے اطمینان سے کہا۔

"ایک دوست ہی دوسرے دوست کے کام آتا ہے۔" یہ کہتے ہوئے وہ اپنے ملازم کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"کیا تجوری میں رکھ دیا ہے؟"

"جی لارڈ صاحب!" ملازم نے مختصر سا جواب دیا۔

"یہ بہت قیمتی اور نایاب ہے۔ اس کی قیمت لاکھوں ڈالرز میں ہے۔ ایک دو دن تک اسے بینک لاکر میں رکھوا دیا جائے گا، وہاں پر زیادہ محفوظ رہے گا۔" لارڈ نے پرخیال لہجے میں کہا۔

"جی بہتر!" ملازم نے مختصر سا جواب دیا۔ یہ سن کر ڈیوڈ کے کان کھڑے ہو گئے۔

لارڈ کی تجوری میں لاکھوں ڈالرز کی کوئی قیمتی چیز موجود تھی، غالباً کوئی ہیرا ہی ہوسکتا تھا چونکہ امریکا میں دو چھٹیوں کا رواج تھا اس لیے اگلے دن بھی بینک بند تھے یعنی اس قیمتی چیز کو کل تو کسی صورت بینک میں نہیں رکھوایا جاسکتا تھا۔

لارڈ نے اگر اس قیمتی چیز کی قیمت لاکھوں ڈالرز بتائی ہے تو پھر وہ واقعی بہت قیمتی ہوگی کیونکہ ڈیوڈ جانتا تھا کہ لارڈ رچرڈ مذاق میں بھی جھوٹ نہیں بولتے تھے۔

اس کا ذہن تیزی سے کام کرنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر وہ اس بیش قیمت چیز کو حاصل کر کے اسے بیچنے میں بھی کامیاب ہوجائے تو...... اس کے ذہن میں ایک منصوبہ گردش کرنے لگا۔ اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے قسمت اس کے دروازے پر دستک دے رہی ہے، بس اسے تھوڑی سی ہمت کرنا ہوگی۔ ”لارڈ صاحب! میں کل بھی فارغ ہوں اگر آپ اجازت دیں تو میں کل بھی حاضر ہوجاؤں۔ آج کھیلنے میں مزہ نہیں آیا۔“ ڈیوڈ نے اپنے ذہن میں پنپنے والے منصوبے کو عملی جامہ پہناتے ہوئے کہا۔

”کیوں نہیں۔“ لارڈ رچرڈ نے خوش دلی کے ساتھ جواب دیا۔ ”میں تمہارا انتظار کروں گا۔ آج تو تم آسانی سے جیت گئے ہو مگر کل ہمارا زوردار مقابلہ متوقع ہے۔“

”ٹھیک ہے لارڈ صاحب...... تو پھر کل دوپہر کو ملتے ہیں۔“ ڈیوڈ نے اپنی چائے ختم کرتے ہوئے کہا اور پھر جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے لارڈ سے الوداعی مصافحہ کیا اور پھر باہر کی جانب روانہ ہوگیا۔

بنگلے کے صحن میں لارڈ کی انتہائی قیمتی اور خوب صورت کار کھڑی تھی۔ ڈیوڈ اسے تحسین آمیز نظروں سے دیکھتا ہوا پاس ہی موجود اپنی کھٹارا کار کی طرف بڑھ گیا جو تقریباً چھٹے سیلف پر اسٹارٹ ہوئی۔ لارڈ کے ملازم نے جو اسے رخصت کرنے کے لیے ساتھ ہی آیا تھا، پھرتی سے گیٹ کھول دیا۔ ڈیوڈ نے گاڑی باہر نکالی اور پھر اپنے فلیٹ کی طرف روانہ ہوگیا۔ اپنے فلیٹ میں پہنچ کر وہ ایک آرام دہ کرسی پر براجمان ہوگیا۔ اس کے ذہن میں اب بھی وہ فقرے گونج رہے تھے جو لارڈ نے اپنے ملازم سے کہے تھے۔ تجوری میں رکھی گئی اس چیز کی قیمت لاکھوں ڈالرز میں ہے۔

ڈیوڈ اپنے موجودہ حالات سے خاصا ناخوش تھا۔ وہ اپنی باقی کی زندگی اس طرح سے نہیں گزارنا چاہتا تھا۔ وہ کافی عرصے سے یہ سوچ رہا تھا کہ اپنی زندگی میں تبدیلی کے لیے اسے کوئی بڑا کام کرنا ہوگا چاہے اس کے لیے اسے کسی جرم کا ارتکاب ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔ اس کے بعد وہ امریکا کو ہمیشہ کے لیے الوداع کہہ کر میکسیکو چلا جاتا۔ ویسے بھی وہ میکسیکو نژاد ہی تھا اس لیے وہاں جا کر سیٹل ہونا اس کے لیے زیادہ مشکل نہ تھا۔ وہ کافی عرصے سے کسی ایسے موقع کی تلاش میں تھا جس سے اس کی زندگی بدل جائے اور آج لارڈ رچرڈ کی باتیں سن کر اسے ایسا محسوس ہورہا تھا جیسے وہ موقع اس کے بالکل سامنے ہے۔ اس کا شمار ان لوگوں میں ہوتا تھا جو فیصلہ کرنے کے بعد اس پر فوری عمل بھی کر گزرتے تھے۔ اس نے لارڈ رچرڈ کے بارے میں سوچنا شروع کردیا۔ خودغرض اور فریب زدہ امریکی معاشرے میں وہ ایک کھرا انسان تھا، اسے دوسروں کا درد محسوس ہوتا تھا اور وہ کسی کی بھی بے لوث مدد کر کے خوش ہوتا تھا۔ ڈیوڈ خود بھی اس سے فائدہ اٹھا چکا تھا۔ کیا اس جیسے بے غرض دوست کو دھوکا دینا ٹھیک تھا۔ کیا اس کا ضمیر یہ گوارا کرلے گا؟ وہ وقتی طور پر شش و پنج میں پڑ گیا مگر پھر لالچ اس کے تمام خیالات پر حاوی ہوگیا۔ اس نے سوچا کہ اگر اس نے یہ موقع ضائع کردیا تو تمام عمر پچھتاتا رہے گا۔

اس کا پلان بھی بڑا سادہ سا تھا۔ لارڈ کے گھر میں داخل ہونا اس کے لیے کوئی مسئلہ نہ تھا۔ اسے بس لارڈ اور ان کے ملازم کو وقتی طور پر بے ہوش کرنا تھا اور پھر تجوری سے وہ قیمتی ہیرا یا جو کچھ بھی تھا حاصل کر کے اپنی اسی کھٹارا گاڑی پر امریکا کے سرحدی علاقے تک پہنچنا تھا۔ جہاں اس کا بھائی مائیکل رہتا تھا۔ وہ کچھ دن تک مائیکل کے پاس روپوش رہ سکتا تھا اور پھر موقع ملتے ہی سرحد پار کر کے میکسیکو میں داخل ہوجاتا اس کے بعد امریکی پولیس اس تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔ سرحد پر اگر اسے کوئی محافظ روک بھی لیتا تو چند سو ڈالرز دے کر اس مسئلے کو حل کیا جاسکتا تھا۔ وہ پہلے بھی کئی دفعہ میکسیکو اسی راستے سے جاچکا تھا اور پھر حکومت کی طرف سے وہاں جانے کی قانونی اجازت بھی موجود تھی۔ چونکہ اب وہ فیصلہ کرچکا تھا اس لیے اپنے پلان پر عمل درآمد کے لیے اسے کچھ ضروری سامان کا بھی بندوبست کرنا تھا۔ لارڈ کے ملازم کو بے ہوش کرنا شاید اتنا مشکل نہ ہوتا کیونکہ وہ خاصا کمزور آدمی تھا مگر اس کے برعکس لارڈ کے معاملے میں یہ کام مشکل بھی ثابت ہوسکتا تھا۔ تنومند اور جسیم لارڈ رچرڈ اگر ڈیوڈ کے مقابلے میں مزاحمت پر اتر آتا تو ڈیوڈ کو یقینی طور پر لینے کے دینے پڑ سکتے تھے۔ کامیابی کے لیے ضروری تھا کہ وہ لارڈ کو اچانک اور غیر متوقع طور پر بے ہوش کردے اور انہیں سنبھلنے کا موقع ہی نہ دے۔ رات کافی گزر چکی تھی۔ ڈیوڈ کو نیند آنے لگی۔ وہ کرسی سے اٹھا اور اپنے بیڈ پر دراز ہوگیا۔ کل

وہ ایک ایسا جرم کرنے جا رہا تھا جس کی ناکامی کی صورت
میں وہ انجام سے اچھی طرح واقف تھا۔ اس کے پاس دوسرا
چانس نہیں تھا۔

اگلی صبح وہ جلدی اٹھ گیا۔ اس نے اپنے لیے چائے
بنائی اور پھر چائے پینے کے بعد گھر سے روانہ ہو گیا۔ تقریباً
دو گھنٹے تک شہر کے مختلف علاقوں میں گھومنے کے بعد اس نے
[illegible] اس نے گھر واپسی کا فیصلہ کیا۔ گاڑی
پارکنگ ایریا میں کھڑی کر کے وہ اپنے فلیٹ میں
آ گیا۔ وہ اپنے اس پلان میں استعمال ہونے والی سب سے
ضروری اور اہم چیز کو [illegible] کرنے میں
کامیاب ہو چکا تھا۔ اسے یقین تھا کہ اس کے اور لارڈ
[illegible]
اور اتفاق [illegible] اس کے لیے کافی تھا۔

تقریباً تین بجے کے قریب وہ اپنی گاڑی پر لارڈ کے
گھر کی جانب روانہ ہو گیا۔ اس کے کوٹ کی جیب میں
[illegible] موجود تھا جبکہ اس نے اپنے
کپڑے اور ضروری سامان بھی ساتھ رکھ لیا تھا کیونکہ آج
اس واردات کے بعد اسے اس شہر کو چھوڑ کر اپنے بھائی
[illegible] کے پاس جانا تھا۔ [illegible]
[illegible] اس کے علاوہ وہ [illegible] کے پاس جا سکتا
[illegible] ابھی تک اس کے علم میں یہ
بات نہیں تھی [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
کی [illegible] گیٹ بند ہو کے اس کے پاس آ رہا تھا۔

"آپ ڈرائنگ روم میں بیٹھیے۔ لارڈ صاحب
آ رہے ہیں۔" [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

کام زیادہ مشکل ہو جاتا۔ پھر تیزی سے [illegible] کا ہاتھ اپنے
کوٹ کی جیب میں موجود پستول [illegible]
پر جم گیا اور پھر ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہی اس نے
لارڈ کے ملازم کو اپنی گرفت میں لے لیا اور پستول کی نال
کو اس کے سر پر رکھ دیا۔ لارڈ کا ملازم فوری طور پر سمجھ گیا
تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ وہ حیرت سے اپنی جگہ پر
بے حس و حرکت ہو گیا۔

وہ اسے گھسیٹ کر ایک طرف صوفے کے پیچھے لے
آیا اور پھر اسے آرام سے لٹا دیا۔ لارڈ ابھی تک شاید اپنے
کمرے میں ہی تھے۔ ڈرائنگ روم کے داخلی
دروازے کی دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے
لارڈ کے آتے ہی ان پر بھی حملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا کیونکہ
اب وہ مزید وقت برباد نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس کی خواہش
تھی کہ وہ جلد از جلد اپنا کام ختم کر کے یہاں سے دور نکل
جائے اور پھر لارڈ کے قدموں کی آواز پر اس کے
اعصاب تن گئے۔ [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

وہ ایک طرف [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

کرتے۔ اگرچہ تجوری میں رقم وغیرہ بھی موجود ہوتی تھی مگر لارڈ رچرڈ کو اپنے اس بوڑھے ملازم پر مکمل اعتبار تھا۔ ڈیوڈ چونکہ کافی عرصے سے یہاں آ رہا تھا اس لیے یہ تمام باتیں جانتا تھا۔

لارڈ کے کوٹ سے چابی برآمد ہوتے ہی وہ وقت ضائع کیے بغیر ان کے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔ لارڈ اور اس کے ملازم کے بارے میں اب اسے کوئی فکر نہ تھی اور ان کا چھ سے سات گھنٹوں سے پہلے ہوش میں آنا ممکن نہیں تھا۔ لارڈ کی تجوری کھلی تو ڈیوڈ کو ایسا محسوس ہوا جیسے اس کی خوش قسمتی کا دروازہ کھل گیا ہو۔ اس نے اندر کا جائزہ لیا، وہاں نقدی نام کی کوئی چیز موجود نہیں تھی۔ کچھ کاغذات وغیرہ موجود تھے جو ڈیوڈ کے کسی کام کے نہیں تھے۔ اس کے علاوہ ایک چھوٹی سی ڈبیا اور کاغذات کے اوپر ایک پتھر بھی رکھا ہوا تھا۔ ڈیوڈ نے پرتجسس انداز میں اس پتھر کو اٹھا کر دیکھا مگر اسے پہلی ہی نظر میں اندازہ ہو گیا کہ یہ اس کے کسی کام کا نہیں۔ وہ ایک عام سا پتھر تھا۔ شاید لارڈ اسے پیپر ویٹ کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ اس نے پتھر تجوری میں واپس رکھ دیا اور وہ چھوٹی سی ڈبیا اٹھالی۔

اس نے جیسے ہی ڈبیا کھولی، اس کا دل بلّیوں اچھلنے لگا کیونکہ ڈبیا میں واقعی میں ایک چھوٹا سا ہیرا موجود تھا۔ ڈیوڈ کو ہیروں کی پہچان تو نہیں تھی مگر اس ہیرے کی چمک دمک دیکھتے ہی اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ لارڈ نے اسی بارے میں اپنے ملازم کو کہا تھا اور پھر اس کے علاوہ کوئی ایسی چیز تجوری میں موجود نہیں تھی جس کی قیمت لاکھوں ڈالرز میں ہو سکتی تھی۔

ڈیوڈ نے ہیرے کو ڈبیا میں ڈالا اور پھر اسے اپنی جیب میں ڈال کر باہر کی جانب چل پڑا۔ وہ اپنا مقصد حاصل کر چکا تھا اور اب مزید وقت ضائع کرنا مناسب نہیں تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کھیل میں سب سے زیادہ اہمیت وقت ہی کی ہے۔ اب وہ جتنی جلدی اس شہر سے دور ہو جاتا، اس کے لیے اتنا ہی بہتر ہوتا۔

اس نے مین گیٹ کھولا اور پھر اپنی گاڑی نکال کر باہر آ گیا۔ اس کے بعد وہ گاڑی سے نیچے اترا اور بنگلے کا گیٹ بند کر کے چھوٹے خارجی دروازے سے باہر آ گیا۔ مین گیٹ بند کرنا ضروری تھا کیونکہ اسے کھلا دیکھ کر لارڈ کا کوئی ہمسایہ مشکوک بھی ہو سکتا تھا۔ گاڑی اسٹارٹ کر کے اس نے لارڈ کے وسیع وعریض بنگلے پر ایک الوداعی نظر ڈالی اور پھر روانہ ہو گیا۔ اسے اپنے اندر ہلکی سی بے چینی کا احساس بھی ہو رہا تھا۔ شاید اس کا ضمیر اسے کچوکے لگا رہا تھا۔ وہ اس بچے

اور کھرے انسان کو دھوکا دے کر آ رہا تھا جس نے ہمیشہ ہر مشکل وقت میں اس کی مدد کی تھی۔ اسے کبھی اس کی کمتر حیثیت کا احساس نہیں دلایا تھا۔ ایک اچھا دوست سمجھ کر ہمیشہ اس پر اندھا اعتماد کیا تھا مگر اپنے حالات کو سدھارنے کے لیے ڈیوڈ کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ بھی تو نہ تھا۔ وہ جانتا تھا کہ لارڈ کو اس ہیرے کی چوری سے کوئی خاص فرق نہیں پڑے گا مگر اس کے دن پھر جائیں گے۔ وہ دنیا کی سیاحت کرنا چاہتا تھا اور اب اسے یقین تھا کہ وہ اپنی ساری تمنائیں اور حسرتیں پوری کر سکے گا۔

وہ خاصی تیز رفتاری سے ڈرائیونگ کرتا رہا تھا کیونکہ لارڈ ہوش میں آتے ہی پولیس کو اطلاع کرتے اور وہ امریکن پولیس کی کارکردگی سے بھی بخوبی واقف تھا۔ پولیس پہلے اس کا فلیٹ چیک کرتی اور اسے خالی پا کر فوراً اس کی گاڑی کی تلاش شروع کر دیتی۔ وہ کسی بھی شہر نکل جاتا اس گاڑی پر پولیس سے بچنا مشکل تھا۔ پولیس کا مواصلاتی نظام بہت تیز رفتار تھا۔ ایک بار اس کی تلاش شروع ہو جاتی تو شہری علاقے میں اس کا بچنا ناممکن ہو جاتا۔ اسی لیے اس نے مائیکل کے پاس جانے کا فیصلہ کیا تھا۔ وہ جگہ شہر سے دور ایک چھوٹا سا قصبہ تھا جہاں اس کے بھائی مائیکل سمیت دوسرے لوگوں کا کاروبار ڈیری فارمنگ سے منسلک تھا۔ اس جگہ ہر طرف جانوروں کا گوبر بکھرا رہتا تھا۔ پولیس تو کیا عام شہری بھی بلاضرورت اس طرف کا رخ نہیں کرتے تھے۔ عام طور پر امریکی بہت نفاست پسند طبیعت واقع ہوئے ہیں۔ کوئی نہیں چاہتا تھا کہ اس کی گاڑی کو جانوروں کا گوبر گندا کر دے۔

ڈیوڈ وہاں اپنی کار بھی چھپا سکتا تھا اور کچھ دنوں تک آرام سے رہ بھی سکتا تھا اور پھر اس ہیرے کو فروخت بھی تو کرنا تھا۔ ایک بار رقم ہاتھ میں آ جاتی تو اس کے بعد وہ میکسیکو نکل جاتا اور پھر کچھ عرصے کے بعد دنیا کی سیاحت کے لیے روانہ ہو جاتا۔

تقریباً پانچ گھنٹے کی مسلسل اور تھکا دینے والی ڈرائیونگ کے بعد وہ شہر سے نکل کر اس دیہاتی علاقے میں داخل ہوا تو اس کے حلق سے اطمینان کی ایک طویل سانس خارج ہوئی۔ اب وہ خاصی حد تک پولیس کی دسترس سے محفوظ ہو چکا تھا اور پھر اس کا خیال تھا کہ ابھی تک پولیس کو اس واقعے کی خبر ہی نہیں ہوئی ہوگی کیونکہ ممکن تھا کہ لارڈ رچرڈ اور ان کا بوڑھا ملازم ابھی تک ہوش میں ہی نہ آئے ہوں۔

اس سڑک پر خاصا گرد و غبار تھا، اس لیے ڈیوڈ اب خاصی آہستہ رفتار سے گاڑی چلا رہا تھا۔ ہر طرف اندھیرا

نکل چکا تھا۔ وہ بھی گاڑی کی ریڈ لائٹس کے سہارے ہی آگے بڑھ رہا تھا۔

عام طور پر اس کے ساتھی ماتنگل کا فارم یہاں سے دو گھنٹے کی مسافت پر تھا مگر رات ہونے کی وجہ سے اسے وہاں پہنچنے میں تین سے چار گھنٹے کا وقت صرف ہوا۔ وہ تقریباً دو سال کے بعد ماتنگل سے ملنے کے لیے یہاں آیا تھا۔ تب وہاں کا راستہ بھی کچی سڑک ہو گیا تھا۔

اس نے ڈیری فارم کے گیٹ پر ہارن دیا تو کچھ ہی دیر میں ماتنگل ہاتھ میں ٹارچ لیے باہر آگیا۔

”ارے ڈیوڈ تم۔“ اس پر نظر پڑتے ہی وہ مسرت بھرے لہجے میں بولا۔ ”میں ابھی گیٹ کھول رہا ہوں، گاڑی اندر لے آؤ۔“ یہ کہتے ہوئے وہ اندر چلا گیا۔ پھر کچھ ہی دیر میں اس نے گیٹ کھول دیا۔ ڈیوڈ گاڑی اندر لے گیا۔ وہ نیچے اترا ہی تھا کہ ماتنگل گرم جوشی سے.......... اس کی طرف بڑھا۔

”تمہاری آمد کافی اچانک اور غیر متوقع ہوئی ہے۔“ ڈیوڈ سے بغل گیر ہوتے ہوئے بولا۔

”بس تمہاری اور اپنے بچپن کی یاد آرہی تھی اس لیے چلا آیا۔ ویسے مجھے تم سے ایک ضروری کام بھی تھا۔“ ڈیوڈ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

”کون سا ضروری کام؟“ ماتنگل نے چونک کر پوچھا۔

”ارے۔ ساری باتیں یہیں کھڑے کھڑے کرو گے۔ اندر چل کر بات کرتے ہیں [illegible] تمہارا [illegible] ہے؟“ ڈیوڈ نے کہا۔

وہ جانتا تھا کہ جب ہیروں کے کاروبار میں کساد بازاری آئی تھی تو ماتنگل نے اس کاروبار کو خیرباد کہہ کر ڈیری فارمنگ کا کام شروع کر دیا تھا اور اپنے بچوں کے ساتھ رہائش بھی اسی جگہ اختیار کر لی تھی۔

”وہ اپنے نانا سے ملنے کے لیے انگلینڈ گئے ہوئے ہیں۔ آؤ ڈرائنگ روم میں بیٹھتے ہیں۔“ ماتنگل نے جواب دیا تو ڈیوڈ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اس کے پیچھے چل پڑا۔

”آج کتنے عرصے بعد ہماری ملاقات ہوئی ہے۔ آنے سے پہلے فون یا ای میل کر دیتے تو میں کچھ انتظام کر لیتا۔“ اندر بیٹھتے ہی ماتنگل نے شکوہ کیا۔

”بس تم تو میری مصروفیت سے واقف ہی ہو۔“ ڈیوڈ نے جواب دیا۔ ”ویسے اپنے آفس سے ایک دن کی چھٹی کرلو تو [illegible] دوسرے کام [illegible] اس وقت بھی تمہارے پاس بڑی مشکل سے وقت نکال کر آیا ہوں۔“

”اوکے تو پھر باقی باتیں بعد میں ہوں گی۔“ ماتنگل اٹھتے ہوئے بولا۔ ”میں پہلے تمہارے لیے کھانے کا بندوبست کر دوں۔ رات کے کھانے کا وقت ہو گیا ہے۔“ یہ کہتے ہوئے وہ فارم ہاؤس کے کچن کی طرف بڑھ گیا۔

ڈیوڈ پرخیال نظروں سے اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اسے اس ہیرے کے بارے میں کیا بتائے۔ وہ کئی دہائیوں سے ہیروں کی مارکیٹ میں ایک کامیاب بزنس مین کے طور پر پہچانا جاتا تھا اور چوری اور اسمگل کا مال خریدنے سے بھی گریز کرتا تھا تاہم جب بازار میں کساد بازاری اور مندی آئی تو کافی نقصان اٹھانے کے بعد اس نے یہ ڈیری فارم بنالیا تھا اور ڈیوڈ کی معلومات کے مطابق اس کاروبار میں بھی اچھا کما رہا تھا۔ فارم کے اندر ہی اس کا تین کمروں اور ایک ڈرائنگ روم پر مشتمل چھوٹا سا گھر موجود تھا جہاں وہ اپنے بچوں کے ساتھ رہتا تھا۔ ڈیوڈ سوچ رہا تھا کہ اگر وہ ماتنگل کو ساری حقیقت بتا دے تو اس کا کیا رد عمل ہو گا کیونکہ وہ اب کسی غیر قانونی کام میں ملوث نہیں ہونا چاہتا تھا [illegible] ڈیوڈ کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ اس نے پہلے ہی سوچ لیا تھا کہ جب تک ممکن ہو وہ یہ بات ماتنگل سے چھپا کر رکھے گا۔ اس نے ماتنگل کو اس ہیرے کے بارے میں بتانے کے لیے ایک کہانی سوچ لی تھی۔

ان سب باتوں کے ساتھ ساتھ اسے یہ فکر بھی کھائے جا رہی تھی کہ ڈریکس اب تک اس کی تلاش میں سرگرم ہو چکا ہوگا۔ اگر اس نے اپنے تمام ذرائع استعمال کرتے ہوئے یہ بات جان لی تو اس بات کا امکان تھا کہ وہ ماتنگل کی طرف بھی آجائے۔ جس کے بعد اس کی مشکلات میں مزید اضافہ ہو سکتا تھا اور ممکن تھا کہ ماتنگل کی زندگی بھی خطرے میں پڑ جائے۔ ماتنگل نے اس کے لیے کھانا تیار کر دیا تھا۔ کھانے کی اشتہا انگیز خوشبو نے اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کرالی اور اس نے وقتی طور پر اپنے ذہن میں آنے والے تمام اندیشوں کو جھٹک دیا۔

کھانے سے فارغ ہونے کے بعد ماتنگل نے اس کے سامنے موجود ٹیبل پر کافی رکھتے ہوئے سوال کیا کہ وہ کون سا ضروری کام ہے جس کے متعلق وہ بات کر رہا تھا۔

”بات دراصل یہ ہے۔“ ڈیوڈ نے اپنے دائیں ہاتھ والی جیب سے ایک مخملی تھیلی نکالتے ہوئے کہا۔

”میرے پاس ایک ہیرا ہے جو [illegible] ایک [illegible] کی ملکیت ہے [illegible]

عرصے سے تم سے اور تمہارے بچوں سے ملاقات نہیں ہو پائی تھی اس لیے میں نے اپنی کمپنی میں چند دنوں کی چھٹی حاصل کرنے کے لیے درخواست دی تھی جس پر کمپنی کے باس نے مجھے طلب کرلیا۔ اس نے مجھ سے چھٹیوں کے متعلق استفسار کیا تو میں نے سچ سچ بتا دیا۔ باتوں باتوں میں تمہارا ذکر بھی ہوا۔ میں نے باس کو بتایا کہ تم کسی دور میں ہیروں کے بزنس سے منسلک رہے ہو جس پر باس نے میری درخواست تو منظور کرہی لی، ساتھ ساتھ مجھے ایک ذمے داری بھی سونپ دی۔ دراصل باس کو اس کی بیوی نے ایک ہیرا تحفے میں دیا تھا اور کہا تھا کہ یہ بہت قیمتی ہے مگر باس کو شک ہے کہ اس کی بیوی نے اس سے...... جھوٹ بولا ہے۔ تمہارے بارے میں جاننے کے بعد اس نے وہ ہیرا مجھے دیا ہے اور کہا ہے کہ میں تم سے اس کی مارکیٹ ویلیو معلوم کروں۔ وہ بہت مصروف آدمی ہے اس لیے خود وقت نہیں نکال پاتا۔'' بولتے ہوئے ڈیوڈ کو خود بھی اپنی کہانی میں جھول محسوس ہو رہا تھا۔

''حیرت ہے۔'' مائیکل متعجب لہجے میں بولا۔ ''تمہارا باس تم پر اس قدر اعتماد کرتا ہے کہ اس نے ایک بیش قیمت ہیرا تمہارے حوالے کر دیا۔''

ڈیوڈ کو اس کی آنکھوں میں شکوک و شبہات کی پرچھائیاں صاف نظر آئی تھیں۔ وہ مائیکل کی شقی القلب طبیعت سے بھی اچھی طرح واقف تھا مگر فوری طور پر وہ اس سے بہتر کہانی سنانے سے قاصر تھا۔

''تم ان باتوں کو چھوڑو، بس اس ہیرے کی قیمت کا اندازہ لگاؤ۔'' اس نے اپنی جیب سے ڈبیا نکال کر اسے مائیکل کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔ ''یوں سمجھ لو کہ آج تمہاری مہارت کا امتحان ہے۔''

مائیکل نے ڈبیا لے کر اس میں سے ہیرا نکالا اور پھر اس کا بغور جائزہ لینا شروع کر دیا۔

ڈیوڈ کے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو رہی تھیں۔ کچھ ہی دیر میں معلوم ہونے والا تھا کہ لارڈ کے گھر سے چوری یا ڈکیتی کا جو جوا کھیلا تھا، اس میں اسے کتنا منافع ہوا تھا۔ اسی لمحے مائیکل نے ہیرا اس کی طرف بڑھا دیا۔ ''آئی ایم سوری ڈیوڈ! اپنے باس کو کہہ دینا کہ اس کی بیوی نے واقعی اس کے ساتھ دھوکا کیا ہے۔ اس ہیرے کی مارکیٹ زیادہ سے زیادہ دو ہزار ڈالرز کے لگ بھگ ہے۔''

ڈیوڈ کو اس کی آواز بڑی دور سے آتی محسوس ہوئی۔

''نہیں...... نہیں، تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔'' وہ پُریقین لہجے میں بولا۔ ''میں باس کی بیوی کو بڑی اچھی طرح جانتا ہوں۔ وہ اتنے پیسوں کے تو جوتے خرید لیتی ہے۔ اپنے شوہر کو وہ اتنا سستا تحفہ ہرگز نہیں دے سکتی۔ لگتا ہے تم نے ہیرے کو سرسری نگاہ سے دیکھنے کے بعد فوراً ہی اپنی رائے دے دی ہے۔''

اس کا اعتراض سن کر مائیکل کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

''میں نے اس کاروبار میں ایک عمر گزاری ہے مگر پھر بھی حرفِ آخر کا دعوے دار نہیں ہوں۔ ویسے تو میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ میری رائے غلط نہیں ہے لیکن دوبارہ تسلی کر لینے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔'' یہ کہتے ہوئے وہ اندرونی کمرے کی جانب بڑھ گیا۔

ڈیوڈ کے چہرے پر اب ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ وہ جانتا تھا کہ مائیکل اس کے ساتھ غلط بیانی نہیں کر سکتا تو کیا...... لارڈ رچرڈ نے اس دن غلط بیانی یا مبالغہ آرائی سے کام لیا تھا؟ کیا وہ بھی اندر سے ایک جھوٹا یا شیخی باز انسان ہے، جس نے دنیا کو دکھانے کے لیے ایمانداری اور سچائی کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا؟ ڈیوڈ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ یہ اس کے ساتھ کیا ہوا ہے؟ اس نے لارڈ کی تجوری کو اچھی طرح سے چیک کیا تھا، وہاں اس ہیرے کے سوا کوئی دوسری قیمتی چیز موجود نہیں تھی۔

اسی لمحے مائیکل ہاتھ میں ایک خوردبین نما عدسہ لیے اندر داخل ہوا۔ اس نے ڈیوڈ سے ہیرا لے کر اس بار بڑی باریک بینی سے اس کا جائزہ لینا شروع کر دیا اور پھر ایک طویل سانس لیتے ہوئے اسے دوبارہ ڈیوڈ کی طرف بڑھا دیا۔ ''اب میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ میں نے اس ہیرے کی قیمت کا بالکل درست تعین کیا ہے۔ یہ ڈائمنڈ کی سب سے ہلکی اقسام سے تعلق رکھتا ہے۔ اس میں شفافیت بھی برائے نام ہی ہوتی ہے۔ ہیروں کی دنیا میں شفافیت سے ہی ہیرے کی اصل قیمت کا تعین کیا جاتا ہے مگر مجھے سمجھ نہیں آ رہی۔'' مائیکل نے ڈیوڈ کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اس بات سے تم اتنے پریشان کیوں ہو گئے ہو؟ تمہیں اس سے کیا غرض کہ یہ مہنگا ہے یا بے قیمت ہے؟ تمہارا کام تو بس اتنا ہی تھا کہ تم اس بارے میں اپنے باس کو حقیقت سے مطلع کر دو۔''

''اوہ، نہیں...... میں پریشان نہیں ہوں۔'' ڈیوڈ نے جبراً مسکراتے ہوئے اس کی بات کا جواب دیا۔ ''اصل میں یہ سفر کی تھکان ہے جو میرے چہرے سے پریشانی کی صورت عیاں ہو رہی ہے۔''

"تو پھر تم آرام کرو۔" انجل نے قدم پیچھے ہٹاتے ہوئے کہا۔ "میں تمہارے سونے کے لیے بستر ٹھیک کر دیتی ہوں۔" یہ کہتے ہوئے وہ ایک بار پھر اندر داخل ہوئی اور بستر کی جانب بڑھ گئی۔

ڈیوڈ نے [illegible] دروازہ بند کیا۔ پھر [illegible] اپنی جیب میں ڈال لیا۔ اس کے سامنے خواب آنکھوں میں بکھر گئے تھے۔ وہ جانتا تھا کہ لارا نے ہوش میں آتے ہی پولیس میں رپورٹ درج کرا دی ہوگی۔ اس لیے وہ جتنی جلدی امریکا چھوڑ دیتا اتنا ہی اس کے حق میں بہتر تھا۔ اس نے سوچا کہ [illegible] میکسیکو میں داخلے کی کوشش کی جا سکتی تھی۔ وہاں جا کر شاید اسے [illegible] کے لیے [illegible] سے سوچ بچار کرنا پڑے۔ امریکا کی نسبت وہاں زندگی زیادہ مشکل اور کٹھن تھی لیکن [illegible] وہاں جا کر وہ [illegible] امریکی پولیس سے [illegible] تھا۔ امریکا اور میکسیکو کے درمیان [illegible] سے [illegible] کا [illegible] تھا کہ [illegible] مجبور [illegible] تھا کہ [illegible] کے لیے کسی دوسری جگہ سے [illegible] کرا لیا [illegible] کے لیے شاید وہ [illegible] جانب سے [illegible] لیے [illegible] پہلے اس نے امریکا آ کر یہاں کی شہریت حاصل کر لی تھی۔ [illegible] شہریت حاصل کرنا کوئی آسان کام نہ تھا مگر اس سلسلے میں اس کے بھائی انجل نے اس کی بہت مدد کی تھی۔ وہ ڈیوڈ سے بہت پہلے یہاں آ کر آباد ہو چکا تھا۔ اس کی بیوی بھی ایک امریکی تھی۔

بہرحال ڈیوڈ کو ایک بار پھر اپنے آبائی وطن لوٹنا پڑ رہا تھا۔ مجبوری کے تحت ہی سہی مگر نکل جانے سے ہی بہتر تھا۔ [illegible] نے [illegible] کے [illegible] میں [illegible] اس کی [illegible] تھا۔ اگلے دن صبح [illegible] جانے سے پہلے ایک [illegible] سے [illegible] کر دے گا۔ اس بات کو خارج از امکان قرار نہیں دیا جا سکتا تھا کہ انجل [illegible] ہوئی ہو۔

اب اپنی گاڑی کے ساتھ شہری علاقے میں داخل ہونا خطرناک بھی ہو سکتا تھا اور [illegible] گاڑی [illegible] چھوڑ دیتا تو [illegible] ایک [illegible] امر تھا۔

اس نے ساری احتیاط بالائے طاق رکھ کر اپنی گاڑی پر شہر جانے کا فیصلہ کر لیا۔ پھر [illegible] کروانے کے بعد وہ [illegible] کسی جگہ [illegible] چھوڑ کر اپنا باقی سفر [illegible] کے ذریعے بھی طے کر سکتا تھا تاکہ سرحدی علاقے تک پہنچ سکے۔ ان سب باتوں کے ساتھ ساتھ [illegible] بھی ضروری تھا کہ اس کے پاس [illegible] کے بعد [illegible]

[illegible] اسے کوئی کام مل جاتا۔

اس کے پاس [illegible] کی شکل میں [illegible] پانچ سو ڈالرز تھے [illegible] اس نے [illegible] ڈالر کی مجبوری میں [illegible] کی بجلی کی [illegible] کی جیب سے [illegible] ہزار ڈالرز [illegible] آ گئے تھے مگر اس نے [illegible] کو رد کر دیا۔ پھر [illegible] وقت واپس [illegible] سکتا تھا [illegible] فوری طور پر [illegible] فروخت کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا اور اگر ایسا کر بھی دیتا تو [illegible] ہزار ڈالرز حاصل ہو سکتے تھے۔

اس کے علاوہ اس کی گاڑی میں ایک لیپ ٹاپ بھی [illegible] جس کے [illegible] ڈالرز حاصل کیے جا سکتے تھے۔ [illegible] فوری طور پر فروخت کرنا ممکن نہیں تھا اس سے [illegible] حاصل کرنا ہی بہتر تھا۔ [illegible] سونے کے لیے [illegible] کے [illegible] کی آنکھوں سے [illegible] ہو گئی۔ [illegible] کے [illegible] ہی [illegible] آ گئے [illegible] ایک [illegible] تھا [illegible] وہ [illegible] کے [illegible] میں [illegible] ایک [illegible] اور [illegible] لاکھوں ڈالرز کی بات [illegible] تو [illegible] اس [illegible] اب [illegible] کا [illegible] کی وجہ [illegible] تھا [illegible] اس بات کا [illegible] اس وقت لاکھوں ڈالرز کی جو بات [illegible] کا [illegible] ہوا تھا۔

[illegible] ڈالرز کی وجہ سے اس کی نوکری بھی گئی اور اب اسے امریکا کو بھی خیرباد کہنا پڑ رہا تھا۔

اگلی صبح اس نے [illegible] کرنے کے بعد انجل کو اپنی واپسی کا عندیہ دیا تو وہ حیرت سے بولا۔

"مگر تم تو یہاں رہنے کے لیے آئے تھے پھر یوں اچانک واپسی کی کیا وجہ ہے؟ میں تو تمہاری خاطر یہاں کوئی [illegible] رہا تھا۔"

"دراصل رات کو میرے موبائل پر [illegible] کی کال آئی تھی۔" ڈیوڈ نے جواب دیتے ہوئے ایک [illegible] جھوٹ کا سہارا لیا۔ "ایک ضروری کام آن پڑا ہے اسی لیے مجھے [illegible] جانا پڑ رہا ہے۔ [illegible] تو [illegible] تمہارے [illegible] کے لیے بھی [illegible] ہے۔" [illegible] موبائل فون اپنے

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایتُ اللّٰہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللّٰہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

فلیٹ میں ہی چھوڑ دیا تھا کیونکہ اسے خطرہ تھا کہ موبائل کی وجہ سے پولیس اسے ٹریس کر سکتی تھی۔

"ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی۔ اب میں زبردستی تو تمہیں روکنے سے رہا۔" مائیکل نے کندھے اچکا کر کہا۔ اس کے چہرے سے عیاں تھا کہ اسے ڈیوڈ کی وضاحت نے مطمئن نہیں کیا تاہم اس نے ڈیوڈ سے مزید کوئی تعرض نہ کیا۔

چند منٹ بعد ہی ڈیوڈ مائیکل سے بغل گیر ہوتے ہوئے اپنی گاڑی پر شہری علاقے کی جانب روانہ ہو گیا چونکہ صبح کا وقت تھا اس لیے مطلع صاف ہونے کی وجہ سے وہ خاصی تیز رفتاری سے ڈرائیو کر رہا تھا۔ اسے شہر کی ایک بڑی جیولری مارکیٹ تک پہنچنے میں دو گھنٹے سے زیادہ کا وقت لگا۔ ابھی وہ اپنی گاڑی پارکنگ ایریا میں داخل کرنے کا سوچ ہی رہا تھا کہ اسے عقبی آئینے میں پولیس کی ایک گاڑی اپنی طرف بڑھتی ہوئی نظر آئی۔ اس کے دل کی دھڑکن یکلخت تیز ہو گئی اور سردی کے باوجود اس کے ماتھے پر پسینے کے قطرے نمودار ہو گئے۔ چند ثانیوں کے لیے اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کا کھیل ختم ہو چکا ہے مگر شاید اسے غلط فہمی ہوئی تھی۔ پولیس کار لمحہ بھر کے لیے اس کی کار کے برابر آئی اور پھر اسی رفتار سے آگے بڑھتی چلی گئی۔ اس نے ایک طویل سانس لیتے ہوئے اپنی کار پارکنگ ایریا میں داخل کر دی۔

وہ تقریباً ایک گھنٹے تک جیولری مارکیٹ میں گھومتا رہا۔ اس دوران اس نے مختلف جیولرز کو ہیرا دکھا کر اپنی پوری تسلی کر لی۔ اس کے بھائی مائیکل نے اس کے ساتھ غلط بیانی نہیں کی تھی۔ یہ ہیرا واقعی میں دو ہزار ڈالرز سے زیادہ کا نہ تھا۔ وہ مایوس ہو کر مارکیٹ سے باہر نکل آیا۔ ایک جرم کے ارتکاب کے بعد بھی اس کے ہاتھ کیا آیا تھا؟ وہ اپنی زندگی سہل بنانا چاہتا تھا مگر شاید آنے والے دن اس کے لیے مزید کٹھن ثابت ہونے والے تھے۔ اس ہیرے سے زیادہ مالیت کی تو اس کی گاڑی تھی اور میکسیکو جانے کے لیے اسے اپنی اس کھٹارا کار سے بھی ہاتھ دھونے پڑ گئے تھے۔ ایک لحاظ سے فائدے کے بجائے الٹا نقصان ہی ہوا تھا۔

کار میں بیٹھتے ہی اس پر مایوسی کا شدید دورہ پڑا۔ اسے اب خیال آ رہا تھا کہ اس کی زندگی اتنی بری بھی نہیں تھی۔ اس کی جاب اگرچہ اس کے معیار کے مطابق نہیں تھی لیکن کمپنی کی طرف سے وعدہ کیا گیا تھا کہ جلد ہی اس کی ترقی کر دی جائے گی۔ وہ لالچ میں آ کر اپنا مستقبل اور حال دونوں تباہ کر بیٹھا تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ اس منحوس ہیرے کو کہیں دور پھینک دے جس کی وجہ سے اس نے یہ سارا بکھیڑا پالا تھا۔ اس پر آہستہ آہستہ ایک ہیجانی کیفیت طاری ہونے لگی۔ اس کے دل میں لارڈ رچرڈ کے لیے نفرت کا ایک لاوا سا کھول رہا تھا۔ وہ اب اپنے دل کی بھڑاس نکالنا چاہتا تھا۔ اس نے اپنا لیپ ٹاپ نکالا اور پھر اسے گود میں رکھ کر ساری احتیاط بالائے طاق رکھتے ہوئے انٹرنیٹ سے لنک ہو گیا۔

اس نے لارڈ رچرڈ کے نام ایک ای میل ٹائپ کرنا شروع کر دیا۔

"لارڈ رچرڈ! تم ایک جھوٹے اور مکار شخص ہو۔ اپنے قبیل کے دوسرے لارڈز کی طرح تم نے بھی اپنے اوپر سچائی اور شرافت کا جھوٹا لبادہ اوڑھ رکھا ہے۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ میں نے تمہارے گھر سے ہیرا چرا کر تمہارے ساتھ زیادتی کی ہے مگر حقیقت میں مجھ میں اور تمہاری شخصیت میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ میں ایک چور ہوں جبکہ تم ایک جھوٹے، فریبی اور شیخی باز انسان ہو اور اپنی دولت کے بارے میں مبالغہ آرائی کر کے دوسروں کو خود سے متاثر کرنے کی کوشش کرتے ہو۔ تم نے اپنے ملازم سے میرے سامنے لاکھوں ڈالرز کی بات محض مجھے مرعوب کرنے کے لیے کی تھی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ تمہاری اسی بات نے مجھے جرم کرنے پر اکسایا اور آج میں پولیس سے بھاگتا پھر رہا ہوں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ تم مجھ سے بڑے مجرم ہو۔"

ڈیوڈ نے ای میل لارڈ کو سینڈ کی تو اسے کچھ سکون محسوس ہوا۔ شاید ایسا کرنے سے اس کے دل کا بوجھ ہلکا ہو گیا تھا۔

وہ کچھ دیر تک اسی طرح بیٹھا رہا۔ دل کا بوجھ ہلکا ہونے کے بعد اس کا ذہن کام کرنے لگا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ بہتر ہے وہ ہیرا فروخت کر دے اور اس کے ساتھ ساتھ لیپ ٹاپ کو بھی۔ گاڑی کا مزید استعمال خطرے سے خالی نہیں تھا اگرچہ وہ جائے واردات سے خاصا دور تھا مگر وہ جانتا تھا کہ آج کے جدید دور میں ان فاصلوں کی کوئی اہمیت نہیں رہی تھی۔ بہتر یہی تھا کہ وہ گاڑی کو اسی پارکنگ میں چھوڑ دے اور پھر ہیرا اور لیپ ٹاپ فروخت کر کے میکسیکو کی سرحد کی طرف باقی کا سفر ٹیکسی پر طے کرے۔ اس کی گاڑی کی ڈکی میں اس کے کپڑے وغیرہ موجود تھے۔ فیصلہ ہوتے ہی اس نے جیسے ہی لیپ ٹاپ کو بند کرنے کے لیے ہاتھ بڑھایا، وہ بے اختیار چونک پڑا۔ اسے لارڈ رچرڈ کی طرف سے جوابی ای میل موصول ہوئی تھی۔ شاید اتفاق سے وہ بھی آن لائن تھے۔ ڈیوڈ نے میل اوپن کی اور اسے پڑھنا شروع کر دیا۔

"میرے عزیز دوست فزال! سب سے پہلے میں تمہیں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ تم نے میرے ساتھ جو کیا ہے، اس سے مجھے دلی طور پر افسوس ہوا ہے۔ مجھے تم سے ایسی امید ہرگز نہیں تھی مگر یہی حقیقت ہے کہ تاریخ انسانی کے آغاز سے اس جیسی مثالیں ملتی ہیں جو تم نے مجھے مجبور اور مکار قرار دے دیا۔ میں اس بارے میں تمہیں صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ کبھی جذبات میں آ کر بھی ادب و احترام کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے۔ تم نے اس دن اپنے ملازم کے سامنے انگوٹھی وغیرہ کی جو بات کی تھی وہ محض جھوٹ پر مبنی ہے...... ہرگز نہیں۔ میں نے جھوٹ نہیں بولا تھا۔ حیرت ہے کہ تم نے میرے بارے میں اس طرح سوچا۔ تمہاری باتوں سے مجھے بہت تکلیف پہنچی ہے۔ میں تمہیں ہدایت دینے یا نصیحت کرنے کا مجاز تو نہیں ہوں مگر چونکہ تم نے میری سچائی اور ایمانداری پر انگلی اٹھائی ہے، اس لیے وضاحت کر رہا ہوں۔

اصل میں تم اپنی نادانی یا کم عقلی کی وجہ سے یہ کہہ گئے کہ ہم اس دن جو ہیرا دیکھنے آئے تھے، مگر تم نہیں جانتے کہ جس پتھر کو تم حقیر اور معمولی سمجھ کر تجوری میں چھوڑ گئے تھے اس کی قیمت لاکھوں ڈالر میں ہے۔ میری تو یہ بات یقیناً تمہارے لیے ناقابل قبول ہوگی۔ ایک معمولی پتھر بھلا لاکھوں ڈالر کا کیسے ہو سکتا ہے؟ بالکل ہو سکتا ہے کیونکہ یہ بات کوئی ماہر ارضیات ہی جان سکتا ہے۔ تم نے زمین پر گرنے والے شہاب ثاقب کے ٹکڑوں کے بارے میں تو ضرور سنا ہوگا مگر تمہاری معلومات میں اضافہ کرتا چلوں کہ ان کی قیمت حقیقتاً لاکھوں ڈالر میں ہوتی ہے کیونکہ یہ دوسری دنیا سے تعلق رکھنے کی وجہ سے بے انتہا نایاب ہوتے ہیں۔ اگر تمہارے علم میں ہو تو دنیا کی سب سے مہنگی گھڑیوں میں ان پتھروں کے انتہائی چھوٹے ٹکڑوں کو بطور نگینے استعمال کیا جاتا ہے۔ ویسے تمہارے لیے یہ بے کار ہی تھا کیونکہ عام مارکیٹ میں اس کی خرید و فروخت نہیں ہوتی۔ میری تجوری میں موجود پتھر میرے والد نے آج سے پچاس سال پہلے خریدا تھا۔ ان کی وفات کے بعد یہ کافی عرصے تک وراثت میں آبائی گھر میں رہا اور پھر میں نے اسے حفاظت کے پیش نظر وہاں سے منگوا لیا تاکہ اسے بینک لاکر میں محفوظ کیا جا سکے۔ امید ہے تم میری بات سمجھ گئے ہو گے۔ میرے مرحوم والد نے میری تربیت ہی ایسی کی ہے کہ مجھے جھوٹ سے سخت نفرت ہے، جس سے مجھے نفرت ہو وہ میں کیسے بول سکتا ہوں۔ ہاں اگر تمہارے پاس پولیس سے بھاگنے کی بات ہے تو اپنا کیا تمہارے آڑے نہ آئے، یہ تو

صرف خوف کا دوست ہوتا ہے۔ اگر تم مجھے ایک سچا انسان کے طور پر قبول کرتے ہو تو میں تمہیں بتانا چاہوں گا کہ پولیس سے بھاگنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ میں نے تمہارے خلاف پولیس میں شکایت درج نہیں کرائی حالانکہ میرا خاندانی ملازم پولیس کو اطلاع کرنے کے بارے میں بضد تھا۔ ہم دونوں کو جب سے سات عدد ہیرے مل گئے تھے، شاید تم نے ہم پر مجبور ملازم استعمال کیا تھا۔ بہرحال اب ہم تمہیں بتا سکتے ہیں کہ تم میرے اصولوں سے بخوبی واقف ہو اس لیے امید کرتا ہوں کہ دوبارہ مجھ سے ملنے کی کوشش نہیں کرو گے۔ اپنی قسمت پر اکتفا کر کے نئے سرے سے اپنی زندگی کا آغاز کرو۔ مقاصد کے حصول کے لیے محنت اور ایمانداری کا راستہ اپناؤ۔ شارٹ کٹ کبھی کبھی انسان کی زندگی کا شارٹ کٹ بھی ثابت ہو جاتا ہے۔ تمہارا میری اور اپنی دوستی کی یادگار کے طور پر تحفظ کرو۔ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ اپنی جوانی کے دن کسی کی دست نگر نہ بنانا۔ تمہارا بہترین دوست۔"

جونہی خط پڑھ چکا تو اس کے چہرے پر بیک وقت شرمندگی، افسردگی اور حیرت کے تاثرات ابھر آئے۔ وہ پتھر اس قدر قیمتی ہوگا، یہ تو اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ وہ سوچا کرتا تھا کہ آخر ایک معمولی پتھر کو تجوری میں اس قدر سنبھال کر کیوں رکھا گیا ہے۔ شہاب ثاقب کے ٹکڑوں کے بارے میں زیادہ معلومات تو نہ تھیں مگر اخبارات وغیرہ میں اس کے بارے میں کئی خبریں اس کی نظروں سے گزر چکی تھیں۔ کبھی دوسری دنیا سے آنے والے پتھر بہت قیمتی تھے۔ اپنا کیا دھرا یاد آیا تو اسے گارڈ کے الفاظ کی وجہ سے غلطی ہوئی تھی ورنہ اس نے دوست کے ساتھ دو سال کا عرصہ گزارا تھا اور وہ خود بھی اس کی سچائی کا قائل تھا۔ اپنے مقصد میں ناکامی کے بعد اس نے فوری گارڈ کے متعلق اپنے ذہن میں ایک تصور قائم کر لیا تھا اور اسے جھوٹا اور فریبی قرار دے دیا تھا مگر اب سب کچھ واضح ہو چکا تھا۔ وہ صرف ذہنی خلفشار میں مبتلا ہو کر گارڈ کے لیے ایسا سوچ رہا تھا۔ اس نے اور کسی اجنبی انسان نے اس کے خلاف پولیس کو شکایت درج نہ کر کے اس کی بدنامی کا جواب بھلائی سے دیا تھا۔ جس کا احساس اسے تمام عمر رلاتا رہے گا، اس بار بھی کچھ نہیں ملا ہے مگر اب اسے پولیس سے کوئی خطرہ نہ تھا۔ اس نے گاڑی اسٹارٹ کی اور اپنے قصبے کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ اپنے مستقبل کا ازسرنو لائحہ عمل طے کرنا چاہتا تھا۔

بہ ظاہر

منظر امام

آنکھوں دیکھا یا کانوں سنا بعض اوقات محض ایک جھوٹا قصہ ثابت ہوتا ہے لیکن ایسا بھی ہوتا ہے کہ ناقابلِ یقین واقعات جو شاید کسی کے قیاس میں بھی بہ مشکل آئیں مگر وقت ان کی سچائی کی گواہی دیتا ہے۔ جیسا کہ یہ واقعہ اور اس کا ثبوت خود اس کی اپنی ذات تھی۔

محبت کی ایک انوکھی روداد جس کا انجام ہر آنکھ کو اشکبار کر گیا

وہ بہت مختلف قسم کی خاتون تھیں۔ نوجوان سی، نازک، خوبصورت۔ ہم سب ان سے پیار کیا کرتے تھے۔ وہ ہماری لٹریچر کی ٹیچر تھیں۔ اردو ادب پڑھاتی تھیں۔ بولنے کا انداز بھی بہت دلنشین تھا۔ ان کی ایک خاص بات یہ تھی کہ وہ پڑھاتے وقت صرف نصاب تک نہیں رہتی تھیں بلکہ دنیا بھر کے واقعات بھی سنایا کرتیں جن سے ان کے لیکچر میں جان پڑ جاتی تھی۔ جویریہ نام تھا ان کا۔

ایک دن وہ کہانیوں کی تاریخ بتا رہی تھیں کہ کہانیاں

کہاں سے فرار ہو گئیں۔ تم سب بہت اسمارٹ بن گئے۔ وہ کہہ رہی تھیں۔

"کہانیوں کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ انسان اپنے واقعات بتایا کرتا تھا جو دن بھر اس کے ساتھ ہوا کرتے تھے۔ شام کے وقت سب ایک جگہ جمع ہو جاتے پھر واقعات بیان کیے جاتے۔ اس زمانے میں تفریح نہیں ہوا کرتی تھی۔ جس کو … سامنے ہوتا … بتایا جاتا پھر آہستہ آہستہ اس میں شعبہ داستان کے لیے کچھ بڑھا دیئے چلے گئے … داستانوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ ان داستانوں میں بھی بہت سے پہلو ہوا کرتے تھے۔ اس کے بعد ایسی کہانیوں کا دور آیا جب زندگی سے واقعات لیے جانے لگے۔ سیدھی سادی کہانیاں۔ سیدھے سادے انداز میں بیان کر دی جاتیں۔ اردو ادب کی داستان بہت پہلے پڑھی گئی … جیسے ایسی کہانیاں شروع ہو گئیں اور آج تک یہ سلسلہ جاری ہے۔"

اس وقت میں نے کھڑے ہو کر کہا۔ "میڈم مجھے بھی کہانیاں لکھنے کا شوق ہے۔ میں نے دو چار کہانیاں لکھی بھی ہیں۔"

"واہ یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ تم مجھے اپنی کہانیاں دکھانا۔"

"ضرور میڈم ابھی کل ہی لے آؤں گی۔" میں نے کہا۔

مجھے اس بات کی خوشی تھی کہ مجھ جیسی میڈم نے میری کہانیوں کو لکھنے کی بات کی تھی۔ … [illegible] … میرے لیے سب سے بڑا … کہانیاں لکھنے کا شوق مجھے میرے دادا سے ملا تھا۔ وہ ایک مشہور افسانہ نگار تھے۔ ان کے افسانوں کی … [illegible] … کہا جاتا تھا۔ میں ان کا بہت شوق سے مطالعہ کرتی۔ میں تو یہی سوچتی تھی کہ کاش مجھے … اچھے … جاتے۔ اب میڈم جو بیٹھی تھیں۔

دوسرے دن میں نے اپنی ڈائری اٹھائی اور کالج پہنچ گئی۔ انگلش کی کلاس ختم ہوا اور میڈم … [illegible] … میں اٹھ کر جا کر پھر بھی ان کو اپنی کہانیاں دکھاؤں۔ بہرحال پیریڈ ختم ہوا … میڈم نے مجھے اپنے سامنے بیٹھنے کو کہا۔ میں نے ڈائری ان کے سامنے رکھ دی۔ وہ ڈائری کا مطالعہ کرنے لگیں۔ میں سامنے بیٹھ کر ان کے جذبات پڑھتی رہی۔ جب وہ پڑھ چکیں تو انہوں نے میری طرف دیکھ کر کہا۔ "شاباش! تم کہانیاں لکھتی ہو۔ تم میں

صلاحیت ہے۔ تحریر میں روانی بھی ہے لیکن تمہاری زیادہ تر کہانیاں جذباتی ہیں۔ جن میں غم … رونا دھونا … ناکامی … زمانہ بہت آگے نکل چکا ہے۔ اب تو … تمہارے آس پاس ہے۔ تم ان سے کہانیاں حاصل کر سکتی ہو۔"

"جی میڈم! میں کوشش کروں گی۔"

"تم اب آس پاس گھر سے کالج … ہر قسم کے لوگ ملیں گے۔ مختلف … ہر آدمی اپنے ساتھ ایک کہانی لیے گھوم رہا ہے۔ تم ان کی کہانیاں سنو۔ ان کو اپنے سامنے رکھو۔ جس طرف زندگی کے بارے جانتی ہو لکھو۔"

"کہاں جاؤں میں میڈم؟" میں نے …

"کل چھٹی ہے تو مجھے ایک کہانی لکھ کر … اس کو لکھ لو۔ پھر تمہاری اچھی کہانی لکھی ہو۔"

"ضرور میڈم۔" میں خوش ہو گئی کہ مجھے اچھی کہانی لکھنے کو ملے گی۔

میڈم کا گھر راستے میں پڑتا تھا … ان کے خاندان کے … سے … اور جانے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ اس کے علاوہ مجھے میڈم کے بارے … کچھ معلوم تھے … [illegible] … میں نے میڈم سے کہا کہ آج میں آپ کے گھر … انہوں نے اجازت دے دی۔ میں نے امی سے … انہوں نے مجھے …

میڈم گھر پہنچیں … تم یہاں بیٹھو … میں تمہارے لیے چائے بنا کر لاتی ہوں۔"

"نہیں میڈم!" میں نے انکار کیا۔ "میں چائے نہیں پیتی۔"

"کوئی بات نہیں۔ میں تو پیتی ہوں۔" وہ مسکرا دیں۔

"تو پھر مجھ سے کہیں میڈم۔ میں بنا دیتی ہوں۔"

"نہیں بھئی۔ میرا تجربہ ہے کہ … جانتی ہیں … ہاتھ …"

میں … میڈم کچن کی طرف چلی گئیں۔ میں … ان کے گھر … کا جائزہ لینے لگی … [illegible] … ان کے … انہوں نے … [illegible]

لے آئیں۔

وہ اپنے لیے چائے اور میرے لیے جوس لے کر آئی تھیں۔ ''لو جوس پی لو۔''

جوس پینے کے دوران میں نے ان سے پوچھا۔

''میڈم! کیا آپ اکیلی رہتی ہیں؟ میرا مطلب ہے کہ......''

''میں سمجھ گئی۔ تم کیا کہنا چاہتی ہو۔ ہاں میں اکیلی رہتی ہوں۔ میں نے شادی نہیں کی۔ اس کے علاوہ والدین کا انتقال ہو چکا ہے۔ ماں کا تو بہت پہلے انتقال ہو گیا تھا۔ میری پرورش ابو نے کی تھی۔ اب وہ بھی اس دنیا میں نہیں رہے۔ بس پھر کون تھا جو میری طرف دھیان دیتا کہ اس کی شادی ہوئی یا نہیں۔ یہ گھر ابو نے اپنی زندگی میں خرید کر مجھے دے دیا تھا۔ اسی لیے اس طرف سے بے فکری ہے۔''

''افسوس ہوا یہ سن کر۔'' میں نے کہا۔

''کس بات کا افسوس؟''

''یہی کہ آپ بالکل اکیلی ہیں۔''

وہ ہنس پڑیں۔ ''کمال ہے۔ تم کو افسوس ہو رہا ہے۔ حالانکہ بہت سے لوگوں کو تو اس بات کی خوشی ہوئی تھی کہ اب میرا کوئی نہیں رہا۔ اس لیے کہ یہ اتنا بڑا گھر میرے پاس کیوں ہے۔ ان کے خیال میں مجھے بھی اپنے ماں باپ کے ساتھ ہی مر جانا چاہیے تھا لیکن میں زندہ ہوں۔ یہ ان کے لیے بہت بری بات ہے۔''

''میں سمجھ گئی میڈم۔''

''میں نے اس لیے کہا تھا کہ زندگی کے حقائق بہت بے رحم ہوتے ہیں۔ زندگی کی کہانیاں بہت پُر اثر ہوتی ہیں۔ ایک کہانی مجھے بھی یاد ہے۔ میں نے وہی سنانے کی بات کی تھی۔''

''یس میڈم! میں اسی لیے تو آپ کے پاس آئی ہوں۔'' میں نے کہا۔

''یہ کہانی دو محبت کرنے والوں کی ہے۔ وہ دونوں میاں بیوی تھے۔ ایک دوسرے پر جان چھڑکنے والے۔ ایک دوسرے کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کرنے والے۔ ان کی شادی بھی محبت کی تھی۔ اس قسم کے حالات میں مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ انہوں نے بھی کیا لیکن ایک دوسرے کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ بات دراصل یہ تھی کہ شوہر کی آمدنی زیادہ نہیں تھی۔ لڑکی کے گھر والوں کو یہ پسند نہیں تھا کیونکہ وہ خود پیسے والے لوگ تھے۔''

''میڈم! یہ سب تو بہت عام سی بات ہے۔ یعنی ہمارے معاشرے میں اکثر ایسا ہی ہوا کرتا ہے۔''

''اے دل''

دل کے متعلق ڈاکٹر حضرات کا نظریہ اپنی جگہ پر ہے...... جس سے انکار ممکن نہیں ہے کیونکہ انہوں نے کتابیں پڑھ کر اور تجربات کر کے ڈاکٹری کی ڈگری لی ہوئی ہے لیکن جسم کو خون پہنچانے کے علاوہ بھی دل کے اور بہت سے کام یار لوگوں نے نکال لیے ہیں۔ یہ کسی پر آبھی جاتا ہے۔ چاہے کسی گدھی پہ آ جائے...... اگر آپ کا دل چوری ہو جائے تو آپ کو صبر شکر کرنا پڑتا ہے۔ کیونکہ اس کی چوری کی رپورٹ کسی تھانے میں قابلِ قبول نہیں ہوتی۔ نہ یہ قابلِ دست اندازی پولیس ہے۔ ظاہر ہے اس چوری پر قانون کی دفعات معذرت خواہ ہیں۔ ویسے شاید یہ واحد چیز ہے جسے اگر کسی کو دے بھی دیا جائے تو یہ اپنا کام اپنی ہی جگہ پر کرتا رہتا ہے۔ ہے نا حیرانگی کی بات...... لیکن قارئین صرف اس پر ہی حیران نہ ہوں۔ یہ جب ٹوٹ جاتا ہے تو بھی اپنا کام خوش اسلوبی اور تندہی سے کرتا رہتا ہے۔ شاعر اسے چیرنے کی بات کرتے ہیں تو خون کا فقط ایک قطرہ نکالتے ہیں۔ ہے نا اچنبھے کی بات۔ جتنا خون ایک دن میں دل رگوں میں بھیجتا ہے۔ اس کا حساب کتاب جان کر مٹی گم ہو جاتی ہے۔ اس میں کسی کو رکھا بھی جا سکتا ہے اور جب جی چاہے نکالا بھی جا سکتا ہے۔ اسے کانچ کا گھر بھی کہا جاتا ہے جو بے وفائی کی ایک ٹھوکر سے چکنا چور ہو جاتا ہے اور اس کی ایک کرچی ڈھونڈنا جوئے شیر لانے سے بھی مشکل کام ہے اور میرے خیال میں اتنا ہی کافی ہے۔ ڈر ہے کہیں آپ کا دل بھر نہ جائے۔

مرسلہ۔ ریاض بٹ، حسن ابدال

''ہاں۔ یاد رکھو کہ دنیا کی ہر کہانی کے کچھ پہلو مختلف بھی ہوا کرتے ہیں۔ نفرت، محبت، انتقام، ایثار، قربانی وغیرہ۔ کہانیاں ان ہی کے گرد گھومتی ہیں۔ یہ کہانی بھی محبت سے شروع ہوتی ہے۔ میاں بیوی کی محبت اور پھر قربانی، ایثار۔ ہاں تو میں یہ بتا رہی تھی کہ اس راہ میں انہیں بہت دشواریاں ہوئیں لیکن وہ ایک دوسرے سے شادی کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اصل کہانی اس کے بعد شروع ہوتی ہے۔ قسمت نے لڑکے کا ساتھ دیا اور وہ ترقی کرتا چلا گیا۔ دونوں کے ستارے ایک دوسرے کو راس آ گئے تھے۔''

''میڈم! مجھے اجازت دیں کہ میں بس یہیں تک کی کہانی لکھوں۔'' میں نے کہا۔

"کیوں؟" میڈم نے حیرت سے میری طرف دیکھا۔
"کیا بات ہوئی۔ کہانی تو ابھی پوری نہیں ہوئی ہے۔"

"جی میڈم! میں جانتی ہوں کہ کہانی ابھی پوری نہیں ہوئی ہے۔" میں نے کہا۔ "لیکن آپ نے بتایا ہے کہ شادی کے بعد حالات بدلنے لگے تھے۔ اب آگے مجھے سوچنا ہے کہ ان کا کیا ہوا ہوگا۔ میں اپنے تصور کی مدد سے اس کہانی کا اختتام کرنا چاہتی ہوں۔"

"یہ تو بہت اچھی بات ہے کہ تم اپنے تصور سے کام لینا چاہتی ہو۔" میڈم نے کہا۔ "لیکن کوئی ضروری نہیں ہے کہ تم جو انجام سوچو، اس کہانی کا وہی انجام ہو۔"

"جی میڈم! یہ کوئی ضروری نہیں ہے لیکن میرے ذہن میں چار قسم کے امکانات آ رہے ہیں۔ ان میں سے کوئی ایک تو ہوگا۔"

"چلو ٹھیک ہے۔" میڈم مسکرا دیں۔ "یہ تمہارے لیے ایک ٹیسٹ ہے۔"

میں نے غور تو کیا تھا لیکن وہ اتنی مشکل تھا۔ نہ جانے اس کہانی کا انجام کیا ہوا ہو اور میں کیا لکھ کر لے جاؤں۔ پھر میں نے خود ہی انجام سوچ لیے۔ کہانی یہاں تک تھی کہ جب بچے والے ہونے لگے تو ایک دن [illegible] لڑکی کے والدین نے دونوں کو قبول کر لیا۔ [illegible] بھی ان کا [illegible] ہو گیا تھا۔ دونوں خوش رہنے لگے۔ یہ ایک انجام تھا اور دوسرا انجام یہ تھا کہ بیوی کی موت ہو جاتی ہے اور شوہر صدمے سے پاگل ہو جاتا ہے۔ یہ ایک افسوس ناک انجام تھا۔ لیکن [illegible] ایک امکان یہ بھی تھا اور ایک امکان یہ بھی تھا کہ بچہ ہونے کے بعد وہ اپنی بیوی سے بے وفائی کرتا ہے اور اس کو چھوڑ دیتا ہے۔ بس اس کہانی کے یہی چار انجام ہو سکتے تھے۔

میں سب لکھ کر میڈم کے پاس پہنچ گئی۔ انہوں نے سب پڑھا پھر بولیں۔ "اس میں کوئی شک نہیں کہ تم نے اچھا لکھا ہے لیکن اس کہانی کا انجام ان سب سے مختلف ہے۔"

"کیا میڈم! میں نے تو اپنی سی کوشش کی ہے۔" میں نے کہا۔

"چلو ٹھیک ہے۔ اب سنو، میں تمہیں اس کہانی کا اصل انجام بتاتی ہوں۔"

میں ان کے سامنے جم کر بیٹھ گئی۔ میڈم نے کہانی سنانی شروع کر دی۔

"تمہیں یہ تو پتا ہی ہے کہ دونوں میں بے انتہا محبت تھی۔ اس محبت نے [illegible]

کر دیا گیا۔ یہاں تک ہو گیا کہ وہ ایک [illegible] اور ایک دن اچانک بیوی بیمار پڑ گئی۔ معمولی سی بات تھی۔ اس کے پیٹ میں درد تھا۔ بس ---- ایک بات تو میں بھول گئی۔ ان کے یہاں ایک بچی کی پیدائش ہو چکی تھی۔ بچی ایک سال کی بھی نہیں ہوئی تھی۔ شوہر اس کو ڈاکٹر کے پاس لے گیا۔ ڈاکٹر نے دوائیں دیں۔ اس قسم کے درد تو ہوتے ہی ہیں۔ مختلف وجوہات ہوتی ہیں لیکن اس کے پیٹ کا درد ٹھیک ہونے کی بجائے زیادہ ہونے لگا تھا۔ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ شوہر بے چارہ بہت پریشان تھا کیونکہ وہ اپنی بیوی سے بہت محبت کرتا تھا۔ [illegible] اپنے گھر والے چھوڑ کر آئی تھی۔"

"میڈم! میں پھر بھی کہوں گی کہ اس قسم کی چیزیں کہانیوں میں ہوتی ہیں۔" میں نے کہا۔

"اب میں تمہیں ایک بات بتاؤں۔"

"جی میڈم!"

"وہ یہ ہے کہ اگر تم سنتے کا حوصلہ نہیں رکھو تو [illegible] ایک بات بتا دوں کہ ڈاکٹر کے پیچھے [illegible] بہت ضروری تھی۔ ایک تو یہ کہ اس کا علاج اچھا ہو اور دوسری بات یہ ہے کہ اس میں سننے کا حوصلہ بھی ہو۔ بہت اچھا ہوا کہ میں تمہیں وہاں بھیجنے کے بجائے [illegible] سکیں۔ یہ آپ کی [illegible] بات ہے جو اس کی کہانی کا سوال ہو سکے۔"

"جی میڈم ضرور۔" میں نے اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا۔

"چلو کوئی بات نہیں۔ ابھی تمہیں زندگی کا تجربہ نہیں ہے۔ اس لیے۔ خیر تو پھر یہ ہوا کہ بیوی کا مرض بڑھتا چلا گیا۔ ایک ڈاکٹر کو دکھایا۔ اس نے مشورہ دیا کہ ان کو ملک سے باہر کسی بڑے شفاخانے میں لے جائیں۔ ایک وہ مشورہ تھا۔ آپ وہاں جائیں گے تو ان کی صحت پر اچھا اثر ہوگا۔ اگر یہ مشورہ پہلے آتا تو ہو سکتا ہے کہ وہ کچھ کر بھی سکتے تھے۔ لیکن اب کس کے پاس پیسا تھا۔ وہ اب کے در در پر جا چکے تھے۔ اس وقت شوہر نے اپنی زندگی کی جمع پونجی لگا دی۔ ہم اب کچھ نہیں کر سکتے۔ مجھے بہت افسوس ہے۔ آپ کی بیوی کی زندگی ختم ہو رہی ہے۔ کاش یہ سب کچھ اس وقت ہوتا جب اس کی صحت ٹھیک تھی۔"

"تو پھر کیا ہوا میڈم؟"

[illegible]

لو۔ کہانی کے کرداروں کو نام تو دینا ہی پڑتا ہے۔''

''میڈم! کہانی کرداروں کی ہوتی ہے یا کہانیوں کے کردار ہوتے ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

''دونوں صورتیں ہوسکتی ہیں۔'' میڈم نے بتایا۔

''خیر، اب سوال یہ تھا کہ بچی کا کیا کیا جائے، کس کے حوالے کیا جائے۔ اس کو ساتھ لے کر جانا بھی ٹھیک نہیں تھا۔ ہاں ایک بات اور...... یورپ جانے کا مقصد صرف یورپ گھمانا نہیں تھا بلکہ کسی ماہر ڈاکٹر کو دکھانا بھی تھا۔ اب ان کے پاس پیسے تھے۔ وہ مہنگا علاج بھی کرسکتے تھے۔

''اس دوران جانے کس طرح لڑکی کے گھر والوں کو اپنی بیٹی کا خیال آ گیا۔ وہ ملنے پہنچ گئے۔ گلے شکوے ہوتے رہے، مختصر یہ کہ دونوں میاں بیوی یورپ چلے گئے۔ جبکہ وہ بچی اپنے نانا اور نانی کے پاس رہ گئی۔''

''میڈم!'' میں نے پھر مداخلت کی۔ ''کیا لڑکی کے گھر والوں کو اپنی بیٹی کی بیماری کا پتا نہیں چل سکا؟''

''کیوں نہیں۔ انہیں سب بتا دیا گیا تھا۔ شاید اسی لیے وہ ان کی بچی کو رکھنے پر تیار ہوگئے تھے۔ وہ دونوں یورپ پہنچ گئے۔ سیر و تفریح کے ساتھ علاج کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ ایک بار ایسا ہوا کہ دونوں ایک جزیرے کی سیر کے لیے گئے۔ وہ جزیرہ کافی فاصلے پر تھا اور وہاں تک صرف کروز سے جایا جاسکتا تھا۔ کروز سمجھتی ہونا؟''

''یس میڈم! پانی کا چھوٹا جہاز۔''

''ہاں تو وہ کروز ان کو لے گیا۔ وہ دن بھر جزیرے کی سیر کرتے رہے۔ بیوی بہت خوش تھی۔ وہ ہنستی، مسکراتی رہی۔ سب کچھ بہت اچھا لگ رہا تھا۔ پھر شام کے وقت ان کی واپسی ہوئی اور ابھی وہ آدھے راستے میں تھے کہ سمندر میں شدید طوفان آ گیا۔ اتنا شدید کہ کروز ڈوبنے لگا۔''

''اوہ خدا...... تو یہ ہے اس کہانی کا ٹرننگ پوائنٹ۔'' میں نے کہا۔

''نہیں، یہ ٹرننگ پوائنٹ نہیں ہے۔'' میڈم نے کہا۔ ''ابھی تو کئی موڑ باقی ہیں۔ تو ہوا یہ کہ طوفان آ گیا اور کروز ڈوبنے لگا۔ فوراً ایک لائف بوٹ پانی میں اتار دی گئی۔ لوگ اس میں کود کود کر سوار ہونے لگے۔ آخر یہ ہوا کہ صرف ایک آدمی کی جگہ رہ گئی۔ بیوی آگے تھی۔ شوہر نے اچانک بیوی کو ایک دھکا دیا اور خود کشتی میں کود گیا۔ اس وقت بیوی نے چلا کر کچھ کہا اور کشتی روانہ ہوگئی۔ کروز ڈوب گیا۔ کچھ لوگ مر گئے۔ ان میں سے ایک اس کی بیوی بھی تھی۔'' اتنا کہہ کر میڈم خاموش ہوگئیں۔ کہانی شاید ختم ہوگئی تھی۔

میں ایک سناٹے کے عالم میں یہ کہانی سنتی رہ گئی تھی۔ کیا انجام تھا اس کہانی کا۔ اس آدمی نے کیسی خود غرضی کا مظاہرہ کیا تھا۔ کہاں گئی اس کی محبت۔ اس کے دعوے۔ زندگی بھی کتنی پیاری ہوا کرتی ہے۔ کوئی بھی سامنے ہو، آدمی جان بچاتے ہوئے اس کو بھول ہی جاتا ہے۔

''ہاں بھئی سن لی کہانی؟'' میڈم نے پوچھا۔

''یس میڈم!'' میں نے کہا۔

''اب یہ بتاؤ کہ اس عورت نے کیا کہا ہوگا؟''

''ظاہر ہے میڈم! اس نے شوہر کو بے وفا کہا ہوگا۔ اس کو برا بھلا کہا ہوگا اور بے چاری کیا کرسکتی تھی۔''

''نہیں، اس نے یہ نہیں کہا تھا۔'' میڈم نے بتایا۔

''تو پھر کیا کہا تھا میڈم؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''اس نے یہ کہا تھا کہ میری بچی کا خیال رکھنا۔'' میڈم نے بتایا۔ ''اب یہ بتاؤ کہ شوہر نے ایسی خود غرضانہ حرکت کیوں کی تھی؟''

''ظاہر ہے میڈم! اس نے صرف اپنی جان کی پروا کی۔'' میں نے کہا۔

''نہیں، ایسا نہیں تھا۔ یہی تو اس کہانی کا ٹرننگ پوائنٹ ہے۔ وہ عورت صرف چند دنوں کی مہمان تھی۔ اس کے پیٹ میں کینسر تھا۔ ڈاکٹرز نے بتا دیا تھا۔ وہ دونوں ہی اس بات کو جانتے تھے اور بیوی یہ جانتی تھی کہ اگر شوہر ڈوب کر مر گیا تو کچھ دنوں کے بعد وہ خود بھی ختم ہوجائے گی۔ اس لیے شوہر کو زندہ رہنا چاہیے تاکہ وہ بچی کی دیکھ بھال کرسکے اور شوہر کو بھی یہ معلوم تھا۔ اسی لیے اس نے اپنی جان بچانا ضروری سمجھا۔ سمجھ میں آ گئی کہانی؟''

''یس میڈم...... آ گئی۔ یہ تو محبت کی ایک عجیب کہانی ہے۔ قربانی کی لازوال مثال ہے۔ لیکن میڈم! یہ کہانی آپ کے ذہن میں کیسے آئی؟''

''اس لیے کہ وہ بچی میں ہی ہوں جس کو بچانے کے لیے میری امی اور ابو دونوں ہی نے قربانی دی تھی۔'' میڈم کی کہانی ختم ہوگئی تھی۔ میں سکتے کے عالم میں میڈم کو دیکھ رہی تھی جو انتہائی خاموشی سے رونے لگی تھیں۔ ان کے بے آواز آنسو کہانی میں ایسا سوز پیدا کر رہے تھے کہ مجھے اپنے دل میں درد کی ایک لہر سی اٹھتی محسوس ہوئی...... واقعی کہانی تو زندگی کا دوسرا نام ہے...... اور زندگی کے جتنے روپ کہانی کے اتنے پہلو...... جس پر نگاہ پڑ جائے، فنکار اس پہلو کو اجاگر کر دے...... بشرطیکہ اسے کہانی کو سمجھنے اور لفظوں سے کھیلنے کا ہنر آتا ہو......

محفل شعر و سخن

ظفر اقبال ظفر ..... کامرہ شریف

بلندیوں کی تمنا کسے نہیں ستاتی ہے
مگر ہم کسی کو روند کر اونچا نہیں ہوتے

جاوید اختر رانا ..... پاک پتن شریف

فقط تیرے خیال سے لپٹے ہوں گے
تو نے جب آخری خط میرا جلایا ہوگا
تو نے جب پھول کتابوں سے نکالے ہوں گے
دینے والا بھی تجھے یاد تو آیا ہوگا

ہما [illegible] ..... چشمہ راج

بھٹک جانے کا خدشہ ہے بہت اس مرحلے پر
دنیا کے حجابات آنکھیں کھلی جا رہی ہیں

زیاشی بٹ ..... حسن ابدال

محبت جو کر لے ستا نہیں
[illegible]
تمہارے درد کی زندگی داستان
کہ تم بھی [illegible] اڑا لو گے

ماہیہ یوسف ..... اسلام آباد

اتنی کی ہم نے اسے وقت کے بھنوروں میں
پیار دولت تو نہیں ہو کر گم جائے گی

لبنیٰ وکیل ..... [illegible]

دنیا کی خاک اڑا دو دل سے لے کر
کوئی تو پوچھے کہ انجام زندگی کیا ہے

وسیم احمد ..... ملتان

قسمت نے کیسے دل پہ ستم روز ڈھائے ہیں
کچھ ایسا آئی ہے سوال جن میں گل نہ سکے

اویس احمد ..... سرگودھا

اپنے آنچل پہ رقم دنیا سے میرا نام نہ کر
میں تیرا خواب ہوں آنکھوں میں چھپائے رکھنا

ثمینہ محمود رانی ..... اقبال نگر چیچہ وطنی

آئینے ادوار کے ہم ہی تو زمانے سے گزرے
زمانہ ہم نے قدم قدم پہ تجھے پکارا ہوا

گل بانو رئیس ..... گلستان جوہر، کراچی

جو آرزو بھی تجھے کل کے دو دو کرتے
ہم اور تجھ سے جب گفتگو کرتے
جا بجا یہ تیرا ہوا تو خوب ہوا
زبان تیرے سے کیا تری آرزو کرتے

ادیبہ چوہدری ..... پاک پتن شریف

نہ پہچان وا میرے شکوے بجا ہے کہ کل آخر تھی
جیت کے ساتھ، جس کے نام کر لی تھی

مسز اینڈ مسٹر منصور سجاد ..... تاندلیانوالہ

[illegible] کے [illegible] کے بعد
[illegible] ہو گئی

❁ محمد اشفاق سیال..... شورکوٹ سٹی
رات گئے جب چاند ستارے لکن میٹی کھیلیں گے
آدھی نیند کا سپنا بن کر میں بھی تم کو چھو لوں گا

❁ ماہین فاطمہ..... اوکاڑہ
تم کچھ تو نبھا جاتے، آخر کو محبت تھی
ہم نے تو عقیدت میں، لہجہ بھی نہیں بدلا

❁ داؤد اشفاق..... اوکاڑہ
تجھ سے مرا وجود سنبھالا نہ جاسکا
میں نے ترا غبار بھی رکھا سمیٹ کر

❁ ملائکہ حریم..... اوکاڑہ
بدلا یوں رنگ اس نے کہ حیرت ہوئی مجھے
موسم کو مات دے گئی فطرت انسان کی

❁ اشفاق شاہین..... لاہور
کوئی غم خوار، غم گسار کہاں
غم سے گفتگو خود میں کرتا ہوں

❁ محمد خواجہ..... کورنگی نمبر 6، کراچی
ذکر اس کا ہی سبھی بزم میں بیٹھے ہو فراز
درد کتنا ہی اٹھے ہاتھ نہ دل پر رکھنا

❁ طارق محمود..... تحصیل و ضلع اٹک
بند در، یچے بھی اک دن وا ہوں گے، ہوا آئے گی
یہ جو پرندے چپ سے ہیں، ان کی صدا آئے گی

❁ انجم کمال..... حیدرآباد
راہوں کی مشکلات میں کھوئے تو غم نہ تھا
رونا تو اس کا ہے سر منزل بھٹک گئے

❁ وزیر محمد خان..... بٹل ہزارہ
یہی ہے موت جو تجھ سے بچھڑ کر ہم نے دیکھی ہے
وہی تھی زندگی جو تیری محفل میں گزار آئے

❁ جنید احمد ملک..... گلستان جوہر، کراچی
کندھا بدلتے جاتے ہیں ہر دو قدم کے بعد
لاشہ بھی دوسروں کو مرا بار دوش تھا

❁ محمد قدرت اللہ نیازی..... خانیوال
میں نازک برف کا اک ٹکڑا
تو رکھ کے بھول گیا مجھ کو
میں قطرہ قطرہ پگھلا ہوں
تو میری اذیت کیا جانے

❁ مہتاب احمد..... حیدرآباد
تم سر حشر ملو گے یہ سنا ہے جب سے
تیرے دیوانوں نے اک حشر اٹھا رکھا ہے

❁ اطہر حسین..... کراچی
ہوا کا کس جو اپنے کواڑ کھولتا ہے
تو دیر تک مرے گھر کا سکوت بولتا ہے

❁ زرین آفریدی/بینش صدیقی..... حیدرآباد
تتلیاں ہم پر دن بھر بیٹھا کرتی تھیں
ہم پھولوں سے اتنے ملتے جلتے تھے......

❁ عائشہ ملک..... دبئی
ایک خوشبو کی طرح زندہ رہو دنیا میں
اور پھر کیا ہے اگر خود کو بکھر جانے دو

❁ شاہانہ سلطان..... اردو بازار، کراچی
مجھ میں مری تنہائی کو ڈھلتے کس نے دیکھا ہے
دل کی تہ میں خار کو پلتے کس نے دیکھا ہے
جن ہونٹوں نے محفل میں مسکان سجائی ہے
ان کے دلوں میں غم کو پلتے کس نے دیکھا ہے

❁ ادریس احمد خان..... ناظم آباد، کراچی
اسی دھن میں گزارے جا رہا ہوں زندگی اپنی
کبھی تو زندگی کے مرحلے آساں بھی ہوں گے

❁ فضا شاہ..... لاہور
دل بھی بجھا ہو، شام کی پرچھائیاں بھی ہوں
مر جائیے جو ایسے میں تنہائیاں بھی ہوں
آنکھوں کی سرخ لہر ہے موج سپردگی
یہ کیا ضروری ہے کہ اب انگڑائیاں بھی ہوں

❁ محمد طلحہ شبیر اسامہ سیال..... روہڑی، سکھر
عجب ہے رات سے ان آنکھوں کا عالم
یہ دریا رات بھر چڑھتا رہا ہے

❁ عدیم راجپوت..... لیہ
دائم آباد رہے گی دنیا
ہم نہ ہوں گے کوئی ہم سا ہوگا

❁ طیب شاہین..... کٹھیالہ شیخاں
چاہا ہے تجھ کو تیرے تغافل کے باوجود
اے زندگی تو یاد کرے گی کبھی ہمیں

☆ صبا ایمان روزی انصاری ..... لاہور
حاصل کرتی ہے سامنے تمہارے آنچل کے
کبھی کبھی ذرا حیا کا بے حال ہوتا ہے

☆ ہما انجم ..... سکھر
میری آرزو ہے کہ موم ہوں
کبھی ان کے دل بھی میرے لیے
جنہیں ملا ہے میری ذات سے
نہ تنہا ہونگاں میرے نام سے

☆ طاہر مجاہد ..... پھلیہ
اک شخص بھولنے کے لیے
خود کو کتنا گرا چکا ہوں میں

☆ نسیم عباس سدھانی ..... کراچی
کیا بتاؤں میں جان دنیا کا
بات کیا ہے صبح و شام ابھی

☆ سائرہ نواب ..... پشاور
جانے کبھی بے کیفی سے بہت رہتے ہیں ہم
سامنے آنکھیں بھی ملی جانی ہیں غزل میں

☆ کنول جاوید ..... کراچی
رنگ سے رنگ ملا کر کی آسمان تو تھی
زندگی تم سے جدا کیسے بتائی ہے مجھے

☆ نجم احمد ..... بہاولنگر
کر آئے میرے جگر کا ... رنگ
آنکھوں میں وصل ... لیے ہوئے

☆ ناہید باقی ..... نواب شاہ
پھر بھی ہم لوگ زمانے میں چلے جاتے تھا
ایک لمحہ بھی تھی جگہ گرچہ ہوا

☆ کامران شاہد ..... میرپور خاص
وہ کرگیا بات سے یوں مجھ کو دغا بھی
پودے مرگئے تھے مرگئے ہیں ابھی تک

☆ صبا حبیب ..... گوجرانوالہ
ان کی آنکھوں میں سمٹا ہوا صحرا ہے جہاں
اک نبی تھا کہ اک شہر یہاں ڈوب گیا

☆ سحر خان ..... کوئٹہ
وہ کاغذ ہے دل بنا ہوں
پھر اسے آگ میں جلا ہوں

☆ منیر شگفتہ ..... ہزاری
وہ کہاں ہے یہ ہوا پوچھتی ہے
راستہ روک کے اکثر میرا

☆ ہما انجم خان ..... کراچی
جانے کس بھر میں تھا ... کر
خاک ہوئی ساری ادھر سے ادھر

☆ صبا سحر ..... کراچی
تتلی کی طرح اڑتے چلے جاتے ہیں تھے
جگنوں کی طرح دیکھتے رہتے ہیں ابھی ہم

☆ سہیل خان ..... حیدرآباد
گھر کے غم سے بڑی بڑی بھی تھی اک
مکاں کی سمت بدل کر تھی آ

☆ عمران شیروانی ..... لاہور
ادھر ادھر بکھرے کی کرچے رہے احتمال
وقت ایسا تھا کہ ... دیکھتے رہے ہم

☆ شاہد علی ..... لیاقت پور
اگرچہ تیک لیا ہے جہاں نے سب کچھ
بے گھر بھی لیکن ... زیادہ ہی

☆ شاہینہ مہتاب ..... جہلم
یہ تاب دل و چین آنکھ کی ہے تجھی
کسی مقام پہ ٹھہرے تھا سنبھلا

☆ ظل شاہد ..... سکھر
بھلا دے مجھ کو کہ بے وفا ہے تجھی
گناہ مجھ کو کہ میں نے زندگی وار دی

کوپن برائے محفل مئی 2017

محفل شعر و سخن

نام ________________

پتا ________________

سراب

علی اختر

ایک چہرے پر کئی چہرے سجالیتے ہیں لوگ ... اور ہر چہرہ محبت اور اپنایت کی انوکھی داستان رقم کردیتا ہے۔ کچھ لوگ اونچی اڑان کا موقع ملنے کے باوجود زمین سے جڑے رہنے پر فخر محسوس کرتے ہیں اور کچھ دیر میں ہی آسمان کی وسعت سے اکتا کر واپسی کی راہ لیتے ہیں۔ اور وہ بھی خواب سراب کے اس گورکھ دھندے سے صاف بچ نکلی تھی البتہ ... جال تو جال ہی ہوتا ہے ... جسے ہر حال میں کسی نہ کسی کو پھانس لینا ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کے چنگل میں ایک اور چڑیا قید ہوگئی۔

گھمنڈ اور تکبر کی انتہا کو چھو لینے والے ایک بے ضمیر کا قصہ

میں اپنے چیمبر میں آکر ابھی بیٹھی ہی تھی۔ آج کی تاریخ میں مختلف عدالتوں میں لگے کیسز کی فائلیں میری میز پر پڑی تھیں۔ میں انہیں دیکھ رہی تھی کہ وہ چپ چاپ آکر میرے سامنے کھڑی ہوگئی۔ اس کے ساتھ کلف لگی سفید پگڑی باندھے اور کھڑکھڑاتی کاٹن کی شلوار قمیص پہنے ایک عمر رسیدہ شخص بھی تھا۔ خود اس نے اپنا چہرہ سیاہ رنگ کی بڑی سی چادر میں چھپایا ہوا تھا۔ صرف اس کی دو بڑی بڑی پریشان سی آنکھیں نظر آرہی تھیں جن کے بھاری پپوٹے

دیکھ کر لگ رہا تھا جیسے اس کی آنکھوں کے آگے دھند سی چھا گئی ہو۔

"جی بیٹھیے......" میں نے آہستگی سے کہا۔

"شکریہ......" اس نے کرسی کھسکا کر میری میز کے نزدیک کی اور اس پر بیٹھ گئی جبکہ اس کے ساتھ آیا ہوا شخص کچھ قریب ہی بیٹھ گیا۔ بات اس نے شروع کی۔

"وکیل صاحب...... یہ میری بیٹی عابدہ ہے۔ یہ اپنے خاوند سے خلع لینا چاہتی ہے۔"

"آپ نے انہیں سمجھایا ہوتا...... آپ کو پتا ہے، ہمارے معاشرے میں یہ اچھا نہیں سمجھا جاتا۔" میں نے فائل میں لگے کاغذات الٹتے پلٹتے ہوئے کہا۔

"اس میں ہماری مرضی بھی شامل ہے۔" اس نے جارحانہ لہجے میں کہا۔ تب میں نے پہلی بار فائل سے نظریں اٹھا کر پہلے اس کی طرف اور پھر عابدہ کی طرف دیکھا۔

اس کی آنکھوں میں مجھے خوف کی ایک لہر نظر آئی۔ میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔

"کیوں بی بی...... کیا اس میں آپ کی مرضی بھی شامل ہے؟ میرا مطلب یہ ہے کہ......" میں نے بات ادھوری چھوڑتے ہوئے پوچھا۔

"جی......" اس نے مختصر سا جواب دیا اور خاموش ہو گئی۔

"دیکھیے...... اپنا کام ہم بڑی سوچ سمجھ کر کرتے ہیں تاکہ بعد میں کسی قسم کا پچھتاوا نہ ہو۔ جذباتی فیصلے بعض اوقات زندگی بھر کا روگ بن جایا کرتے ہیں۔ آپ ایک بار پھر سوچ لیں۔ میں اگلی پیشی تک عدالت میں کیس دائر کر دوں گا۔ امید ہے کہ اس عرصے میں آپ کوئی بہتر فیصلہ ہی کریں گی۔" میں یہ کہہ کر اپنی کرسی سے اٹھا اور جاتے جاتے منشی سے کہا۔

"سلطان! ان کو چائے پلاؤ...... میں عدالت سے ہو کر آتا ہوں۔"

مجھے اٹھتے دیکھ کر اس کی اداس نظریں میرے ساتھ ہی اٹھیں...... اور پھر خاموشی سے جھک گئیں۔ میں عدالت کی جانب چل دیا...... وہی اداس [illegible] جس نے مجھے [illegible] کی۔

جاتے ہی اس کیس میں مجھے اگلی تاریخ مل گئی۔ [illegible] اب مجھے دفتر جانا تھا۔ [illegible] ایک [illegible] وکیل کی طرح [illegible] تاریخ [illegible] کیس کی [illegible]

مگر تم [illegible] کا [illegible] ثابت ہو جاتی ہے۔ میں [illegible] آرڈر کی [illegible] لوگ ابھی تک بیٹھے ہوئے ہیں۔ [illegible] سے کیس کی نوعیت پوچھ کر [illegible] کی۔

میں جب واپس چیمبر میں آیا تو وہ جا چکے تھے۔ میں نے کیس کی فائل میز پر رکھی، سلطان کو کیس کی اگلی پیشی کی تاریخ بتائی اور ایک بار پھر اس کا مطالعہ کیا۔

"ہاں تو بی بی...... اب کہیے۔"

"میں اس کے ساتھ نباہ نہیں کر سکتی۔ ایک پل کے لیے بھی اس کے پاس نہیں رہنا چاہتی۔ میں اگر اس بار وہاں گئی تو وہ لوگ مجھے قتل کر دیں گے۔" اس نے ٹھہرے ٹھہرے انداز میں جواب دیا۔ درمیان میں اس کا والد اس کی گفتگو کو سہارا دیتا جا رہا تھا۔

"کتنا عرصہ ہوا آپ کی شادی کو؟" میں نے اسے کیس کرنے پر آمادہ دیکھ کر پوچھا۔

"آج پورے تین سال ہونے کو آگئے ہیں۔"

"ان تین سالوں میں آپ نے اپنے شوہر کو کس طرح پہچان لیا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"آپ کا کیا خیال ہے، انسان تو وہ [illegible] کسی کے ساتھ چل کر ہی اس کو پہچان جاتا ہے۔ تین سال تو [illegible] مشکل ہے۔ اس کا رویہ میرے ساتھ شروع سے ہی [illegible] اور سخت رہا ہے۔ [illegible] وحشی ہے......" وہ بولی۔

"کیا شروع سے ہی......؟" میں نے سوال کیا۔

"نہیں...... پہلے پہل وہ مجھ سے بہت پیار کرتا تھا۔ اس وقت کی بات ہے جب [illegible] اس کے ساتھ میری پہلی ملاقات ہوئی۔ شادی [illegible] بڑی دھوم دھام کے ساتھ [illegible] گھر والوں کی خوشی بڑی [illegible] ہمارے خاندان سے [illegible] تھا لیکن اس کے باوجود میرے گھر والوں نے اسے میرا انتخاب سمجھ کر قبول کر لیا تھا۔" وہ بتا رہی تھی۔

"وہ [illegible] وکیل صاحب...... میں اپنی [illegible] کوئی [illegible] تھی [illegible] ایک [illegible] ہوتی ہے۔" اس کے والد نے اس کی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے باتوں کی لگام اپنے ہاتھ میں لی۔

"اس کا خاندان بھی بہت اچھا تھا۔ ہمارے [illegible] کے [illegible] باتوں [illegible] کے لیے [illegible]

موجود تھی۔ پہلے پہل اس کا رویّہ بھی اچھا خاصا تھا مگر شادی کے کچھ عرصے بعد اس کے رویّے میں اچانک تبدیلی آگئی......

''عابیہ بیٹی کی جانب سے دبے دبے لفظوں میں اس کی شکایات مجھ تک پہنچنے لگی تھیں۔ پہلے پہل تو میں نے اس پر غور نہ کیا کہ چھوٹے موٹے جھگڑے تو میاں بیوی کے درمیان ہوتے ہی رہتے ہیں۔ لیکن بات جب حد سے بڑھنے لگی تو میں نے عابیہ کو اپنے گھر بلالیا...... اور پھر واپس نہ جانے دیا۔ اسی دوران ان کی طرف سے مجھے دو ایک بار پیغام بھی ملے...... مگر ہم نے انہیں کوئی اہمیت نہیں دی۔ تب ان کی طرف سے دھمکیاں آنے لگیں بلکہ ایک فنکشن میں عروۃ الوثقیٰ سے میری اچانک ملاقات ہوئی۔ اس نے میرے ساتھ انتہائی بدتمیزی کی...

''جانتے ہو حشمت خاں، خوبصورتی بگاڑنا اور غرور توڑنا میں بڑی اچھی طرح جانتا ہوں۔ جس چیز پر تمہاری بیٹی کو اس قدر گھمنڈ ہے، میں اسے منٹوں میں خاک میں ملا سکتا ہوں۔''

''شرفاء کی محفل میں جس قدر اونچی آواز میں وہ دہاڑا تھا، میں اگر اسی لہجے میں اس کا جواب دیتا تو یقیناً نوبت ہاتھاپائی تک پہنچ جاتی۔ اس لیے میں کڑوا گھونٹ سمجھ کر اس کی باتوں کو پی گیا اور دوسری طرف چلا گیا۔ حالانکہ اس کے بولتے ہی کئی نظریں ہم دونوں کی طرف اٹھ گئی تھیں۔ اسی طرح کی بات اس کی والدہ نے عابیہ سے کہی تھی۔ کیا کہا تھا عابی...... سناؤ بیٹی......!'' اس نے باتوں کا رخ عابیہ کی طرف موڑا۔

''اس روز......'' جیسے عابیہ کی آواز کسی گہرے کنوئیں سے نکلی ہو۔

''اس روز وثقیٰ کی والدہ کا فون آیا تھا۔ اس نے بڑی بدتمیزی سے گفتگو کرتے ہوئے مجھے بُرا بھلا کہا۔'' وہ یہ کہہ کر چپ ہوئی تو اس کے والد نے اسے پھر بولنے پر مجبور کردیا۔

''ذرا کھل کر بتاؤ...... عابی...... یہ ہماری وکیل ہیں۔ انہیں سب کچھ علم ہونا چاہیے تاکہ دعوے میں کوئی کمی نہ رہ جائے۔''

''ہاں...... ہاں...... بی بی! تم اس وقت وکیل کے پاس بیٹھی ہو۔ گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔'' میں نے اسے تسلی دی مگر عروۃ الوثقیٰ کا نام سن کر نہ جانے میرے دل کی دھڑکنوں میں مدوجذر سا کیوں پیدا ہونے لگا۔

پاکستانی ایجنٹ

جب امریکی پہلی بار چاند پر پہنچے تو وہاں ایک پاکستانی کو بیٹھے ہوئے دیکھا۔ انہوں نے اس سے پوچھا۔ ''تم ہم سے پہلے چاند پر کیسے پہنچ گئے؟''

پاکستانی روتے ہوئے بولا ''ایک ٹریول ایجنٹ مجھے دبئی کے بجائے یہاں چھوڑ گیا ہے۔''

لمبی عمر

آدمی۔ ''ڈاکٹر صاحب زندگی لمبی کرنے کا طریقہ بتادیں۔''

ڈاکٹر۔ ''شادی کرلو۔''

آدمی۔ ''کیا اس طرح عمر لمبی ہوجائے گی؟''

ڈاکٹر۔ ''نہیں، جینے کا شوق ختم ہوجائے گا۔''

جاپانی کہاوتیں

☆ بارش ٹوٹی ہوئی جھونپڑی پر زیادہ زور سے برستی ہے۔

☆ کنگال کا گھر گلی کا کتا بھی پہچانتا ہے۔

☆ گھر آنے والے غریب رشتے دار کے پاؤں نہیں چومے جاتے۔

☆ خوشی اور خالی پیٹ کی دوستی نہیں نبھتی۔

☆ منحوس صورت والے کو دکانداری نہیں کرنی چاہیے۔

☆ مہمان سے نہ پوچھے کہ کیا مرغی ذبح کروں؟

☆ پیادے کا درد گھڑسوار کیا جانے۔

مرسلہ: وزیر محمد خان، بٹل ہزارہ

صاف گوئی

گاہک بیرے سے ''ایک گھنٹا ہوگیا ہے انتظار کرتے کرتے، ابھی تک کھانا نہیں آیا۔ کیا ابھی پکا نہیں ہے؟''

بیرا۔ ''نہیں، صرف گرم ہورہا ہے۔ پک تو پچھلی جمعرات کو ہی گیا تھا۔''

مرسلہ: وزیر محمد خان، بٹل ہزارہ

[illegible]
میری سوچ کی گاڑی بھٹکنے سے پہلے ہی اس کی آواز ابھری۔
"سکندر ملک وجاہت ایک عرصے سے میری [illegible]
آپ کی سوچوں سے کہیں زیادہ سفاک.... اس کے اندر ایک
جاگیردارانہ ذہنیت ہے جو وقت آنے پر اپنی سازشی
فطرت سمیت ظاہر ہوتی ہے۔ سنا ہے کہ ساری دولت
اسے اپنے والدین کی طرف سے وراثت میں ملی ہے اور
انہی کے والد کے پاس تو صرف چند ایکڑ زمین تھی جو سکندر
ملک کی زمینوں کے ساتھ مل کر ایک بہت بڑی جاگیر کا
روپ دھار گئی ہیں۔ انہی کے والد کی حیثیت ایک کمی کی
سی تھی اور ان سب کا حساب کتاب سکندر ملک کے پاس
ہے۔ مجھے اس بات کی بھنک لگی کہ اس کے تعلقات
بڑے بڑے سیاست دانوں اور عہدے داروں سے ہیں [illegible]
ہو گئے۔ البتہ اتنا ضرور علم ہے کہ سکندر ملک کے والد اور
بھائی ان ہی سیاسی عہدے داروں کے زیادہ قریب ہونے
ہوئے اکثر سرکاری مراعات حاصل کرتے رہتے ہیں۔ شاید
اسی وجہ سے سکندر ملک کے بھی ایسے لوگوں سے مراسم
[illegible]
[illegible]
[illegible] آیا۔

"[illegible] تم بھی ہو کر
[illegible] حاصل کرو گی [illegible] تمہاری غلط فہمی
ہے۔ [illegible] تمہارے جسم کے
[illegible] کر میرے آگے ڈال [illegible] خوبصورت [illegible]
ہو گر [illegible]
[illegible]
[illegible] کہ ساری عمر روتی پھرو گی۔ تم مجھے
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible] کیا [illegible] ہے۔ سکندر
[illegible] اس کی والدہ اس کے ہر فیصلے میں اس کے ساتھ
ہے... [illegible]
[illegible] رکھی ہے..."

یہ [illegible] کرتے کرتے اس کی آنکھوں کے کوئے
بھیگ گئے تھے جنہیں وہ اپنے ہاتھ میں پکڑے ٹشو سے بار
بار صاف کر رہی تھی۔

"معاف کریں۔ اس بات سے میں انجانا خوف زدہ
ہوں۔ مجھے گھر سے نکلتے اور کہیں آتے جاتے ہوئے ڈر
محسوس ہوتا ہے۔ میری ساس انتقام لینے میں بڑی ظالم
ہے۔ دوسروں کے لیے وہ بڑی شائستہ اور مہذب دکھائی
دیتی ہے۔ شاید لوگوں نے اس کا دوسرا روپ نہ دیکھا ہو۔
میں ایک بار اس کی حویلی اس سے ملنے گئی تھی۔ اس نے
میرے سامنے اپنی ایک [illegible]
اس لیے [illegible] کہ اس نے اس کی [illegible] کی تھی۔
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] کے سامنے [illegible] ہے۔ میں اگر
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] میری جان کو خطرہ ہے۔ میرا
اب آپ کے ساتھ [illegible]......"

"ٹھیک ہے.... میں [illegible] کرتی ہوں۔" میں
نے کہا۔

"یہ [illegible] کارڈ ہے۔ کسی معاملے پر [illegible]
ضرورت ہو تو فون کر لیں۔ [illegible]
[illegible] اس کے بعد [illegible] جیب سے
[illegible] کارڈ نکال کر مجھے پکڑا دیا اور [illegible] چلے گئے۔
میں نے [illegible] کارڈ پر سرسری نظر ڈالی۔
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

سہارا لینا چاہتا تھا۔ میں نہیں جان سکی تھی۔ کیا عروۃ الوثقیٰ کے والدین اس سے زیادہ طاقتور تھے یا پھر وہ ویسے ہی ان سے خوفزدہ تھا۔ کچھ تھا ضرور...... بہرحال سارے دن کی بک بک اور جھک جھک سے اکتائی ہوئی جب میں شام کو گھر پہنچی تو ایک بار پھر وہی دو آنکھیں میری یادداشت کے جھروکوں سے مجھے جھانکنے لگیں۔

عابیہ کی دو بڑی بڑی پریشان آنکھیں۔ یقیناً وہ دعوؤں کی حد تک خوبصورت ہوگی۔ اس کی معصومیت اور باتیں کرنے کا انداز مجھے کھینچے چلا جا رہا تھا اور اس کی باتیں میرے ذہن میں گونج رہی تھیں۔ میری سوچیں عابیہ سے ہوتے ہوتے عروۃ الوثقیٰ کے نام پر آ کر ٹھہر گئیں۔

عروۃ الوثقیٰ یقیناً ایک ایسا نام تھا جو ہمارے معاشرے میں بہت کم سننے کو ملتا ہے اور پھر اگر اس نام کے ساتھ حسین یادیں وابستہ ہوں تو اس نام پر ٹھٹکنا معمولی بات تھی۔ اسی نام نے میری زندگی میں پیاس ہی پیاس بھر دی تھی...... ایسا ہی نام...... میری زندگی کی ساری سوچوں کو تلپٹ کر گیا تھا...... یہی وجہ تھی کہ جب میں نے ان کی زبانی یہ نام سنا تو میرے ذہن میں ایک عجیب سا کوندا لپکا...... کہیں یہ وہی تو نہیں...... عروۃ الوثقیٰ نام کی ساری یادیں دھیرے دھیرے میرے ذہن میں دوبارہ بجنے لگیں۔

ہمارے معاشرے کا ایک المیہ ہے کہ اگر والد ڈاکٹر ہے تو اس کا بیٹا بھی ڈاکٹر ہوگا اور اگر والد پڑھانے کے شعبے سے وابستہ ہے تو ان کی بیٹی بھی ٹیچر یا لیکچرار بنے گی...... بس یہی کہانی ہمارے گھر بھی دہرائی جانے لگی تھی۔ میں اپنے والدین کی بڑی بیٹی تھی...... مجھ سے چھوٹی دو بہنیں اور تھیں۔ ان کے بعد بھائی کا نمبر آتا تھا۔ میں نے گریجویشن کرنے کے بعد ایل ایل بی میں صرف اس لیے داخلہ لینے کی ضد کی کہ میرے والد کا شمار اس وقت شہر کے معروف ایڈووکیٹس میں ہوتا تھا۔ جن کے متعلق مشہور تھا کہ پیچیدہ سے پیچیدہ کیس بھی ان کو دے دیں فیصلہ انہی کے حق میں ہوتا ہے۔ اس لیے نہ صرف ان کے مؤکل بلکہ ان کے ساتھ وکلاء بھی قانونی پیچیدگیوں میں ہمیشہ انہی سے مشورہ کیا کرتے تھے۔

میں نے ایل ایل بی میں داخلہ لیا تو ایک روز انہوں نے مجھے اپنے پاس بلا کر کہا۔

''بیٹا! میں نہیں چاہتا کہ تم اس پیشے کو اپناؤ...... جان کو خواہ مخواہ روگ لگانے کے مترادف ہے۔ بہت محنت اور جان عذاب میں ڈالنے والا کام ہے۔ تم کسی اور مضمون میں اعلیٰ تعلیم حاصل کر لو اور کوئی دوسرا شعبہ اختیار کر لو۔ تمہارے لیے آسانی رہے گی......!''

مگر میں نے ہنس کر کہا۔ ''بابا جان...... کیا آپ کو اپنی بیٹی کی صلاحیتوں پر شک ہے؟ اور کیا میں محنت سے جی چراتی ہوں؟ بابا جان...... میں دعوے سے کہہ سکتی ہوں کہ آپ کی اولاد محنت سے جی چرانے والی بھی نہیں ہے......!''

پھر انہوں نے مسکرا کر میرے ماتھے کو چوما اور مجھے ایل ایل بی کرنے کی نہ صرف اجازت دے دی بلکہ اس میں میری مدد بھی کرنے لگے۔

میں نے کالج میں نہ صرف داخلہ لے لیا، بلکہ میری پڑھائی میں محنت کو دیکھتے ہوئے بابا جان نے مجھے کالج کے ہاسٹل میں کمرا بھی دے دیا، تاکہ میں یکسوئی کے ساتھ پڑھائی مکمل کر سکوں۔

عروۃ الوثقیٰ ایل ایل بی کا طالب علم تو نہ تھا، اور نہ ہی ہمارے کالج کا اسٹوڈنٹ...... اس کا تعلق یونیورسٹی کے شعبہ سیاسیات سے تھا۔ میری اور اس کی ملاقات ایک بین الکلیاتی مباحثے میں ہوئی تھی جہاں میں اپنے کالج کی نمائندگی کر رہی تھی اور عروۃ الوثقیٰ یونیورسٹی کی ٹیم میں شامل تھا۔ اس مباحثے میں مجھے اول انعام ملا تھا اور دوسری پوزیشن عروۃ الوثقیٰ کی تھی۔

سب میری اس کامیابی پر مجھے مبارک باد دے رہے تھے۔ ہم سب دوسروں سے ہٹ کر اپنی چوپال جمائے گفتگو کر رہے تھے کہ وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا میرے قریب آیا۔ وہ سارے خاموش ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگے تھے۔

''مبارک ہو مس......'' اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔ شاید وہ میرا نام بھول گیا تھا۔ میں نے اس کی جانب دیکھا تو میری ایک سہیلی نے اس کا جملہ پورا کرتے ہوئے کہا......

''مس شارینہ......''

''جی...... جی...... مس شارینہ......'' ایک بار پھر وہ لڑکھڑاتے لہجے میں بولا تو میری سہیلیاں زور سے ہنسنے لگیں اور وہ شرمندہ سا واپس چلا گیا۔ بس اتنی سی بات تھی...... بات آئی گئی ہوگئی۔

ہماری اگلی ملاقات بھی اسی طرح کے ایک اور مباحثے میں ہوئی۔ اس روز بھی پہلا انعام میں نے جیتا تھا جبکہ بہاولپور یونیورسٹی کی شامعہ طفیل نے دوسری اور عروۃ الوثقیٰ نے تیسری پوزیشن حاصل کی تھی۔

''ایک بار پھر آپ کو بہت بہت مبارک باد...... یقیناً

آپ کی یہ ڈیوٹی آپ کی طرح ناخوشگوار بنانے اور کھل اٹھی ہے کی خاطر۔"

اس نے میرے نزدیک آ کر کہا۔

"شکریہ..... لیکن مجھے افسوس ہے۔ شاید اس بار آپ کی تیاری مکمل نہ تھی۔ کبھی تو آپ کی پوزیشن سلپ کر گئی۔" میں نے کہا۔

"ٹھیک کہتی ہیں آپ..... اس بار مجھے تیاری کا بہت کم موقع ملا۔ وہ اصل میں سمسٹر کلوز ہو رہا تھا اس لیے اس کی تیاری میں لگا رہا۔" اس نے بتایا۔

"کوئی بات نہیں..... اگلی بار سہی۔" وہ بولا۔ "اگر آپ برا محسوس نہ کریں تو یہاں قریب ہی کینٹین پر چائے پی جا سکتی ہے۔" وہ رکتے رکتے بولا۔

"کوئی حرج نہیں۔" اور یوں ہم ہجوم سے نکل کر کینٹین کے ایک گوشے میں آ کر بیٹھ گئے۔ جس سے میرا اور اس کا [illegible] ہو گیا۔ [illegible] انکشاف ہوا کہ وہ لڑکی کے والد اپنے علاقے کے بڑے زمیندار ہیں اور وہ لڑکا یونیورسٹی کے ہاسٹل میں رہتا ہے۔

اب ہم دونوں ایک دوسرے کی طرف [illegible] ملاقاتیں [illegible] سلسلہ رہتا۔ جانے کب کی [illegible] شروع کیا کہ وہ لڑکی کی نظروں میں میرے لیے پسندیدگی کی جھلکیاں [illegible]۔ اس کی آنکھوں میں میرے لیے [illegible] اور اس کا اظہار [illegible] کر ڈالا۔

اس روز اس نے میرے گھر کی [illegible] تھیں [illegible] باہر نکل کر قریب ہی اس کا انتظار کروں۔ وہ خود وہاں سے مجھے لے لے گا۔ میں اس کے مقررہ وقت پر [illegible] اس کا انتظار کرنے لگی کہ ایک [illegible] میرے نزدیک آ کر رکی.....

میں ڈر گئی [illegible] میں چلا لگی کہ دوسری طرف [illegible] سے وہ لڑکا باہر نکلا۔ وہ خود گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا۔

"آپ....." میری آواز میں خوف نمایاں تھا۔

"کیا آپ کو [illegible] آ گئے [illegible]" اس نے میری جانب کا دروازہ کھولا اور [illegible] طرف [illegible] کہا [illegible]

چپ چاپ گاڑی میں بیٹھ گئی۔ گاڑی چلی تو میں نے گھبراتے ہوئے پوچھا۔

"کس کی گاڑی کرائے پر لے رہے ہو..... اور خالی ہے؟"

"میں کرائے پر لایا ہوں اور تمہاری یہ حالت کی وجہ ڈرائیور سے کار کرائے پر لینا تھا کہ وہ مجھے لے آئے..... میں نے ڈرائیور کو اس کے رشتے داروں کے گھر ڈراپ کر دیا اور خود آپ کے لیے گاڑی لے آیا ہوں۔"

اس نے تفصیل سے بتایا۔

"مجھے تمہیں پتا ہے مجھے [illegible] سے نفرت ہے۔ میرا تعلق ایسے خاندان سے ہے جہاں [illegible] اور [illegible] دونوں کو برا سمجھا جاتا ہے۔ میں نے ہمیشہ [illegible] دیکھا ہے اور ان سے باتیں کی [illegible] میرے والد نے [illegible] وہ اب ہماری فطرت بن چکا ہے۔ اس لیے زندگی کی [illegible] مجھے نفرت ہے۔"

میں نے دھیرے سے کہا تو اس نے [illegible]

"شادی..... میں تمہاری حقیقت کی دنیا میں رہنے والا شخص [illegible] میں نے کسی کی اپنی دولت کی [illegible] محسن کرو..... ہماری اپنی گاڑی ہے..... !"

میں اس کی اس بات کو سن کر چپ ہو گئی۔ پھر وہ مجھے [illegible] آ گیا..... ایک بڑی خوبصورت جگہ تھی۔ [illegible] روشنی میں [illegible] ماحول کو [illegible] جان [illegible] کر رہی تھیں۔

"واؤ..... بہت [illegible]" میرے منہ سے بے ساختہ نکلا..... میں نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

"شکریہ۔ میں تو سمجھ رہا تھا شاید تمہیں یہ جگہ اور ماحول پسند نہ آئے۔"

"خوبصورتی شاید کسی کے دیکھنے میں [illegible] میرے لیے یہ کافی ہے۔" میں نے آہستگی سے کہا۔

"بالکل تمہاری طرح....." اس نے لفظوں کو اپنے مطلب کے رنگ دیتے ہوئے جواب دیا۔

"شکریہ..... آپ کے حسن نظر کا۔" میں نے کہا۔

"ثمرین! میں سوچتا ہوں جب [illegible] کی طرف سے [illegible] ہو گی تو [illegible] فراق [illegible] جائے گی۔ [illegible] ملے [illegible]"

''وکیل کی بیٹی ہوں...... جانتی ہوں کون سی دلیل کہاں کام دیتی ہے۔'' میں نے ہنستے ہوئے کہا اور وہ قائل ہو گیا۔

زندگی کی فضاؤں میں خوبصورت لمحے بہت جلد تحلیل ہو جایا کرتے ہیں۔ شاید یہی کچھ ہمارے ساتھ بھی ہوا۔ میں ان خوبصورت لمحوں اور حسین ساعتوں کو سدا اپنی گرفت میں رکھنا چاہتی تھی مگر لمحے سدا کب کسی کا ساتھ دیتے ہیں۔ وہ تو سوکھی ریت کے مانند انسانی مٹھی سے گرتے چلے جاتے ہیں۔ اس روز میرا خالی پیریڈ تھا اور میں ہاسٹل میں اپنے کمرے میں بیٹھی تھی۔ جب میرے فون کی گھنٹی بجی......

''شارینہ کے لیے کال ہے......''

''جی بول رہی ہوں۔'' میں نے فون اٹھاتے ہوئے کہا۔

''عروۃ الوثقیٰ ہوں...... مجھے آج اسلام آباد یونیورسٹی سے دعوت نامہ ملا ہے۔ وہاں ایک بین الکلیاتی مباحثہ ہو رہا ہے۔ کیا تمہیں اس کا دعوت نامہ ملا ہے؟''

''ابھی تو نہیں۔''

''اوہ...... تم اپنے پرنسپل سے ملو اور دیکھو...... ضرور ڈاک میں آیا ہوگا اور اگر نہیں آیا تو ٹیلی فون کر کے اپنا اور ٹیم کا نام رجسٹرڈ کراؤ۔'' اس نے کہا۔

''مگر وثقیٰ......''

''اگر مگر کچھ نہیں...... دیکھو، اس میں دو فائدے ہیں۔ کچھ فراغت کے لمحے مل جائیں گے اور دوسرے وہاں سے کچھ دیر کو مری وغیرہ کے لیے بھی نکل سکتے ہیں۔'' وثقیٰ نے جذباتی ہوتے ہوئے اصرار کیا۔

''لیکن شاید میں نہ جاسکوں۔'' میں نے اسے چھیڑنے کی خاطر کہہ دیا...... حالانکہ میرا جی بھی چاہ رہا تھا کہ میں اس میں حصہ لوں۔

ابھی میں اس کے ساتھ باتیں کر ہی رہی تھی کہ مجھے اطلاع ملی کہ پرنسپل صاحب یاد کر رہے ہیں۔ چنانچہ میں نے فوراً اس سے معذرت کی۔

''اچھا، میں تمہیں دوبارہ فون کرتی ہوں۔ اس وقت مجھے اپنا پیریڈ لینے جانا ہے۔'' میں نے کہا۔

''اوکے...... میں نے جو کہا ہے وہ ضرور کرنا۔'' وثقیٰ نے ایک بار پھر مجھے کہا۔

میں پرنسپل کے کمرے میں داخل ہوئی تو انہوں نے مجھے اسلام آباد یونیورسٹی کا دعوت نامہ پکڑاتے ہوئے کہا۔

''شارینہ! تم اور تمہاری ٹیم نے ہمارے ادارے کی نیک نامی کے لیے جو کچھ کیا وہ سراہے جانے کے قابل ہے۔ اب تو غیر نصابی سرگرمیوں میں ہمارے ادارے کا نام سر فہرست آنے لگا ہے۔ یہ صرف اور صرف تمہاری ذہانت کی وجہ سے ہے۔ کیا میں امید رکھوں کہ اس بار بھی ٹرافی ہمارا کالج اٹھائے گا؟''

''ان شاءاللہ سر...... میں اپنی پوری کوشش کروں گی۔'' میں نے سر جھکائے جواب دیا۔

اب میں اس انتظار میں تھی کہ اس کی خبر کب وثقیٰ تک پہنچاؤں گی مگر میں اسے ستانے کے موڈ میں تھی۔ نہ جانے لوگ اس کو کیا نام دیتے ہوں گے۔ لیکن اتنا ضرور تھا کہ اب میں اور وثقیٰ اس حد تک آ پہنچے تھے جہاں ایک دوسرے سے مذاق اور ستانے میں مزہ آنے لگا تھا۔ میں اب اسی انتظار میں تھی۔

اور یہ انتظار اس قدر جان لیوا ہوتا ہے...... اس بات کا احساس مجھے پہلی بار ہوا تھا۔ پہلے تو گھڑیاں بیتنے کا احساس ہی نہیں ہوتا تھا مگر آج جب میں نے اسے تنگ کرنے کا پروگرام بنایا تھا تو لمحے گزر ہی نہیں رہے تھے۔ بالآخر کچھوے کی چال چلتے لمحوں کو اپنی ہار ماننا ہی پڑی۔ میں نے جلدی جلدی یونیورسٹی کے نمبر ملا کر وثقیٰ کے کمرے کا نمبر مانگا۔ تھوڑی دیر بعد وثقیٰ لائن پر تھا۔

''شارینہ......'' میں نے مختصراً کہا۔

''تم اگر اپنا نام نہ بھی لو...... تو خوشبو تمہارا پتا دے دیتی ہے۔'' اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

''ڈائیلاگ اچھا بول لیتے ہو۔'' میں نے جواب دیا۔

''تمہارے لیے یقین کرو شاری لفظوں کو بڑا سنبھال سنبھال کر رکھنا پڑتا ہے اور پھر ان کے لیے موقع محل بھی ڈھونڈنا پڑتا ہے۔ نہ جانے کیوں میں تمہارے ساتھ بات کرتے ہوئے الجھ سا جاتا ہوں۔ حالانکہ تقریروں اور مباحثوں میں الفاظ میرے ذہن کی لوح پر خود بخود اترنے لگتے ہیں۔'' اس نے دھیرے دھیرے کہا۔

''اچھا...... اچھا...... بناؤ مت...... اور سنو...... اسلام آباد سے دعوت نامہ آیا ضرور ہے مگر اس بار پرنسپل نے وہاں جانے والی ٹیم میں میرا نام شامل نہیں کیا...... میں نے پوچھا تو فرمانے لگے۔ ضروری نہیں مس شارینہ کہ ہر بار صرف تم ہی ہر جگہ جاؤ۔''

میں نے رکتے رکتے جواب دیا۔

''لیکن تم نے...... انہیں کہنا تھا......'' اس کی ساری شوخی جیسے دھری رہ گئی ہو۔

''میں نے کہا تھا...... بہت بار...... اور پھر منتیں

ہونے کی کوشش نہ کرو مجھ سے۔۔۔ سوری شاری۔" میں نے اداس لہجے میں بتایا۔

"یہ شاری بہت برا ہوا۔۔۔ تم ایک بار اور کوشش کر دیکھو۔۔۔ دیکھو صرف میری خاطر۔۔۔ ورنہ میں بھی انکار کر دوں گا۔" آپ نے اداس لہجے میں کہا۔

"نہیں زری تم ضرور جاؤ۔۔۔ میرے جانے یا نہ جانے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ میری وجہ سے اس بار اپنی تفریح برباد کرو گی۔" میں نے مصنوعی اداسی میں جواب دیا۔

"شاری۔۔۔ تم یہاں کیا کرو گی اور لوگ تمہیں کہیں جانے دیتے نہ تم چھٹیاں لے کر میرے گھر آ جاؤ میرے ساتھ یہاں چلو، ہم وہاں اکٹھے گھومیں گے خوب انجوائے کریں گے سارا خرچ میرے ذمے۔۔۔ اوکے؟" اس نے پیشکش کی۔

"آخر تمہارے اندر کا جاگیردار بول ہی اٹھا۔۔۔ جانے تمہارے اندر کا جاگیردار ایسے لوگوں کی طرح میں کہاں رہتا ہے۔ جو کسی اسے بری لگتی ہے۔ ذرا اپنا آپ رکھا کرو تم۔" میں نے لہجے میں زبردستی کی کراہت پیدا کی۔

"سوری شاری! میرا ہرگز یہ مطلب نہ تھا۔۔۔ تم سے اس۔۔۔ میں نے کبھی اس طرح نہیں سوچا۔۔۔ پھر بھی اگر تم نے محسوس کیا تو مجھے اس کا بے حد افسوس ہے اور میں معذرت کرتا ہوں۔ میں اپنے ساتھ لے جانا اپنا حق سمجھ رہا تھا۔" اس نے کافی دیر بعد لفظوں سے کہا لیکن اب مجھے بھی افسوس ہو رہا تھا۔

"ٹھیک ہے آپ کی بات بھی ٹھیک ہے۔۔۔ پہلا احسان ہے کہ میں اور معذرت کروں۔۔۔ سب تم اچھے دوستوں کے بیچ ٹھیک ہو۔ میں نہیں چاہتی کہ تم مجھے اس قدر گھٹیا سمجھو۔ بہرحال میں وہاں نہیں جا سکوں گی۔۔۔ خدا حافظ!"

یہ کہہ کر میں نے فون بند کرنا چاہا۔ اس کی آواز میرے کانوں میں آئی تھی۔

"شاری۔۔۔ خدا کے لیے فون بند نہ کرنا۔ میری بات تو سنو۔ اگر تم سوری کرو گی تو میں چلا جاؤں گا۔" اس کی آواز میں ابھی تک میرا جواب گونج رہا تھا، مگر میں تو فون بند کر چکی تھی۔

ہم نے دو دن بعد اسلام آباد کے لیے روانہ ہونا تھا اور اس کے لیے میں نے ابھی سے تیاری شروع کر دی تھی۔ سرد موسم کے حساب سے میں نے گرم کپڑے بھی رکھ لیے تھے۔ اس رات۔۔۔

نہیں آئی۔" کیسے آئیں تمہیں آج ہی کا فون آ گیا۔ میں نے اپنے لہجے میں آواز کو نرم رکھتے ہوئے کہا۔

"ہیلو شاری۔۔۔!"

"سوری شاری۔۔۔ کیا تم کسی ایک چھوٹے سے جرم کو معاف نہیں کر سکتیں۔ یقین کرو میں ساری رات اسی بے چینی میں رہا ہوں کہ تمہیں کیسے منا لوں۔" اس نے اداسی بھرے انداز میں کہا۔

"مجھے بات نہیں کرنی۔۔۔ میں نے پہلے بتایا ہے۔ اس لیے بند کر رہی ہوں۔" میں نے اس کی بات کاٹی۔

"کیا تم مجھے آج کی ملاقات میں بھی یہی کہو گی۔۔۔ میں تمہاری غلط فہمی دور کرنا چاہتا ہوں۔" اس نے منت بھرے لہجے میں کہا۔

"سوری مسٹر زری۔۔۔" میں نے اپنے لفظوں کو چبا چبا کر کہا۔

"تمہیں تمہاری سب سے پیاری چیز کا واسطہ۔" اور اب منت کی آخری حدوں کو چھو رہا تھا۔

اب مجھے بھی احساس ہونے لگا تھا کہ اگر میں نے اسے مزید تنگ کیا تو وہ سچ مچ برا مان جائے گا۔

"ہوں۔۔۔ تم سنو۔۔۔ مسٹر زری۔۔۔ مجھے اسلام آباد کے لیے تیاری کرنا ہے اور ابھی میرے پاس ان فضول باتوں کے لیے وقت نہیں ہے۔" میں نے اپنا ارادہ ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"کیا۔۔۔ واقعی۔۔۔" اس نے بے یقینی سے پوچھا۔ ذرا دیر بعد۔۔۔ جیسے اس کے اندر کے لوگ اس کے انداز پر خوش ہو گئے ہوں گے۔

پھر میں نے فون بند کر دیا۔۔۔

اسلام آباد پہنچ کر میں بھی انتہائی خوش تھی کہ انتظام پہلے سے ہی میری سوچ کے مطابق ہوا۔ وہ بار بار میرے آگے آگے رہا۔۔۔ میں نے کبھی اور میری قسم کی دوسری لڑکیوں نے کبھی اتنی خوشی محسوس نہیں کی تھی۔

"تم نے میرے ساتھ زیادتی کی ہے۔" مجھے مذاق کے لہجے میں اس نے کہا۔

"کیسے؟" میں نے پوچھا۔

"تم نے مجھے اس طرح پر طلاق دے کر اپنا حق جما لیا ہے اور یہ سب تم نے جان بوجھ کر کیا ہے۔ اس رویے پر تمہیں معذرت کرنا چاہیے۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اگر میں معذرت نہ کروں تو۔۔۔" میں نے شرارت سے پوچھا۔

''دیکھو شاری ...... شاید یہ میری زندگی میں پہلی بار ہوا کہ میں چاہنے لگا ہوں کہ میں ہمیشہ تمہارے سامنے جیت کر بھی ہار جاؤں اور تم ہمیشہ میرے سامنے جیتتی رہو۔ پتا نہیں کیوں میں سوچتا ہوں اگر تم مجھے نہ مل پاتیں تو میرا وجود ادھورا رہ جاتا ...... آج کل میں میرا سمسٹر ختم ہو رہا ہے۔ میں کوشش میں ہوں کہ کسی دوسرے مضمون میں داخلہ لے کر یونیورسٹی میں رہ جاؤں۔ کیونکہ میں اگر تم سے دور ہو گیا تو شاید جی بھی نہ سکوں۔ ڈیڈی بضد ہیں کہ میں نے کونسا نوکری کرنا ہے۔ لہٰذا تعلیم ختم کر کے زمینوں کا حساب کتاب سنبھال لوں مگر میری کوشش ہے کہ ابھی یہیں رہوں، تمہارے آس پاس ...... کیا یوں نہیں ہو سکتا کہ تم ہمیشہ کے لیے میری ہو جاؤ۔''

''دیکھو وقتی ...... علم انسان کو زندگی کا شعور دیتا ہے اور ہمارے معاشرے میں آس امیدیں پیدا ہوتے ہی اپنی گرہوں میں ہمیں باندھنا شروع کر دیتی ہیں۔ یقیناً میرے والدین نے مجھے ہر طرح کی آزادی دے رکھی ہے مگر اس بارے میں میں اپنے والدین کے فیصلوں کی محتاج رہنا پسند کرتی ہوں۔ میں اپنے والدین سے بات کر کے تمہیں اس بارے میں بتا سکوں گی۔'' میں نے اس کی باتوں کا پہلی بار سنجیدگی سے جواب دیا۔

''میں کب تک منتظر رہوں؟'' اس نے پوچھا۔

''میں یہاں سے جاتے ہی کالج سے چھٹی لے کر گھر جاؤں گی تب ہی تمہیں کچھ بتا سکوں گی۔'' میں نے اسی لہجے میں کہا۔

''لیکن وعدہ کرو ...... بہت جلد۔'' اس نے اپنی بات دہرائی۔

وہ دن ہم سب نے مل کر بہت انجوائے کیا۔ بہت سی یادوں کو اپنے ذہن کے دامن میں سمیٹا اور پھر یہ لمحے بھی پر لگا کر ہمارے ہاتھوں سے نکل گئے۔ میں واپس آ کر کالج سے چھٹیاں لے کر گھر آئی اور ایک روز میں نے موقع پا کر والدہ سے بات کی۔ پہلے تو انہوں نے اسے ماننے سے یکسر انکار کر دیا لیکن پھر میرے اصرار اور ضد پر اس بات پر رضامندی ظاہر کر ڈالی کہ اگر میرے والد نے اجازت دے دی تو انہیں اعتراض نہ ہوگا ......

وہ رات یقیناً میرے لیے نہایت صبر آزما تھی۔ میں سوچتے سوچتے نہ جانے کب سو گئی تھی کہ اچانک میری آنکھ کھلی۔ میں پانی پینے کے لیے باہر نکلی ...... تو مجھے بابا کے کمرے کی لائٹ جلتی نظر آئی۔ میں نے سمجھا شاید وہ کسی

نوبت

ایک بزرگ گاڑی چلاتے ہوئے اپنے نوجوان بیٹے کو نوجوانوں کی تیز ڈرائیونگ کے نقصانات کے بارے میں بتا رہے تھے کہ ان کی گاڑی کے آگے ایک سائیکل سوار آ گیا اور بزرگ جو آہستہ اسپیڈ میں گاڑی چلا رہے تھے، بریک لگا دیے، یوں ایکسیڈنٹ سے بچاؤ ہو گیا۔

تو وہ اپنے بیٹے سے کہنے لگے۔''اگر میری جگہ تم ہوتے تو یہ ایکسیڈنٹ ضرور ہوتا۔''

بیٹے نے جواب دیا۔''اس ایکسیڈنٹ کی نوبت ہی نہ آتی کہ میں اس جگہ سے ایک گھنٹا پہلے گزر چکا ہوتا۔''

غلط فہمی

ایک پروفیسر صاحب اپنے کسی دوست کے گھر رات کے کھانے پر گئے تو اپنے ساتھ لالٹین اس خیال سے لے گئے کہ شاید واپسی میں دیر ہو جائے گی اور اندھیرا بڑھ جائے گا۔ کھانے سے فارغ ہوئے کافی دیر ہو گئی تھی۔ وہ اندھیری رات میں گھر واپس آئے۔ دوسرے دن ان کے دوست نے ملازم کے ہاتھ خط بھیجا۔

''پروفیسر صاحب! آپ کے جانے کے بعد آپ کی لالٹین ملی۔ برائے مہربانی میرے طوطے کا پنجرہ واپس بھجوا دیں۔''

قابل دید

ایک شخص سونے کا کپ اٹھائے ہانپتا کانپتا گھر میں داخل ہوا اور کپ اپنی بیوی کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے دھم سے صوفے پر گر گیا۔ بیوی نے خوش ہوتے ہوئے دریافت کیا۔

''دوڑ میں اور کتنے آدمی شریک تھے؟''

''صرف تین ......'' شوہر نے جواب دیا۔

''سب سے آگے میں تھا پھر پولیس والا ...... پھر کپ کا مالک۔''

مرسلہ: وزیر محمد خان، ضلع ہزارہ

کمرے کی تیاری میں لگے ہوئے تھے تب امی کی آواز سن کر میرے پاؤں جیسے وہیں جم گئے۔۔۔ پاپا۔۔۔ میری امی کو سمجھا رہے تھے۔

"تہذیب بیگم۔۔۔ تم کیوں بلاوجہ زمانے کی فکر میں گھل رہی ہو۔ اگر وہ ہم سے پوچھتی ہے تو یہ اس کی اچھی پرورش کا نتیجہ ہے۔ پھر زندگی تو اس نے گزارنی ہے۔ علم نے اسے اتنا شعور تو دے ہی دیا ہے کہ وہ اپنا برا بھلا سوچنے کے قابل ہو گئی ہے۔ اگر وہ کوئی اسے پسند ہے تو ہمیں اس کی راہ میں رکاوٹ نہیں بننا چاہیے۔۔۔"

"اسے کہو...... وہ اس لڑکے سے کہے اور لڑکے کو بھی چاہیے کہ وہ اپنے والدین کو رشتے کے لیے ہمارے پاس بھیجے۔ مجھے ہر شریف خاندان قبول ہے۔ دوسری طرف سے بھی کوئی پریشانی نہیں ہوئی...... اسے اعتماد ہو گیا کہ وہ ہمارے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچائے گی۔ سمجھیں؟"

میں وہیں سے پلٹ آئی...... مجھے میری باتوں کا جواب مل گیا تھا۔ اب میرا دل چاہتا تھا کہ کسی طرح جلد سے جلد ولی کو اس خوشخبری کی اطلاع دوں۔۔۔ چنانچہ میں نے لینڈ لائن پر ولی کی کمپنی کا نمبر ملایا لیکن بے تابی کرتے دیکھ کر وہ مجھے پاپا کے فیصلے سے متعلق بتا دیا تھا اور میں نے بابا کی بھی برابر کی کہ اگلے مراحل اسی کی رضا سے طے ہوں گے۔

کافی کوشش کے باوجود جب سے پہلا کام میں نے یہ کیا کہ ولی کو فون کر ڈالا۔ لیکن فون اس کے گھر سے میں نہیں کی گئی تھی۔۔۔ شاید وہ گھر میں موجود نہیں تھا۔۔۔

اس روز جس قدر میرے دل کو خوشی ہوئی تھی، یہ صرف میں ہی جانتی تھی۔ کچھ توقف کے بعد میں نے دوبارہ فون کیا تو اس کے روم میٹ بشارت سے بات ہوئی۔

"ولی کہاں ہے؟" میں نے دھڑکتے دل سے پوچھا۔

"کیا تم شاہدہ بول رہی ہو؟" اس نے تصدیق کی۔

"ہاں۔۔۔ میں شاہدہ ہی ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"وہ تو گھر گیا ہے۔ شاید کل تک واپس آ جائے۔" اس نے بتایا۔

"جیسے ہی وہ واپس آئے۔۔۔ اسے کہنا مجھے کال کرے۔" میں نے اتنا کہہ کر فون بند کر دیا۔

اگلے دو تین دن اسی انتظار میں گزر گئے پھر [illegible]

دیا۔ مجھے وہیں بیٹھا رہا تھا۔ ایک بار پھر مجھے خیال آیا۔ ولی نے ابھی تک مجھے فون کیوں نہیں کیا۔۔۔؟

اسی خیال کے آتے ہی میں نے دوبارہ اس کا نمبر ملایا...... وہی گھنٹیاں بجنے کے بعد کسی نے فون اٹھایا تو میرے دل کی دھڑکن میں بھی بے ترتیبی در آئی۔

"ولی بول رہے ہو؟" دوسری طرف سے خاموشی پا کر میں نے ہی پوچھا۔

"ہاں۔۔۔" اس نے مختصر سا جواب دیا۔

"کہاں رہ گئے تھے۔ میں اتنے دنوں سے تمہیں ڈھونڈ رہی تھی۔ ولی تمہیں میرا ذرا خیال نہیں رہا۔ تم کب آئے ہو۔ تمہیں بتانا تھا...... خیریت تو تھی...... اتنے دن لگا دیے۔" وہ خاموشی سے سنتا رہا اور میں بولتی رہی...... اچانک مجھے خیال آیا کہ میں نے اسے تو بولنے کا موقع ہی نہیں دیا اور میں نے ہی ایک بار پھر ایک ہی بات کہہ ڈالی...... چنانچہ میں چپ ہو گئی تو دوسری طرف سے بھی مکمل خاموشی تھی۔

"کیا بات ہے ولی؟ میری باتوں کا جواب کیوں نہیں دے رہے؟ میں نے تمہیں ایک بہت بڑی خوشخبری دینا تھی...... تم آج ہی ملو۔۔۔ بلکہ ابھی اور اسی وقت......"

"شاہدہ! میں بہت مصروف رہا ہوں۔ پہلا [illegible] کیا ہے اب [illegible] میں ہوں لیکن تمہیں جلدی ہی فون کر کے بات کروں گا۔" اس کے لہجے کی [illegible]

"لیکن آج تو ملو ہی نہیں...... مجھے کچھ بتانا ہے۔۔۔ تم ذرا تو [illegible]" میں نے ضد کی۔

"بتاتا ہے نا۔۔۔ آج نہیں...... میں خود ہی تمہیں کال کروں گا۔ مجھے دو دن اور دے دو۔" اس کے لہجے میں برف جیسی خنکی محسوس ہوئی۔

"لیکن کب؟" میں نے بے چین ہو کر کہا۔ "تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟" ایک انجانی پریشانی نے مجھے گھیر لیا تھا۔

"ہاں...... بہت جلد تمہیں فون کروں گا...... اچھا اللہ حافظ!" اتنا کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔

ولی کے رویے نے مجھے [illegible] دوبارہ پریشان کر [illegible] سے کوئی پریشانی ہو...... یہ

بھی تو ہوسکتا ہے کہ وہ دوسرے مضمون میں اسے داخلہ نہ مل رہا ہو...... کچھ بھی ہوسکتا ہے۔ مجھے بھی تو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اسے اس قدر پریشان کروں۔ میں اگر اس کی پریشانیوں کو بانٹ نہیں سکتی تو اسے کم ازکم ہمدردی تو دے سکتی ہوں۔

میں سوچ سوچ کر پریشان ہورہی تھی۔تب ہی میری روم میٹ ندمہ شہباز بولی۔

''شارینہ......فوراً تیار ہوجاؤ۔شہر چلتے ہیں۔''

''نہیں ندمہ! میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔'' میں نے اداسی سے کہا۔

''تمہیں میرے ساتھ چلنا ہے۔ میں نے انکار نہیں سننا......چلواٹھو'' اس نے مجھے کندھے سے پکڑ کر اٹھاتے ہوئے کہا۔

اور پھر میں نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے ساتھ شہر چلی آئی۔ بازار سے گزرتے ہوئے اچانک ندمہ نے مجھے پکڑ کر تقریباً جھنجوڑتے ہوئے پوچھا۔

''ارے...... یہ تمہارا عروۃ الوثقیٰ تو نہیں......مگر اس کے ساتھ کون ہے؟''

میں نے دیکھا، وہ لیڈیز ریڈی میڈ گارمنٹس کی دکان سے نکل رہے تھے۔لڑکی نے ہاتھ میں دو تین ڈبے پکڑے ہوئے تھے۔یہ دیکھتے ہی مجھے ایک بار یوں لگا جیسے میرے ذہن میں آندھیاں سی چلنے لگی ہوں۔

''ہے تو وہی......'' میں نے مری ہوئی آواز میں کہا۔

''پتا نہیں......اس کو اللہ نے کس مٹی سے بنایا ہے۔ ہر دوسری لڑکی اس پر مرنے کو تیار ہے۔'' اس نے کہا۔

''اچھا......'' میں نے اسی لہجے میں جواب دیا۔

''تو اور کیا...... میں نے تمہیں اس لیے نہیں بتایا کہ کہیں تم محسوس نہ کرجاؤ۔ ورنہ اسے جب دیکھو نئی لڑکی اس کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے پھرتی ہے اور یہ بھی اول درجے کا دغاباز ہے۔فلرٹ کرنے میں تو ماہر ہے۔اسی وجہ سے یونیورسٹی نہیں چھوڑ رہا۔ اس کے ساتھ والے اپنی پڑھائی کرنے کے بعد چلے گئے مگر یہ ابھی یہیں کا یہیں ہے۔ پھر جائے بھی کیوں...... ہر بار کوئی نہ کوئی تتلی اس کی مٹھی میں موجود ہوتی ہے جس کا رنگ اترنے سے پہلے یہ دوسری طرف دوڑنے لگتا ہے۔'' ندمہ مجھے اس طرح بتارہی تھی جیسے وہ بھی اس کے دام میں پھنس چکی ہو۔

وہ باتیں کررہی تھی مگر مجھے لگ رہا تھا جیسے کاٹو تو بدن میں لہو نہیں...... واپس کالج آتے ہی میں نے اس کا نمبر ملایا۔حیرانی کی بات تھی کہ فون بھی اسی نے اٹھایا۔

''شارینہ......'' میں نے مختصراً کہا۔

''ہاں بتاؤ......اب کیا ہے؟'' اس نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

''تم نے آنا تھا......ایک خوشخبری میں نے کب سے تمہارے لیے سنبھال رکھی ہے۔ اب تو وہ پرانی ہوچکی ہے۔'' میں نے ٹھہرے ٹھہرے انداز میں کہا۔

''بتایا نا شاری میں مصروف ہوں۔ ابھی شاید ایک دو روز اور لگیں گے۔تم ایسے ہی فون پر کہہ ڈالو...... کیا بات تھی؟''

اس کے لہجے میں بلا کی ٹھنڈک تھی۔

''میں نے گھر والوں سے بات کی تھی۔ وہ تمہارے لیے راضی ہیں مگر تم ایک بار میرے ساتھ چل کر بابا جان سے مل لو......!'' میں نے بتاتے ہوئے سوچا کہ وہ یہ بات سن کر اچھل پڑے گا مگر وہ تو سمندر کی طرح شانت تھا اور میری حالت یہ بتاتے ہوئے یوں ہورہی تھی جیسے سمندر نے اپنے من کی ساری خالی سیپیاں نکال کر باہر پھینکی ہوں۔

''مل لوں گا بابا......بس......'' اس نے اسی ٹھنڈے ہوئے لہجے میں کہا۔

''ٹھیک ہے مگر کب؟'' میں نے دوبارہ پوچھا۔

''جلد ہی......'' اس نے اتنا کہہ کر فون بند کردیا۔

''ہیلو......ہیلو......'' میں نے کئی بار کہا مگر کال کٹ چکی تھی۔

پھر وہی ہوا جس کا مجھے ڈر تھا۔عروۃ الوثقیٰ میرے لیے کبھی فارغ نہ ہوا۔ میں فون کرتی تو اودھر سے اکتاہٹ بھرے لہجے میں بات کی جاتی......ایک دو بار مقابلے میں آمنا سامنا بھی ہوا مگر ہر بار وہ میرا راستہ کاٹ جاتا...... اب تو بڑی شدت کے ساتھ مجھے یوں لگنے لگا تھا کہ جن راستوں پر میں اب تک بڑی آس اور امیدوں کو لے کر چلتی رہی' اس کے آگے تو میرے لیے ہمیشہ سراب ہی رہے تھے اور پھر یہ بھی تو ضروری نہیں کہ زندگی میں ہر امید پوری ہی ہو......

انہی دنوں میرا رزلٹ آگیا اور میں نے بڑے اچھے نمبروں سے امتحان پاس کرلیا۔ اب میں پاپا کے ساتھ پریکٹس کرنے لگی تھی۔ میں نے انہی کا آفس جوائن کرلیا تاکہ انہی کے زیرسایہ اپنی ٹریننگ مکمل کرسکوں۔

پھر اس کام میں اتنی مصروف ہوئی کہ مجھے اس کا دھیان ہی نہ رہا۔ دوریاں، فاصلے سمیٹنے کے بجائے انہیں بڑھادیتے ہیں۔

بھی مجھ پر سے خاموش ہو گئے... یہ وقتی کا نام میری یادوں کا ایک ایسا حوالہ اور تصویر بن کر رہ گیا جس کو یاد کرتے ہوئے بھی مجھے عجیب سی کیفیت محسوس کرنی پڑتی تھی۔

لوں کا بیچ بھی بھر رہا تھا میرے ہاتھوں سے نکل کر اور پھر ادھر سے ادھر امیدوں کے افق میں دور کہیں جا کر ڈوب جاتا۔۔۔۔ ایسے ہی بعد میں بابا جان کا انتقال ہو گیا۔ یہ میرے لیے کسی صدمے سے کم نہ تھا۔ ظاہر ہے ہوا تھا کہ میں نے آہستہ آہستہ ان کے کام سنبھال لیا تھا۔ مجھے وہ دن آج بھی یاد ہے جب اپنی موت سے کچھ دن پہلے آپ کبھی کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے کہا تھا۔

"شاہ جی۔۔۔۔ اس کبھی کو تم نے آگے لے کر جانا ہے۔ یہ تمہاری محبت کا امتحان ہے۔"

"جی بابا۔۔۔۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اپنے دل کی کر کے تمہاری محبت ختم ہو گی۔ کل اگر تمہیں کبھی ہمارا خواب کی مراد مل گئی تو اُس سے ملنے کا وقت نکال لینا۔" وہ رخصت ہو گئے۔

"آپ کی بات درست ہے بابا جان۔۔۔" وہ چلے گئے۔۔۔۔ دل میں ایک جنگ سی چھڑ گئی... میرے سپرد ادارہ ویکیٹ حسن خان کی بیٹی سے ملنا۔۔۔۔ جو اس دور سے آج تک ان کے گھر میں ایک امانت رہتی ہے۔ بابا جان کی زندگی ان کے ساتھ بہت سے فرض و پیغام کرتے رہنے لگے اتنا بھروسہ ہو گیا ہے کہ اب مجھے کسی بھی چیز کا احساس لیتے ہوئے کی جو محبت ہوتی۔ بابا جان کے بعد جب میرے اندر کا شعور بیدار ہوا تو میں کام اس شعور کے ذریعے اسی گھر کے اس کونے میں کئی امیدیں ہوا کرتی تھیں ان راستوں پر بھی وہی بے بسی سی تھی میرے۔ جبکہ بچی کے قدموں کے نشان تھے۔۔۔۔ وہ پہلی بار کی طرح بیٹھ گئے۔

مگر وہ ایک بار پھر اسی نام سے الجھ یادوں کا سر کھل گیا۔ انہوں نے جب مجھے بار بار اوقتی کا نام لیا۔۔۔۔ تو میرا دھیان اسی لڑکی پر چلا گیا تھا۔ دل کی دھڑکنوں میں ایک بے کلی اور بے چینی سی تھی۔۔۔۔ اس بھولے بسرے اسرار کی تلاش... مگر میں نے اپنی اس سوچ کو وہی جھٹک کر سلا دیا۔ آج رات پھر میں نے بڑے اطمینان سے عابد کا فون ملایا۔۔۔۔ اس کی ہنسی جیسی اور اس کی بات کرنے کے بعد میں نے اپنے دل کی بات کہہ دی جو مجھے اس کے لہجے سے ظاہر ہوئی۔

اسے فون کر دیا۔ فون کی دوسری جانب گھنٹی کے بعد دوسری طرف سے فون اٹھا لیا گیا۔

"شریعہ ادارہ ویکیٹ بات کر رہی ہوں۔ عابد سے بات کرا دیں۔"

"کون بول رہی ہوں" وہی دلکش سی آواز آئی۔

"کیا بات ہے۔ تم ابھی تک خوف کے حصار میں ہو؟" میں نے اس سے پوچھا۔

"وہ بڑی چالاک اور خطرناک ہیں۔ ابھی کل ہی وہ بڑی کمان کی طرف سے پھر دھمکی ملی ہے" اس نے اسی لہجے میں بتایا۔

"فکر نہ کرو۔۔۔۔ تھوڑے عرصے کی بات ہے۔ تم کل آ کر اپنے ہاتھ سے یہ دستخط کر دو۔" میں نے حوصلہ دیتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ آ جاؤں گی۔" اس نے پھر دھیرے سے کہا اور فون بند کر دیا۔

دوسرے دن وہ میرے دفتر میں تھی۔ اس بار اس کے ساتھ ان کے والد کے خوف کا سایہ ان کا واحد تھا۔

"تمہارے والد کیوں آئے؟" میں نے پوچھا۔

"انہیں کام تھا۔۔۔۔ اس لیے میں والد کے ساتھ آ گئی۔" اس نے جواب دیا۔

اس بار وہ کافی مطمئن تھی۔ وہ باتیں بڑی سوجھ بوجھ سے کر رہی تھی میں نے اس کی فائل دیکھ کر ان کے لیے چائے منگوائی اور وہ سب کاغذات اس کے سامنے رکھ دیے۔

"میں نے خلع کے لیے جو کاغذات تیار کیے ہیں وہ دستخط کے لیے ہیں" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔۔۔۔ مگر کیا۔ ان ظالموں کا رویہ میرے ساتھ اس سے کہیں زیادہ برا تھا" اس نے بتایا۔

"میں سوچتی ہوں۔ تم اس دل میں اتنا کچھ کیسے رکھتی ہو؟" میں نے اسے سمجھایا۔

"مقدر کی بات ہوں گی کہ بے خوف ہو کر بھی جا کر رہے تھے۔ میرے ساتھ بھی تھی۔ میں کی اس کی بات میں پوچھتی کی اس عمر میں بھی اس کی طرف سے ایک نفرت کی سزا لے میں عادت کا آخر آیا تھا۔ وہاں اس نے پہلا قدم ساتھ رکھا۔ میں اپنی سہیلیوں کے ساتھ اس کی مبارک باد دینے آئی اور پھر ایک کٹر کی طرح اس نے اپنی باتوں کے جالے میں مجھے پھنسا لیا۔ کچھ اس طرح کہ میں کسی معمول کی طرح اس کے گھر جا کر شادی کی اس کا احسان اس بات کا ہے کہ بہت سے تکلیف پا چکا تھا۔ میں نے گھر

والوں سے بات کی۔ یہ تو میری قسمت اچھی تھی کہ وہ مان گئے۔ عروۃ الوثقیٰ کے والدین بھی ہماری دولت اور گھر والوں کے حسنِ سلوک سے متاثر تھے اور یوں ہماری شادی ہوگئی......

''میں بہت خوش تھی کہ مجھے میری محبت مل گئی تھی۔ عروۃ الوثقیٰ کی طبیعت میں ٹھہراؤ تو پہلے سے ہی موجود نہ تھا۔ اوپر سے اس کی والدہ کی لگائی بجھائی نے میری راہ میں کانٹے بکھیرنے شروع کردیے۔ شادی کے ایک سال بعد ہی میری ساس نے مجھے بانجھ ہونے کے طعنے دینے شروع کردیے تھے۔ میں نے کئی بار ان کا ذکر وثقیٰ سے کیا...... وثقیٰ کو یہ پسند ہی نہ تھا کہ ہم شادی کے بعد ابتدائی سالوں میں ماں باپ بن جائیں۔ اس لیے اس نے سختی سے اس کا منع کردیا۔ میں چکی کے دو پاٹوں میں پسنے لگی۔ ساس کی خواہش تھی کہ میری گود میں بچہ کھیلے مگر شوہر اس بات کو پسند نہ کرتا تھا اور نہ ہی اپنی والدہ کو اس بارے میں کچھ بتانے کے حق میں تھا۔

''پھر یہی بات جھگڑے کا باعث بننے لگی۔ بظاہر بڑی ہمدرد، بڑی ملنسار سمجھی جانے والی عورت...... جس کا معاشرے میں ایک مقام بھی ہو اور اعلیٰ حکومتی عہدے دار اس کی مٹھی میں بند بھی ہوں، جب گھر میں ساس کا روپ دھارتی، تو وہ کسی ناگن سے بھی زیادہ زہریلی بن جاتی۔ اوپر سے وثقیٰ اس کے اس قدر زیرِ اثر تھا کہ وہ اگر دن کو رات کہتی تو وثقیٰ آنکھیں بند کرکے اس پر یقین کرلیتا...... بات یہیں سے بگڑنے لگی تھی......

''اور پھر اب تو وہ رات رات بھر گھر سے باہر رہتا...... وہ خود تو عیاشیاں کرتا پھرتا تھا مگر میں اس کے گھر کے پنجرے میں کسی بے بس پنچھی کی طرح تڑپتی رہتی۔ میں نے کئی بار اس سے اس کی والدہ کے رویّے کی شکایت بھی کی مگر ہر بار میری شکایت پر وثقیٰ ایک ہنگامہ کھڑا کردیتا اور پھر اب تو وہ میری پٹائی بھی کرنے لگا تھا۔

''مجھے وہ رات کبھی نہ بھولے گی۔ جب رات کے پچھلے پہر وثقیٰ میرے بیڈروم میں آیا تو اس کے ساتھ ایک بڑی ہی خوبصورت اور جوان لڑکی بھی تھی۔ میرے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ وہ اس کی دوست ہے اور رات یہیں گزارے گی۔

''مگر یہ میرا کمرا ہے۔ کسی فاحشہ کا کمرا نہیں۔ میں نے غصے میں کہا تو وثقیٰ نے مجھے اسی بات پر پیٹنا شروع کردیا۔ ہنگامے کی آواز سن کر میری ساس آگئی...... تو اس نے بھی بیٹے کو سمجھانے کے بجائے مجھے برا بھلا کہنا شروع کردیا۔

''اس کتیا کو آج ہوش کیسے آگیا......'' میرے شوہر نے چیخ کر پوچھا۔

''شاید آج کہیں کوئی بھول ہوگئی ہے......'' اس کی والدہ نے ترشی سے جواب دیا۔ ''صبح اس بشیراں کی بچی سے پوچھوں گی......''

رات تو جیسے تیسے گزر گئی۔ اگلی صبح جب گھر کی نوکرانی بشیراں کام پر آئی تو میرے سامنے ہی میری ساس نے اسے ڈانٹتے ہوئے پوچھا......

''کم ذات...... رات دودھ میں دوا ملانا بھول گئی تھی۔''

''جی...... بی بی جی...... بھول ہوگئی......'' بشیراں نے ہکلاتے ہوئے جواب دیا۔

''ذلیل...... کمینی...... میں نے تمہیں سختی سے کہہ رکھا تھا کہ چھوٹی بی بی کے دودھ میں دوا ملادیا کرو۔ رات اس کی طبیعت خراب ہوگئی...... تمہاری ذرا سی غلطی سے رات بھر یہاں تماشا ہوتا رہا۔ یہ تو شکر ہے کہ اس نے یہاں کچھ دیکھا ہی نہ تھا۔ پہلے آنکھ کھل جاتی...... تو جانے کیا ہوتا......''

اتنا کہہ کر اس نے آگے بڑھ کر اس کے بال پکڑ لیے اور اسے جھٹکا دیا تو وہ زمین پر گر پڑی...... پھر میں نے دیر تک اس کی صرف چیخیں ہی سنی تھیں۔ میں حیران تھی کہ ہر رات مجھے اس قدر پیار اور بھی ڈانٹ کر دودھ کیوں پلایا جاتا تھا تاکہ میں بے ہوش پڑی رہوں اور یہ لوگ کھل کر کھیلتے رہیں۔ اس بات کے انکشاف نے مجھے اور بھی دہلا کر رکھ دیا تھا......

''پھر اس روز میں واپس والدین کے ہاں آگئی...... یقیناً وہ لوگ ایک بہت بڑا گینگ تھے۔ برائیوں کا گڑھ یا ایک خطرناک مافیا...... آپ جو بھی انہیں کہہ لیں، وہ کم ہے۔ خطرناک سے خطرناک کام کرانا، قتل اور اغوا ان لوگوں کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ اسی لیے میں نے وہاں دوبارہ جانے سے انکار کردیا۔''

اس کی داستان ختم ہوئی تو میں نے اسے لے جاکر دعویٰ دائر کردیا۔ وہ تو چلی گئی مگر میرے ذہن میں اک نئی داستان چھوڑ گئی۔ وہ واقعی مظلوم تھی۔ مجھے اس کے ساتھ نہ جانے کیوں ہمدردی سی ہونے لگی تھی۔ میں نے ذاتی دلچسپی لے کر عدالت سے اس کے نام سمن جاری کروالیے۔ مجھے میری کوشش تھی کہ ایک دو تاریخوں میں ہی

اس کی جان چھوٹ جائے۔

میں نے غور سے چہرے کو دیکھا کہ نظروں کو ... تھے اس روز عدالت میں ان کی شکل دیکھی تھی۔ مجھے اس وقت ماہ جبیں کا خون آیا تھا۔

"شاہ زیب جی..... کل پھر وہ لڑکی کو ملا تھا۔ اسے معلوم ہو گیا ہے اور اس نے مجھے عدالت سے اٹھا لے جانے کی دھمکی دی ہے۔ مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔"

"کوئی بات نہیں۔ میں بندوبست کروں گی۔"

میں نے اسے اطمینان دلایا۔

شاید اسی لیے میں نے آتے ہی مقامی پولیس اسٹیشن سے مدد طلب کی تھی اور اس کی حفاظت کے لیے بندوبست کیا تھا۔ عدالت کے کمرے کو کئی دو گھنٹے بعد میں اسے لے کر عدالت میں آ گئی تھی۔ ہم عدالت کے باہر احاطے میں کھڑے تھے کہ ایک کیس کی کاروائی ختم ہوئی اور جج اٹھ کر اپنے چیمبر میں چلے گئے۔

"آؤ چلیں..... ماہ جبیں نے کہا تو میں نے کہا۔

"ٹھیک ہے..... میں نے پولیس کی گاڑی کو اشارہ کیا۔ ابھی ہم آگے بڑھے ہی تھے کہ اچانک ایک دوسرے سے سوال جواب کر رہے تھے جب سفید رنگ کی ایک موٹر آ گئی..... اس میں سے وہ لڑکا باہر نکلا..... اور یہ وہی لڑکا تھا..... وہی بدمعاش..... وہی شخص جس نے انداز میں حرکت اور غصے..... وہ چلتا ہوا میرے قریب سے گزرا اور آگے بڑھ کر ماہ جبیں کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

"اگر میں غلط نہیں..... تو..... تم.....!" وہ بات کرتے کرتے رک گیا۔

"آپ غلطی پر ہیں جناب..... کیونکہ ہم دونوں اور آپ اسی طرح کے لوگ ہیں۔ اس معاشرے میں رہنے والے وہ لوگ جو جنسی رشتوں کے اندر بھی بچے بڑھتے ہیں سراب کا شکار ہوتے رہتے تھے۔ ہم بھی تھے۔ جو جگہوں کے گھروں سے جاتے تھے وہ حالات کی گرم آندھی اڑتی ہوئی آتی ہے۔ میں شاید وہاں موجود تھی....."

میں اس سے بات کر رہی تھی تو ماہ جبیں کے والد کے ساتھ عدالت کی دیوار سے لگی کھڑی کانپ رہی تھی۔

"ہاں..... آج کل وکیل کی وردی پہن کر تم میرے خلاف کیسے کھڑی ہو گئی کہ جیسے اس کی وکیل بھی ہو....."

اس نے جونہی چہرے سے دیکھا اعلان کیا اور پھر اس نے بچے کی جانب دیکھا جو اس کے پاس تک

کھڑے تھے۔

"ایک موقع ملا ہے وکیل صاحب..... تو کیوں نہ ہم باہر ہی یہ معاملہ طے کر لیں۔ میں اسے چھوڑ سکتا ہوں..... زندہ اور ٹھیک کے لیے..... اگر تم..... میرے پاس لوٹ آؤ تو....."

اس کی گفتگو میں انتہائی نامناسب جھلک رہا تھا۔

"اب یہ تو آپ ہی آزاد ہو جانے کی جھلک ہے۔" اس کے لہجے میں دھمکی تھی۔

اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور کہتا..... ماہ جبیں کے والد کو نہ جانے کہاں سے اس قدر جوش آ گیا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر ایک زناٹے دار تھپڑ اس کے گال پر جماتے ہوئے کہا۔

"تم ہو ہی ایسے..... تم جیسے..... کیا سمجھتے ہو؟ معاشرے کی ہر لڑکی تمہاری بات گزارا ہے۔ اور صرف تمہاری دسترس میں ہے..... میں ماہ جبیں کا باپ ہوں، کوئی فرق نہیں ہوتا..... تم نے ایسی بات کرنے کی جرأت کیسے کی؟"

اس کے بعد لڑکی نے تو گولی کی آواز سنائی دی۔ میں نے بڑی مہارت اور جرأت کے ساتھ ماہ جبیں کو کھینچا اور عدالت کے کمرے میں لے گئی۔ ماہ جبیں نے دوسرے ہاتھ سے اپنے والد کو پکڑ کر کھینچ لیا تھا۔ ہم دونوں کمرے کے اندر چھپ گئے اور عدالت کے باہر..... نہ جانے کب تک فائرنگ ہوتی رہی..... کوئی گولیاں چلتی رہیں..... پھر جلد ہی سب پولیس کی گاڑی آ گئی تھی۔

ہمیں علم نہیں تھا ہم کب وہاں سے نکلے گئے..... سارے نامزد لوگ مارے گئے اور کئی زخمی ہوئے۔ بابا کو بچا لیا گیا، اگلے روز میرے ساتھ وکلاء نے نہ صرف عدالت کا بائیکاٹ کیا بلکہ جب تک نعمت اور اس کے ساتھیوں کو گرفتار نہیں کیا جاتا۔ انہوں نے احتجاج کا سلسلہ جاری رکھا..... ویسے آج بھی تنظیم ہے..... ماہ جبیں کی شادی ہو چکی ہے اور وہ خوش ہے۔ شاہ زیب کے والد اور دوسرے دوستوں نے بے پناہ دعاؤں کے ساتھ ہی زندگی کی ضمانت اسی لیے تک ہو پائی۔ کسی شاہ زیب خان ہے۔ اپنے وقت کے ایک بہترین ایڈووکیٹ محسن خان کی بیٹی..... جو ایک عرصہ گزرنے کے بعد بھی اس راستے پر چلنے کی خواہش مند ہے..... جہاں چلتے چلتے اچانک سراب بھی نظر آنے لگتے تھے۔ شاید اب یہ سراب ہی اس کی زندگی بچا بیٹھے تھے۔

باعثِ زحمت

اے ایچ آلائی

کبھی چوروں کو پڑتے ہیں مور اور کبھی کہیں ڈاکوئوں کی ہو جاتی ہے چاندی... اسے ہی مقدر کی شرارت کہتے ہیں۔ جس سے جان جانے کا خطرہ تھا، وہ ہی جی جان سے اپنی جان نچھاور کر بیٹھا... یہ تو کمال ہو گیا جس پر ہر کوئی حیران تھا... واقعی قسمت کے کھیل نرالے ہوتے ہیں۔

مغرب سے درآمد شدہ ایک ڈکیتی کا سنسنی خیز احوال

مرد زنانہ موزے کو چہرے پر چڑھائے ہوئے تھا اور کیشیر سے کہہ رہا تھا۔ ''تمام رقم اس تھیلے میں ڈال دو۔'' اس نے ایک بڑا سا تھیلا کیشیر کے سامنے رکھ دیا۔ بینک میں اس وقت عملے کے علاوہ پانچ افراد موجود تھے۔ ان میں سے تقریباً سب ہی چیخ پڑے۔ ڈاکو فوراً ان کی طرف مڑا اور دھمکی آمیز لہجے میں بولا۔

''اگر آپ میں سے کسی نے ذرا حرکت کی تو اس کا انجام اچھا نہ ہوگا۔'' اس کے ہاتھ میں ریوالور دیکھ کر سب سہم گئے تھے۔

کیشیر ابھی تک کچھ متردد تھا۔ ڈاکو نے اسے ڈانٹا۔

''جلدی کرو، ورنہ......'' کیشیر طنزیہ انداز میں بولا۔

''ابھی دیتا ہوں مگر آج قسمت خراب ہے باس! آج تو میرے پاس آٹھ ہزار ڈالرز سے زیادہ رقم ہے ہی نہیں۔'' یہ کہہ کر اس نے اپنا ڈبا کھولا اور نوٹوں کی گڈیاں نکال کر تھیلے میں ڈال دیں۔

جب ڈاکو مطمئن ہو گیا تو بولا۔ ''ٹھیک ہے، میں ان میں سے ایک کو اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں۔''

اور ہاتھ بڑھا کر ایک عورت کا بازو پکڑ لیا جو سیاہ ماتمی

کار پہنچے ہوئے تھی۔ ’’مجھے چھوڑ دو۔‘‘ اس نے اپنے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

عورت فریاد کرنے لگی۔ ’’مجھے چھوڑ دو... خدا کے لیے مجھے چھوڑ دو۔ تمہیں غلط فہمی [illegible] ہوں۔ ابھی تو میرے شوہر کو مرے چند ہی روز ہوئے ہیں، میرے حال پر رحم کرو۔‘‘

ڈاکو نے اسے دھکا دے کر چھوڑ دیا۔ ’’خاموش رہو۔ میں تمہارے شوہر کی جگہ پُر کرنے آیا ہوں۔‘‘

عورت نے جدوجہد کرنا چاہی مگر ڈاکو نے اسے [illegible] باہر لے گیا اور ایک کار میں دھکیل دیا۔ عورت زور زور سے چلانے لگی مگر کار فراٹے بھرتی ہوئی [illegible] ہو گئی۔

اگلے روز کے اخبارات بینک میں ڈکیتی کے واقعے سے بھرے ہوئے تھے۔ ان میں ڈاکو کی دیدہ دلیری کے چرچے تھے اور یہ سوال بھی تھا کہ آخر وہ بیوہ عورت کون تھی جسے ڈاکو [illegible] لے گئے تھے۔ اس کا جواب تو پولیس افسران کے پاس بھی نہیں تھا جو اس ڈکیتی کی تفتیش پر مامور کیے گئے تھے۔ انہوں نے بینک میں موجود [illegible] سے [illegible] عورت کا نام معلوم کر لیا تھا [illegible] وہ بینک میں اکاؤنٹ کھولنے آئی تھی۔

پولیس افسر نے مزید تفتیش کی تو اسے یہ اندازہ ہوا کہ وہ عورت اس شہر کی رہنے والی نہیں تھی۔ ممکن ہے وہ شوہر کے انتقال کے بعد یہاں آئی ہو اور اسی لیے بینک میں اکاؤنٹ کھولنے آئی ہو۔

ابھی وہ اس بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ بینک کے منیجر نے پولیس افسر کو فون کیا۔ ’’آپ کے لیے ایک اطلاع ہے۔ [illegible] اسی ڈاکو نے فون کیا تھا [illegible] اس کے بعد ہی وہ اس عورت کو آزاد کرے گا۔‘‘

افسر نے پوچھا۔ ’’اس نے یہ بھی بتایا کہ وہ رقم کس طرح وصول کرے گا؟‘‘

’’کہاں تک [illegible] ہے کہ [illegible] ایک سوال بھی کیا تھا۔ اس نے کہا ہے کہ وہ کسی کو بھیج کر بینک سے رقم منگا لے گا۔ شرط یہ ہے کہ [illegible] میں اسے پہچانتے ہوں۔‘‘

’’بہت خوب! اس سے اچھی کیا بات ہے۔ ہم اس شخص کا پیچھا کر کے اس کی اصلی جائے رہائش تک پہنچ سکتے ہیں۔‘‘

’’لیکن اس نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر اس کے آدمی کا ایک بال بھی بیکا ہوا یا کسی نے اس کا پیچھا کیا تو وہ عورت کو قتل کر دے گا۔‘‘

’’اور سے آپ فکر نہ کریں، [illegible] آتا ہوں۔ بہر حال اب محترم [illegible] صاحب سے [illegible] کی تلاش کی جائے گی۔ البتہ چند لمحوں کی خاموشی سے اس کا پیچھا کرنے کے بعد یہ معلوم ہو جائے گا کہ وہ رقم کس کو دیتا ہے۔ اس نے یہ بتایا ہے کہ وہ اس بیوہ عورت کو کب آزاد کرے گا؟‘‘

’’رقم کی وصولی کے ایک روز بعد۔‘‘

’’بہت خوب! اچھا اب آپ کی پریشانی کا وقت ختم [illegible] کیا آپ نے پولیس کو اطلاع کر دیا ہے۔ میں خود بینک منیجر کے روپ میں بینک میں موجود ہوں گا۔‘‘

چار بجے جب بینک کے کاروباری اوقات ختم ہو چکے تھے، ایک ٹیکسی بینک کے سامنے آ کر رکی تھی [illegible] ایک [illegible] باہر نکلا [illegible] اس نے ٹیکسی ڈرائیور کو اشارہ کیا اور بینک میں داخل ہو گیا۔ اس کے ہاتھ میں [illegible] رنگ کا ایک بڑا بریف کیس تھا۔ اس نے اندر آتے ہی [illegible] کاؤنٹر پر رکھ دیا اور منیجر سے بولا۔

’’میں رقم لینے آیا ہوں۔‘‘

پولیس افسر نے [illegible] منیجر کے روپ میں [illegible] نوٹوں کی گڈیاں بریف کیس میں [illegible] اس کے حوالے کر دیا۔ وہ مطمئن ہو کر باہر نکل گیا اور ٹیکسی کی پچھلی نشست پر بیٹھ گیا۔

پولیس افسر [illegible] کے پیچھے [illegible] کار میں بیٹھ کر جلدی جلدی [illegible] ٹیکسی کے [illegible] پولیس [illegible] کو اطلاع دینے میں مصروف ہو گیا۔

’’ٹیکسی نمبر 15173 [illegible] شہر سے [illegible] کی طرف جانے والی سڑک پر جا رہی ہے۔ اس پر نظر رکھی جائے۔ [illegible] کی ضرورت نہیں ہے۔ ٹیکسی میں بیٹھے ہوئے شخص کا [illegible] پیچھا کرنا ہے۔‘‘

جب پولیس افسر نے ٹیکسی کی [illegible] کے بارے میں [illegible] ٹیکسی [illegible] ایک ہوٹل کے پاس جا کر رک گئی اور نوجوان [illegible] کر ہوٹل میں چلا گیا۔ پولیس افسر نے [illegible] اطلاع [illegible] اسے کہا۔ ’’تم [illegible] سے ایک شخص اس نوجوان کے پیچھے ہوٹل میں جائے کیونکہ ممکن ہے وہ ہوٹل میں کسی کو بریف کیس دے دے اور باقی [illegible] ہوٹل کے سامنے موجود رہیں۔ میں بھی وہیں آ رہا ہوں۔‘‘

جب پولیس افسر [illegible] کے سامنے [illegible] پہنچا تو [illegible] پولیس کے ایک [illegible] نے اسے بتایا کہ وہ نوجوان اب تک

ہوٹل میں بیٹھا ہے۔ بریف کیس اب بھی اس کے پاس ہے۔
وہ ہوٹل میں داخل ہو گیا۔ نوجوان چائے سامنے رکھے بیٹھا تھا اور بریف کیس اس کے دونوں پیروں کے درمیان رکھا ہوا تھا۔ وہ ایک کونے کی میز پر بیٹھ گیا۔ اس کی تمام تر توجہ اسی نوجوان کی طرف تھی۔ بہت دیر ہو گئی یہاں تک کہ ہوٹل کے بند ہونے کا وقت آ گیا مگر وہ اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اسے کسی کا انتظار ہے کیونکہ وہ ہر آنے جانے والے کو متوقع نظروں سے دیکھتا تھا۔

جب ایک بیرے نے تمام گاہکوں سے درخواست کی کہ اب وہ باہر تشریف لے جائیں کیونکہ ہوٹل بند ہونے والا ہے تو وہ نوجوان نیم دلی سے باہر نکل گیا۔ ایک دو منٹ باہر کھڑا آنے جانے والوں کو غور سے دیکھتا رہا اور پھر ایک طرف چل پڑا۔

پولیس افسر فوراً اس کے پاس پہنچا۔ وہ بہ مشکل سولہ سترہ سال کا رہا ہوگا۔

''بیٹے! کیا بات ہے، تم جس کا انتظار کر رہے تھے، وہ نہیں آیا؟''

نوجوان ٹھٹک کر رک گیا اور بولا۔ ''آپ...... آپ کون ہیں؟''

''میرا تعلق پولیس سے ہے اور یہ میرا کیس ہے...... مگر مجھے تم سے نہیں، اس بریف کیس سے دلچسپی ہے۔''

''مگر کیوں؟ آپ اطمینان رکھیے اس میں بم نہیں ہے۔''

''یہ تو مجھے بھی معلوم ہے لیکن اس میں جو شے ہے، وہ بم سے زیادہ اچھی ہے۔ اب تم میرے ساتھ پولیس کار میں آ جاؤ تاکہ کچھ گفتگو ہو سکے۔''

نوجوان با دلِ ناخواستہ اس کے ساتھ آ گیا۔

''جس نے تمہیں بینک بھجوایا تھا، وہ کون ہے اور اب کہاں ملے گا؟''

نوجوان صاف گوئی سے لہجے میں بولا۔ ''میں اس کو نہیں پہچانتا۔ کل مجھے ایک اجنبی آدمی ملا تھا اور اس نے مجھے یہ بریف کیس دے کر کہا تھا کہ اگر میں بینک جا کر اس کی امانت اس میں لے آؤں تو مجھے ایک ہزار ڈالرز انعام دے گا۔ حسنِ نیت کے مظاہرے کے طور پر اس نے یہ رقم مجھے پہلے ہی دے دی۔ اس نے مجھے یہ بھی ہدایت کر دی تھی کہ مقررہ وقت پر ایک ٹیکسی مجھے ایک طے شدہ مقام پر مل جائے گی۔ مجھے اسی میں آنا اور جانا ہے۔ پھر ہوٹل میں پہنچ کر وہ بریف کیس مجھ سے حاصل کر لے گا۔ پتا نہیں وہ کیوں نہیں آیا۔ اب مجھ میں نہیں آتا کہ اس رقم کا کیا کروں؟ اور اس آدمی کے آنے تک اسے کہاں رکھوں؟''

پولیس افسر نے بریف کیس اس کے ہاتھ سے لے کر کھولا۔ اسے کھولتے ہی اس کا چہرہ فق ہو گیا۔ اندر کاغذ کے ٹکڑے بھرے ہوئے تھے۔

پولیس افسر کو نوجوان کی باتوں پر شک نہیں تھا لہٰذا اس نے پوچھا۔ ''مجھے تفصیل سے بتاؤ کہ بینک سے نکلنے کے بعد ہوٹل تک پہنچنے کے درمیان کیا کیا ہوا۔ بریف کیس اس تمام وقت میں تمہارے ہاتھ میں تھا یا نہیں؟''

''نہیں! ڈرائیور نے بریف کیس میرے ہاتھ سے لے کر پچھلی سیٹ پر رکھ دیا تھا اور اترتے وقت مجھے اٹھا کر دے دیا تھا۔''

''اوہ میں سمجھا'' وہ بے ساختہ بولا۔ ''یہ ڈاکو تو میری توقع سے بھی زیادہ ہوشیار ہے۔ وہ ایک جیسے دو بریف کیس لایا ہوگا۔ خیر، کوئی بات نہیں۔ ٹیکسی کا نمبر میرے پاس محفوظ ہے۔ اس کے ڈرائیور سے معلوم ہو جائے گا۔''

لیکن اس کی یہ امید بھی اس وقت دم توڑ گئی جب اسے یہ معلوم ہوا کہ ٹیکسی چوری کی تھی اور اس کی نمبر پلیٹ بھی بدل دی گئی تھی۔ کام ختم ہو جانے کے بعد ٹیکسی کو ایک سڑک کے کنارے کھڑا کر دیا گیا تھا۔

اگلے روز بینک کے منیجر کو اسی سیاہ پوش عورت کا ٹیلی فون وصول ہوا۔

''میں آپ کی بے حد شکر گزار ہوں جناب کہ آپ نے میری جان کی خاطر بیس لاکھ قربان کر دیے۔''

منیجر خوش ہو کر بولا۔ ''مسز گروبر! آپ آزاد ہو گئیں؟ خیریت سے تو ہیں نا؟''

''جی ہاں! آپ کا بہت بہت شکریہ!''

''شکریہ کس بات کا خاتون! رقم تو آتی جاتی ہے۔ انسان کی جان کا بدل نہیں مل سکتا۔ مگر آپ ہیں کہاں؟ پولیس تو آپ کی تلاش میں ہے...... تاکہ ان ڈاکوؤں کا کچھ پتا چل سکے۔''

عورت بولی۔ ''میں مجبور ہوں جناب! ان مجرموں نے مجھے تنبیہ کی ہے کہ اگر میں نے زبان کھولی تو مجھے فوراً ہلاک کر دیا جائے گا۔'' یہ کہہ کر اس نے فون رکھ دیا۔

چھ ہفتے بعد پولیس افسر کو جنوبی امریکا سے ایک خط موصول ہوا۔ یہ خط ٹائپ کیا ہوا تھا۔ اس میں لکھا تھا۔

''ہم دونوں تفریح میں مشغول ہیں اور آپ کو جو زحمت ہماری وجہ سے ہوئی ہے، اس کے لیے معذرت خواہ ہیں۔''

نیچے مسٹر اینڈ مسز گروبر کے دستخط تھے۔

وقت

تحریر: [illegible]

موت کے کنویں میں بھی کبھی وقت جس کو تھام رکھا ہے

بچا ایک لمحے پر جرم وار کی باتیں کی

کسی خوبصورت ... مشق ... ایک

[illegible]

وقت بااختیار اور کائنات کی ہر شے اس کی رعایا ہے لیکن ... اس کی حد کوئی نہیں
کہیں دیکھتی ہے۔ اس کے باوجود بھی وقت روپ بدل بدل کر
سامنے آن کھڑا ہوتا ہے۔ جس کی گردش انسان کی زندگی
میں بہت اہم کردار ادا کرتی ہے۔ یہ ایک ہی پل میں
کسی کو بادشاہت سے نوازتا ہے اور کسی کو زمین
کی خاک چاٹنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ کبھی دن
اور رات میں ڈھل کر عمر رواں کا نام پاتا ہے اور
موسم کی طرح گزر جاتا ہے۔ کبھی مہربان
اور مخلص دوست بن جاتا ہے اور کبھی
سفاک دشمن کا کردار ادا کرتا ہے۔ کبھی
محبت بن کر پوشیدہ پہلو بھی بکھیر دیتا ہے اور
کبھی درد کی صورت اسیر کر لیتا ہے
ٹھہراؤ نہیں دیتا ہے۔ چونکہ یہ کسی کا غلام
نہیں اسی لیے کسی کی پروا بھی نہیں
کرتا ... اتنا سنگدل ہے جو اس کی پروا
نہیں کرتا [illegible] ماں مارتا ہے کہ پیچھے کو مڑ کر
پاؤں تک نہیں ہلتا اور اتنا ہی آسان رہی ہے کہ [illegible]
اپنی مرضی سے مہربان ہو جائے اس کی لڑکی تو کبھی
سبھی خود ملا کر عروج عطا کرتا ہے مگر شرافت نے بلند کی [illegible]
لڑکی [illegible] دیکھتا ہے جتنی ... تھوڑی میں تب [illegible] آتا ہے۔ وہ بھی اب ایسے ہی
مہربان لمحے کا اسیر تھا ... جسے یہ تک خبر نہ تھی کہ وہ کون ہے اور کس خاندان سے
وابستہ ہے۔ جس کی اپنی کوئی شناخت نہ تھی اس کی بار خود اس کو داستان حیات
میں جاننے والوں کی کمی نہ تھی۔ دو مختلف معاشرے اور تہذیبوں کا حسین
امتزاج ... ایک ایسا سلسلہ جو برسوں یاد رہے گا۔

کی کا سینٹ قریب آ گیا تھا۔ مجھ گہری تجربی سے اپنے مجرموں کی جانب قدم بڑھا رہا تھا۔ اگرچہ بن! اصل مقصد تھا واردات سے اپنے سفر کا آغاز کرو۔ اتفاق سے فضا میں بھی کچھ ایک خاص قسم کی حدت اور خوشبو موجود تھی۔

میرے نکار امداد سے کے مطابق اسی وقت دروازے پر وہ دستک دی گئی۔ قریب دس بجے کا وقت تھا۔ یہ وہ رات کا ذکر ہے جب مجھے اسی وقت فضا سے فوار اسٹور کے اندر تھا۔ یہ اسٹور "سرکل اسے" کے نام سے جانا جاتا تھا۔ "سرکل اسے" ایک گروسری اسٹور تھا جو امریکا اور دنیا کا زنجیر میں خاصی شہرت کا حامل تھا۔ پورے امریکا اور ریاست ٹیکساس میں واقع ایک کار ڈی ہے جس کے تحت شفٹوں میں "سرکل اسے" کو بڑی گہری میں بھی اسی ایک شفٹ میں کام کرنا تھا۔

لیکن اور ٹیکساس کا موسم کو ویسے ایک جیسا ہی ہے اور ٹیکساس کے مختلف شہر، خصوصاً ہیوسٹن کے ماحول کے باعث و سمجھتے ہیں کہ بیک ڈراپ جیسا ہی نظر آتا ہے۔ یہاں کے موسم ہمیشہ کچھ گرم اور مرطوب ہی رہتے ہیں۔

ایک شفٹ میں ہم دو افراد پاس اسٹور کو چلا رہے تھے۔ ہماری ڈیوٹی رات گیارہ بجے تک تھی۔ بار ہ شفٹ کے بعد وہ پھر دوبارہ تک ہوا کرتی تھی اور اس شفٹ میں بھی دو افراد ہی کام کرتے تھے۔ مقامی طور پر اسی حوالے کی وجہ سے "سرکل اسے" میں تیسری شفٹ میں کام نہیں ہوتا تھا۔ رات گیارہ بجے اسٹور بند کر دیا جاتا تھا جبکہ دوسرے شہروں میں اسی نوعیت کے اسٹور چوبیس گھنٹے کھلے رہتے تھے اور رات گیارہ بجے سے صبح سات بجے تک والی تیسری شفٹ کو بارہ شفٹ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

میں نے دیوار گیر گھڑی پر نگاہ ڈالی۔ گیارہ بجنے میں دس منٹ کا وقت باقی تھا۔ میری ہتھیلی میں ایک کھجلی سی ہوئی تھی۔ آج مجھے گھر کا انتظار اس لیے بھی تھا کہ یہاں سے نکلنے کے بعد مجھے ستارہ سے ملاقات کرنا تھی۔ ستارہ میری ایک خاص دوست تھی۔ ستارہ کا تعلق بنگلہ دیش سے تھا۔ وہ ایک طویل عرصے سے ٹیکساس ہی میں مقیم تھی۔ ہماری دوستی زیادہ پرانی نہیں تھی تاہم اسے گہری دوستی ضرور کہا جا سکتا تھا۔

میرے ساتھی نکار نے مجھ سے کہا۔ "علی! لگتا ہے گرمی نے کسٹمرز کی ہمت ماردی ہے۔ وہ ہمارے اسٹور کا راستہ ہی بھول گئے ہیں۔"

"اگر یہ اسٹور کا راستہ بھول گئے ہیں تو ہمارے کیلئے تو بہتری ہی ہو جائے گی۔" میں نے اسٹور کے ایک کونے میں موجود کولرز کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"کولرز امریکی اسٹورز کی ایک خصوصی اصطلاح ہے۔ آپ اسے شیشے کے فریج سمجھ لیں۔ کولرز میں تمام اقسام کے مشروبات رکھے جاتے ہیں، بیئر اور دیگر مشروبات کے کین رکھے جاتے ہیں تاکہ وہ ٹھنڈے رہیں۔ مشروبات کے کین میں کولڈ ڈرنک ہوتا ہے جو موسم گرما میں بہت چلتا ہے۔ "سرکل اسے" میں بیئر یعنی شراب فروخت نہیں کی جاتی۔

"تم ٹھیک کہتے ہو علی۔" وہ تھوڑی اداسی کے ساتھ بولا۔ "گرم موسم کا اثر ہے۔ تیرا اسٹور بند کرنے سے پہلے ہمیں کولرز کو بھرنا ہوگا۔"

"بے شک! یہ تو جاب کا حصہ ہے نکار۔" میں نے کہا۔ "ہر شفٹ والوں کو یہ شیڈول کرنا ہوتا ہے۔"

نکار کا تعلق پاکستان سے تھا۔ اس کی فیملی امریکا میں رہتی تھی۔ اس نے امریکا ہی میں شادی کر لی تھی اور اس کی بیوی کے ساتھ ہیوسٹن ہی میں رہا کرتا تھا۔ اس کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ نکار کی عمر پینتیس سال تھی اور وہ ٹھنڈے ماحول سے محبت کرتا تھا۔ وہ کئی سال پہلے امریکا آیا تھا اور کافی عرصہ کام کر رہا تھا۔

ہم دونوں کے درمیان بات چیت کا سلسلہ جاری تھا کہ دو نوجوان لڑکے اسٹور میں داخل ہوئے۔ دونوں کی عمریں بیس کے لگ بھگ تھیں۔ وہ خوبصورت شکل سے عام سے لڑکے تھے اور ان کے لباس ٹیکساس میں رہنے والے عام افراد کی طرح تھے۔ جینز اور ٹی شرٹ پہنے ہوئے تھے۔ ہاتھ میں ٹوپی تھی جو ٹیکساس کے کاؤبوائز کی پہچان ہے جیسا کہ ٹی وی پر نظر آتے ہیں۔

دونوں لڑکوں نے اسٹور میں آنے کے بعد کسی کا انتظار نہیں کیا اور اسٹور کا جائزہ لینے میں مصروف ہو گئے۔ جس شیلف پر کیل کی بوتلیں رکھی تھیں، اسی شیلف کو انہوں نے بغور دیکھا پھر اسٹور میں نصب سی سی ٹی وی کیمروں پر نگاہ ڈالی اور چپ چاپ اسٹور سے باہر نکل گئے۔

"یہ کیا بات ہوئی....." نکار نے حیرانی سے کہا۔ "اگر کچھ خریدنا ہی نہیں تھا تو پھر اس طرح اسٹور کا معائنہ کیوں کیا؟ لگتا ہے وہ ہمارا وقت برباد کر گئے۔"

نکار کا اشارہ ان دو لڑکوں کی طرف تھا جو چند لمحے پہلے اسٹور سے نکلے تھے۔ میں نے کاؤنٹر کی سمت بڑھتے ہوئے کہا۔

''نظار! ہماری تو یہ ڈیوٹی ہے جس کی ہمیں تنخواہ ملتی ہے لہٰذا ہمارا وقت برباد ہونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور جہاں تک ان کے وقت کے برباد ہونے کا تعلق ہے تو ہمیں اس سے کیا لینا دینا۔ تم نے وہ شعر نہیں سنا......''

''کون سا شعر؟'' اس نے بے ساختہ پوچھا۔

میں نے کولرز کو بھرتے ہوئے جواب میں یہ شعر سنا دیا۔

''کیوں اداس پھرتے ہو سردیوں کی شاموں میں
اس طرح تو ہوتا ہے اس طرح کے کاموں میں''

''یار علی! تم بھی کمال کرتے ہو۔'' اس کی بیزاری میں اضافہ ہوگیا۔

میں نے اپنے کام کو جاری رکھتے ہوئے پوچھا۔ ''میں نے ایسا کیا کر دیا جو تمہیں کمال نظر آرہا ہے؟ کولرز کی فلنگ تو روز کا معمول ہے یار۔''

''میں کولرز کی فلنگ کی بات نہیں کر رہا۔'' وہ جھنجلاہٹ آمیز لہجے میں بولا۔ ''یہ سردیوں کی نہیں، گرمیوں کی شام ہے۔''

''اوہ......!'' میں نے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے کہا۔ ''کیا فرق پڑتا ہے یار! شام تو شام ہی ہوتی ہے، گرمیوں کی ہو یا سردیوں کی اور جہاں تک ان دو میکسیکن کا تعلق ہے تو یار، یہ گاہک ہیں۔ کسی وقت بھی آسکتے ہیں۔ اسی لیے تو کہتے ہیں، موت اور گاہک کا کوئی بھروسا نہیں، یہ کسی وقت بھی آسکتے ہیں۔''

ادھر میری بات ختم ہوئی، ادھر وہ دونوں میکسیکن دوبارہ اسٹور میں داخل ہوئے۔ اس وقت کاؤنٹر پر نظار اکیلا ہی تھا۔ میں عقبی حصے میں کولرز کی فلنگ میں مصروف تھا۔

انہوں نے نظار سے ایک لیٹر آئل والی بوتل خریدی اور ان میں سے ایک تیل والی بوتل لے کر اسٹور سے باہر نکل گیا۔ دوسرے نے نظار سے پوچھا۔

''آئل کے کتنے پیسے ہیں؟''

نظار نے اسے قیمت بتادی۔

میکسیکن نے ادائیگی کے لیے جیب سے پرس نکالنے کے بجائے گن نکال لی اور نظار کو نشانے پر رکھتے ہوئے غرایا۔

''پرس، کیش...... سب کچھ میرے حوالے کر دو...... ہری اپ!''

کولرز کے ساتھ مصروف میرے ہاتھ رک گئے اور میں نے پلٹ کر کاؤنٹر کی طرف دیکھا۔ شاید میکسیکن نے میرے چہرے پر کسی قسم کی مہم جوئی کے تاثرات دیکھ لیے تھے۔ وہ گن کو لہراتے ہوئے دھمکی آمیز لہجے میں بولا۔

''اے...... کوئی ہوشیاری نہیں ورنہ گولی ماردوں گا۔''

اس قسم کی صورتِ حال کے لیے اسٹور کے مالک نے ہمیں واضح احکامات دے رکھے تھے۔ ہمیں کسی بھی قیمت پر مزاحمت نہیں کرنا تھی لہٰذا نظار نے باس کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے اپنا پرس میکسیکن کے حوالے کر دیا۔ اس کے علاوہ کیش رجسٹر میں جتنے پیسے تھے، وہ رقم بھی بے چون و چرا اس گن بردار ڈاکو کو تھما دی۔

میکسیکن ڈاکو نے مال سمیٹنے کے بعد گن چلا دی۔ پہلی گولی نظار کے سینے میں لگی اور وہ کاؤنٹر کے پیچھے ڈھیر ہوگیا۔ دوسرا فائر اس نے راہ فرار اختیار کرتے ہوئے کیا تھا اور اس کا ٹارگٹ میں تھا مگر نشانہ خطا ہوگیا چنانچہ میں سلامت رہا۔

اس صورتِ حال نے مجھے بری طرح بوکھلا کر رکھ دیا تھا۔ ٹیکساس اسٹیٹ میں چوری ڈکیتی کی واردات کوئی نئی بات نہیں تھی اس لیے ہمیں مزاحمت کی اجازت نہیں تھی لیکن یہاں تو سب کچھ خلافِ توقع ہوا تھا۔ نظار نے گن بردار میکسیکن کا مطالبہ پورا کرتے ہوئے سارا کیش اس کے حوالے کر دیا تھا پھر فائر تک کا کوئی جواز نہیں بنتا تھا۔

میں بجلی کی سی سرعت سے چلتے ہوئے کاؤنٹر پر پہنچا اور کاؤنٹر کے پیچھے اسٹور کے فرش پر پڑے نظار کا جائزہ لیا۔ وہ شدید زخمی تھا۔ گولی نے اس کے دل کو چھید ڈالا تھا سینے پر سے اس کی شرٹ خون میں تر بتر ہو رہی تھی۔ اس کے بدن کو ہلکے جھٹکے لگ رہے تھے۔ وہ ابھی زندہ تھا۔ اسے فوری طبی امداد کی ضرورت تھی۔ ان لمحات میں میرا ذہن برق کی رفتار سے کام کرنے لگا۔ میں نے اگلے ہی لمحے ہنگٹن پولیس ڈیپارٹمنٹ فون کر کے اس سانحے کی اطلاع دی۔ اس کے ساتھ میں نے نائن الیون پر بھی ایک کال ماردی۔ اس کے بعد میں نے اسٹور کے مالک کو فون کیا۔ دوسری طرف فوراً کال اٹینڈ کر لی گئی۔ باس نے پوچھا۔

''علی! خیریت...... تم کافی گھبرائے ہوئے لگ رہے ہو؟''

''اسٹور میں ڈکیتی کی واردات ہوگئی ہے۔'' میں نے بتایا۔ ''میکسیکن ڈکیت سارا کیش لوٹ کر لے گئے ہیں اور نظار کو انہوں نے گولی ماردی ہے......'' آخری الفاظ ادا کرتے ہوئے میرا دل کٹ کر رہ گیا۔

''گگ...... کیا......؟'' دوسری جانب باس اچھل پڑا۔ ''میں نے تم لوگوں کو سختی سے منع کر رکھا ہے نا کہ کسی قسم کی مزاحمت نہیں کرنا۔''

''نظار نے مزاحمت نہیں کی تھی باس۔'' میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

"مجھ....؟" اس کی حیرت بھری آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔

"ہاں، جب اس گینگسٹر کی کارروائی ہو رہی تھی تو وہ ٹھیک نہیں تھا۔" میں نے کہا۔

"تم نے پولیس کو اس پر کال کی؟"

"کی گئی ہے۔" میں نے بتایا۔ "اور گینگسٹرز پولیس اب پارکنگ والوں کو اطلاع دے دی ہے۔"

"اوکے..... میں آرہا ہوں۔" پاپا نے مختصر لہجے میں کہا۔

اس کی بات ختم ہونے کے بعد آتے میں بھی جو گینگسٹرز سے الگ جگہ اندر گاڑی کے فاصلے پر موجود تھا۔ چرچ روڈ پر اس وقت کی ٹریفک تھی جب گینگسٹر پولیس کی پارکنگ میں صرف دو گاڑیاں موجود تھیں لیکن بہت ہجوم تھا۔ یہ چوک ہٹ کا فاصلہ تھا۔ لگتا اب تب کسی پولیس وہاں پہنچ رہی تھی۔

اسٹور کے اندر ہونے والی فائرنگ کی آواز باہر تک گئی تھی اور لوگ باہر ہی جمع تھے۔ وہاں سے دو افراد نکل کر میرے پاس پہنچ گئے اور صورت حال کو جاننے کے لیے مجھ سے مختلف سوالات کرنے لگے لیکن مجھے پتا ہوا ہے کہ اسٹور کے سامنے جو اب دو بڑی گاڑیاں رکی تھیں ان میں سے ایک میں ہی پولیس کی گاڑی کا سائرن بج رہا تھا۔ جلد ہی وہ گاڑی بھی رکنے لگی۔ جیتا یہ پولیس والے تھے۔

"سر کہاں ہے؟" کار کے سامنے کھڑی وہ گاڑی رکی تھی۔ ایک افسر کی گاڑی سے ساتھ وہاں اتار لیا گیا۔ گاڑی کے اندر سے چار افراد برآمد ہوئے۔ ان کے بدن پر پولیس کی وردی کا نام تھا۔ ان میں سے دو نے ایک افسر کو اشارہ کیا تھا۔

وہ لوگ اسٹور کے اندر پہنچ گئے۔ آپ وہیں تھیں نے شدید زخمی حالت میں گر پڑا اور گاڑی کی جانب دوڑ پڑے۔ باقی دو پولیس والے میرے پاس رک گئے۔ ان میں سے ایک سینئر تھا۔ اس نے چند لمحے سوچا پھر مجھ سے کہا۔

"تم بھی ساتھ آؤ۔"

"او کے۔" میں نے فرماں برداری سے کہا۔

"تم نے کیا بات ٹھیک کی تھی۔" افسر نے ہمیں پھر پوچھا۔ "گاڑی کو اسپتال پہنچا دیا ہے؟" میں اسپتال جانے کا ارادہ کر رہا ہوں۔"

پہلا افسر پھر گاڑی کا دروازہ کھول کر پھر میرا پولیس والا بھی گاڑی پر سوار ہو گیا۔ اگلے ہی لمحے گاڑی تیزی سے سڑک پر دوڑ رہی تھی۔ میں دل ہی دل میں قدرت کی مدد کا شکریہ ادا کر رہا تھا۔

ہماری گاڑی اسپتال پہنچی تو اسٹریچر پر ایک اور اسپتال کے گیٹ پر موجود تھا۔ گینگسٹر کے درمیان ایمرجنسی گاڑی کا فاصلہ تھا اس لیے گاڑی کو اسٹریچر کے ذریعے اندر منتقل کیا گیا تھا تاکہ اسے جلد از جلد طبی امداد دی جا سکے۔

پولیس آفیسر نے میری طرف متوجہ ہونے سے پہلے دونوں کو دیکھا۔ ایک ہی اسپتال میں زخمی پڑے دوسرا پولیس افسر تھا۔ اس نے اپنی مدد کے لیے ایمرجنسی سے دو افراد بلائے تھے۔ جس دوران میں گاڑی کا اسٹریچر منتقل کیا گیا پولیس آفیسر کی کرام گینگسٹر کو جانے کے لیے کسی طرف جا رہا تھا۔

"تمہارا نام؟" اس نے میرے چہرے پر نگاہ جماتے ہوئے سوال کیا۔

میں نے گہرے ہوتے ہوئے جواب دیا۔ "اسد علی۔"

"مسٹر علی، آپ کب سے کام کر رہے ہو؟"

"تقریباً ایک سال سے۔"

"تمہارے ساتھ اس گاڑی کا کیا نام ہے؟"

"نگار..... میں نے بتایا۔"

"اس وقت کیا تم اکیلے ہی تھے؟ اسٹور میں اور کون تھا؟" افسر نے دوسرا سوال کیا۔

"کوئی نہیں۔" میں نے نفی میں گردن ہلائی۔ "صرف ہم دونوں ہی تھے۔"

"اسٹور کا مالک کہاں ہے؟"

امریکا میں اسٹور کے مالک کو منیجر کہا جاتا ہے۔ میں نے بتایا۔ "پاپا اپنے گھر میں ہیں۔ میں نے انہیں اس واقعے کی اطلاع دے دی ہے۔"

"تمہارے منیجر کا کیا نام ہے؟" آفیسر نے پوچھا۔ "اور وہ کہاں رہتا ہے؟"

"شیخ خواجہ۔" میں نے بتایا۔ "وہ فیئر ماؤنٹ پارک میں جو لینڈ میں رہتا ہے۔"

ہمارے پاپا کا اصل نام خواجہ افتخار خواجہ تھا لیکن امریکی قانون کے مطابق ان کے نام کے ساتھ خواجہ لکھا تھا۔ "تم امریکا آنے سے پہلے کہاں کام کرتے تھے؟"

"کہیں نہیں، یہ میری پہلی جاب ہے۔" میں نے کہا۔ "میں اسٹوڈنٹ ہوں۔"

"گڈ!" اس نے ستائشی نظر سے مجھے دیکھا اور پوچھا۔ "کیا پڑھ رہے ہو؟"

"سائیکالوجی۔" میں نے بتایا۔ "براز وسپورٹ کالج سے بیچلر ڈگری کر رہا ہوں۔ امتحانات دے چکا ہوں۔ آج کل فارغ ہوں۔"

"تم نے بتایا کہ دو میکسیکن اسٹور میں آئے تھے۔" وہ تفتیش کے سلسلے کو دراز کرتے ہوئے بولا۔ "ایک آئل کی بوتل لے کر باہر چلا گیا۔ دوسرے نے گن نکال کر کیش لوٹا اور تمہارے ساتھی کو شوٹ کر دیا... ہوں؟"

"جو واقعہ پیش آیا میں نے آپ کو وہی بتایا ہے۔"

"کیا تمہارے ساتھی اور میکسیکن کے بیچ کوئی تلخ کلامی ہوئی تھی؟" آفیسر نے استفسار کیا۔ "جس سے مشتعل ہو کر میکسیکن نے گن نکال لی ہو۔"

"سر! ایسا کچھ نہیں ہوا۔" میں نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بتایا۔ "مجھے وہ میکسیکن نفسیاتی مریض لگتا ہے۔"

"مجھے بھی......" آفیسر نے تائیدی انداز میں گردن ہلائی پھر پوچھا۔ "وہ کتنا کیش لوٹ کر لے گئے ہیں؟"

"تقریباً ایک ہزار ڈالرز۔" میں نے بتایا۔ "روزانہ دن میں بارہ اور ایک بجے کے دوران میں باس اسٹور کا چکر لگاتا ہے اور کیش کا زیادہ حصہ وہ اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔"

"میکسیکن نے جس وقت تمہارے ساتھی کو شوٹ کیا تم کہاں تھے؟" اس نے پوچھا۔ "میرا مطلب ہے، اسٹور کے کس حصے میں تھے؟"

"میں کولرز میں فلنگ کر رہا تھا۔" میں نے اسٹور کے عقبی حصے میں واقع کولرز کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بتایا۔ آفیسر سبک قدموں سے چلتے ہوئے کولرز کے قریب پہنچ گیا پھر چند لمحات تک وہ کولرز کے گردوپیش کا تنقیدی جائزہ لیتا رہا۔ اس کی عقابی نگاہ کچھ تلاش کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ پھر وہ میری جانب متوجہ ہوتے ہوئے بولا۔

"تمہارے بیان کے مطابق میکسیکن نے دو فائر کیے تھے۔ ایک تمہارے ساتھی نظار کے سینے پر اور دوسرا تم پر۔ میں غلط تو نہیں کہہ رہا؟"

"نو سر! آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" میں نے آفیسر کی تائید میں کہا۔ "ایسا ہی ہوا تھا۔"

"ایک گولی نظار کے سینے میں لگی اور دوسری گولی......" اس نے ڈرامائی انداز میں جملہ ادھورا چھوڑا اور میری آنکھوں میں دور تک جھانکتے ہوئے سنسنی خیز لہجے میں سوال کیا۔ "مسٹر علی! دوسری گولی کہاں گئی؟"

مجھے یہ سمجھنے میں دشواری محسوس نہیں ہوئی کہ وہ مجھے شک کی نگاہ سے دیکھ رہا تھا۔ میں نے احتجاجی انداز میں کہا۔

"کیا آپ کو میری بات کا یقین نہیں ہے؟"

"بات یقین اور بے یقینی کی نہیں مسٹر علی!" وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولا۔ "پولیس کو ہر چیز کا ثبوت چاہیے ہوتا ہے۔ اگر ایک گولی تم پر بھی چلائی گئی تھی اور تم اس گولی سے محفوظ رہے تو پھر اصول کے مطابق وہ گولی یہیں کہیں ہونا چاہیے...... ہونا چاہیے یا نہیں؟"

"جی بالکل ہونا چاہیے۔" میں نے اثبات میں جواب دیا۔

"اور وہ کہیں بھی نہیں ہے......" آفیسر نے ایک خاص انداز میں کندھے اچکا دیے۔

"آپ تلاش کریں۔" میں اتنا ہی کہہ سکا۔ "گولی آپ کو ضرور کہیں نہ کہیں مل جائے گی۔"

"ٹھیک کہتے ہو۔" وہ شک زدہ نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔ "اگر دوسری گولی چلی ہے تو پھر اسے ضرور مل جانا چاہیے...!"

شاید آفیسر یہ سوچ رہا تھا کہ میں دروغ گوئی سے کام لے رہا ہوں۔ اس واردات میں میرا کوئی ہاتھ ہے اور میں خود کو بچانے کے لیے اسے کوئی من گھڑت کہانی سنا رہا ہوں۔ اس دوران میں آفیسر کی مدد کے لیے پولیس ڈیپارٹمنٹ سے ایک گاڑی میں دو پولیس والے وہاں پہنچ گئے۔ آفیسر نے انہیں ضروری ہدایات دیں اور مجھے لے کر وہ کاؤنٹر کی جانب آگیا۔ اگلے ہی لمحے اس کے سیل فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

آفیسر نے کال ریسیو کرتے ہوئے کہا۔ "یس......!"

پھر وہ دوسری طرف کی بات سننے لگا۔ میری نگاہ اس کے چہرے پر جمی ہوئی تھی اور میں اس کے چہرے کے تیزی سے بدلتے ہوئے تاثرات کو دیکھ کر تشویش میں مبتلا ہو گیا۔ اس نے اضطراری انداز میں دو تین مرتبہ "اوں"...... "ہوں"...... "یس" کیا پھر ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔

"او کے...... تم وہاں کے معاملات کو سنبھالو۔"

کال ختم ہوئی تو میں نے آفیسر سے پوچھا۔ "خیریت تو ہے نا؟"

"خیریت نہیں ہے۔" وہ ایک بوجھل سانس خارج

کر سکتے ہو تو سنو ہوا۔

"کیا مطلب؟" میری تشویش میں اضافہ ہو گیا۔

"ایک بری خبر ہے۔" وہ میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔

میں نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے پوچھا۔ "کیسی بری خبر۔۔۔؟"

"نگار چلا گیا۔۔۔" وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔ "اسپتال پہنچنے سے پہلے ہی ایمرجنسی میں وہ ختم ہو گیا تھا۔۔۔ سوری۔"

میرا دل کٹ کر رہ گیا۔ گزشتہ ایک سال میں نگار کے ساتھ میرے بہت اچھے تعلقات استوار ہو چکے تھے۔ ہمارے بیچ گہری دوستی قائم تھی۔ اس کی ناگہانی موت کا سن کر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے ہاتھ پاؤں سے جان نکل گئی ہو۔ تبھی میرے ذہن میں اچانک وہ گفتگو گونج گئی جو تھوڑی دیر پہلے ہم دونوں کے بیچ ہوئی تھی۔ میں نے اس کی کسی بات کے جواب میں کہا تھا۔۔۔ "نگار! موت اور گاہک کا کوئی بھروسا نہیں ہوتا۔۔۔ یہ کسی وقت بھی آ سکتے ہیں۔"

کاش! میں نے ایسا نہ کہا ہوتا۔۔۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ میرے الفاظ یوں حقیقت کا روپ دھار لیں گے۔ گاہک اور موت دونوں ایک ساتھ اسٹور میں داخل ہوئے تھے اور دیکھتے ہی دیکھتے نگار کی زندگی کا چراغ گل ہو گیا تھا۔

اس سے پہلے کہ آفیسر مجھ سے مزید کوئی سوال کرتا، میرا سیل فون بج اٹھا۔ میں نے سیل کے ڈسپلے پر نظر ڈالی۔ وہاں شارہ کا نام چمک رہا تھا۔

میں نے آفیسر کی جانب سوالیہ نگاہوں سے دیکھا تو اس نے پوچھا۔ "کون ہے؟"

"ایک دوست کا فون ہے۔" میں نے بتایا۔

"گرل فرینڈ؟"

"نہیں۔۔۔!"

"اٹینڈ کرو۔" وہ گمبھیر لہجے میں بولا۔

میں نے کال ریسیو کی اور کہا۔ "ہیلو شارہ!"

"کیسے ہو؟" وہ چہکی۔

"ٹھیک ہوں۔" میں نے روکھا پھیکا جواب دیا۔

"کتنی دیر میں پہنچ رہے ہو؟" وہ کافی دیر سے میری منتظر تھی۔ "کیا دو بج گئے، اسٹور سے کب نکلو گے؟"

"شارہ! آج کی ملاقات کینسل۔" میں نے سرسری انداز میں کہا۔

"کیوں۔۔۔ کیا ہوا؟" وہ حیرانی سے بولی۔

"اسٹور میں ڈکیتی کی واردات ہوئی ہے۔" میں نے اسے بتایا۔ "نگار کو گولی لگی ہے اور پولیس تفتیش کر رہی ہے۔ میں ابھی اسٹور سے نہیں نکل سکتا۔ ہم کل ملیں گے۔۔۔ او کے؟"

"او کے۔۔۔ اس بے چارے کو زیادہ چوٹ تو نہیں آئی؟ نگار ٹھیک تو ہے؟"

"نہیں۔۔۔" میں نے دل گرفتہ لہجے میں بتایا۔ "وہ مر گیا۔۔۔!"

"اوہ گاڈ۔۔۔!" وہ چونکی۔ "ویری سیڈ۔۔۔ بہت افسوس ہوا۔۔۔ کیا میں تمہاری دلجوئی کے لیے آ جاؤں؟"

"اس کی ضرورت نہیں۔" میں نے بوجھل دل سے کہا۔

"او کے۔۔۔ ٹیک کیئر۔" شارہ کی ہمدردی بھری آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔

ادھوری کلمات کے بعد میں نے فون بند کر دیا۔

"تمہارے مینیجر کو اب تک آ جانا چاہیے تھا۔" آفیسر نے مجھ سے کہا۔ "وقت کافی ہو گیا ہے۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں۔" میں نے تائید میں گردن ہلا دی۔

اس کے بعد ایک شخص دوڑتا ہوا وہاں پہنچ گیا۔ آفیسر مجھے چھوڑ کر اس کے ساتھ مصروف ہو گیا۔ اس کے چہرے پر سخت تشویش کی جھلک تھی۔ وہ دونوں مجھ سے تھوڑے فاصلے پر تھے۔ میں ان کی باتیں نہیں سن سکتا تھا مگر مجھے یہ اندازہ لگانے میں کوئی دشواری محسوس نہیں ہوئی کہ ان کے درمیان میں ہی زیر بحث تھا۔ آفیسر اس سے بات کرتے ہوئے بار بار میری طرف بھی دیکھ رہا تھا۔ ساڑھے بارہ بجے تک پولیس کی تفتیشی سرگرمیاں جاری رہیں۔ پھر آفیسر اپنے دونوں ماتحتوں کے ہمراہ اسٹور سے رخصت ہو گیا۔ جانے سے پہلے اس نے مجھ سے اور باس سے چند رسمی باتیں کی تھیں۔

"مسٹر حبیب!" اس نے باس سے کہا۔ "کل اسٹور معمول کے مطابق کھلے گا۔ ابھی ہماری تفتیش مکمل نہیں ہوئی۔ باقی کا کام ہم کل کریں گے اور نگار کے لواحقین کو اس افسوس ناک واقعے کی اطلاع بھی دے دیں گے تاکہ وہ اسپتال سے اس کی ڈیڈ باڈی وصول کر لیں۔"

"او کے سر!" حبیب خواجہ نے فرماں برداری سے کہا۔ "یہ سب ہو جائے گا۔"

"اور تم۔۔۔" آفیسر نے مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ "جب تک نگار کا قاتل گرفتار نہیں ہو جاتا، تم انصاف سے باہر نہیں جاؤ گے۔ اگر کہیں جانا ضروری ہو تو پہلے تم پولیس اسٹیشن کو انفارم کرو گے اس کے بعد اجازت سے باہر

قدم نکالنے سے پہلے میری بات سمجھ رہے ہونا؟"

"جی ۔۔۔ اچھی طرح سمجھ گیا۔" میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

اس نے تاکیدی لہجے میں کہا۔ "جب تک اس کیس کی تفتیش مکمل رہی ہے تم اپنا شہر چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤ گے۔ ہم کسی بھی وقت تم سے پوچھ تاچھ کرنے آ سکتے ہیں اور ..." تھوڑا توقف کر کے اس نے [illegible] اپنی بات مکمل کرتے ہوئے کہا۔

"اور ۔۔۔ ضرورت پڑنے پر تمہیں پولیس اسٹیشن بھی بلایا جا سکتا ہے۔"

"او کے سر!" میں نے کہا۔ "آئی ایم ریڈی۔"

پولیس والوں کے جانے کے بعد یاسر مجھے گھور کر رہ گیا اور انکل کے بارے میں مختلف زاویوں سے سوال کرنے لگا۔ میں نے [illegible] مختصر کر کے اس کا [illegible]

"[illegible]" [illegible] کہانی [illegible]

"[illegible] مجھے تم پر بھروسہ ہے۔" وہ [illegible] بولا۔ "[illegible]"

"مجھے اس بات کا اندازہ ہے یاسر۔" میں نے گمبھیر انداز میں کہا۔

"اگر ۔۔۔ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔" وہ سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں بولا۔ "جب تمہاری کوئی غلطی نہیں تو پھر تمہارا کوئی بال بھی بیکا نہیں کر سکے گا۔ اللہ تمہاری حفاظت کرے گا۔"

"ان شاء اللہ!" میں نے پر رونق انداز میں کہا۔

"اسٹور بند کر دیں؟" یاسر نے سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔

میں نے سر ہلا کر کہا۔ "ٹھیک ہے۔"

[illegible] ایک [illegible] تھا۔ [illegible] واقعہ معمولی نوعیت کا تھا اور ۔۔۔ بعض اوقات معمولی واقعات ہی تاریخ کا رخ تبدیل کر دیتے ہیں۔

☆☆☆

میرا نام [illegible] ہے۔ میں اپنے والدین کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ مجھے نہیں معلوم کہ میری ماں کون ہے اور مجھے اپنے باپ کے بارے میں بھی [illegible]۔ میں نے جب سے ہوش [illegible]

قدم رکھا تو [illegible] انکل سلطان کی [illegible] میرے سرپرست، میرے مربی اور میرے سب کچھ تھے۔ اس وقت میں بیس سال کا ہو چکا تھا۔ اپنی یادداشت کے مطابق یہ تمام عرصہ میں نے انکل سلطان کی زیر نگرانی گزارا تھا۔ انہوں نے بچپن سے جوانی تک اپنی اولاد کی طرح میرا خیال رکھا تھا۔ کسی بھی چیز کی کمی محسوس نہیں ہونے دی تھی۔ [illegible] اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ میرے والد نہیں تھے۔ ان کے ساتھ میرا جو بھی رشتہ تھا، وہ ابھی تک ایک پراسرار راز تھا۔ [illegible]

انکل سلطان [illegible] کے ایک کامیاب [illegible] تھے لیکن آج کل [illegible] کی دنیا میں ان کا کوئی [illegible] ایک [illegible] میں ان کے جسم کا [illegible] حصہ مفلوج ہو گیا تھا اور وہ ویل چیئر پر آ گئے تھے۔ علاوہ ازیں وہ دمے کے مریض بھی تھے۔ موسم سرما میں ان کی سانس کی تکلیف بہت بڑھ جاتی تھی۔ انہوں نے اپنی دیکھ بھال کے لیے ایک [illegible] رکھا ہوا تھا جس کا نام [illegible] تھا۔ [illegible] سے انکل کا خیال [illegible] اپنی صحت کے معاملات کے پیش نظر وہ [illegible] کے طور پر [illegible] تھے۔ انہوں نے [illegible] ایک [illegible] اداروں میں [illegible] سرمایہ کاری کر رکھی تھی جہاں سے [illegible] رقم مل جاتی تھی۔ [illegible]

میں انکل سلطان کی [illegible] کے بارے میں کچھ زیادہ نہیں جانتا تھا۔ [illegible] انہوں نے بہت پہلے ایک صحافی عورت سے شادی کی تھی۔ [illegible] انکل سلطان کی ایک بیٹی [illegible] ان دنوں انکل سلطان امریکی ریاست [illegible] کے شہر "[illegible]" میں رہتے تھے۔ [illegible] انکل کو چھوڑ کر چلی گئی۔ وہ اپنی بیٹی کو بھی اپنے ساتھ لے گئی تھی۔ [illegible] کے لیے [illegible] بہت محنت کی اور [illegible] میں ایک [illegible] حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ آج کل وہ ایک [illegible] امریکی [illegible] "[illegible]" کے لیے کام کر رہی تھی۔ میری [illegible] سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ [illegible]

وقت لگ بھگ پینتیس سال کی تھی۔ فوکس نیوز اسے ماہانہ پچیس ہزار ڈالرز پے کرتا تھا۔ اس جاب کی وجہ سے وہ ''ایل اے'' یعنی لاس اینجلس (کیلی فورنیا) میں قیام پذیر تھی۔

جیسا کہ میں نے بتایا، علی سلطان ایک کامیاب کاروباری شخص تھے۔ ان کی رہائش ''بے سٹی'' جیسے ٹیکساس کے مہنگے علاقے میں تھی۔ نیکولز اسکوائر میں ان کا دو بیڈروم کا ایک شان دار اپارٹمنٹ تھا جو جیکسن روڈ پر واقع تھا۔ پہلے میں بھی اسی اپارٹمنٹ میں انکل سلطان کے ساتھ رہتا تھا پھر جب میں اسکول سے کالج میں آیا تو انہوں نے مجھے ہاسٹل میں شفٹ کر دیا تھا۔

''ایسا کیوں انکل؟'' میں نے ان سے پوچھا۔ ''کیا آپ کو مجھ سے کوئی شکایت ہے؟''

''کوئی شکایت نہیں میرے بچے۔'' انہوں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''اب تم بڑے ہو گئے ہو اور میں محسوس کر رہا ہوں کہ تمہارے اندر اعتماد کی کمی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تمہاری شخصیت کی تعمیر میں کوئی نقص باقی نہ رہے۔ ہاسٹل لائف میں تمہیں زندگی کو ایک نئے انداز میں انجوائے کرنے کا موقع ملے گا اور میں نے سوچا ہے، تم کالج میں سائیکالوجی لو۔''

''ٹھیک ہے انکل! آپ جو کہیں گے، میں وہی کروں گا۔'' میں نے فرماں برداری سے کہا۔ ''ویسے مجھے خود بھی سائیکالوجی میں بہت دلچسپی ہے۔ آپ نے میرے دل کی بات کر دی لیکن......''

میں بولتے بولتے رکا تو انکل سلطان نے پوچھا۔ ''لیکن کیا میرے بچے؟''

وہ مجھے مخاطب کرتے ہوئے ''میرے بچے'' کے الفاظ ہی استعمال کیا کرتے تھے اور ان الفاظ سے خلوص اور اپنائیت کی جھلک اٹھتی تھی۔ میں نے ان کے سوال کے جواب میں کہا۔ ''لیکن یہ کہ...... میں ہاسٹل میں آپ کو بہت مس کروں گا۔''

''میرے بچے ابھی تمہیں ہاسٹل بھیج رہا ہوں، کوئی امریکا سے باہر کسی اور دنیا میں نہیں۔'' وہ سمجھانے والے انداز میں بولے۔ ''تمہارے کالج کے نزدیک ہی ''دی گیٹ وے'' اپارٹمنٹس ہیں۔ میں نے وہاں تمہارے لیے ایک بیڈ، ایک باتھ کا خوب صورت اپارٹمنٹ بک کروایا ہے اور پھر......'' لمحاتی توقف کر کے انہوں نے ایک گہری سانس لی پھر اپنی بات کو مکمل کرتے ہوئے بولے۔

''تمہارا کالج اور دی گیٹ وے اپارٹمنٹس دونوں لیک جیکسن میں ہیں اور لیک جیکسن، بے سٹی سے محض باسٹھ کلومیٹر ہے...... صرف اڑتالیس منٹ کی ڈرائیو۔ تم ویک اینڈ پر میرے پاس آسکتے ہو۔ عام دنوں میں بھی تمہارے آنے پر کوئی پابندی تھوڑی ہے۔ تمہارا جب دل چاہے، تم آسکتے ہو۔ یہ تمہارا اپنا گھر ہے اور میں ہر طرح سے تمہارا خیال رکھنے کو تیار ہوں......''

بولتے بولتے ان کی سانس پھولنے لگی تھی۔ چند لمحات کو رک کر انہوں نے اپنی سانس ہموار کی پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

''بورڈنگ میں رہ کر تعلیم حاصل کرنے کا اپنا ایک مزہ ہے۔ مجھے یقین ہے کہ تم بہت انجوائے کرو گے۔ کالج کی بغل میں رہو گے تو تمہارا وقت بھی بچے گا اور تم پڑھائی پر زیادہ توجہ دے سکو گے۔''

''تھینک یو انکل۔'' میں نے تائیدی انداز میں کہا۔ ''آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔''

اس کے بعد براز وسپورٹ کالج میں میری پڑھائی شروع ہو گئی۔ مذکورہ کالج کونکارڈ ایونیو اور لیکزنگٹن ایونیو کے بیچ کالج ڈرائیو پر واقع تھا جبکہ میرا ہاسٹل یعنی دی گیٹ وے اپارٹمنٹس لوگن بیری اسٹریٹ پر تھا اور یہ کالج کے نزدیک ہی تھا۔ لیک جیکسن ٹیکساس کا ایک دل کش اور خوب صورت علاقہ ہے۔

میں براز وسپورٹ کالج میں بیچلر ز ڈگری کے لیے آیا تھا اور میرا سبجیکٹ تھا سائیکالوجی یعنی علم نفسیات۔ اس کے علاوہ مذکورہ کالج میں بزنس اکاؤنٹنگ، اکنامکس، ہسٹری اور فزیکل ایجوکیشن کی کلاسز ہوتی تھیں۔ کالج سے میرا ہاسٹل چند منٹ کے فاصلے پر تھا۔

انکل سلطان نے بالکل ٹھیک کہا تھا۔ بورڈنگ کی لائف کا اپنا ایک الگ مزہ تھا۔ میں آزادانہ زندگی کو بڑے بھرپور انداز میں انجوائے کر رہا تھا۔ ''دی گیٹ وے'' والا اپارٹمنٹ بہت عالی شان تھا۔ انکل نے یہ اپارٹمنٹ میرے لیے کرائے پر حاصل کیا تھا جس کا ماہانہ کرایہ آٹھ سو ڈالرز تھا اور اس کا ڈیپازٹ صرف دو سو پچاس ڈالرز تھا۔

ہاسٹل میں آنے کے بعد میں نے باقاعدہ جیم جانا بھی شروع کر دیا تھا۔ ورزش کا شوق تو مجھے شروع ہی سے تھا لیکن قاعدے اور اصول کے مطابق ایکسر سائز کرنے کا یہ موقع مجھے لیک جیکسن آنے جانے کے بعد ہی ملا تھا۔ میں نہایت پابندی کے ساتھ ہائی وے پر واقع ایک ہیلتھ کلب پاور ہاؤس جا رہا تھا۔ پاور ہاؤس لیک جیکسن کا ایک

معروف مجرم تھا۔ میرے بیڈ روم کے اخراجات انکل سلطان ہی اٹھاتے تھے۔

جب تک میں چھوٹا تھا تو میں اپنے والدین کے بارے میں سوچتا ضرور تھا لیکن اتنی شدت سے نہیں جتنا جوانی کی دہلیز پر قدم رکھنے کے بعد۔ کہتے ہیں کہ عمر کا یہ دور ایسا ہی ہوتا ہے۔ انسان کسی ایک نقطے پر زیادہ دیر تک نہیں ٹھہر سکتا مگر اب میں زندگی کا اصل روپ سنجیدگی سے سوچتا تھا۔ اپنے ماں باپ کے حوالے سے میرے ذہن میں بیسیوں سوالات سر اٹھاتے تھے اور ان سوالات کے جوابات صرف اور صرف انکل سلطان ہی دے سکتے تھے مگر وہ ہر بار بڑی خوب صورتی سے ٹال جاتے تھے۔ اب بھی میں ہفتے میں ایک دن ان سے ملنے جاتا تھا اور چند گھنٹے ان کے ساتھ گزار کر واپس اپنے ہاسٹل میں آجاتا تھا۔ ایک روز جب ہمارے درمیان معمول کی گفتگو جاری تھی تو میں نے اچانک کہا۔

"انکل! ایک بات تو بتائیے؟"

"پوچھو میرے بچے۔" وہ اپنے مخصوص انداز میں بولے۔

"پہلے وعدہ کریں کہ جو میں پوچھوں گا آپ اس کا ٹھیک ٹھیک جواب دیں گے۔" میں نے ان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے گہری سنجیدگی سے کہا۔

وہ چند لمحے خاموش رہے اور پھر سنجیدہ ہوتے ہوئے لہجے میں بولے۔ "میرے بیٹے! اگر تمہارے سوال کا جواب میرے پاس ہوا تو یہ الگ بات ہے کہ میرا جواب تمہیں ٹھیک لگے یا غلط لگے......"

وہ دو منٹ گفتگو کر کے خاموش ہو گئے۔ میں نے بدستور ان کے چہرے پر نگاہیں جماتے ہوئے کہا۔ "آپ یہ تسلیم کرتے ہیں نا کہ میں اب بچہ نہیں رہا؟"

"ہاں میرے بیٹے! اب تم بچے نہیں رہے۔" انہوں نے دو ٹوک جواب دیا۔

"پھر آج آپ مجھے حقیقت سے آگاہ کر ہی دیں۔" میں کہہ گیا۔

وہ کچھ سوچتے ہوئے لہجے میں مستفسر ہوئے۔ "کون سی حقیقت؟"

"یہی کہ میں کون ہوں......" میں نے کہنا شروع کیا۔ "میرے ماں باپ کون تھے اور وہ کہاں ہیں؟ آپ کب تک ان باتوں سے مجھے بہلاتے رہیں گے؟"

وہ چند لمحات تک خاموشی بھری نظر سے میرے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لیتے رہے پھر گمبھیر انداز میں پوچھا۔

"میرے بچے! تمہاری عمر اس وقت کتنی ہے؟"

"اٹھارہ سال یا...... شاید کچھ زیادہ۔" میں نے جواب دیا۔ ہمارے درمیان یہ گفتگو ٹھیک دو سال پہلے ہوئی تھی جب میں نے [illegible] کیا تھا۔

"کیا تم اس وقت بھی اتنے بڑے تھے جب تمہاری عمر صرف ایک سال تھی؟"

"یہ کیسا سوال ہے!" میں نے الجھن زدہ انداز میں کہا۔ "ایک سال کی عمر میں تو میں بہت چھوٹا سا تھا...... ایک ننھا سا بچہ۔"

"اچھا یہ بتاؤ......" وہ ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں گفتگو کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے بولے۔ "اگر تم ایک سال کی عمر میں یہ خواہش کرتے کہ اٹھارہ سال کے دکھائی دو یا اگر اب تم یہ خواہش کرو کہ ایک سال کے نظر آؤ تو کیا ایسا ممکن ہے؟"

"ناممکن!" میں نے قطعی لہجے میں کہا۔ "یہ تو ایک بہت عجیب بات ہے۔"

"ہاں!" وہ زیر لب مسکراتے ہوئے بولے۔ "میں تمہیں یہی سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں کہ قدرت کے کارخانے میں ہر کام کا ایک خاص وقت مقرر ہے۔ کوئی بھی کام اپنے مخصوص وقت سے پہلے یا مخصوص وقت کے بعد نہیں ہوتا۔ اگر اس اصول کو توڑنے کی کوشش کی جائے تو سوائے پچھتاوے کے اور کچھ ہاتھ نہیں آتا۔"

"لیکن یہ سب کچھ بتانے کا میرے سوال سے کیا تعلق؟" میں نے تیز لہجے میں استفسار کیا۔

"بہت گہرا تعلق ہے میرے بچے!" وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولے۔ "میں تمہارے ہر سوال کا جواب دوں گا لیکن مناسب وقت آنے پر۔ بس تھوڑا سا اور انتظار...... تھوڑا صبر کرو۔ میں جوابات کی اس طرح وضاحت کر دوں گا کہ تمہارا دل اور ذہن پھول کی طرح ہلکے ہو جائیں گے۔"

مجھے یقین تھا کہ انکل سلطان مجھ سے غلط بیانی نہیں کر رہے تھے۔ اگر انہوں نے کہا تھا کہ مناسب وقت آنے پر وہ مجھے سب کچھ بتا دیں گے تو یقیناً وہ ایسا کرتے لیکن اس وقت تک میرے دماغ کی جو حالت تھی...... کیا حالت ہو جاتی۔ میں جب بھی اپنے والدین کے بارے میں سوچتا تو میرا ذہن بے شمار سوالوں کے جالے میں الجھ کر رہ جاتا تھا۔ [illegible] اور میرے بارے [illegible]

پرخلش کشمکش کا شکار ہو جاتا۔ پھر میں نے ایک فیصلہ کرلیا اور وہ فیصلہ یہ تھا کہ...... اب میں اپنے والدین کے حوالے سے انکل سلطان سے کوئی سوال نہیں کروں گا اور اس وقت کا انتظار کروں گا جب ساری حقیقتیں خود بہ خود مجھ پر آشکار ہو جائیں گی۔ اس وقت کو بھی آخر ایک دن آنا ہی تھا۔

میں نے اپنی ساری توجہ پڑھائی پر مرکوز کردی۔ میں دوسرے اسٹوڈنٹس کو دیکھتا تھا کہ وہ اسٹڈی کے ساتھ جاب وغیرہ بھی کرتے تھے، اس طرح ان کی اچھی خاصی آمدنی ہو جاتی تھی اور ان کے والٹ ہمیشہ ڈالرز سے بھرے رہتے تھے۔ انکل سلطان نے کبھی مجھے پیسے کی کمی تو محسوس نہیں ہونے دی تھی لیکن میرا دل مچل رہا تھا کہ میں بھی کوئی پارٹ ٹائم جاب پکڑلوں۔ میں نے اس سلسلے میں انکل سلطان سے مشورہ کیا تو انہوں نے کہا۔

''اگر تمہاری پڑھائی متاثر نہ ہو تو تم یہ شوق پورا کرسکتے ہو۔''

''میں نے ہر انداز میں سوچ لیا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''پڑھائی بالکل متاثر نہیں ہوگی۔''

''کہاں جاب کرنا چاہتے ہو میرے بچے؟'' انہوں نے پوچھا۔

''ارلنگٹن میں ایک گروسری اسٹور ہے۔'' میں نے بتایا۔ ''مضافات میں ہونے کی وجہ سے وہاں زیادہ رش نہیں ہوتا۔ میں صبح کالج جاؤں گا اور ایوننگ میں اسٹور پر جاب کروں گا۔''

''دونوں چیزوں کو مینج کرلوگے؟'' انہوں نے سوال کیا۔

''جی...... بہت اچھی طرح۔'' میں نے بڑے اعتماد سے جواب دیا۔

انہوں نے مجھے بہ خوشی جاب کی اجازت دے دی۔

چنانچہ ایک سال پہلے سرکل اے گروسری پر میں نے کام شروع کردیا تھا۔ باس ذوالفقار خواجہ عرف جیک خواجہ مجھے دس ڈالر فی گھنٹا کے حساب سے تنخواہ دیتا تھا۔ دوپہر دو بجے سے رات گیارہ بجے تک میری ڈیوٹی ہوا کرتی تھی، یعنی میں روزانہ نو گھنٹوں میں نوے ڈالرز کما لیتا تھا۔ جب ایک سال پہلے میں نے سرکل اے پر جاب کا آغاز کیا تو ریگولر اسٹڈی کی وجہ سے میں پارٹ ٹائمر تھا یعنی صرف چار گھنٹے کی ڈیوٹی ہوا کرتی تھی لیکن اب میں امتحانات سے فارغ ہو چکا تھا لہٰذا فل ٹائمر ہو گیا تھا اور پورے نو گھنٹے ڈیوٹی کررہا تھا۔ سرکل اے گروسری ٹیکساس کے ایک کم مصروف علاقے ارلنگٹن میں واقع تھا لہٰذا وہاں صرف دو شفٹوں میں کام ہوتا تھا۔ مارننگ شفٹ صبح چھ بجے سے دوپہر دو بجے تک یعنی آٹھ گھنٹے کی شفٹ اور ایوننگ شفٹ دوپہر دو بجے سے رات گیارہ بجے تک یعنی نو گھنٹے کی شفٹ جبکہ مصروف ترین اور گنجان آباد ریاستوں جیسے نیویارک، کیلی فورنیا، فلوریڈا ...... وغیرہ میں ''سیون الیون'' اور دیگر سپر اسٹورز میں آٹھ آٹھ گھنٹے کی تین شفٹس ہوا کرتی ہیں اور کسی ایک اسٹور میں آٹھ گھنٹے سے زیادہ جاب کی قانوناً اجازت نہیں ہے۔

مجھے اگر جیک خواجہ دس ڈالرز فی گھنٹا کے حساب سے دے رہا تھا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ میں مقامی تھا یعنی میرے پاس امریکا کی سٹیزن شپ (شہریت) تھی۔ میرا ڈرائیونگ لائسنس، آئی ڈی کارڈ اور ''ایس ایس'' یعنی سوشل سیکیورٹی کارڈ بنا ہوا تھا ورنہ جو لوگ امریکا میں غیر قانونی طور پر آباد ہیں، انہیں ایک تو بڑے اسٹورز پر جاب نہیں ملتی اور اگر وہ سرکل اے گروسری جیسے مضافاتی اسٹورز پر کام کرتے ہیں تو انہیں سات ڈالرز فی گھنٹا سے زیادہ معاوضہ نہیں ملتا۔ اسٹور کا مالک ایسے افراد کی کمزوری سے فائدہ اٹھاتا ہے اور عموماً اسٹور کے عقبی حصے میں مختلف امور کی انجام دہی پر مامور کردیتا ہے۔

ہم ہر وقت پاکستان میں کرپشن کا رونا روتے رہتے ہیں یقین مانیں امریکا میں بھی کچھ کم کرپشن نہیں ہے۔ پانچ سو ڈالرز میں آپ کا کسی بھی اسپینش (ہسپانوی) نام سے ایس ایس کارڈ بن جاتا ہے۔ سو ڈالرز میں آئی ڈی کارڈ اور دو سو ڈالرز میں ڈرائیونگ لائسنس۔ اس کے بعد چل سو چل...... جو لوگ امریکا پہنچ کر سلپ (SLIP) ہو جاتے ہیں یا غیر قانونی طور پر میکسیکو یا کینیڈا کا بارڈر کراس کر کے امریکا یعنی یونائیٹڈ اسٹیٹس آف امریکا میں داخل ہوتے ہیں، انہیں کسی اچھی جاب کے لیے بس انہی تین چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ جن کی جیب میں مال ہوتا ہے وہ چھ ماہ کے اندر اپنی مطلوبہ چیزیں حاصل کرلیتے ہیں مگر پاکستانی شناخت یا نام کے ساتھ نہیں بلکہ ہسپانوی نام کے ساتھ کیونکہ ہمارا قد کاٹھ، رنگت اور مزاج ہسپانوی قوم کے کافی قریب ہے۔ اس نوعیت کی شناخت میں ایک خاص قسم کا تحفظ حاصل رہتا ہے، ورنہ نائن الیون والے واقعے کے بعد ایک پاکستانی مسلمان کے لیے امریکا میں بہت مشکلات ہیں اور اگر آپ کے نام کے ساتھ ''محمد'' بھی لگا ہوا ہے تو سمجھ لیں کہ یہ مشکلات سوگنا بڑھ جائیں گی۔ آج کل تو اگر پاکستانی مسلمان امریکا کے کسی بھی ائرپورٹ پر اترتا ہے تو ملک میں داخلے سے پہلے اس کا ای میل ایڈریس، فیس بک آئی ڈی،

انٹرپول کی ویب سائٹ پر آئی ڈی اور ڈی این اے کے آئی ڈی
استعمال کے ذریعے فوراً ہی ٹریس کر لیے جاتے ہیں
تاکہ ان کی تعریف کی مدد سے ان پر کڑی نظر رکھی جا سکے۔
میں نے ایک نئی حقیقت آپ کے سامنے رکھی ہے۔

اس میں سے "نو فلائی" کی فہرست شامل کی ہے۔ یہ
ایسے افراد کے لیے ہے جو ناقص دستاویزات یا کسی اور سبب کے ذریعے
دہشت گردی کے شبہ پر امریکا آتے تھے۔ ان کا نام فہرست
میں درج کر کے [illegible] ہے۔ ایسے افراد
امریکا میں داخل ہوتے ہی اپنا پاسپورٹ اور دیگر شناختی
کاغذات مکمل فہرست میں لکھ کر دیتے تھے اور جب پتا
کر کے [illegible] ملاقاتوں میں پاکستان سے [illegible]
بنا لیا جاتا ہے۔ [illegible] امریکا ہی وہ ملک ہے کہ
جو کسی سے بھی پوچھ لیتا ہے کہ تم کہاں سے آئے ہو کیوں
آئے ہو [illegible] جب تک آپ
کی داخلی [illegible] کے بارے میں پولیس کے شعبے نہ پوچھ
لیں آپ [illegible] محفوظ ہیں۔ میں بھی ایسے لوگوں کو
جانتا ہوں جو سالہا سال سے امریکا میں غیر قانونی
طور پر [illegible] لوگ بھی ہیں
جن کو [illegible] اور جب تک ان کا [illegible]
فہرست میں اپنی آئی ڈی اور [illegible] بنانے کی
کوشش کرتے ہیں تاکہ [illegible] حاصل کر سکیں۔

امریکا ایک بے حد بڑا اور آزاد ملک ہے۔ یہاں ہر
شخص [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
لاکھوں مربع میل کے رقبے پر پھیلا ہوا ہے اور اس کی مالیہ آبادی
تقریباً بتیس کروڑ [illegible] لاکھ ہے۔ امریکا میں
ہر [illegible] جھیل اور [illegible] آزاد
اور کم آباد [illegible] ریاست الاسکا رقبے کے لحاظ سے
امریکا کی سب سے بڑی ریاست ہے [illegible] مربع
میل [illegible] پاکستان جیسے [illegible] الاسکا کے اندر [illegible]
سما سکتے ہیں لیکن الاسکا کی آبادی صرف سات لاکھ [illegible] ہزار
نفوس پر مشتمل ہے۔ پاکستان کا رقبہ [illegible] لاکھ مربع میل اور
موجودہ آبادی [illegible]
میں [illegible] پاکستان کے [illegible]
آبادی [illegible]
کو [illegible] ہے۔

مجھے ایک خوشگوار حیرت سے [illegible] جاننے میں کوئی
دشواری محسوس نہیں ہوئی کہ یہ [illegible] کا حصہ تھا...
یہ آسانی [illegible] میں شامل ہو گیا تھا۔ میری تمام تفصیلات
بتانے کا مقصد یہ ہے کہ آپ میرے بارے میں [illegible] اچھی
طرح واقف ہو جائیں۔ میری زندگی کا ایک اہم کردار شادو
بھی ہے۔ ایک ماہ پہلے اس سے میری پہلی ملاقات ہوئی
تھی۔ [illegible] ہمارے بیچ گہری دوستی قائم
ہو گئی تھی اور یہ دوستی [illegible] ہو گئی تھی۔
میں جب سے اس سے ملا تھا میری زندگی میں [illegible] اور
فرق شامل ہو گیا تھا۔ ہماری پہلی ملاقات [illegible]
ہنگامہ خیز اور یادگار تھی۔ جیسا کہ میں نے بتایا شادو کا تعلق
[illegible] سے تھا اور [illegible]
میں [illegible] ہماری پہلی ملاقات [illegible] ایک نائٹ
کلب میں ہوئی تھی۔ [illegible]
[illegible] واقع تھا اور شادو وہاں [illegible] کرتی تھی۔ اس
نائٹ کلب [illegible]
[illegible] تھا۔ یہاں کا ماحول بہت
[illegible] میں اکثر وہاں [illegible] کے لیے چلا جاتا تھا اور یہ
[illegible]
[illegible] تھا۔ اس [illegible] والے [illegible]
اور [illegible] تھا اور وہ بھی ایک
ایسی ہی رات تھا۔

شادو [illegible]
[illegible] کے چہرے پر [illegible]
[illegible] تھا۔ تمام [illegible] بھری
ہوئی تھیں۔ رنگ برنگی روشنیوں نے [illegible] ماحول کو ایک
خواب ناک بنا رکھا تھا۔ وہاں پر موجود تمام لوگ [illegible]
سے شادو کا [illegible] رہے تھے۔ اگرچہ [illegible]
لیکن شادو کے چہرے [illegible]
[illegible] کی نظر اس کے [illegible]
[illegible] کی مالک۔

میرا [illegible] تھا کہ شادو کا [illegible]
ہو گیا [illegible]
[illegible] شادو کے چہرے پر [illegible] اور مسرت
دکھائی دیتی تھی۔ اس [illegible] نے کلب کے ماحول
میں ایک جان سی ڈال دی تھی۔ [illegible] ایک
[illegible] ہر طرف
[illegible] شادو [illegible] کے

لمحات دیرپا ثابت نہ ہوئے۔ اگلے ہی لمحے ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے کلب کے ماحول کا سوا ستیاناس مار دیا تھا۔

تین چار افراد تیز قدموں سے چلتے ہوئے کلب کے اندر داخل ہوئے۔ وہ اپنے خدوخال سے میکسیکن دکھائی دیتے تھے۔ ان کا رخ شارو کی جانب تھا۔ شارو اگرچہ گانا ختم کر چکی تھی تاہم وہ گٹار تھامے ابھی اسٹیج پر موجود تھی۔ باہر سے آنے والوں نے شارو کے ساتھ بدتمیزی شروع کر دی۔

ان لوگوں کی یہ حرکت مجھے بہت بری لگی۔ اچھا کھانا تو لیک جیکسن میں متعدد مقامات پر ملتا تھا۔ میں اگر ''ونی لاؤنج'' کا رخ کرتا تھا تو اس کا بنیادی سبب شارو ہی تھی۔ وہ مجھے بہت اچھی لگتی تھی اسی لیے ان بدقماش افراد کی حرکت مجھے سخت ناگوار گزری تھی۔

کلب کا منیجر فوراً موقع پر پہنچا اور ان غنڈوں کو سمجھانے کی کوشش کرنے لگا لیکن ان کا جو سرغنہ تھا، اس نے منیجر کے گال پر ایک زوردار طمانچہ رسید کر دیا۔ سرغنہ بڑے متکبرانہ انداز میں اپنے ہونٹوں میں سگریٹ دبائے ہوئے تھا اور ہاتھ آزاد چھوڑ رکھے تھے۔

سرغنہ کی اس حرکت نے اس کے ساتھیوں کو شہ دی اور ان کے حوصلے بلند ہو گئے۔ انہوں نے ندیدوں کے مانند شارو کو اپنی گرفت میں لینے کی کوشش کی۔ یہ صورتِ حال میری برداشت سے باہر تھی۔

میں بجلی کی سی سرعت سے اٹھا اور بہ آوازِ بلند کہا۔ ''رک جاؤ!''

میرے مخاطب وہ بدتمیز میکسیکن تھے لیکن میری آواز نے ان پر کوئی اثر نہ کیا تاہم ان کا سرغنہ میری جانب متوجہ ہو گیا۔ وہ بھی ایک گینڈا نما قدآور میکسیکن تھا۔ اس دوران میں سرغنہ کے قریب پہنچ چکا تھا۔ میں نے جیسے ہی اس کے نزدیک سے گزر کر شارو کی جانب بڑھنے کی کوشش کی، اس نے ہاتھ بڑھا کر مجھے روک لیا۔ میں نے تلملاتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''یہ کیا بےہودگی ہے۔ منع کرو اپنے بندوں کو۔''

''کیوں؟'' وہ کینہ توز نظر سے مجھے گھورتے ہوئے بولا۔ ''کیا شارو تمہاری بیوی ہے جو تم اس کے لیے اتنے جذباتی ہو رہے ہو؟''

اس دوران میں وہ ہونٹوں میں دبے سگریٹ کے کش بھی لیتا جا رہا تھا۔ میں نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

''شارو میری بیوی نہیں ہے لیکن وہ ایک انسان ہے۔ تم لوگ اس کے ساتھ زیادتی کر رہے ہو۔ تمہیں شرم آنا چاہیے ایسی حرکت کرتے ہوئے۔ آخر اس نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟''

''شارو کے ساتھ ہمارا پرانا حساب ہے۔'' وہ ڈھٹائی سے بولا۔ ''تمہارے لیے بہتر یہی ہے کہ ہمارے بیچ میں نہ آؤ۔'' اس کے آخری الفاظ میں دھمکی چھپی تھی۔

میں نے اس کی دھمکی کو جوتے کی نوک پر مارتے ہوئے کہا۔ ''اب تو میں بیچ میں کود چکا۔ تم مجھے ہٹا نہیں سکو گے۔''

وہ بےیقینی سے میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ''تم مجھے جانتے نہیں ہو اسی لیے اکڑ دکھا رہے ہو۔ میرا نام لیونارڈو ہے۔ کوئی مجھ سے پنگا لینے کی ہمت نہیں کرتا۔''

''تم لیونارڈو ہو یا پزاڈو ہو۔'' اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔'' میں نے سخت لہجے میں کہا۔ ''تم اپنے ساتھیوں کو روک رہے ہو یا.....''

''یا کیا.....؟'' اس نے سگریٹ کا دھواں میرے منہ پر چھوڑتے ہوئے کہا۔ ''تم کیا کر لو گے؟''

میں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ میرا ہاتھ برق کی رفتار سے حرکت میں آیا اور میں نے ایک زناٹے دار تھپڑ اس کے گال پر جڑ دیا۔ وہ لڑکھڑاتے ہوئے پیچھے کی جانب گیا پھر چاروں خانے چت ہو گیا۔ اس کے ہونٹوں میں دبا ہوا سگریٹ نکل کر دور جا گرا اور لیونارڈو کے لبوں سے خون جاری ہو گیا۔

وہ مجھ سے ایسے جارحانہ ردعمل کی ہرگز توقع نہیں رکھتا تھا۔ اس نے میری جانب انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے اپنے ساتھیوں سے کہا۔

''پکڑ لو اس کمینے کو اور..... اس کی ہڈی پسلی ایک کر دو۔''

اس ہنگامی صورتِ حال نے وہاں موجود افراد کو بڑی مشکل میں ڈال دیا تھا۔ ان میں سے بعض لوگ یہاں سے کھسکنے کی کوشش میں نظر آ رہے تھے۔ کلب کے اندر افراتفری کا ماحول پیدا ہو گیا تھا۔

لیونارڈو کے ساتھی شارو کو چھوڑ کر میری جانب بڑھے۔ میں شارو کی حمایت میں جو قدم اٹھا چکا تھا وہ اب واپس نہیں آ سکتا تھا۔ میں نے خود پر حملہ آور افراد کو آڑے ہاتھوں لیا۔ نائٹ کلب دیکھتے ہی دیکھتے میدانِ جنگ کا منظر پیش کرنے لگا۔

ان کا باس لیونارڈو مجھ سے تھپڑ کھانے کے بعد فرش بوس ہو چکا تھا۔ ان میں سے دو افراد اپنے سرغنہ کو اٹھانے کے لیے اس کی جانب بڑھ گئے تھے باقی تین مجھ پر پل پڑے تھے۔ میں نے ان کی مرمت کرنے میں کوئی کسر نہ

چھوڑ دی۔ لات سخت ہی تھا..... جو کچھ میری سمجھ میں آیا وہ یہی
کام تھا کہ میں ان کی خاطر داری کرنے لگا۔ یہ چاروں کے
چاروں شاید لڑکی شادی سے کوئی پرانا حساب چکانے آئے تھے
لیکن میرا دخل ان پر ایک افتاد بن کر پڑی تھی۔ وہ سنبھل
نہ پائے تھے کہ میں ایک کاری وار کر رہا تھا۔

کلب کا منیجر دروازے سے ایک کر واقعہ دیکھ چکا تھا۔
اس نے ہنگامی صورت حال دیکھی تو پولیس سے مدد
لینے کے لیے ٹیلی فون کی جانب بڑھا۔ منیجر کی اس حرکت
نے انھیں چوکنا کر دیا۔ چاروں نے حالات کی نزاکت کو
بھانپ لیا تھا۔ اگر پولیس موقع پر پہنچ جاتی تو ان کے لیے
کوئی بڑی مشکل کھڑی ہو سکتی تھی۔

"اسے روکو، جمی۔" لمبا اور نے اپنے ساتھیوں
سے کہا۔ "اس کمینے سے بعد میں نمٹ لیں گے۔"

ان کے ساتھی اپنے سرغنہ کی جانب سے کسی ایسے ہی
فراری احکام کے انتظار میں تھے۔ وہ ایک لمحہ ضائع کیے بغیر
اپنے سرغنہ کی سمت میں دوڑ پڑے اور نکل گئے۔

منیجر میرے پاس آیا اور تشکرانہ لہجے میں بولا۔
"تمہارا بہت شکریہ، جوان۔ تم نے شاندار ان غنڈوں سے
بچا لیا ہے بہت گڑبڑ سے آگے تھے۔"

"جب تم جانتے ہو کہ یہ لوگ ہیں تو پھر تم نے
ان سے حفاظت کا کوئی بندوبست کیوں نہیں کر رکھا؟" میں
نے پہلی بار آپ کا انداز میں کہا۔ "شاید یہ لوگ تمہارے کلب
میں ہنگامہ کرتے ہیں۔ ان کی حیثیت تمہارے کلب والوں
سے زیادہ بہتر یا خلاف کیوں؟"

"مسٹر، میری بے بسی کی بات ہے۔" "ہم ان
بارے میں کافی عرصے سے سوچ رہے تھے۔"

"صرف سوچنے سے کچھ نہیں ہوتا منیجر صاحب!"
میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "آپ کو
عملی اقدام اٹھانے چاہئیں۔ یہ نائٹ کلب آپ کی آمدنی کا
ذریعہ ہے۔ آپ کی روزی روٹی ہے۔ اگر یہاں آئے دن
اس قسم کی ہنگامہ آرائی ہوتی رہی تو یہ کلب کی رونق ماند
پڑ جائے گی اور ممکن ہے کہ یہ ہمیشہ کے لیے بند ہو جائے۔"

"آپ فکر نہ کریں مسٹر۔ آئندہ آپ کو شکایت کا موقع
نہیں ملے گا۔"

"شکریہ۔" کہہ کر میں نے ہاتھ جھاڑے اور نائٹ کلب
سے نکلنے کے لیے قدم بڑھا دیے۔

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی میرے تعاقب میں آ رہا
ہو۔ میں نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ شاہ رخ تھی۔ مجھے دیکھ کر وہ
مسکرائی۔ اس کے چہرے پر بڑی مطمئن مسکراہٹ تھی۔ وہ بولی۔ "مجھے
تم سے کچھ کہنا ہے!"

میں رک گیا۔ "ہاں بولو؟"

اس وقت تک میں کلب کے احاطے سے باہر آ چکا
تھا۔ وہ میرے قریب آتے ہوئے مستفسر ہوئی۔ "تمہارا نام
کیا ہے؟"

"علی۔" میں نے بتایا۔ "اسد علی۔"

"علی، تمہارا بہت شکریہ۔" وہ ممنونیت بھرے لہجے
میں بولی۔ "تم نے ان غنڈوں سے مجھے بچایا۔ میں تمہارا یہ
احسان زندگی بھر یاد رکھوں گی۔"

یہ الفاظ ادا کرتے ہوئے اس کے چہرے کی
معصومیت میں کئی گنا اضافہ ہو گیا تھا۔ اس کے لبوں پر ایک
پر دلآویز مسکراہٹ بکھری ہوئی تھی۔ اس پیکر رنگ نے اپنی
کے حسن اور ادا کی جو کچھ دیوی تھا بیان کر دیا تھا۔ اس کے
ہاتھ میں اپنا گجرا بھی اتار رکھا تھا۔ ان لمحات میں وہ ایک گڑیا
نظر آ رہی تھی۔ مجھے بے طرح اس پر پیار آنے لگا تو میں
نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

"اس احسان کو زندگی بھر یاد رکھنے سے کیا
فائدہ ہوگا؟"

"تو پھر تم کس قسم کا فائدہ چاہتے ہو؟" اس کے
چہرے پر الجھن کے آثار پیدا ہوئے۔

"ایسا فائدہ جس کی عزت ہو۔" میں نے اس کی
آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

"سوری..." اس کی معصومیت بھری
الجھن پیدا ہو گئی۔ "تم کیسی باتیں کر رہے ہو؟"

میں نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے اس سے پوچھا۔
"تم کیسے جاؤ گی..... میرا مطلب ہے تمہاری کار کہاں ہے؟"

"میرے پاس ذاتی کار نہیں ہے۔" وہ سادگی
سے بولی۔

"پھر کیسے جاتی ہو؟"

"ٹیکسی سے۔" اس نے جواب دیا۔

"آج میں ڈراپ کر دوں؟" میں نے سوالیہ نظروں سے
اس کی طرف دیکھا۔ "اگر تمہیں کوئی اعتراض نہ ہو تو.....؟"

"اوہ، شکریہ۔" وہ جلدی سے بولی۔ "لیکن....."

"آؤ میرے ساتھ۔" میں نے اپنا ہاتھ اس کی
جانب بڑھا دیا۔

شاہ رخ نے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دیا۔ ہم
پارکنگ کی جانب بڑھنے لگے۔ میں نے اس کا ہاتھ تھامے

تھامے پوچھا۔

"مجھ سے دوستی کروگی؟"

"کیا ابھی تک ہوئی نہیں؟" وہ چہک کر بولی۔

میں نے کہا۔ "تم بتاؤ؟"

"اگر ہوئی نہ ہوتی تو میں آدھی رات کو تمہارا ہاتھ تھامے یوں سکون سے نہ چل رہی ہوتی۔" وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی۔ "تم سے دوستی تو اسی لمحے ہوگئی تھی جب تم میری حفاظت کے لیے میدان میں کود پڑے تھے۔ کوئی دوست ہی اس طرح مدد کے لیے آگے آتا ہے۔"

میں نے گرم جوشی سے اس کا ہاتھ دبایا تو وہ گٹار کو ایک طرف پھینک کر میرے سینے سے لگ گئی۔ ہم یک جان دو قالب ہوگئے۔ اس کا سینہ دھونکنی کی طرح چل رہا تھا۔ میں چند لمحات تک اس کے زرخیز بدن کی حدت اور منہ زور جذبات کی شدت کو اپنے جسم پر محسوس کرتا رہا پھر اس کے انگارا ہونٹوں پر اپنے ہونٹ رکھ دیے اس کا وجود مجھے انداز میں لرز رہا تھا جیسے اس کے اندر کیف و سرور کی لہریں دوڑ رہی ہوں۔ ان لمحات میں اس کے لبوں کے گداز نے مجھے بتایا کہ جب وہ گاتی تھی تو اس کی آواز میں شیرینی کیسے بھر جاتی تھی وقت گویا تھم کر رہ گیا تھا۔ صرف ہماری سانسیں چل رہی تھیں جو ہمارے زندہ ہونے کی گواہی دے رہی تھیں۔

چند منٹ اسی نشاط انگیز کیفیت میں گزر گئے پھر میں نے اس سے الگ ہوتے ہوئے کہا۔ "میری گاڑی ادھر کھڑی ہے۔"

ساتھ ہی میں نے پارکنگ میں موجود اپنی گاڑی کی سمت اشارہ بھی کردیا۔ وہ اپنے گٹار کو سنبھالتے ہوئے مخمور آواز میں بولی۔

"اوکے......!"

میرے استعمال میں سرخ رنگ کی ہنڈائے سانتانی اسپورٹ ماڈل کی کار تھی جو میں نے پچیس ہزار ڈالرز میں خریدی تھی۔ میرے ہر نوعیت کے اخراجات تو انکل سلطان ہی اٹھایا کرتے تھے۔ اس اسپورٹ کار کی خریداری کے لیے میں نے سرکل اے گروسری والی جاب سے رقم جمع کی تھی۔ مجھے ہنڈائے اسپورٹ کار بہت پسند تھی۔

شارو کار کے اندر بیٹھتے ہوئے بولی۔ "علی! تمہاری گاڑی تو زبردست ہے۔"

"میری ہر شے زبردست ہی ہوتی ہے۔" میں نے کار کو پارکنگ سے باہر نکالتے ہوئے کہا۔ "جیسے میری دوست شارو......!"

"سو لوولی۔" وہ کھنک دار آواز میں بولی۔ "تم باتوں کے جادوگر ہو۔"

"اب بتاؤ' جادو کے زور پر تمہیں کہاں پہنچا دوں؟"

"سانتانی میں بیٹھے ہیں تو سانتانی ہی چلتے ہیں۔" وہ شوخ لہجے میں بولی۔

میں نے حیرت بھری نظر سے اپنے پہلو میں بیٹھی شارو کی جانب دیکھا اور پوچھا۔ "کیا تم سانتانی میں رہتی ہو؟"

میری حیرت کا سبب یہ تھا کہ سانتانی دراصل امریکی ریاست نیو میکسیکو کی ایک کاؤنٹی تھی اور اس کی حیثیت نیو میکسیکو کے کیپٹل کی تھی جبکہ ہم اس وقت ریاست ٹیکساس کے شہر لیک جیکسن میں تھے۔ نیو میکسیکو اسٹیٹ، ٹیکساس اور ایری زونا اسٹیٹ کے درمیان واقع تھی۔ ایری زونا کے بعد کیلی فورنیا اسٹیٹ شروع ہوجاتی تھی۔ کیلی فورنیا دنیا کا آخری مغربی کنارہ ہے۔ اس کے بعد ٹھاٹھیں مارتا ہوا دنیا کا سب سے بڑا سمندر پیسفک اوشین یعنی بحرالکاہل ہزاروں کلومیٹر تک پھیلا ہوا ہے۔ اس کے اختتام پر دنیا کا آخری مشرقی کنارہ یعنی جاپان شروع ہوجاتا ہے۔

"ارے نہیں، میں تو مذاق کررہی تھی۔" شارو کی نقرئی آواز نے میری سماعت میں رس گھول دیا۔ "میں تو ادھر سپر ایٹ میں رہتی ہوں۔"

"سپر ایٹ موٹل؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں ہاں...... وہی۔" وہ گردن ہلاتے ہوئے بولی۔

میں نے گاڑی کو آگے بڑھا دیا۔ سپر ایٹ موٹل ہائی بے ڈبل تھری نو پر واقع تھا۔ یہ لیک جیکسن ہی کا علاقہ تھا اور لیک جیکسن سٹی سے محض چار کلومیٹر کے فاصلے پر تھا۔ راستے میں شارو نے مجھے بتایا کہ وہ سپر۔ ایٹ کے جس کمرے میں رہتی تھی، وہاں اس کے ساتھ پاؤلا نامی ایک اور لڑکی بھی قیام پذیر تھی۔ سپر۔ ایٹ موٹل کے مذکورہ کمرے کا کرایہ پچاس ڈالر یومیہ تھا لیکن انہوں نے چونکہ ماہانہ بنیادوں پر وہ کمرا حاصل کررکھا تھا لہٰذا موٹل [illegible] کو ماہانہ پانچ سو ڈالرز ادا کرتی تھیں۔ اس طرح ہر ایک [illegible] حصے میں ڈھائی سو، ڈھائی سو ڈالرز آتے تھے۔

ہم ہائی پر آئے تو چار موٹر سائیکل سواروں نے ہمیں گھیر لیا۔ اگر میں گاڑی کو بریک نہیں لگاتا تو کوئی سنگین حادثہ پیش آسکتا تھا۔ ان موٹر سائیکل سواروں کے تیور بتاتے تھے کہ ان کے ارادے نیک نہیں ہیں۔ ان چاروں کے پاس اسپورٹ بائیکس تھیں اور انہوں نے ہیلمٹ پہن رکھے تھے جن کے باعث ان کے چہرے دکھائی نہیں دے رہے

تھے۔ مجھے یہ اندازہ لگانے میں دیر نہیں لگی کہ [illegible]
میں نے گاڑی کو سڑک کے کنارے روکا اور
شاہ سے کہا۔ "کچھ گڑبڑ ہے، تم گاڑی سے باہر مت
نکلنا۔ میں ذرا ان سے ملاقات کرکے آتا ہوں۔"

"ذرا سنبھل کر جانا!" وہ تشویش بھرے لہجے میں بولی۔ "مجھے تو یہ بدمعاش قسم کے لوگ لگ رہے ہیں۔"

"بندے تو سب اللہ ہی کے ہیں لیکن کچھ لوگ اللہ کے احکامات کو بھلا کر شیطان کی چاکری میں چلے جاتے ہیں اور وہ لوگ [illegible] شیطان کے چیلوں کے اشاروں پر ناچنے لگتے ہیں۔" میں نے گمبیر انداز میں کہا۔ "تم فکر نہ کرو۔ مجھے ایسے لوگوں سے نمٹنا آتا ہے۔"

میں گاڑی سے اتر گیا۔ وہ نصف شب کا وقت تھا۔ [illegible] اس سناٹے اور تنہائی کا سہارا لے کر انہوں نے مجھے گھیرنے کی منصوبہ بندی کی تھی۔ میں چاہتا تو انہیں روندتے ہوئے اپنی گاڑی کو آگے بڑھا لے جاتا لیکن ان کے ارادے بھی جاننے ضروری تھے [illegible] میری [illegible] طرح [illegible] ان میں سے کسی کو [illegible] جان سے [illegible] میں نے ان سے دو دو ہاتھ کرنے کے لیے اپنی گاڑی کو [illegible] روک دیا تھا۔

"تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟" میں نے بآواز بلند استفسار کیا۔ "مت [illegible] ان سے دوستی [illegible] کی کوشش [illegible]"

انہوں نے مجھے گھیرے میں لیا ہوا تھا۔ ایک ہیلمٹ کے پیچھے سے بولا۔ "اگر [illegible] تم نے [illegible] کیا [illegible]"
"ہمیں وہ لڑکی چاہیے [illegible] تم [illegible] باگ [illegible] تمہاری عزت کرتے ہیں..."

آخری جملہ ادا کرنے کے بعد وہ بھونڈے انداز میں ہنسا تھا۔

"میں اور یہ لڑکی..." میں کسی چٹان کے مانند جم کر کھڑا ہو گیا۔ "دیکھتے ہیں کون کس کی عزت کرتا ہے اور ...شاہ کس کے ساتھ جاتی ہے!"

انہوں نے چاروں طرف سے مجھ پر چڑھائی کردی۔ میں [illegible] کی کوشش کر رہا تھا۔ [illegible] کے کنارے پر ایک جانب [illegible] ہوئے تھے۔ [illegible] آدھا [illegible] موٹر سائیکلوں کی [illegible]

ہیلمٹ [illegible] موٹر سائیکل سواروں کے چہرے نظر [illegible] تھے۔ ان کے ارادے میرے لیے شدید [illegible] تھی۔ وہ مجھے اپنی موٹر سائیکلوں کے [illegible] کے نیچے کچل کر [illegible] چاہتے تھے۔ اب اس بات میں کوئی شک [illegible] تھی کہ انہیں میری [illegible] کے لیے [illegible] نے بھیجا تھا۔ مجھے [illegible] کے [illegible] طرح [illegible] تھے۔ [illegible] کے بعد اس نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا تھا... پھر وہ [illegible] ...اس کی [illegible] ایک کردیا

[illegible] کے [illegible] اپنی موٹر سائیکلوں کی مدد سے میرا [illegible] کا [illegible] میں لگے ہوئے تھے لیکن میں کسی بھی طرح ان کے قابو میں نہیں آرہا تھا۔ میرا جسم برق رفتاری سے دائیں بائیں اور آگے پیچھے حرکت کررہا تھا۔ [illegible] ہو رہے تھے پھر مجھے ایک موقع مل گیا۔

[illegible] موٹر سائیکل سوار [illegible] سے میری جانب [illegible] میرے [illegible] پہنچنے سے پہلے انہوں نے [illegible] میرے [illegible] جانے کا [illegible] کے [illegible] تھے۔

میرا [illegible] لیکن وہ [illegible] موٹر سائیکل بری طرح ایک [illegible] سے ٹکرا گئے [illegible] ان کے [illegible] کی آواز پیدا ہوئی۔ اس کے ساتھ ہی [illegible] کی [illegible] نے رات کے سناٹے میں ارتعاش پیدا کردیا۔ [illegible] اس [illegible] کے نتیجے میں بری طرح زخمی ہو کر [illegible] تھے [illegible] موقع نہیں ملا۔ میں ادھر سے [illegible] اور میں نے [illegible] اور [illegible]

اپنے ساتھیوں کی [illegible] دوسرے [illegible] موٹر سائیکل سوار [illegible] میری طرف [illegible] ایک موٹر سائیکل سوار کے [illegible] جسم میں ایک خاص قسم کی پھرتی آگئی تھی اور میری [illegible]

کر کے کھڑے ہو چکے تھے۔
ویسے اس بات میں کوئی شک نہیں کہ لڑائی بھڑائی کے لیے جسمانی طاقت کے علاوہ حوصلے کی بھی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ اگر انسان کے جسم میں بے پناہ طاقت ہو مگر وہ فطرتاً بزدل ہو تو اس کی طاقت اسے فتح حاصل نہیں کرنے دیتی۔ جسمانی طاقت کی اہمیت سے انکار نہیں مگر انسان کو اندر سے مضبوط ہونا چاہیے اور افضل شاہ اندر سے نڈر اور دلیر تھا..... بے خوف اور پُراعتماد تھا۔
پہلی ضرب کا شکار ہونے والا موٹر سائیکل سوار فضا میں بلند ہوا اور پشت کے بل نالی طرف جا گرا۔ اس گرنے سے اس کی کمر کا سارا حصہ نالی پر آ گرا تھا۔ اس کے حلق سے ایسی آواز خارج ہوئی جیسے کسی کی کمر ٹوٹ گئی ہو۔
دوسرا جو حملہ آور تھا وہ بھی فوراً موٹر سائیکل سے اٹھ کر موٹر سائیکل سوار کو شکل میں ڈال دینے لگے۔ ادھر کے موٹر سائیکل سوار بھی جا کر چڑھتے موٹر سائیکل والے کے ساتھ جا ملے، پھر وہ دونوں موٹر سائیکلیں آپس میں الجھ کر ان دونوں کو بھی لے گریں۔ یہ سب چند لمحوں میں ہو گیا۔ میں نے دیکھا کہ ان میں کچھ دیر پڑے رہنے کی فطرت میں بھی کوئی حرکت نہیں تھی۔ میرے چاروں دشمن کسی نہ کسی انداز میں میرے سامنے بری طرح زخمی ہو چکے تھے۔
پھر میں اپنی گاڑی کی سمت بڑھا تو وہ چاروں کسی نہ کسی طرح اٹھ کر میرا راستہ روکنے کی کوشش کرنے لگے۔ جب میں ایک کو دور پھینکتا تھا تو میں نے ان چاروں کے نزدیک جیب سے ایک چمک دیکھی جس میں سے کچھ نکالنے کی کوشش میں تھے، لیکن افضل شاہ کے نزدیک سے ایک مضبوط ہاتھ آیا جس نے ان کی مرمت کر دی۔ ہو سکتا ہے یہ سلسلہ کچھ دیر اور چلتا کہ وہاں کی صورت حال اچانک بدل گئی۔
میں نے ایک سفید گاڑی کو اسی سمت میں آتے ہوئے دیکھا۔ وہ تیز رفتاری سے ہمارے قریب آئی پھر اس نے پوری قوت سے بریک لگائے۔ ٹائروں کی چرچراہٹ سے فضا گونج اٹھی۔ وہ سلور کلر کی ایک قیمتی گاڑی تھی اور اس قیمتی کار کی اگلی نشست پر ایک پُرکشش سی عورت براجمان تھی۔
سرا ڈی گاڑی کا جدید ترین ماڈل ”کیمرین“ تھا جس کی قیمت کروڑوں میں ہو گی۔ جو جدید ترین سہولتوں سے آراستہ ہوتی ہے...
”ارے..... اتنا بپھا گیا کیا.....؟“
اسی دوران میں اس کا باوردی ڈرائیور گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔ اس نے ہم سب کو ایک ایک کر کے دیکھتے ہوئے بہ آواز بلند کہا۔
”چلو..... دفع ہو جاؤ یہاں سے ورنہ میں کوئی چالان کروں گا۔“
اس کی دھمکی کا مجھ پر کوئی اثر نہیں ہوا تاہم وہ چاروں حملہ آور موٹر سائیکل سوار کسی نہ کسی طرح سنبھل کر وہاں سے روانہ ہو گئے۔ میں اپنی گاڑی کی جانب بڑھنے لگا تو کسی نے دروازے سے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔
”اے مسٹر! میڈم آپ کو بلا رہی ہیں۔“
مجھ سے پہلے میڈم نے اس کی جگہ لی جو کہ ایک خوبصورت اور کم عمر عورت تھی جو اس Q-7 کی اگلی نشست پر براجمان تھی۔ میں نے ایک لمحے کے لیے اپنی گاڑی کی طرف دیکھا اور گاڑی کے اندر موجود سوار کو دیکھ کر جس کی آنکھوں میں اطمینان تھا۔ مجھے لگا کہ میڈم کی جانب بڑھ رہا ہوں۔
میں جب گاڑی کی کھڑکی کے قریب پہنچا تو اس عورت نے بڑی دل آویز مسکراہٹ سے میرا استقبال کیا اور پوچھا۔
”تم کافی بہادر نوجوان ہو..... تمہارا نام کیا ہے؟“
وہ عورت بڑی ناز و ادا سے اور غرور کی شخصیت کی مالک تھی جس میں اس کے حسن کا بھی حصہ تھا۔ میں نے ملائمت بھرے انداز میں جواب دیا۔
”اسد علی!“
”مسٹر اسد! تمہیں کوئی چوٹ تو نہیں آئی؟“
”نہیں..... میں ٹھیک ہوں۔“ میں نے مختصر انداز میں جواب دیا۔
”ویری گڈ!“ وہ اپنے مخصوص دلکش انداز میں مسکرائی اور بولی۔ ”رات میں باہر نکلو تو احتیاط سے چلا کرو..... تمہارے ساتھ تو کوئی لڑکی بھی ہے۔“
”ٹھیک ہے۔“ میں نے سرسری انداز میں کہا۔ ”میں آئندہ اس بات کا خیال رکھوں گا۔“
”مجھے بہادر اور نڈر لوگ بہت اچھے لگتے ہیں۔“ اس نے میری جانب بڑی دلچسپی سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ”میں ایسے افراد کی بڑی قدر کرتی ہوں۔ تمہیں اگر زندگی میں کبھی میری مدد کی ضرورت پیش آئے تو یاد کر لینا، میں تمہیں ملوں گی۔“

میں خاموشی سے اسے دیکھتا چلا گیا۔ میں نے اس کی پیش کش کو قبول کرنے کا عندیہ دیا اور نہ مسترد کرنے کا اشارہ۔

اس نے اپنے بیش قیمت بیگ میں سے وزیٹنگ کارڈ نکال کر میری جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''یہ رکھ لو۔ مجھ سے رابطہ کرنے میں آسانی رہے گی۔''

میں نے اس کے ہاتھ سے کارڈ لے لیا۔

''بائے ......!'' اس نے ہاتھ ہلا کر متبسم انداز میں مجھے الوداع کہا اور اس کے ڈرائیور نے ایک جھٹکے سے چار چھلوں والی اوڈی آگے بڑھادی۔

میں اپنی ہنڈا ئے میں بیٹھا اور گاڑی کو ہائی وے پر ڈال دیا۔ شارو نے تشویش بھرے لہجے میں پوچھا۔

''چار چھلوں والی گاڑی میں کون تھی؟''

اوڈی کار کو امریکا میں یار لوگ عموماً ''چار چھلوں والی گاڑی'' کہہ کر پکارتے ہیں اور اس کی وجۂ تسمیہ یہ ہے کہ اوڈی کے لوگو میں چار رنگ بنے ہوئے ہیں جو دراصل چار مختلف آٹو موبائل کمپنیز کی نمائندگی کرتے ہیں' اوڈی کار کا بانی ایک جرمن شخص ''اوگسٹ ہاش'' تھا جس نے **1910**ء میں چار آٹو موبائل کمپنیز کو ایک ساتھ ملا کر اوڈی کمپنی کی بنیاد رکھی تھی اور ان چار کمپنیز میں سرفہرست واکس واگن کمپنی ہے۔ اوڈی کی زندگی میں واکس واگن کی حیثیت والد محترم ایسی ہے۔ ایک سو پانچ سال گزر جانے کے بعد بھی اوڈی کار کی شان وشوکت اور قدر و قیمت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ آج بھی اس کا شمار دنیا کی بیش قیمت عمدہ آٹومینک لگژری کاروں میں ہوتا ہے۔

میں نے اس اوڈی والی میڈم کا وزیٹنگ کارڈ شارو کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''خود دیکھ لو۔''

اس نے میرے ہاتھ سے وزیٹنگ کارڈ لے کر بہ آواز بلند پڑھا۔ ''ڈیلفینا ...... گیلویسٹن۔''

''کچھ پتا چلا' یہ کیا چیز ہے؟'' میں نے شارو سے پوچھا۔

''بس یہی پتا چلا ہے کہ اس کا نام ڈیلفینا ہے اور یہ... گیلویسٹن میں کہیں رہتی ہے۔'' اس نے جواب دیا۔ ''نیچے اس کا فون نمبر درج ہے۔'' پھر اس نے ڈیلفینا کا نمبر بھی پڑھ ڈالا۔ ''ایٹ ڈبل زیرو ڈبل فور فائیو ڈبل زیرو نائن زیرو۔''

''کچھ پلّے پڑا؟'' میں نے پھر پوچھا۔

''نہیں ......'' شارو نے نفی میں گردن ہلائی۔ ''اس کے کانٹیکٹ نمبر میں ''ڈبل'' کی بہت تکرار ہے جس سے لگتا ہے یہ عورت ڈبل کراس قسم کی کوئی شے ہے۔''

''ہوں......'' میں نے گمبھیر انداز میں کہا۔

اس نے پوچھا۔ "کیا کہہ رہی تھی وہ لڑکی؟"

"کہہ رہی تھی کہ اگر زندگی میں کبھی مجھے اس کی مدد کی ضرورت محسوس ہو تو میں اسے یاد کروں۔" میں نے بڑی معصومیت سے جواب دیا۔

"پھر تمہیں وہ بلینک کارڈ بڑی احتیاط سے سنبھال کر رکھنا چاہیے۔" وہ کورو وزٹنگ کارڈ کو میری جانب بڑھاتے ہوئے بولی۔

میں نے وہ کارڈ اپنی جیب میں رکھنے کے بعد کہا۔ "ستارہ وہ آئی جو مجھے تمہارے قریب [illegible] نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ کیا تم میرے چند سوالات کا جواب دو گی؟"

"ضرور دوں گی۔" وہ بڑی تحمل سے بولی۔ "زندگی میں کچھ چھپانا تو نہیں چاہتی جو پوچھو گے میں بتادوں گی۔"

"اس وقت مجھ کو کوئی شک نہیں کہ یہ چوہدری [illegible] کے پیچھے ہوتے تھے۔" میں نے پھر اسے ہوٹل کی جانب سفر جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "مجھے بتاؤ ان لوگوں کے ساتھ تمہارا کیا مسئلہ ہے؟"

"کوئی مسئلہ نہیں ہے۔" اس نے کہا۔

"تو پھر تم [illegible] کیوں رہنا چاہتی ہو؟" میں نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔ [illegible] میری [illegible] اس نے [illegible] کہ تمہارے ساتھ اس کا کوئی پرانا حساب ہے [illegible]۔ میں جاننا چاہتا ہوں تمہارا اس کے ساتھ کون سا حساب ہے۔ کیا [illegible] دینا ہے؟"

"ہاں ایسی ہی بات ہے۔" اس نے کہا۔

"مطلب تم نے ان سے [illegible] اور اسی کے لیے تم [illegible] ہو؟" میں نے سوالیہ نظر سے اس کی طرف دیکھا۔

"تم غلط سمجھ رہے ہو۔" وہ جلدی سے بولی۔ "ایسی کوئی بات نہیں۔"

"پھر کیا بات ہے مجھے بتاؤ۔" میں نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"پیٹر دراصل ایک خطرناک اور بدمعاش شخص ہے۔" وہ وضاحت کرتے ہوئے بولی۔ "وہ چاہتا ہے کہ میں اسے [illegible] کا مطالبہ کر رہا ہے [illegible] رکھتا ہے۔ وہ [illegible] اور پیش کرتا ہے۔ میں کافی دنوں سے اسے بہلا پھسلا کر ٹال رہی ہوں۔ [illegible]

"تمہارا پیٹر کی [illegible] سے کیا تعلق ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ایک بڑا دولت مند۔" اس نے بتایا۔

"کیا تم اس آدمی میں دلچسپی ہو؟"

"ہرگز نہیں۔" وہ تعجب سے بولی۔ "مگر میرے پاس اور کوئی راستہ نہیں [illegible]۔"

اس کے بعد کچھ [illegible] نے مجھے الجھن [illegible] کر دیا۔ میں نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "تم فکر نہ کرو۔ میں خود ہی تمہارے لیے کوئی راستہ نکالوں گا۔ ایک بات بتاؤ؟"

"کیا بات ہے... پوچھو۔" اس نے میری طرف دیکھا۔

"اگر تمہیں کوئی اس سے بہتر [illegible] مل جائے تو کیا تم [illegible] چھوڑ سکتی ہو؟" میں نے گہری سنجیدگی سے پوچھا۔

"ہاں... چھوڑ دوں گی۔" وہ مضبوط لہجے میں بولی۔

"او کے... میں تمہارے لیے کچھ کرتا ہوں۔" میں نے پُرعزم لہجے میں کہا۔ "[illegible] میں بہت جلد تمہیں اس [illegible] سے نکال دوں گا۔"

[illegible] ایک ہوٹل کے سامنے رک گئی۔ میں نے گاڑی [illegible] کہا۔ "[illegible]"

وہ [illegible] ہوئے بولی۔ "او کے [illegible]"

"[illegible]" میں نے کہا۔ "اگر کوئی [illegible] تو مجھے کال کر سکتی ہو۔"

"[illegible]" اس نے کہا۔

[illegible] اس کے بعد [illegible] میں [illegible] گاڑی سے اتر گئی اور تیز قدموں سے ہوٹل کے گیٹ کی جانب بڑھ گئی۔

ستارہ ہوٹل کے اندر داخل ہوگئی تو میں نے گاڑی آگے بڑھا دی۔

پھر ہماری اکثر ملاقاتیں ہونے لگیں۔ ہر گزرتے دن کے ساتھ ہماری دوستی مضبوط سے مضبوط تر ہوتی چلی گئی۔ ہماری ہر ملاقات پہلے سے زیادہ [illegible] اور [illegible] ہوتی۔ [illegible] سب کچھ ٹھیک ٹھاک چل رہا تھا کہ چند روز پہلے ایک [illegible] پیش آ گیا۔

ہم دونوں [illegible] کے بعد [illegible] سامنے ہو گیا۔ [illegible] جانب [illegible]

اتفاقیہ آمنا سامنا تھا۔ اس کے ساتھ دو میکسیکن اور بھی تھے۔ میں نے اسے نظر انداز کر کے آگے بڑھنا چاہا تو اس نے مجھے ماں کی ایک غلیظ گالی دی۔ میں اس کی اس کمینی حرکت کو برداشت نہ کر سکا اور ہمارے بیچ مار اماری شروع ہو گئی۔

پچھلے معرکوں کی طرح اس بار بھی نتیجہ میرے حق میں برآمد ہوا اور لیونارڈ وائنڈ کمپنی کو میرے ہاتھوں پٹنے کے بعد دم دبا کر بھاگنے پر مجبور ہونا پڑا۔ اس روز گھر کی جانب واپسی کے سفر کے دوران میں' میں نے شارو سے واضح الفاظ میں کہہ دیا۔

''کل سے تم ونی لاؤنج نہیں جاؤ گی...... ڈیٹس آل!''

''ونی لاؤنج نہیں جاؤں گی تو پھر کیا کروں گی؟'' اس نے حیرت بھرے لہجے میں استفسار کیا۔ ''یہ تو میرا روزگار ہے۔''

''اپنے موٹل میں آرام کرو گی۔'' میں نے دوٹوک الفاظ میں کہہ دیا۔ ''میں تمہارے لیے کسی معقول جاب کا انتظام کروں گا اور تمہارا روزگار چل نکلے گا۔''

''اور جب تک انتظام نہیں ہو جاتا......'' اس نے سوالیہ نظر سے میری طرف دیکھا۔ ''میرا گزارہ کیسے ہوگا؟''

''میں تمہیں فیڈ کروں گا۔'' میں نے مضبوط لہجے میں کہا۔ ''تمہیں کسی بھی حوالے سے فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔''

''لیکن اس نیک کام میں دیر نہیں لگانا۔'' وہ تاکیدی لہجے میں بولی۔ ''میں تم پر زیادہ دباؤ...... نہیں ڈالنا چاہتی ...... تم میری بات سمجھ رہے ہو نا؟''

''اچھی طرح سمجھ رہا ہوں۔'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''اور تم بھی میری ایک بات ذہن نشین کر لو شارو۔'' لمحاتی توقف کر کے میں نے ایک گہری سانس لی پھر سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے کہا۔

''دوستی میں دباؤ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ دوستی کسی پُل کے مانند ہوتی ہے جس کے ستونوں پر بڑی ذمے داری عائد ہوتی ہے۔ دوستی کے پُل کو قائم و دائم اور مضبوط رکھنے کے لیے ستونوں کو ہر نوعیت کا دباؤ سہنا پڑتا ہے۔''

''او کے...... میں سمجھ گئی۔'' اس نے سر کو اثباتی جنبش دیتے ہوئے کہا۔

اس روز کے بعد میں نے شارو کی کسی معقول جاب کے لیے سنجیدگی سے کوشش شروع کر دی تھیں۔ میں چاہتا تھا' وہ کسی ایسی جگہ کام کرے جہاں اسے اچھے پیسے ملیں اور اپنی عزت و جان کا تحفظ بھی حاصل ہو۔ میری یہ کوشش جاری تھی کہ نظار والا واقعہ پیش آ گیا تھا۔

☆☆☆

رات کو میں دیر تک نظار کے بارے میں سوچتا رہا تھا اور جب صبح میں بیدار ہوا تو تب بھی وہ میرے ذہن پر سوار تھا۔ گزشتہ روز اسٹور پر جو واقعہ پیش آیا تھا اس نے میرے اعصاب کو جھنجوڑ کر رکھ دیا تھا۔ نظار سے میری ایک سال سے وابستگی تھی۔ وہ بہت ہی ملنسار اور خوش اخلاق شخص تھا۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے وہ موت کے منہ میں چلا گیا تھا۔ اس کی موت سے مجھے گہرا صدمہ ہوا تھا۔

میں سو کر اٹھا تو سر سوا من وزنی محسوس ہو رہا تھا۔ سر کے عقبی حصے میں درد کی ٹیسیں بھی اٹھ رہی تھیں۔ مجھے سر پر کسی قسم کی کوئی چوٹ نہیں لگی تھی۔ یہ سب اعصابی دباؤ کا نتیجہ تھا۔ بہرحال، ایک نئے دن کا آغاز تو کرنا تھا۔ میں نے بوجھل دل کے ساتھ ہلکا پھلکا ناشتا کیا اور انکل سلطان کی طرف آ گیا۔ کل والے سانحے کی انہیں اطلاع دینا بہت ضروری تھا۔

''میرے بچے!'' پوری بات توجہ سے سننے کے بعد انہوں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''میں جانتا ہوں، تمہارا دل تمہاری نیت اور تمہارے ہاتھ صاف ہیں اس لیے تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔''

''میں اپنے لیے پریشان نہیں ہوں انکل۔'' میں نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ ''میرے چہرے پر آپ کو جو فکرمندی نظر آ رہی ہے، یہ سب نظار کی ناگہانی جدائی کے سبب ہے۔ میرا اس کے ساتھ دل لگ گیا تھا۔''

''میرے بچے! دل کے معاملات ایسے ہی سنگین ہوتے ہیں۔'' وہ فلسفیانہ انداز میں بولے۔ ''دل جب کہیں لگ جاتا ہے تو پھر انسان کے احساسات اسی نوعیت کے ہو جاتے ہیں۔ یہ تو شکر کرو نظار ایک مرد تھا۔ اگر کسی لڑکی سے تمہارا دل لگ گیا ہوتا تو پھر یہ لمحات بڑے اذیت ناک ہو جاتے۔''

میرے چہرے پر ایک رنگ سا آ کر گزر گیا۔ میرا دل بے طرح شارو کے لیے دھڑکنے لگا تھا۔ میں اسے پسند کرتا تھا۔ میں نہیں جانتا کہ میری اس پسندیدگی کو محبت کا نام دیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ ہاں' اس امر میں کسی شک و شبہے کی گنجائش نہیں تھی کہ وہ مجھے اچھی لگتی تھی اور میں اسے ہر وقت اپنے آس پاس، دل کے قریب محسوس کرتا تھا۔

شاید یہ انکل کی بات کا تسلسل تھا یا انہوں نے میرے دلی جذبات کو چہرے پر ابھرنے والے تاثرات سے بھانپ لیا تھا۔ نہایت ہی گمبھیر انداز میں انہوں نے کہا۔

''چند روز پہلے کسی نائٹ کلب میں تمہارا غنڈوں سے

بھٹا ہوا پایا تھا۔ [illegible] کیا ہے
وہاں کے تمہارے اسٹور پر ڈاکو کی کشمکش [illegible] کیا یہ اس علاقے کی کوئی نئی بات نہیں ہے؟"

"مجھے ذرا ایسا ہی لگا۔" میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ "اگر یہ وہی پرانا معاملہ ہو تو وہ لوگ کلاشنکوف [illegible] مجھے کیا پتا۔ میں بتا سکتا ہوں کہ ایک ماہ قبل کی واردات بھی جس میں [illegible] نے [illegible] پر گولی چلا دی تھی۔ مجھے ان دونوں واقعات میں کوئی ربط نظر نہیں آتا۔"

"ہوں..." انہوں نے ایک گہری سانس خارج کی۔ "میرے بچے! تم نے پولیس کے ساتھ پورا تعاون کرنا ہے۔ وہ جو بھی سوال کریں، اس کا ٹھیک ٹھیک جواب دینا ہے۔ اللہ تمہاری حفاظت کرے گا۔"

میں مزید تھوڑی دیر تک انکل سلطان کے پاس بیٹھا حالات حاضرہ پر بات چیت کرتا رہا پھر [illegible] کی جانب روانہ ہو گیا۔ [illegible] اپنی گاڑی پر [illegible] کا فاصلہ [illegible] اگر میں آرام سے [illegible] تو ایک گھنٹے میں طے کیا جا سکتا تھا۔

جب میں [illegible] پہنچا تو اسٹور کے باہر پولیس کی گاڑی کو موجود پایا۔ اس کا مطلب یہی تھا کہ میری آمد سے قبل ہی پولیس نے اپنا تفتیشی کام شروع کر دیا تھا۔ میں اسٹور کے اندر داخل ہوا [illegible] کے اوقات ہو گئے [illegible] آج [illegible] اسٹور پر آ گیا تھا [illegible] میں ہم لوگ ایسا ہی کرتے تھے [illegible] کوئی [illegible] اس کی جگہ [illegible] کی مستقل [illegible] کر لیا تھا۔

میں نے پاپا کو سلام کیا تو اس نے کہا۔ "اچھا ہوا تم وقت پر آ گئے۔ پولیس والے بھی تھوڑی دیر پہلے ہی آئے ہیں۔ انہوں نے سب سے پہلے تمہارا ہی پوچھا تھا۔ وہ تمہیں پولیس اسٹیشن لے جانا چاہتے ہیں۔"

"پولیس اسٹیشن!" میں نے چونک کر پاپا کی طرف دیکھا۔ "مگر کیوں؟"

میری آواز اتنی بلند تھی کہ پولیس آفیسر میری جانب متوجہ ہو گیا۔ وہ میرے نزدیک آیا اور مجھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے بولا۔

"[illegible]"

"تمہیں تو اسٹور پر ہونا چاہیے تھا۔"

"آپ کل رات مجھ سے سب کچھ پوچھ چکے ہیں۔" میں نے [illegible] کہا۔ "اب باقی کیا رہ گیا ہے؟"

"کیا تمہیں پولیس اسٹیشن جانے پر کوئی اعتراض ہے؟" اس نے عجیب سے لہجے میں استفسار کیا۔

"نن... نہیں..." میں اٹک کر بولا۔

"تو پھر چلو۔" وہ [illegible] انداز میں بولا۔ "ہمارے سینئر آفیسر تم سے چند سوالات کرنا چاہتے ہیں۔ تم جس گاڑی میں [illegible] تھوڑی دیر بعد تمہیں اسی گاڑی میں یہاں اسٹور پر چھوڑ دیا جائے گا۔"

"ٹھیک ہے [illegible]۔" میں نے کہا۔

پاپا نے میری حوصلہ افزائی کی اور کندھا تھپتھپایا۔

"ڈونٹ وری کڈ!"

پولیس آفیسر نے اسٹور پر [illegible] ایک [illegible] کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کر پولیس ڈیپارٹمنٹ کی جانب روانہ ہو گیا۔ [illegible] تک پہنچنے میں [illegible] وقت لگے [illegible] کا ایک [illegible] سا فاصلہ تھا۔

مجھے ایک چھوٹے سے کمرے میں بٹھا دیا گیا جہاں ایک شخص پہلے سے موجود تھا۔ یقیناً وہ بھی کوئی پولیس والا ہی [illegible] اس وقت [illegible] میں [illegible] تھا۔ [illegible]

[illegible]

میرے ساتھ آنے والے پولیس والے نے اس شخص سے [illegible] ہوئے کہا۔ "[illegible] تم اس [illegible]"

"[illegible]!" اس نے [illegible] شخص [illegible] کر میری [illegible]

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-



میکسیکن تمہارے اسٹور پر آئے تھے اور ان میں سے ایک نے تمہارے ساتھی نظار کو شوٹ کر دیا تھا' تم ان کے حلیوں کی تفصیل فریڈی کو بتاؤ۔ یہ ان کے خاکے تیار کر دے گا جس سے ان دونوں میکسیکن کی تلاش میں بہت مدد ملے گی۔''

''جی ٹھیک ہے۔'' یہ کہتے ہوئے میں فریڈی کے سامنے بیٹھ گیا۔

پولیس والا ہم دونوں کو کمرے میں چھوڑ کر واپس چلا گیا۔ فریڈی نے ڈرائنگ بورڈ پر ڈرائنگ شیٹ لگائی اور پینسل اٹھا کر سوالیہ نظر سے میری طرف دیکھنے لگا۔ اس کی نظر میں چھپے اشارے کو سمجھ کر میں شروع ہو گیا اور اسے ان میکسیکن کے حلیوں کی تفصیل کے بارے میں بتانے لگا۔ دونوں منحوسوں کے چہرے مجھے اچھی طرح یاد تھے۔ وہ اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔

پندرہ بیس منٹ کی محنت کے بعد فریڈی نے دو ڈرائنگ شیٹس پر دو خاکے تیار کر لیے پھر وہ خاکے مجھے دکھاتے ہوئے بولا۔

''انہیں غور سے دیکھو اور مجھے بتاؤ کہ یہ ان میکسیکن لڑکوں سے کس حد تک مشابہت رکھتے ہیں؟''

فریڈی کے لہجے میں تحکم تھا نہ درخواست۔ اس کی آواز سپاٹ اور انداز خالصتاً پیشہ ورانہ تھا جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ اپنے کام سے کام رکھنے والا بندہ ہے اور میرے خیال میں دنیا بھر کے آرٹسٹ اور تخلیقی کام کرنے والے افراد کی اکثریت اسی مزاج اور اسی طبیعت کی مالک ہوتی ہے۔

''میرے خیال میں تم نے اپنے فن کی مدد سے میری بیان کردہ تفصیل کی پچاس فیصد ترجمانی کی ہے۔'' میں نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

''رائٹ یو آر!'' وہ ہونٹوں پر ایک بے نام اور غیر محسوس سی مسکراہٹ کو سجاتے ہوئے بولا۔'' اور اس کا ایک سبب ہے۔''

''کیسا سبب؟'' میں پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

''ویری کلیئر......'' وہ دونوں اسکیچز کو اسکینر میں ڈالتے ہوئے بولا۔''ابھی میں نے پچاس فی صد کام کیا ہے۔ باقی پچاس فی صد کمپیوٹر کی مدد سے ہوگا۔''

ایک منٹ کے اندر دونوں اسکیچز اسکین ہو کر کمپیوٹر کے اندر پہنچ گئے۔ اس نے کمپیوٹر کے ڈسپلے کو میز پر مخصوص اینگل سے ایسے ایڈجسٹ کر دیا جہاں سے ہم دونوں بہ آسانی دیکھ سکتے تھے۔ ایک مرتبہ پھر وہ مجھ سے سوالات کرتے ہوئے اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔

فریڈی نے مجھ سے جو جو پوچھا، میں نے اپنی یادداشت کے سہارے من و عن بتا دیا۔ دونوں کے بالوں کا رنگ، اسٹائل، چہرے کی ساخت، کان، ناک اور ہونٹوں کی بناوٹ، چہرے کی ہڈیوں کے ابھار ...... وغیرہ وغیرہ۔

الغرض، آئندہ پندرہ منٹ میں فریڈی نے اپنی پیشہ ورانہ صلاحیت اور مہارت کو استعمال کر کے کمپیوٹر کی مدد سے دو ایسے خاکے تیار کر لیے جو صد فیصد نہیں، البتہ پچانوے فیصد انہی میکسیکن لڑکوں کے تھے جنہوں نے گزشتہ رات ہمارے اسٹور میں گڑبڑ کی تھی اور اس گڑبڑ کے نتیجے میں نظار اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا۔

''ونڈرفل!'' میں نے توصیفی نظر سے فریڈی کو دیکھا۔''تم نے تو کمال کر دیا۔''

''تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ یہ اسکیچز انہی میکسیکن لڑکوں کے ہیں؟''

فریڈی نے تصدیق طلب انداز میں میری طرف دیکھا۔

''بالکل!'' میں نے جواب دیا۔'' تمہاری مہارت کو مان گیا ہوں۔''

''چلو چھٹی ہوگئی۔'' وہ معنی خیز انداز میں مجھے تکنے لگا۔

''کیا مطلب!'' میں نے الجھن زدہ لہجے میں کہا۔

''چھٹی ہوگئی...... میں سمجھا نہیں!''

ادھر فریڈی کی بات ختم ہوئی، ادھر پولیس والا دوبارہ کمرے میں نمودار ہوا اور مجھے اپنے ساتھ چلنے کا اشارہ کیا۔ میں اٹھا اور چپ چاپ اس کے پیچھے چل پڑا۔

مختلف راہداریوں سے گزرتے ہوئے ہم پولیس چیف آفیسر کے کمرے میں پہنچ گئے۔ پولیس والا مجھے چیف کے کمرے میں داخل کر کے واپس چلا گیا تھا۔ اینگلٹن پولیس ڈپارٹمنٹ کے چیف آفیسر کا نام ڈیوڈ ایش برن تھا۔ ڈیوڈ کی آنکھوں سے ذہانت اور چہرے سے بردباری ٹپکتی تھی۔ وہ ایک سنجیدہ، سمجھ دار دراز قامت شخص تھا۔ میں اس کے سامنے جا کر بیٹھا تو اس نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے ایک تصویر میری جانب بڑھائی اور پوچھا۔

''کیا تم اس شخص کو جانتے ہو؟''

میں نے مذکورہ تصویر کا جائزہ لیا اور فوراً اس شخص کو پہچان لیا۔ میں نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے جلدی سے جواب دیا۔

''یس سر! یہ لیونارڈو ہے۔''

یہ وہی غنڈا تھا جس کے ساتھ ایک ماہ قبل پہلی بار

میری ماں ماری ہوئی تھی۔ پھر چند روز بعد [illegible] آ گئے تھے اور اس مرتبہ بھی اسے خوب مار کر بھگا دیا تھا۔

"چند روز پہلے تمہارا لیڈا ماڈرن سے جھگڑا ہوا تھا؟" چیف کے لہجے میں سوال تھا۔

فیروز الدین بروہی نے "چند روز پہلے" کے الفاظ استعمال کیے تھے۔ یہ جملہ مجھے کسی وقت محسوس نہیں ہوا کہ وہ میری اور لیڈا ماڈرن کی اسی تازہ جھگڑے کا حوالہ دے رہا تھا۔ اس وقت بھی شازیہ میرے ساتھ تھی۔ وہ اور ہم [illegible] پارک سے باہر نکل رہے تھے۔ [illegible] پارک [illegible] میں واقع ڈاؤن ٹاؤن کا ایک [illegible] پارک تھا۔

میں نے جواب دیا۔ "جی سر! آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔"

"جھگڑے کی وجہ کیا تھی؟" پولیس چیف نے پوچھا۔

"میرا مطلب ہے تمہاری اس سے کوئی دشمنی وغیرہ ہے؟"

"نہیں جناب...... کوئی دشمنی نہیں ہے۔" میں نے فوری طور پر جواب دیا۔ "شاید وہ ایک سابق بزنس کا جھگڑا تھا۔"

"سابق بزنس؟" چیف نے سوالیہ نظر سے میری طرف دیکھا۔ "تفصیل بتاؤ۔"

میں نے مختصراً [illegible] چیف کو وہ واقعہ سنایا جب [illegible] ایک بار پہلے بھی "ڈی لازیج" [illegible] کلب میں موجود اور اس کے ساتھی غنڈوں کی دھلائی کی تھی۔ میرے [illegible] پہنچنے سے پہلے چیف تک میری حالیہ [illegible] کی تفصیل پہنچائی گئی تھی۔ اسی لیے اس نے لیڈا ماڈرن کا [illegible] ان باتوں سے میں نے اندازہ لگایا کہ ڈی لازیج والے واقعے سے وہ واقف نہیں تھا۔ اس کی معلومات کا [illegible] پارک والا واقعہ تھا لہٰذا میں نے ڈی لازیج کا ذکر کرتے ہوئے [illegible] میڈم کا تذکرہ گول کر دیا تھا۔ [illegible] وہ [illegible] اور اس میں بھی [illegible] شخصیت کی مالک وہ میڈم ابھی تک میرے ذہن میں تازہ ہو گئی۔ بعض چہرے اور شخصیات ایسی ہوتی ہیں جنہیں یاد نہیں رکھنا پڑتا۔ وہ از خود انسان کی یادداشت میں اپنی جگہ بنا لیتی ہیں۔

"مطلب یہ ہوا کہ لیڈا ماڈرن سے تمہارا جھگڑا ہو چکا ہے؟"

"جی سر!" میں نے اثبات میں جواب دیا۔

"تم [illegible] کہ پچھلی مرتبہ جب تمہارا لیڈا ماڈرن سے جھگڑا ہوا تو اس کا سبب تمہاری گرل فرینڈ شازیہ تھی۔" چیف [illegible]

[illegible]

پارک میں شازیہ تمہارے ساتھ تھی؟"

"نو سر!" میں نے دو ٹوک انداز میں کہا۔ "اس بار لیڈا ماڈرن نے براہ راست مجھے نشانہ بنایا تھا [illegible] میرے [illegible] کر کے [illegible] مجھ [illegible] بات پر [illegible] ہوا تھا......"

"لیڈا ماڈرن نے ایسی کیا بات کی تھی کہ تم آپے سے باہر ہو گئے؟" چیف [illegible] پوچھا تھا۔

مجھے جس مقصد کے لیے پولیس ہیڈکوارٹر بلایا گیا تھا [illegible] اس مقصد سے غیر متعلق نظر آتی تھی۔ مجھ سے گزشتہ رات والے واقعے کے بارے میں پوچھا جانا چاہیے تھا لیکن چیف ایسا کرنے سے گریز [illegible] میں مصروف تھا مگر ظاہر ہے میں اسے ایسا کرنے [illegible] نہیں کہہ سکتا تھا لہٰذا جواب دینا ضروری تھا۔

"اس کمینے نے میری ذات پر حملہ کیا تھا۔ میری ماں کو گالی دی تھی۔" میں نے کہا۔ "اور...... میں برداشت نہیں کر سکا تھا [illegible] اور [illegible] تھا [illegible] ہو گئی تھی۔"

"لیڈا ماڈرن کے ساتھ اس [illegible] تکلف [illegible] کی تھی؟" فیروز الدین بروہی نے سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔

اس سے پہلے کہ میں اس کے سوال کا جواب دیتا، میز پر رکھا ہوا فون بج اٹھا [illegible] اٹھا کر کان سے لگایا پھر [illegible] کہا۔

"ہیلو......"

وہ چند لمحات تک دوسری جانب بولنے والے کی بات سنتا رہا پھر [illegible] "او کے...... آل رائٹ۔"

ریسیور کو کریڈل کرنے کے بعد اس نے مجھے بتایا۔ "سرجن کی کال تھی...... پولیس آفیسر جو [illegible] کر رہا ہے [illegible] تمہارے لیے ایک [illegible] خبر ہے۔"

میں نے چونک کر [illegible] پولیس چیف کی جانب دیکھا اور پوچھا۔ "کیسی خبر؟"

"[illegible] کی [illegible] ہے۔" [illegible]

[illegible]

"او......" میں نے ایک گہری سانس خارج کی۔

''علی! تم ایک لکی انسان ہو۔'' وہ میرے چہرے پر نگاہ جماتے ہوئے بولا۔ ''اگر اس میکسیکن ڈکیت کا نشانہ خطا نہ جاتا تو یہ گولی میڈیسن شیلف کے چوبی فریم کے بجائے تمہاری کھوپڑی میں بھی دھنس سکتی تھی......!''

''تھینکس گاڈ!'' بے ساختہ میرے منہ سے نکلا۔

''لیونارڈو کے ساتھ اس روز دو بندے اور بھی تھے اور تم نے لیونارڈو کے ساتھ انہیں بھی دھو ڈالا تھا۔'' ڈیوڈ دوبارہ اصل موضوع کی طرف آتے ہوئے بولا۔ ''کیا تم ان دو افراد کے حلیوں سے واقف ہو؟''

''کافی حد تک۔'' میں نے جواب دیا۔ ''دوبارہ دیکھوں تو پہچان لوں گا۔''

''دوبارہ دیکھو تو پہچان لوگے۔'' وہ خود کلامی کے انداز میں بولا پھر دو خاکے میرے سامنے رکھتے ہوئے بولا۔ ''کیا یہ انہی افراد کے اسکیچز ہیں؟''

ڈیوڈ ایش برن نے مجھے جو اسکیچز دکھائے تھے یہ وہی خاکے تھے جو تھوڑی دیر پہلے فریڈی نے میری یادداشت کے سہارے تیار کیے تھے۔ میں نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

''نو سر...... یہ تو ان دو میکسیکن ڈکیت کے خاکے ہیں جنہوں نے گزشتہ رات ہمارے اسٹور کا سکون برباد کیا تھا جس کے نتیجے میں میرا ایک دوست اپنی قیمتی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا۔''

''مجھے تمہارے دوست نظار کی موت کا بہت دکھ ہے۔'' ڈیوڈ گہری سنجیدگی سے بولا۔ ''ہمیں چونکہ تمہارے اور لیونارڈو کے جھگڑے کا پتا چل چکا تھا اس لیے ہمارا ذہن لیونارڈو کی طرف گیا تھا اور ہم سوچ رہے تھے کہ شاید لیونارڈو کے ساتھیوں نے پچھلی رات تمہارے اسٹور پر دھاوا بولا ہے لیکن ثابت ہوگیا کہ یہ دونوں معاملات الگ الگ ہیں......'' لمحاتی توقف کرکے اس نے ایک آسودہ سانس خارج کی پھر میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔

''مسٹر علی! اگر مائنڈ نہ کرو تو تمہیں ایک مشورہ دوں!''

''شیور سر...... مجھے خوشی ہوگی۔''

''لیونارڈو جیسے لوگوں سے دور رہا کرو۔'' وہ سمجھانے والے انداز میں بولا۔ ''میرے پاس لیونارڈو کے حوالے سے اور بھی شکایات ہیں۔ میں جانتا ہوں وہ اچھا آدمی نہیں ہے لیکن براہِ راست اس کے معاملے میں ہاتھ نہیں ڈال سکتا۔ یہ سراسر لیک جیکسن پولیس کا ایشو ہے اور میری معلومات کے مطابق لیک جیکسن والے اپنا کام کررہے ہیں۔ وہ لوگ کسی بھی دن ٹھوس ثبوتوں کے ساتھ لیونارڈو کو دھرلیں گے اور عین ممکن ہے وہ رنگے ہاتھوں پکڑا جائے۔''

''اوکے سر......'' میں نے فرماں برداری سے کہا۔ ''میں آپ کی ہدایات کو ذہن میں رکھوں گا اور آئندہ لیونارڈو جیسے فتنہ پرور افراد سے دور رہنے کی کوشش کروں گا۔''

''اب تم جاسکتے ہو۔'' ڈیوڈ ایش برن نے تفتیش کے سلسلے کو سمیٹتے ہوئے کہا۔

''تم نے ان دو میکسیکن ڈکیت کے جو اسکیچز بنوائے ہیں ان کی مدد سے ہم جلد انہیں ڈھونڈ نکالیں گے۔ یہ دونوں اسکیچز واقعے کی ہسٹری کے ساتھ ٹیکساس کے تمام پولیس ڈیپارٹمنٹس کو بھیج دیے جائیں گے بلکہ ٹیکساس کی پڑوسی تمام ریاستوں میں بھی اسی قسم کا اہتمام کیا جائے گا۔ وہ زیادہ دیر تک قانون کی گرفت سے بچ نہیں سکیں گے۔''

''مجھے خوشی ہوگی اگر وہ دونوں شیطان اپنے قرار واقعی انجام کو پہنچیں۔'' میں نے دل کی گہرائیوں سے کہا۔ ''خاص طور پر وہ مردود جس نے نظار پر گولی چلائی تھی۔''

آخری الفاظ ادا کرتے ہوئے میرا لہجہ خاصا تلخ ہوگیا تھا۔ نظار کی ناگہانی جدائی کا صدمہ میرے ایک ایک لفظ سے جھلک رہا تھا اور میری دلی آرزو تھی کہ وہ کمینے جلد از جلد قانون کے شکنجے میں کس دیے جائیں اور ڈیوڈ ایش برن نے ایسے ہی عزم کا اظہار کیا تھا۔

''ایسا ہی ہوگا۔'' وہ پُراعتماد لہجے میں بولا۔ ''وہ ابھی تک ٹیکساس کے اندر ہیں یا کسی اور اسٹیٹ کا رخ کرچکے ہیں، ہر صورت میں وہ ہماری گرفت میں آئیں گے۔ تم ایک فون نمبر نوٹ کرو۔''

چیف کے آخری جملے کے جواب میں، میں نے جیب سے اپنا سیل فون نکال لیا اور سوالیہ نظر سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ بولا۔ ''ایٹ فور نائن ٹو تھری ایٹ تھری۔''

میں نے مذکورہ نمبر اپنے سیل فون میں فیڈ کرلیا اور اس کے بعد چیف کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''غالباً یہ یہاں کا فون نمبر ہے۔''

''غالباً نہیں یقیناً۔'' ڈیوڈ نے پُروثوق لہجے میں کہا۔ ''اگر تم ایننگلٹن سے دور ہو تو اس نمبر سے پہلے ایننگلٹن کا سٹی کوڈ نائن سیون نائن بھی شامل کرلینا۔ تمہارا نمبر ہمارے پاس ہے۔ اگر تمہیں اس واقعے کے حوالے سے کوئی بھی چھوٹی بڑی بات پتا چلے تو تم فوراً ہمیں مطلع کرنے کے ...... میری بات سمجھ رہے ہو نا؟''

''جی بالکل سمجھ رہا ہوں۔'' میں نے اثبات میں

گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ ''اور آپ کو بھی جب میری ضرورت محسوس ہو مجھے ضرور یاد کیجئے گا۔''

''میرا خیال ہے، اب مجھے کبھی زحمت دینے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ ''انشاء اللہ، اگر ایسا ہوا تو یاد رکھیں گے۔''

میں ہانگ کانگ پولیس ہیڈکوارٹر کے چیف زیڈ انگلی ہیرن سے گرمجوشی سے مصافحہ کرنے کے بعد واپس ہوٹل اسٹر کو میری آ گیا۔

ایک بات تو طے تھی کہ دوسری گولی کی بازیافت کے بعد پولیس کا شک میری طرف سے ہٹ گیا تھا اور چیف آفیسر پولیس ہیڈ [illegible] کا گیرو دیتے ہوئے یہ کہا تھا کہ اگر تم ہانگ کانگ سے دور ہوتے تو کوئی ثبوت بھی نکالا۔ اس کا مطلب یہی تھا کہ ٹھاکر کے مرنے کے ساتھ ہی میری ذات مشکوک ہو چکی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ پولیس بہت جلد ان دو [illegible] الجھن کو نکال لے گی۔

جب میں ہوٹل واپس پہنچا تو پولیس والوں کی گاڑی کو جاتے پایا۔ اس کا ایک ہی مطلب تھا کہ دوسرے لوگوں نے بھی [illegible] اگر ٹیلیفون کی گھنٹی [illegible] ہوٹل کا [illegible] سے ہرگز [illegible] تھے......

تفتیش کے دوران بھی یہ لوگ بال کی کھال اور گولی کے بالائی حصے سے کسی دریغ نہیں کریں گے۔

جیک خواجہ نے مجھے بتایا کہ ''اصل میں پولیس نے تمہیں اس معاملے سے بےخبر رکھا ہے۔''

''مجھے پولیس والوں نے بھی اسی بات کا اشارہ دے دیا تھا ہاں۔'' میں نے کہا۔

وہ مجھے لیے ہوئے کاؤنٹر کی طرف [illegible] ہاں کہو؟ [illegible]

میں نے جواب میں اس کو چیف [illegible] سے ہونے والی گفتگو سے آگاہ کر دیا۔ اس نے پوری بات سننے کے بعد کہا۔

''خدا کا شکر ہے۔ یہ تو بہت اچھا ہوا ورنہ میں تمہارے لیے بہت فکرمند ہو رہا تھا۔''

''اللہ مدد کرنے والا ہے بابا۔'' میں نے کہا پھر پوچھا۔ ''ٹھاکر کی لاش کا کیا ہوا؟''

''لاش اس کی وائف کے سپرد کر دی گئی ہے۔'' اس نے بتایا۔ ''آج شام میں اس کی تدفین ہوگی۔ کیا تم اس کی تدفین میں شرکت کرو گے؟''

''ضرور... مجھے شرکت کرنی چاہیے۔'' میں نے کہا۔

''میں بھی یہی سوچ رہا تھا۔'' اس نے کہا [illegible]

یقیناً میں ایک ضروری کام ہے۔ ابھی میں نے ٹھاکر کی وائف کی مدد کرنی ہے۔''

''کیسی مدد؟'' میں پوچھے بغیر نہ رہ سکا۔

''دیکھو بھئی! یہ ایک حقیقت ہے کہ ٹھاکر کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ ایک حادثہ تھا۔'' بابا نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''یہ بھی حقیقت ہے کہ انسان کی جان کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔ میں کسی بھی صورت ٹھاکر کو واپس نہیں لا سکتا لیکن میں نے اس کی موت پر بیوی کو کچھ رقم دے دی ہے جو یقیناً اس کے بہت کام آئے گی۔''

''آپ نے ٹھاکر کی وائف کو کتنی رقم دی ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''دس ہزار ڈالر......'' بابا نے جواب دیا۔

''گڈ!'' میں نے سراہنے والی نظروں سے بابا کی طرف دیکھا اور کہا۔ ''میں نے بھی طے کیا ہے کہ میں بھی [illegible] اس میں سے ٹھاکر کی وائف کو دے دوں گا۔''

''یہ تو بہت اچھی بات ہے۔'' بابا نے کہا۔ ''تمہیں پتا ہے [illegible] ہانگ کانگ کی کمیونٹی [illegible] خصوصاً پاکستانی [illegible] روایات [illegible] ہوتے ہیں۔ دکھ درد میں ایک دوسرے کے کام آنا اور مدد کرنا ہماری روایات کا حصہ ہے۔''

اس وقت تک میں یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ میرا تعلق مشرق سے ہے یا [illegible] ابھی تک یہ راز [illegible] ہوا تھا البتہ اس بات کا مجھے یقین تھا کہ میں الحمدللہ مسلمان تھا اور میرے والدین بھی یقیناً مسلمان ہی تھے کیونکہ میرا نام [illegible] ہوا تھا۔

بابا کی بات کے جواب میں، میں نے کہا۔ ''آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں خواجہ صاحب۔ روایات کو قائم رکھنے ہی میں انسان کی بقا ہے۔ جو قومیں اور تہذیبیں اپنی روایات کو ترک کر دیتی ہیں، [illegible] کا نام و نشان مٹ جاتا ہے۔ [illegible] تاریخ کی کتابوں ہی میں رہ جاتا ہے۔''

''تم آج [illegible]'' بابا نے کہا۔ ''کل فرصت ہو کر آ جانا۔''

میں نے رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی۔ دو بجنے میں چند منٹ باقی تھے۔ ٹھاکر کی تدفین کا وقت قریب تھا۔ اس کی [illegible] اگر میں [illegible] کے لیے وقت پر نہیں پہنچ سکا تو [illegible]

نے یہ بتا دیا تھا کہ میرے بیٹے کا فیصلہ کیا ہے اور بچے ان کی فیصلے سے پاس ہو کر ہی آگاہ کر دیں۔

اس نے میرے بیٹے کو سراہا۔ میں بابا سے مصافحہ کرنے کے بعد سر کو ہلاتے ہوئے گھر ہی سے نکل آیا۔

میں روز انہ نگار کے ساتھ ڈیوٹی کرنے کا عادی تھا۔ اس کے بغیر اسٹیشن جانے کا میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ مجھے ان کی ایک عادت سی ہو گئی تھی۔ مگر یہ کہانی کچھ عرصہ آپ کے ساتھ رہے تو آپ کو اس سے انسیت ہو جاتی ہے۔ نگار تو پھر ایک جیتا جاگتا انسان تھا۔ میرا دل نگار کے لیے خون کے آنسو رو رہا تھا لیکن بظاہر یہ آنسو میری آنکھوں سے نہیں گر رہے تھے۔

جب آنکھیں خشک اور دل بوجھل ہو تو پھر آنسو اندر گرتے ہیں اور یہ آنسو بڑے بے زبان ہوتے ہیں۔ مگر یہ تو میں بتانا بھول ہی گیا کہ کس کے لیے یہ کہا۔۔۔!

☆☆☆

شام کے سات بجے تھے۔ میری گاڑی ہائی وے پر [illegible] سفر جاری رکھے ہوئے تھی۔ میرا رخ [illegible] کی طرف تھا۔ میرے موبائل کی گھنٹی بجی۔ میں نے گاڑی سائیڈ میں لگائی اور فون اٹینڈ کیا۔ دوسری طرف انکل سلطان کی کال تھی۔

''جی انکل۔۔۔ کہو ایوبک'' میں نے کہا۔

''کہو ایوبک! کیسے ہو بیٹے؟'' وہ اپنے مخصوص انداز میں بولے۔ ''تم اس وقت کہاں ہو؟''

''ہائی وے پر ہوں انکل'' میں نے جواب دیا۔

''اسٹیشن سے [illegible] کی جانب جا رہا ہوں۔''

''اور [illegible] کے دوران میں تو کال نہیں کی [illegible]'' ان کی آواز میں [illegible] ابھر آئی۔

''نہیں انکل! [illegible] ایک [illegible] اللہ'' میں نے کہا۔ ''گاڑی کو میں نے فون اٹینڈ کرنے سے پہلے روک دیا ہے۔''

''شاباش!'' وہ سراہنے والے انداز میں بولے۔

''مجھے تم سے یہی توقع ہے۔''

مجھے ان کی آواز میں کچھ گھبراہٹ سی محسوس ہوئی۔ میں نے کہا۔ ''انکل آواز [illegible] سب خیریت تو ہے نا؟''

''[illegible] گڑبڑ ہوئی ہے۔'' انہوں نے بتایا۔ ''کیا تم ابھی میرے پاس آ سکتے ہو۔''

''[illegible]''

''آپ [illegible] بیٹے [illegible]''

''میں ٹھیک ہوں'' انہوں نے بتایا۔ ''اگر یہ ذرا سی ضرورت کی ہے۔''

''کوئی گھبرانے کی بات تو نہیں؟''

''نہیں، ہمت سے بیٹے۔''

''او کے، میں آ رہا ہوں۔'' میں نے یہ کہتے ہوئے فون بند کر دیا۔

میں نے دوبارہ گاڑی کو ہائی وے سے [illegible] اور کم از کم ایک گھنٹے کے بعد میں [illegible] سے میں نے اپنی گاڑی کا رخ [illegible] کی سمت موڑ لیا۔ [illegible] منٹ کے بعد میں [illegible] پہنچ چکا تھا۔ [illegible] کرتے میں مجھے کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔

انکل سلطان اس وقت گھر میں اکیلے ہی تھے۔ [illegible] مجھے کہیں دکھائی نہیں دی۔ میں نے ڈرائنگ روم کے [illegible] تھا۔

''انکل! بابا کہاں ہے؟''

''شوق۔۔۔'' انہوں نے [illegible] نظر سے میری جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ ''میرے [illegible] اغوا کر لیا گیا [illegible]''

''میں کچھ سمجھا نہیں انکل'' میں نے الجھن زدہ انداز میں کہا۔

''میرے بیٹے!'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولے۔ ''میں [illegible] کرتے ہوئے تمہیں اپنے پاس بلایا ہے [illegible] ہے۔''

''کیا مطلب؟'' میری الجھن سوا ہو گئی۔ ''کیا ہوا ہے بابا کو؟''

''وہ [illegible] گئی ہے۔'' انکل سلطان نے ایک بوجھل سانس خارج کرتے ہوئے بتایا۔

''آپ پریشان نہ ہوں انکل!'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''ویسے بھی امتحانات کے بعد [illegible] کا سلسلہ معطل ہو چکا ہے۔ اب میرا [illegible] کے بعد ہی [illegible] پڑھائی ہو گی۔ میں آپ کا خیال رکھوں گا تو مجھے خوشی ہو گی۔''

''میں تمہارے جذبات کو سمجھ سکتا ہوں میرے بچے!'' وہ [illegible] سے بولے۔ ''تم [illegible] ان کے لیے [illegible] جب [illegible] ہو جائے گا تو پھر تم واپس چلے جانا۔ تمہیں تو معلوم ہی ہے، میرا [illegible] کام [illegible] ہے۔''

''جی۔۔۔ مجھے اچھی طرح معلوم ہے۔'' میں نے [illegible]

[illegible]

سمجھا کہ میں آپ کو پیغام پہنچا رہا ہوں۔ انکل سلطان

کار کے ایک حادثے کا شکار ہو کر وہیل چیئر پر آ گئے تھے۔ ان کے جسم کا زیریں حصہ مفلوج تھا۔ اس کے علاوہ انہیں دمے کی بھی شکایت تھی۔ یہ بات صدفی صد درست تھی کہ ان کا کام کچھ زیادہ نہیں تھا۔ وہ اپارٹمنٹ کے اندر وہیل چیئر پر بیٹھے بیٹھے ادھر سے ادھر گھومتے رہتے تھے اور اپنے چھوٹے موٹے کام خود ہی کرلیا کرتے تھے۔ بس واش روم میں آمدورفت اور بیڈ پر لیٹنے کے لیے انہیں کسی دوسرے شخص کے سہارے اور مدد کی ضرورت پیش آتی تھی اور مارتھا ان معاملات میں انکل کا بھرپور خیال رکھا کرتی تھی۔ علاوہ ازیں وہ اپارٹمنٹ کی صفائی ستھرائی اور کھانے پینے کا.... بندوبست بھی سنبھالتی تھی۔

انکل سلطان کے حالیہ مسائل پر غور کرتے ہوئے اچانک میرے ذہن میں شارو کا نام چمکا۔ اگلے ہی لمحے بے اختیار میرے منہ سے نکلا۔

''مسئلہ حل ہو گیا.....!''

میری آواز اتنی بلند تھی کہ انکل نے چونک کر پوچھا۔

''کون سا مسئلہ حل ہو گیا میرے بچے؟''

''ہر مسئلہ.....'' میں نے پُرجوش انداز میں کہا۔ ''اگر آپ چاہیں گے کہ میں آپ کے پاس شفٹ ہو جاؤں تو مجھے بہت خوشی ہو گی لیکن اگر آپ کی یہ خواہش ہے کہ اس کام کے لیے کوئی اٹینڈنٹ ہی چاہیے تو ایک لڑکی ہے میری نظر میں۔''

''کون لڑکی؟'' انہوں نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

''میری ایک دوست ہے۔'' میں نے بتایا۔ ''ادھر ونی لاؤنج نائٹ کلب میں رات میں دو تین گھنٹے کے لیے گلوکاری کرتی ہے۔ اس کا نام شارو ہے۔ اگر آپ پسند فرمائیں تو میں اسے آپ کے پاس رکھوا دیتا ہوں۔''

''ونی لاؤنج تو لیک جیکسن میں ہے۔'' انکل نے کہا۔ ''کیا وہ روزانہ باسٹھ کلومیٹر کا فاصلہ طے کر کے بے سی آیا کرے گی اور ...... لحاتی توقف کر کے انہوں نے گہری سانس لی پھر بات مکمل کرتے ہوئے بولے۔

''.....وہ نائٹ کلب والی اپنی سنگنگ کی مصروفیات کا کیا کرے گی۔ اس کے لیے ان تمام معاملات سے نمٹنا مشکل ہو جائے گا۔''

''ہرگز نہیں!'' میں نے قطعی لہجے میں کہا۔ ''پہلی بات تو یہ کہ وہ نائٹ کلب کی جاب چھوڑ چکی ہے اور.....''

''جاب کیوں چھوڑ دی اس نے؟'' میری بات مکمل ہونے سے پہلے ہی انکل نے پوچھ لیا۔

''وہاں اس کے لیے کچھ مسائل پیدا ہو گئے تھے۔'' میں نے بتایا۔

''کس قسم کے مسائل؟'' وہ گہری نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولے۔

''کچھ غنڈے اس کے پیچھے پڑ گئے تھے۔'' میں نے کہا۔ ''اس نے غنڈوں سے جان چھڑانے کے لیے کلب کی نوکری چھوڑ دی اور اب اپنے گھر میں جاب لیس بیٹھی ہے۔''

''وہ کہاں رہتی ہے؟'' انکل نے بدستور میرے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لیتے ہوئے سوال کیا۔

''سپر۔ ایٹ موٹل میں۔'' میں نے جواب دیا۔ ''وہ جاب کے لیے سخت پریشان ہے۔''

''کیا وہ مقامی ہے یا ہسپانوی؟''

''اس کا تعلق برازیل سے ہے۔'' میں نے بتایا۔ ''اسے ہسپانوی کہہ سکتے ہیں۔''

''تم سے شارو کی دوستی کتنی پرانی ہے؟'' انکل نے استفسار کیا۔

''لگ بھگ ایک ماہ ہوا ہے اس سے ملتے ہوئے۔''

''مجھے یاد پڑ رہا ہے کہ لیونارڈو نامی میکسیکن غنڈے سے ونی لاؤنج نامی نائٹ کلب ہی میں تمہاری مڈھ بھیڑ ہوئی تھی۔'' وہ ٹٹولتی ہوئی نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولے۔ ''کیا اسی لیونارڈو کی وجہ سے شارو کو کلب کی نوکری چھوڑنا پڑی تھی؟''

''جی ہاں۔'' میں نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا۔

''تو گویا تمہارا لیونارڈو سے ٹکراؤ شارو کی وجہ سے ہوا تھا؟'' وہ معاملے کی تہ تک پہنچتے ہوئے بولے۔

''جی بالکل، ایسا ہی ہے۔'' میں نے کہا۔ ''شارو بہت اچھی لڑکی ہے۔ لیونارڈو اور اس کے ساتھی غنڈوں نے اس کے ساتھ زیادتی کی تو مجھ سے برداشت نہیں ہوا اور میں لیونارڈو اینڈ کمپنی سے بھڑ گیا تھا۔ میرے ہی کہنے پر شارو نے نائٹ کلب کی جاب چھوڑ دی تھی۔ میں نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ اس کے لیے کسی اچھی جاب کا بندوبست کردوں گا۔ وہ میرے سہارے بیٹھی ہے۔''

''کیا تم شارو کو ابھی یہاں بلا سکتے ہو؟'' وہ حتمی لہجے میں مستفسر ہوئے۔

''جی بالکل بلا سکتا ہوں۔'' میں نے اپنے سیل فون کی جانب ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

''او کے بلالو اسے۔'' وہ فیصلہ کن لہجے میں بولے۔

''اسے بتا دو کہ اس کی جاب اور رہائش کا بندوبست ہو گیا ہے۔ وہ سپر۔ ایٹ کو چھوڑ کر فوراً یہاں آ جائے۔ اب وہ

ہوٹل میں تھی۔ اس اپارٹمنٹ میں رہنے کی وجہ سے کلب کی زندگی کا مجموعی اثر اس نے بہت اچھا لیا ہے۔"

اگلے ہی لمحے میں نے اپنے سیل فون پر شادو کے نمبرز پنچ کیے اور تیسری گھنٹی پر رابطہ ہو گیا۔

"جیولی! تم کہاں غائب ہو؟" وہ ذرا تیکھے لہجے میں بولی۔ "سچ ہے تم نے ایک بار بھی کال نہیں کی۔ میں نے تم سے خود اس لیے رابطہ نہیں کیا کہ وہاں پولیس کی انکوائری چل رہی تھی۔ میں تمہیں خوامخواہ مشکل میں نہیں ڈالنا چاہتی تھی۔"

"انکوائری ختم ہو گئی۔ کم از کم میری حد تک یہ معاملہ ختم کیا ہے۔" میں نے اسے بتایا۔

"کیا قاتل پکڑا گیا؟" اس نے پوچھا۔

"ابھی نہیں...... مگر بہت جلد وہ قانون کی گرفت میں ہوگا۔" میں نے ٹھوس لہجے میں کہا۔

"کیا تم اس وقت بنگلے میں ہو یا کیبن میں؟"

"ان دونوں میں سے کسی بھی جگہ نہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"پھر کہاں ہو؟"

"بے فکر رہو۔" میں نے بتایا۔

"اوہ...... بڑے انکل کے پاس؟" اس نے کہا۔

"بالکل۔ میں اس وقت انکل سلطان کے پاس ہی بیٹھا ہوں۔" میں نے کہا۔ "اور تم بھی فوراً یہاں پہنچ جاؤ۔"

"مجھے تو [illegible]" وہ متحیر ہو گئی۔ "تم مجھے یہاں کیوں بلا رہے ہو؟"

"تمہارے لیے ایک خوشخبری ہے۔" میں نے کہا۔

"کیسی خوشخبری؟" وہ اضطراری لہجے میں بولی۔

"میں نے تمہارے لیے ایک عمدہ سی جاب کا...... بندوبست کر دیا ہے۔" میں نے اطلاع دینے والے انداز میں بتایا۔ "جاب ویسا اچھا ہوگا۔ کیا تم فوراً اس ہوٹل کو چھوڑ کر یہاں آ سکتی ہو؟"

"ہوٹل کو چھوڑنا کون سا مشکل کام ہے بھلا!" وہ گہری سنجیدگی سے بولی۔ "یہاں ہے ہی کیا میرا اثاثہ۔ دو چار جوڑے کپڑوں اور ایک گٹار کے......"

"اوکے۔ تم ابھی اسی مختصر سے سامان کو پیک کرو اور کوئی ٹیکسی پکڑ کر یہیں آ جاؤ۔" میں نے کہا۔ "میں انکل سلطان کے اپارٹمنٹ کا ایڈریس ایس ایم ایس میں تمہیں سینڈ کر رہا ہوں۔"

"اوکے...... میں ابھی ہوٹل سے نکلتی ہوں۔"

"ٹھیک ہے......" میں نے کہا۔

پھر میں نے شادو کو ٹیکسٹ کر دیا۔ "شیڈ اسکوائر اپارٹمنٹس۔ فرسٹ فلور [illegible] فلیٹ نمبر سیون تھری سیون [illegible]"

میں سیل فون کو سائڈ ٹیبل پر رکھ کر انکل کی جانب متوجہ ہوا تو انہوں نے گمبھیر انداز میں کہا۔

"ابھی شادو سے تم نے جس انداز میں گفتگو کی ہے اس سے مجھے اندازہ ہوا ہے کہ اس ایک ماہ میں تم دونوں کے بیچ گہرے دوستانہ مراسم قائم ہو چکے ہیں۔ میں غلط تو نہیں کہہ رہا؟"

"آپ کا اندازہ درست ہے۔" میں نے تائیدی انداز میں گردن ہلائی۔ "شادو ایک اچھی لڑکی ہے۔ مظلوم اور ضرورت مند۔ اگر میں اس کے لیے کچھ کر سکا تو مجھے خوشی ہوگی۔ میں نے اس کا گانا سنا ہے۔ اس کی آواز بھی بہت پیاری اور گداز ہے۔"

"میں تمہارے اس احساس کی دل سے قدر کرتا ہوں۔" وہ سنجیدگی سے بولے۔ "[illegible]"

"[illegible] مجھے بھی بہت خوشی ہے۔ چلو اسی بہانے روز [illegible] تمہاری دوست کو [illegible] کا موقع بھی مل جائے گا۔"

"شادو کا گانا آپ کو بہت پسند آئے گا۔" میں نے کہا۔ "اور شاید [illegible]"

"[illegible] اسے کتنا معاوضہ ملتا تھا؟" انکل سلطان نے ایک اور سوال کیا۔

"ایک ہزار ڈالر۔" میں نے بتایا۔

"بس...... یہ تو بہت کم ہے۔"

"وہ پارٹ ٹائم [illegible] کے لیے یہاں ہوتی تھی۔"

انکل نے پوچھا۔ "اس کے [illegible] تھی۔ میرا مطلب ہے کوئی اور ذریعہ آمدنی؟"

"بالکل نہیں۔" میں نے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "اور یہی ایک ہزار ڈالر ہی سب سے بڑا سہارا ہے۔ [illegible] ہوٹل والوں [illegible] ملی تھی۔ وہاں اس نے [illegible] ایک لڑکی کے ساتھ ہوٹل کے ساتھ ایک کمرا شیئر کر رکھا تھا۔"

"اوہ...... تو اس غریب کو تو اپنے پیٹ کے لیے کیا بچتا ہوگا؟" انکل نے [illegible] انداز میں کہا۔

[illegible] شادو [illegible] بات [illegible] کہ شادو [illegible]

تھی۔" میں نے شارو کی مجبوری کا ذکر کرتے ہوئے بتایا۔

"یعنی غنڈا ٹیکس اور...... وہ بھی ٹیکساس میں؟"

انکل نے برا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔ "خدا غارت کرے اس نامراد لیونارڈو کو۔"

"اللہ آپ کی زبان مبارک کرے!" میں نے تہ دل سے کہا۔

"جب سے شارو نے جاب چھوڑی ہے، اس کا گزارہ کیسے ہو رہا ہے؟" انکل نے ایک اہم سوال کیا۔

"میں اس کی مالی مدد کر رہا ہوں۔" میں نے بتایا۔ "اس نے وعدہ کیا ہے کہ جیسے ہی اس کی جاب لگے گی، وہ میرا سارا قرض لوٹا دے گی لیکن میں قرض کی نیت سے اس کی مالی معاونت نہیں کر رہا۔ اسے اپنی ایک مخلص دوست سمجھ کر سپورٹ کر رہا ہوں۔ یہ رقم واپس لینے کا میرا کوئی ارادہ نہیں ہے۔"

"اللہ تمہیں اس نیکی کا اجر دے گا میرے بچے۔" انکل نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ "وہ نیتوں کا حال جانتا ہے۔"

"بے شک!" میں نے سر کو اثباتی جنبش دی۔

لیک جیکسن سے بے سٹی باسٹھ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع تھا اور یہ اڑتالیس منٹ کی ڈرائیو تھی لیکن شارو کو موٹل سے چیک آؤٹ بھی کرنا تھا۔ سپر ایٹ کے معاملات کو نمٹانے میں کچھ وقت لگ سکتا تھا۔ میرے محتاط اندازے کے مطابق، اسے ہمارے پاس پہنچنے میں کم و بیش ڈیڑھ گھنٹا لگ سکتا تھا۔ اس وقت کو گزارنے کے لیے میں انکل سلطان سے باتیں کرنے لگا۔

تھوڑی دیر پہلے تک ہمارا موضوعِ گفتگو شارو تھی لیکن اب ہم نظار کے ٹاپک پر بات کر رہے تھے۔ میں نے انکل کو پولیس کی انویسٹی گیشن کے بارے میں تفصیل سے بتایا اور پھر نظار کی تدفین کا احوال سنایا۔

"تمہارے باس نے نظار کی بیوی کی مدد کے لیے اپنے عظیم انسان ہونے کا ثبوت دیا ہے۔" انکل سلطان نے کہا۔ "امریکا میں ایسے لوگ بہت کم دیکھنے کو ملتے ہیں۔"

"خواجہ صاحب بہت ہی ہمدرد اور پُرخلوص انسان ہیں" میں نے کہا۔

انکل نے پوچھا۔ "کیا تمہاری دوست اس اپارٹمنٹ پر مستقل رکنے کے لیے تیار ہو جائے گی؟ میرا مطلب ہے، اس کی دوسری سوشل سرگرمیاں بھی تو ہوں گی جن کے لیے اسے گھر سے باہر نکلنا ہوگا!"

"جہاں تک میں شارو کو جانتا ہوں، اس کا سوشل سرکل بہت ہی محدود ہے۔" میں نے اپنی معلومات کی روشنی میں انکل کو بتایا۔ "میں نے اسے ادھر اُدھر بھٹکتے ہوئے نہیں پایا اور مجھے یقین ہے کہ اسے اپارٹمنٹ پر رکنے پر کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔ باقی اس سے بات کر کے ہی صحیح اندازہ ہو سکے گا۔"

"ہاں...... تم ٹھیک کہتے ہو۔" وہ تائیدی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولے۔ "ابھی تو ہم دونوں آپس میں بات کر رہے ہیں۔ صحیح فیصلہ اسی وقت ہو سکے گا جب شارو یہاں پہنچ جائے گی۔" لمحاتی توقف کر کے انہوں نے اپنی سانس کو ہموار کیا پھر مجھ سے پوچھا۔

"کیا تمہیں شارو نام کے معنی معلوم ہیں؟"

"نن...... نہیں۔" میں نے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے صاف گوئی کا مظاہرہ کیا۔

"یہ ہسپانوی زبان کا لفظ ہے۔" وہ وضاحت کرتے ہوئے بولے۔ "اور اس کے معنی ہیں...... خوب صورت پھول۔"

"انکل! شارو اسم بامسمّیٰ ہے۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "آپ اسے دیکھیں گے تو وہ آپ کو ایک خوب صورت پھول ہی نظر آئے گی...... خوشبو لٹاتا اور فضا کو مہکاتا ہوا ایک تروتازہ پھول۔"

تھوڑی دیر کے بعد شارو بہ نفسِ نفیس انکل سلطان کے اپارٹمنٹ پہنچ گئی۔ شارو غائبانہ طور پر انکل سے متعارف تھی لیکن یہ ان کی بالمشافہ پہلی ملاقات تھی۔ رسمی علیک سلیک کے بعد انکل نے اس سے کہا۔

"باقی باتیں بعد میں کریں گے۔ پہلے کام کی بات ہو جائے۔ میرا مطلب ہے، تمہاری جاب کا معاملہ پہلے ڈسکس کر لیا جائے۔ کیا خیال ہے؟"

"شیور...... بہت اچھا خیال ہے۔" شارو نے کہا۔ "علی نے مجھے بتایا تھا کہ میرے لیے ایک ایسی جاب کا...... بندوبست ہو گیا ہے جس کے ساتھ اکاموڈیشن بھی ہے۔"

"علی نے میری موجودگی میں یہیں سے تمہیں فون کیا تھا۔" انکل نے کہا۔ "جاب اور رہائش اسی گھر کے اندر، اگر تمہاری سمجھ میں آجائے تو......"

"انکل! تھوڑی وضاحت کریں۔" وہ دلچسپی لیتے ہوئے بولی۔

"بھئی، بہت آسان اور سیدھی سادی جاب ہے۔" انکل وضاحت کرتے ہوئے بولے۔ "میں اس اپارٹمنٹ میں اکیلا رہتا ہوں اور میرا زیادہ وقت وہیل چیئر پر گزرتا ہے۔ اپنے چھوٹے موٹے کام تو میں خود ہی کر لیتا ہوں مگر

بعض قوموں کے لیے بچے کسی بڑے سہارے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ گھر کی صفائی، برتن اور کپڑوں کو بھی ہے۔ اگر تم یہ سب کر سکتی ہو تو پھر اس سے تمہاری جاب پکی رہے گی......" انکل نے ذرا توقف کر کے اپنی سانسوں کو ہموار کیا پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے بولے۔

"میں ان خدمات کے لیے تمہیں پندرہ سو ڈالر دوں گا۔ کھانا پینا اور رہائش فری ہے۔ تم لونگ روم میں آسانی سے رات گزار سکتی ہو۔"

امریکا میں ڈرائنگ روم کو لونگ روم کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور عموماً لونگ اور ڈائننگ ساتھ ساتھ ہی ہوتے ہیں۔ انکل کے اپارٹمنٹ میں کچن کے ساتھ ایک کشادہ ہال تھا جس کی [illegible] ایک سے دوسرے کچن سے [illegible] تھا۔ اسے ڈائننگ کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا جبکہ دوسرا حصہ جو اپارٹمنٹ کے داخلی دروازے سے ملحق تھا، وہ لونگ روم کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ لونگ روم میں آٹھ دس افراد کی بیٹھک کے لیے آرام دہ صوفے لگے ہوئے تھے جن پر بآسانی [illegible] بھی جا سکتی تھی۔ انکل نے بھی لونگ روم کی طرف اشارہ کیا تھا۔

"میں انکل کے کہنے پر [illegible] آئی ہوں تو اس کا واضح مطلب یہی ہے کہ انکل میرے لیے نوکری کا بندوبست کریں گے۔ میں ضرور کروں گی۔" شارو نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "پھر یہ تو بہت ہی معقول اور معقول تنخواہ ہے اور [illegible] ان آنٹی کے انکل [illegible] آپ میرے بھی انکل ہیں۔ آپ کے [illegible] اور [illegible] خیال رکھ کر مجھے دلی خوشی ہوگی۔"

"تم سے پہلے میرے پاس ماریا نامی ایک عورت ہوتی تھی جو سارے کام سنبھالتی تھی۔" انکل نے کہا۔ "تم پر اس کی طرح پابندی نہیں ہوگی کہ تم مجھے اپارٹمنٹ میں بند ہو کر بیٹھی رہو۔ تم اپنی سہولت اور آسانی سے کام نمٹانے کے بعد گھومنے پھرنے کے لیے کہیں بھی جا سکتی ہو۔"

"ٹھیک ہے انکل۔ میں آپ کے پاس رکوں گی۔" شارو نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"انکل [illegible] شارو بہت اچھی لڑکی ہے۔" میں نے انکل [illegible] سے کہا۔ "آپ [illegible] پسند کریں گے۔"

"[illegible]"

[illegible]

"شارو کا [illegible] سے [illegible] کے یہاں [illegible] ہے اور یہ ذرا کورٹ بھی ہے۔" انکل وضاحت کرتے ہوئے بولے۔ "پہلے یہ فرض ہوگی۔ اس کے بعد ہم مزید بات کریں گے پھر مستقل [illegible] کا انتظام کیا جائے گا۔"

"ارے انکل!" میں نے [illegible] میں کہا۔ "میں [illegible] کا [illegible] کرنا چاہتی ہوں۔ جب تک کوئی آتا ہے، شارو تو [illegible] ہو جائے گی۔"

"ہاں، یہ ٹھیک ہے۔" انہوں نے یک زبان ہو کر میری تجویز سے اتفاق کیا۔

[illegible] کے دوران ہمارے بیچ گفتگو کا سلسلہ بھی چل رہا۔ انکل نے شارو سے پوچھا۔ "تم نے مجھے بتایا ہے کہ تمہارا تعلق [illegible] سے ہے... [illegible]؟"

"[illegible]" اس نے جواب دیا۔

"بہت اچھی جگہ ہے۔" انکل نے ستائشی نظروں سے شارو کی جانب دیکھا۔ [illegible]

[illegible]

"[illegible]" انکل نے [illegible] کی آواز میں کہا۔ "[illegible] انسان کا اختیار نہیں۔ اللہ نے انسان کا رزق جہاں لکھا ہے وہ وہیں جا پہنچتا ہے۔ میں اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ [illegible] میں عام آدمی کے لیے روزگار کے مواقع کا فقدان ہے [illegible] کے لیے [illegible] ہے۔"

میں نے پوچھا۔ "انکل! [illegible] میں کیا [illegible] [illegible]؟"

"[illegible]" انہوں نے [illegible]

کو تقسیم کیا جائے تو برازیل میں تین بڑے گروہ آباد ہیں جن میں پہلا نمبر کوکیشین کا ہے۔ اس گروپ میں پرتگالی، جرمن اطالوی، پولینڈی اور ہسپانوی نسلیں شامل ہیں۔ کوکیشین دراصل برازیل کی آبادی کا اٹھاون فی صد ہیں۔ ان کے علاوہ چھتیس فی صد مولیٹو اور چھتیس فی صد افریقی ہیں۔''

''شارو اسپینش ہے۔'' میں نے کہا۔ ''یعنی ہسپانوی۔''

''وہ تو شکل ہی سے نظر آرہی ہے۔'' انکل نے اثبات میں گردن ہلائی۔

ڈنر کے بعد شارو کی گلوکاری سننے کا موڈ تھا۔ ہم ڈائننگ ٹیبل سے اٹھ کر لیونگ روم میں آگئے۔ انکل کی وہیل چیئر بھی لیونگ روم میں آگئی۔ شارو نے گٹار سنبھال لیا۔ میں نے کہا۔

''شارو! آج شام سے پہلے میں نے اپنے ایک دوست کو سپرد خاک کیا ہے لہٰذا کچھ شوخ سننے کا موڈ نہیں ہو رہا۔ کوئی حزنیہ چیز سناؤ۔ ویسے بھی تم اس شعبے میں کافی مہارت رکھتی ہو۔''

''یہ تم نے بالکل ٹھیک فیصلہ کیا میرے بچے۔'' انکل نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''اس وقت تمہیں ایسے ہی نغمے سننے کی ضرورت ہے جو تمہارے زخموں پر مرہم کا کام کریں لیکن تم دونوں میری ایک بات ذہن نشین کر لو۔''

''کون سی بات انکل؟'' شارو نے استفسار کیا۔

''زندگی خوشی اور غم کا امتزاج ہے۔'' وہ مربیانہ انداز میں بولے۔ ''اندھیرے اور اجالے کا ملاپ ہے۔ اگر تاریکی نہ ہو تو روشنی کی کوئی اہمیت باقی نہیں رہتی۔ اگر انسان کی زندگی میں غم اور دکھ نہ ہو، رنج والم نہ ہو تو پھر خوشی اور شادمانی دیرپا ثابت نہیں ہوتی۔ کچھ ہی عرصے بعد ہر آسائش، آرام اور آسودگی پھیکی پڑ جاتی ہے۔ انسان بہت جلد عیش و عشرت کی زندگی سے اکتا جاتا ہے...... بور ہو جاتا ہے لہٰذا ایک مکمل اور بھرپور انسانی زندگی میں ان دونوں موسموں کا عکس نظر آنا چاہیے۔ خوشی اور غمی کا سنگم ہی اصل زندگی کی پہچان ہے۔''

''ٹھیک ہے انکل! میں آپ کی بات سمجھ گیا۔'' میں نے کہا۔ ''آج ہم شارو سے ایک سیڈ اور ایک ہیپی گانا سنیں گے۔''

''اور اصول یہ ہے کہ اگر آپ کے پاس دو خبریں ہوں، ایک خوشی کی اور ایک غمی کی تو پہلے غمی کی خبر سنانا چاہیے۔'' انکل نے فلسفیانہ انداز میں کہا۔ ''تاکہ بعد والی خوشی کی خبر سے پہلی والی غمی کی خبر کے تاثرات ڈھل جائیں اور ہیپی اینڈ ہو۔''

''او کے انکل! میں پہلے حزنیہ گانا سناؤں گی اور اس کے بعد طربیہ نغمہ چھیڑوں گی۔'' شارو نے کہا۔ ''تاکہ آپ کے بیان کردہ اصول کے مطابق، آج کی محفل کا اختتام ہیپی ہو۔''

''علی! تم نے اچھی طرح چیک کر لیا، ہمارا داخلی دروازہ اور دیگر کھڑکیاں تو بند ہیں نا!'' انکل نے مجھ سے کہا۔ ''اس محفل موسیقی کی صدائیں ہمارے آس پڑوس میں نہیں پہنچنا چاہئیں ورنہ کوئی نئی مصیبت کھڑی ہو جائے گی۔''

پورے یورپ اور امریکا میں انسان کی پرائیویٹ لائف کو بہت زیادہ اہمیت اور تحفظ فراہم کیا جاتا ہے۔ کسی بھی شخص کو اپنے پڑوسی کی زندگی میں دخل دینے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے بلکہ اس نوعیت کا ہر اقدام سنگین قسم کا جرم تصور کیا جاتا ہے۔ آپ اپنے گھر کے اندر اچھا کر رہے ہیں یا برا، یہ آپ کا داخلی اور آپ کے پڑوسی کا خارجی مسئلہ ہے۔ آپ کے پڑوسی کو آپ سے کوئی سروکار نہیں لیکن اگر آپ کے گھر کا کوئی اچھا یا برا ایشو اور اس کے اثرات پڑوسی کے گھر کے اندر پہنچ گئے اور اس کی داخلی زندگی میں خلل ڈالنے لگے تو آپ کے پڑوسی کے ایک فون پر پولیس آپ کی سرکوبی کے لیے پہنچ جائے گی۔ یہ اصول اور قانون اچھا ہے یا برا، اس پر سوچنے کا اگر آپ کے پاس وقت ہے تو ضرور سوچیے گا۔

اس سوچ بچار کے نتیجے میں اگر کچھ سمجھ آجائے تو پھر اس بات پر بھی ذرا غور فرمایئے گا کہ ہم کس طرح قدم قدم پر دوسرے انسانوں کے حقوق کو پامال کرتے ہیں اور ہمارے خلاف کوئی تادیبی یا تعزیری کارروائی عمل میں نہیں آتی۔

ہم رات ایک بجے تک شارو کے نغمات سے لطف اندوز ہوتے رہے پھر انکل سلطان نے کہا۔ ''بھئی، مجھے تو نیند آرہی ہے۔ تم لوگ چاہے گپ شپ کرو، میں تو سونا چاہوں گا۔'' پھر وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولے۔ ''علی! رات کافی ہو گئی ہے۔ تم آج ادھر ہی رک جانا۔''

''ٹھیک ہے انکل۔'' میں نے اثبات میں گردن ہلا دی۔ اس کے بعد ہم دونوں نے انکل کی وہیل چیئر کو ان کے بیڈ روم میں پہنچا دیا اور انہیں بستر پر لٹانے کے بعد ہم کمرے سے باہر نکل آئے۔ میں نے شارو سے کہا۔

''صبح سے تمہاری نئی جاب شروع ہو رہی ہے۔ اس لیے تم ایک بھرپور نیند لے لو۔ میں بھی آرام کرنا چاہتا ہوں۔'' بات کے اختتام پر میں نے ایک جماہی لی۔

''او کے......'' اس نے مختصراً کہا اور لیونگ روم کی

غرق ہو گئی۔

میں انکل کے برابر والے روم سے بیڈ روم میں آ گیا۔ انکل کا اپارٹمنٹ دو بیڈ روم، ہال [illegible] کا تھا اور اس کا کل رقبہ ایک ہزار دو سو پچاس مربع فٹ تھا جبکہ ’’وی گیٹ وے‘‘ والا میرا اپارٹمنٹ کل ملا کر سو چوالیس مربع فٹ پر مشتمل تھا۔ اس کی گیلری ایک بیڈ روم کے باتھ کی جانب اس کے اپارٹمنٹ سارے کی کم و بیش اتنا ہی تھا۔

میں نے سونے کے لیے آنکھیں بند کیں تو بند آنکھوں کے پیچھے فنکار کا چہرہ روشن ہو گیا پھر میں اس کی یادوں میں کھو گیا۔ اس کی ایک ایک بات، اس کے ساتھ بتایا ہوا ایک ایک لمحہ مجھے یاد آنے لگا۔ نہ جانے کب تک میں اس فنکار کے بارے میں سوچتا رہا۔ ممکن تھا یہ سلسلہ اور بھی دراز ہو جاتا کہ میں کسی کو اپنے قریب پا کر چونک اٹھا اور بے ساختہ میں نے آنکھیں کھول دیں۔

شاداب میرے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ کمرے کی لائٹ آف تھی مگر اس کی سانسوں کی گرماہٹ مجھے اپنے چہرے پر محسوس ہوئی۔ میں یک لخت سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔

’’تم ابھی تک سوئی نہیں؟‘‘ میں نے استفسار کیا۔

’’اور مجھے نیند نہیں آ رہی۔‘‘

’’تمہیں کیوں نیند نہیں آ رہی؟‘‘

’’مجھے ڈر لگ رہا ہے۔‘‘ وہ سرگوشی کی آواز میں بولی۔

میں نے پوچھا۔ ’’کیسا ڈر..... کیسا ڈر.....؟‘‘

’’ایسے ہی کا ڈر، جیسا ڈر۔‘‘ وہ عجیب سے لہجے میں بولی۔ ’’اس ہوٹل کے روم میں میرے ساتھ [illegible] تھی۔ کسی کی موجودگی کا احساس ہو رہا تھا۔‘‘

’’اس اپارٹمنٹ میں بھی تم کچھ محسوس کر رہی ہو؟‘‘ میں نے کہا۔ ’’ادھر ایک بیڈ روم میں انکل خاموش سو رہے ہیں اور ادھر میں موجود ہوں، پھر ڈر کس بات کا؟‘‘

’’ہاں! تم مجھے سلا دو.....‘‘ وہ سرگوشیانہ آواز میں بولی۔

میں نے بے ساختہ اس کی جانب ہاتھ بڑھا دیا اور کہا۔ ’’آ جاؤ.....‘‘

وہ کسی ننھی کلی کے مانند [illegible] کی نازک شاخ سے ٹوٹ کر میرے پہلو میں آ گری۔ میں نے بڑی احتیاط سے سنبھال لیا۔ وہ میرے بازوؤں کے حلقے میں بند ہو گئی۔ اس کی اس ادا کا معصوم مطلب [illegible] ہو گیا۔

ہم دونوں خاموش تھے۔ ہماری سانسیں آپس میں [illegible] آ رہے تھے [illegible] ہمارے [illegible] کی ایک

ایک سنی [illegible] حیات آخرین چھٹی مجھے بہت بھاری تھی اور میں مجبور تھا کہ [illegible] ہو گیا تھا۔ اس امتحان میں کامیابی اور ناکامی کا فرق مٹ جاتا ہے۔ جیت بھی اپنی اور مات بھی اپنی ہوتی ہے۔ آپ ہار کر بھی جیت جاتے ہیں اور جیت کر بھی ہار جاتے ہیں، یہی محبت کی سوغات ہے.....!

ہم کافی دیر تک اپنی جیت دوسرے کے نام کرتے اور اس کی ہار اپنے گلے کا ہار بناتے رہے۔ شاداب بار بار اپنی ہی [illegible] کر رہی تھی اور میں..... اس کی سانسوں کی گرم مہک اور تپتے بدن کا [illegible] تھا۔ سانسوں کی حدت اور دھڑکنوں کی شدت ہر قدم [illegible] ایک نئے طوفان سے آشنا کر رہی تھی۔ اس رات ہم ٹوٹ کر برسے اور ایک دوسرے کو سیراب کرتے چلے گئے.....!

☆☆☆

خواجہ صاحب نے فنکار کی جگہ ایک نئے لڑکے کو رکھ لیا تھا۔ اس لڑکے کا نام محسن تھا۔ [illegible] میں محسن نے [illegible] سنبھال لیا تھا۔ دو چار روز میں سب کچھ معمول پر آ گیا تھا۔ وقت بہت ظالم ہے، یہ اپنی رفتار سے سفر جاری رکھتا ہے، کسی کی پروا نہیں کرتا۔ یہ صرف انہی لوگوں کا ساتھ دیتا ہے جو اس کے قدم سے قدم ملا کر چلتے ہیں اور پلٹ کر پیچھے نہیں دیکھتے۔

ایک روز میں گھر آیا تو ایک خوشخبری میری منتظر تھی۔ میں نے اسٹور کی ڈیوٹی سنبھالی ہی تھی کہ خواجہ صاحب کا فون آ گیا۔ میں نے کال ریسیو کی تو انہوں نے پرجوش لہجے میں کہا۔

’’کل ایک اچھی خبر۔‘‘

’’کیا آپ نے میرے معاوضے میں اضافے کا فیصلہ کر لیا ہے؟‘‘

بے ساختہ میرے منہ سے نکل گیا۔ یہ ایک غیر ارادی عمل تھا۔ اس کے پیچھے میری کسی سوچ یا ارادے کا دخل نہیں تھا۔ روشنی تین لاکھ کلومیٹر فی سیکنڈ کی رفتار سے سفر کرتی ہے اور انسانی سوچ بعض اوقات اس سے بھی زیادہ تیز رفتاری کا مظاہرہ کر جاتی ہے۔ ان لمحات میں بھی یہی ہوا تھا۔

’’اچھا یار [illegible]۔‘‘ وہ قہقہہ لگاتے ہوئے بولے۔ ’’آئندہ ماہ سے تمہارے معاوضے میں دو ہزار کا اضافہ کر دوں گا، [illegible] لکھا ہو جائے گا لیکن اس وقت میں نے تمہیں ایک اور خوشخبری سنانے کے لیے فون کیا ہے۔‘‘

’’[illegible] ابھی [illegible] کیا۔‘‘ میں نے

رہا ہوں۔''

''پولیس نے نظار کے قاتل کو پکڑ لیا ہے۔'' وہ اضطراری لہجے میں بولے۔ ''وہ دونوں میکسیکن لفنگے گرفتار ہو چکے ہیں۔''

''کب ...... کہاں سے ......؟'' میں خوشی کی شدت سے چیخ اٹھا۔

''پولیس نے انہیں ٹی ٹکس سے گرفتار کیا ہے۔'' جیک خواجہ نے بتایا۔ ''تم نے چند روز قبل پولیس اسٹیشن جا کر ان کے جو خاکے تیار کروائے تھے انہی خاکوں کی مدد سے وہ دونوں ڈکیت پولیس کی گرفت میں آئے ہیں۔''

''فی نکس'' ایری زونا اسٹیٹ کا کیپٹل تھا اور ایری زونا ٹیکساس سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔ ایری زونا اور ٹیکساس کے درمیان ریاست نیو میکسیکن واقع تھی۔ جیک خواجہ کی زبانی ان دونوں کمینوں کے نام کیون اور فرانکو معلوم ہوئے۔ نظار پر فرانکو نے گولی چلائی تھی اور وہی میرے ساتھی کا قاتل تھا۔

''یہ تو واقعی بہت بڑی خبر ہے خواجہ صاحب۔'' میں نے پُرمسرت لہجے میں کہا۔ ''میرے کلیجے میں ٹھنڈ پڑ گئی ہے۔''

''علی! اگلے ہفتے سے تم مارننگ شفٹ میں آسکتے ہو؟'' باس نے پوچھا۔ ''آج کل تمہاری سمر ویکیشنز چل رہی ہیں۔ جب کالج کھل جائیں تو دوبارہ ایوننگ شفٹ میں آجانا۔''

''نو ایشو باس! میں یہ کرلوں گا۔'' میں نے کہا پھر پوچھا۔ ''اس کا کوئی سبب؟''

''میں روزانہ دن میں اسٹور کا چکر لگاتا ہوں۔'' اس نے بتایا۔ ''اور تم اس وقت ہوتے نہیں ہو۔ ابھی تمہارے کالج کی چھٹیاں ہیں تو اس بہانے تم سے ملاقات ہو جایا کرے گی۔''

''ٹھیک ہے باس! یہ ہفتہ میں ایوننگ شفٹ میں چلتا ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''اگلے ہفتے سے میں مارننگ شفٹ میں آجاؤں گا۔''

اختتامی کلمات کے بعد ہمارے درمیان ٹیلی فونک رابطہ موقوف ہو گیا۔

دنیا کا کوئی ایسا ملک نہیں جہاں جرائم نہ ہوتے ہوں لیکن جن ممالک میں جرم و سزا کے قوانین اپنی حقیقی صحت کے ساتھ نافذ العمل ہیں' وہاں جرم کرتے ہوئے انسان کو سوچنا پڑتا ہے کیونکہ پکڑے جانے پر بچت کی کوئی صورت نہیں ہوتی۔ قانون جب حرکت میں آتا ہے تو پھر بڑے سے بڑا مجرم بھی گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ نظار کے کیس میں بھی ایسا ہی ہوا تھا کیونکہ امریکا میں لاکھ برائیاں اور خرابیاں سہی مگر قانون کی عمل داری نظر آتی ہے اور یہ قانون بادشاہ اور عوام کے لیے ایک جیسا ہی ہے۔

میکسیکن لڑکوں کیون اور فرانکو کی گرفتاری سے مجھے بہت سکون ملا تھا۔ اب وہ قرار واقعی سزا سے ہرگز نہیں بچ سکتے تھے۔ اللہ کے کرم سے یہ معاملہ سیٹ ہو گیا تھا۔

ادھر شارد کی جاب بھی سیٹ چل رہی تھی۔ اس نے نہایت ذمے داری کے ساتھ انکل سلطان اور ان کے گھریلو معاملات کو سنبھال لیا تھا لیکن انکل کی ایک بات مجھے کچھ عجیب لگی تھی۔ ایک روز انہوں نے مجھ سے کہا۔

''میرے بچے! شارد تمہاری دوست ہے اور تم اس پر اندھا اعتماد کرتے ہو لیکن میں بہت پریکٹیکل انسان ہوں اس لیے اگر تمہیں میری کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو اس کا برا نہیں منانا۔''

میں نے الجھن زدہ نظر سے ان کی طرف دیکھا اور پوچھا۔ ''انکل! آپ کہنا کیا چاہ رہے ہیں؟''

''دیکھو علی! میں اپنے تجربے کی روشنی میں چند روزہ رفاقت کی بنیاد پر شارد کی جانب سے آنکھیں بند نہیں رکھ سکتا۔'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولے۔ ''جب تک وہ کم از کم ایک ماہ میری نظر کے سامنے خود کو قابل بھروسا ثابت نہیں کر دیتی میں اپنی تمام اہم اور قیمتی چیزوں کو لاک میں رکھوں گا۔''

''یہ تو بہت اچھی بات ہے انکل۔'' میں نے ان کی بات کی تہ میں اترتے ہوئے کہا۔ ''یہ تو آپ کا حق ہے۔ آپ کو اپنی قیمتی اشیا کی لازمی حفاظت کرنا چاہیے۔ مجھے آپ کی یہ بات ہرگز بری نہیں لگی۔''

''شاباش میرے بچے۔'' وہ ستائشی نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولے۔

انکل اپنی جگہ بالکل درست انداز میں سوچ رہے تھے۔ شارد پر مجھے تو پورا بھروسا تھا لیکن میں انکل کو ایسا کوئی یقین نہیں دلا سکتا تھا۔ میں جو کچھ بھی کہتا وہ زبانی کلامی ہوتا۔ میں کوئی ضمانت نہیں دے سکتا تھا اور اس قسم کے واقعات اکثر سننے اور پڑھنے کو مل جاتے تھے کہ...... کل وقتی گھریلو ملازمہ گھر کا صفایا کر کے رفو چکر ہو گئی ...... لہٰذا انکل کے احتیاطی اقدام میں مجھے کوئی قباحت دکھائی نہیں دیتی تھی۔

ایوننگ شفٹ کا میرا آخری دن تھا کہ لگ بھگ نو بجے میرے سیل فون پر انکل سلطان کی کال آگئی۔ میں نے کال ریسیو کرتے ہوئے کہا۔

"بیٹا انکل..... آپ کیسے ہیں؟"

"میں ٹھیک ہوں۔" ان کی گھبرائی ہوئی آواز میری سماعت تک پہنچی۔ "لیکن..... شارو کا کچھ پتا نہیں۔"

"شارو کا کچھ پتا نہیں..... "میرا ماتھا ٹھنکا۔" آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ کہاں گئی وہ؟"

"کچھ تو پتا نہیں چل رہا۔" انہوں نے فکرمندی سے کہا۔ "شام میں وہ گھر کی گروسری لینے مارکیٹ تک گئی تھی لیکن ابھی تک واپس نہیں آئی۔"

میں نے ایک فوری خیال کے تحت پوچھا۔ "انکل! آپ کی مسز بچے تو سلامت ہیں نا.....؟"

"ہاں ہاں، وہ کوئی بات نہیں۔" وہ پریشان انداز میں بولے۔ "میں تو اس کے لیے پریشان ہوں۔ پتا نہیں اچانک وہ کہاں غائب ہے۔"

"آپ نے اس کا فون نمبر ٹرائی کیا؟" میں نے پوچھا۔

"میں یہ کوشش کئی بار کر چکا ہوں۔" انہوں نے جواب دیا۔ "اس کا نمبر آف ہے۔"

"یہ بڑی تشویش کی بات ہے۔" میں نے کہا پھر پوچھا۔ "وہ گروسری لینے کون سے اسٹور پر گئی تھی؟"

"میری گروسری ہمیشہ ایک ہی جگہ سے آتی ہے۔" انہوں نے بتایا۔ "اسٹیپلز اسٹور سے۔"

"اسٹیپلز اسٹور" گروسری کی ایک بہت بڑی چین تھی اور بے شک میں ان کا محل وقوع [illegible] میں نے انکل سے استفسار کیا۔

"کیا آپ نے اسٹیپلز اسٹور فون کر کے شارو کے بارے میں معلوم کیا ہے؟"

"ہاں..... میں نے وہیں فون کیا تھا۔" انہوں نے جواب دیا۔ "اسٹور کے اسٹاف کے مطابق وہ دو گھنٹے پہلے گروسری لے کر وہاں سے نکل چکی ہے۔"

"اوہ....." میں نے تیوری ماتھے پر خارج کرتے ہوئے کہا۔ "کیا اسے گروسری کے علاوہ کہیں اور سے بھی خریداری کرنا تھی؟"

"نہیں..... صرف گروسری لینے گئی تھی۔"

"آپ پریشان نہ ہوں، میں کچھ کرتا ہوں۔" میں نے تحمل آمیز لہجے میں کہا۔ "وہ جہاں بھی ہو گی، خیریت سے ہو گی۔"

"اللہ اسے اپنی حفظ و امان میں رکھے۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولے۔

[illegible] والی بات [illegible] کا فون آ گیا تھا [illegible] انکل سے [illegible]

گزرنے کے بعد میں متعدد بار اس کا نمبر ٹرائی کر چکا تھا لیکن اس کا سیل فون مسلسل بند ہی مل رہا تھا۔

"شارو کے ساتھ کوئی حادثہ تو نہیں پیش آ گیا؟" میرے ذہن میں ایک خطرناک سوال نے سر اٹھایا اور اچانک ہی میرا دھیان فوراً شارو کی طرف چلا گیا۔

میں نے فوراً شارو کی دل شکستہ [illegible] تھی۔ وہ کوئی شریف النفس انسان نہیں تھا کہ ان معاملات کو اپنی یادداشت سے کھرچ ڈالتا۔ وہ ایک خبیث النفس تھا۔ کینہ پرور اور کمینہ۔ اس کی طرف سے کسی بھی اوچھی حرکت کی توقع کی جا سکتی تھی۔

میرا اندیشہ مجھے پہلے ہی اسٹور سے نکل آیا۔ اپنے ساتھی [illegible] کو کام سمجھا دیا تھا۔ میرا فوری طور پر انکل طلال کے پاس پہنچنا ضروری تھا چنانچہ میں اپنی گاڑی پر سوار ہوا اور تیزی سے گاڑی کو راستے پر ڈال دیا۔

ٹھیک ساڑھے دس بجے میں [illegible] اپارٹمنٹس پہنچ گیا۔ میں نے گاڑی پارکنگ میں چھوڑی اور تیز قدموں سے چلتے ہوئے انکل کے اپارٹمنٹ کے دروازے پر پہنچ گیا۔ گھنٹی بجنے پر میری انگلی اور ذہن کے بٹن پر آ گئی۔

انکل [illegible] بیٹھے بیٹھے پورے اپارٹمنٹ میں ادھر ادھر چکر لگاتے رہتے تھے اور کال بیل پر دروازہ کھولنا ان کے لیے چیلنج [illegible] جب گھنٹی بجنے کے بعد بھی [illegible] میں خوش فہمی میں مبتلا ہو گیا۔ میں نے [illegible] کے لیے دروازے کو جھٹکا [illegible] دروازہ اندر سے بند نہیں تھا۔ میری ہتھیلی کے دباؤ سے دروازہ کھل گیا۔ اگلے ہی لمحے میں اپارٹمنٹ کے اندر تھا۔

میں نے اپارٹمنٹ کے اندر قدم رکھا ہی تھا لیکن پھر ایک قدم آگے بڑھا ہو گا۔ کوئی وزنی آہنی شے میرے سر کے پچھلے حصے سے ٹکرائی۔ یہ ضرب اتنی اچانک اور کاری تھی کہ مجھے سنبھلنے کا موقع نہ مل سکا۔ اگلے ہی لمحے میں کٹے ہوئے شہتیر کے مانند فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ میرا ذہن تاریکی میں ڈوبتا چلا گیا۔

پھر مجھے کچھ ہوش نہ رہا۔

ایڈیٹر نے اکتاہٹ کے ساتھ نظر اٹھا کر دیکھا۔ اس کے تجربے نے بتادیا تھا کہ یہ کوئی ناکام اور سرپھرا لکھاری ہے۔ لاشعوری طور پر ایڈیٹر کی نگاہ اپنے ڈیسک پر اور اطراف میں بکھرے مسودوں کے ڈھیر پر گئی۔

'اب یہ دعویٰ کرے گا کہ اس نے ایک شاہکار کہانی ارسال کی تھی...... طویل عرصہ ہوگیا اور تم لوگ گویا کچھوے کے مانند سست ہو...... وغیرہ...... وغیرہ۔ ہاں، کوئی ایسی ہی بات ہونے والی ہے۔' اس نے سوچا۔ ایک بار پھر اجنبی کو نگاہوں میں تولا۔

''اوہ نہیں...... یہ تو مسودہ ساتھ لایا ہے۔'' ایڈیٹر نے سوچتے ہوئے سوالیہ نظروں سے اجنبی کو دیکھا جس نے مسودے کا پلندا اس کے چہرے کی جانب اس انداز میں بازو کھول کرتا نا، جیسے وہ مسودہ نہیں بلکہ پستول ہے......

''اسے شائع کرو۔'' اجنبی نے بلاتکلف کہا۔

قلم کار

امجد رئیس

یوں تو ہمارے اردگرد بے شمار کہانیاں بکھری رہتی ہیں لیکن مصنف وہی کہلاتا ہے جو انہیں ترتیب دے کر لفظوں کا پیراہن عطا کرے۔ اسے بھی لکھنے کا جنون تھا مگر منظر میں رنگ بھرنے کے ہنر سے نا آشنا تھا اس کے باوجود اس نے اپنے اظہار کا معتبر انداز ڈھونڈ لیا تھا۔

ناکامیوں کی بھیڑ میں ایک تخلیق کار کی فتح کا قصہ



"بس اتنی سی بات تھی۔" ایڈیٹر نے تحمل کر ذہن کی آنکھوں میں جھانکا۔ "تو پھر یہ بات ہے..."

"اسے شائع کرو!" اس نے سرتاپا تو ولولہ سے کہا۔

جواباً ایڈیٹر کی مسکراہٹ میں [illegible] کا عنصر شامل ہو گیا۔ "بے شک کہانی چھپنے کے قابل ہے۔" اس نے بولنا شروع کیا۔ "لیکن مسٹر... مسٹر...؟"

"بِگل۔" اس نے کہا۔ "بِگل۔" وہ اسی طرح ساکت کھڑا تھا۔ [illegible] ایڈیٹر کے [illegible] چہرے پر [illegible] "میں جانتا ہوں۔ کہانی چھپنے کے تمام طریقوں سے آگاہ ہوں [illegible] کا تجربہ ہوتا تھا۔

"واقعی؟" ایڈیٹر مسکرایا۔ تاہم اس مرتبہ اس کی مسکراہٹ میں نرمی کی کچھ کمی آ گئی۔

"پھر طریقہ کام رہا۔" وہ اسی طرح تنا کھڑا تھا۔

"اچھا تو یہ بات ہے۔" ایڈیٹر سمجھ گیا کہ اس کا سامنا ایک ناکام اور دل برداشتہ مصنف سے پڑ گیا ہے۔

"حالانکہ میں نے اپنی کہانیوں کے ساتھ [illegible] کاپیوں کے لفافے بھی منسلک کیے تھے۔" اس نے [illegible] "مگر کوئی [illegible] نہیں ہوا۔"

"شاید تمہاری ساری کہانیاں [illegible]" ایڈیٹر نے کچھ کہنا چاہا مگر بگل نے اس کی بات کاٹ دی۔

"میں نے مسترد کیے جانے سے بچنے کے لیے مختلف [illegible] استعمال کیے... کیونکہ ایڈیٹر تک پہنچنا ضروری تھا۔" اس نے آخر اعتراف کیا۔ "حالانکہ [illegible] ان میں مجھے کوئی [illegible] نہیں دی۔"

"تم [illegible] کیا کام کرو گے۔" ایڈیٹر نے [illegible] کہا اور کرسی کی پشت سے ٹیک دی۔ "تمہیں اندازہ ہو گیا کہ ایڈیٹر کے لیے یہ چیز ناقابلِ برداشت ہے۔"

"ہاں۔" اس نے بات جاری رکھی۔ "گزشتہ برس میرے ذہن میں ایک خیال آیا۔ اس کو آزمانے پر مجھے اپنی [illegible] کامیابی ہوئی۔"

"یعنی تمہاری کہانیاں چھپنے لگیں؟" ایڈیٹر کی دلچسپی واپس آنے لگی۔

"ہاں۔"

"وہ کون سا خیال تھا؟"

"سادہ... بہت سادہ سا خیال۔" بگل نے کہا۔

تعلق اور مسودوں کے گرد رہتا ہوں۔" [illegible] اسی طرح بیٹھ گئی کر رہا ہوں۔"

"پھر؟"

"پھر... میں آٹھ بلا دیتا ہوں۔"

"کہاں سے آٹھ لاتے ہو؟" ایڈیٹر نے حیرت محسوس کی۔

"آٹھ لاتا ہو۔" وہ بگل بار دوبارہ مسکرایا۔

"مسودہ اور شائع کا بہت زیادہ..."

"[illegible] مسودے [illegible] چھپتی ہے۔" ایڈیٹر نے کہا۔ "کا میری [illegible] گئی ہوں گی؟"

"تمہارا بھی اتفاق [illegible] بتایا جا رہا ہے۔" بگل نے تسلیم کیا۔ "جلد سمجھ جاؤ گے۔ بڑے ایڈیٹرز کے معیار بھی بلند ہوتے ہیں بلکہ میں تو ان کے لیے "قصوری" کا لفظ استعمال کروں گا۔ قصوری اور ناپسند..."

"تم کس حد تک ٹھیک کہہ رہے ہو تم "قصوری" مجھے استعمال ہے۔" ایڈیٹر کا لہجہ کڑا تھا۔

بگل نے کوئی اثر نہیں لیا۔ "[illegible] کی محنت کے بعد [illegible] ایڈیٹر حضرات کو قائل کرنے میں کامیاب [illegible] اس نے بتانا شروع کیے۔

"اس میں تم [illegible] پہچان جاؤ گے۔ جن میرے اشارہ کرنے کی دیر ہے اور تم پہچان جاؤ گے..."

"[illegible]" ایڈیٹر نے ہاتھ اٹھایا۔ "بہت ہو گیا۔ تمہاری باتیں میری سمجھ سے بالاتر ہیں۔" ایڈیٹر نے ایک ہی سے دیکھ کے [illegible] کی کوشش کی۔ "مجھے تمہارے آٹھ لانے سے کوئی دلچسپی نہیں [illegible] مجھے اس سے کوئی مطلب نہیں ہے۔ تم یا کوئی بھی مجھ سے اپنی چیز شائع نہیں کروا سکتا مجھے پسند نہ ہو۔"

ایک لمحے کے لیے بگل کی جانب سے کوئی جواب نہیں آیا پھر ایک خفت بھری کی [illegible] اس نے مسودہ اٹھا لیا۔ [illegible] ایڈیٹر کی طرف آیا۔

"آٹھ لاتا ہوں۔"

مصنف بگل...

"اسے شائع کر دو۔" وہ شروع ہوا تاہم اس مرتبہ اس کی آواز سرد اور تلخیت سے بھری ہوئی۔

"ورنہ؟" ایڈیٹر نے سوالیہ نظروں سے پوچھا۔

بگل کے چہرے پر وحشت طاری تھی۔ "ورنہ"

"اب مجھے جب بھی کوئی کہانی فروخت کرنی ہوتی ہے تو میں [illegible] مرنے [illegible] کرتا ہوں، اس [illegible]" ورنہ... پھر تقلید ہے۔"

قطب الدین منور علیہ الرحمۃ اللہ

ضیا تسنیم بلگرامی

کہتے ہیں جس طرح رات کے بعد سویرا طلوع ہوتا ہے اسی طرح تکلیفوں کے بعد راحتیں جشن مناتی ہیں۔ اسی نظریے پر قائم اللہ کے نیک اور برگزیدہ بندے زندگی کا ہر لمحہ گزار دیتے ہیں اور شاید اس مالکِ حقیقی کو بھی ان کی ایسی ہی آزمائش منظور ہوتی ہے۔ بس یہ محبوب کی ایسی ادا ہے جس پر چاہنے والے سو جان سے قربان ہونے کے لیے تیار رہتے ہیں۔ آپ کا شمار بھی انہی انسانوں میں ہوتا ہے جو ثابت قدم رہ کر دنیاوی مشکلات کا سامنا مسکرا کر کرتے ہیں۔

کٹھن مراحل سے بے خوف و خطر گزرنے والے ایک نیک انسان کا ماجرا

حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاء نے شیخ قطب الدین منور کو تخلیہ میں طلب فرمایا۔ شیخ قطب الدین منور مشہور زمانہ صوفی شیخ جمال الدین ہانسوی کے پوتے تھے اور ان کا بیشتر زمانہ ہانسی میں گزرا کیونکہ انہیں اپنے بزرگوں سے دوری قطعی گوارانہ تھی لیکن کبھی کبھی جب یہ دہلی میں اپنے پیر و مرشد حضرت محبوب الٰہی کے پاس رہتے تو اس وقت تک ہانسی کا خیال تک اپنے دل میں نہ لاتے جب تک کہ ان کے پیر و مرشد انہیں ہانسی کی طرف متوجہ نہ کرتے چنانچہ جب انہیں ان کے پیر و مرشد

نے قطب کو طلب فرمایا تو وہ فوراً آپ کے قدموں میں بیٹھ گئے۔ مریدوں کا ہجوم تھا اور عقیدت مند آپ کے پاؤں کے انگوٹھوں پر نگاہ کیے ہوئے تھے۔

حضرت محبوب الٰہی نے فرمایا۔ "بابا قطب الدین! جانتے ہو میں نے تمہیں کیوں بلایا ہے؟"

آپ نے جواب دیا۔ "حضرت! غلام آپ کی توجہ اور فیض کا طالب ہے۔ آپ روشن ضمیر ہیں۔ بندہ حقیر و بے ضمیر ہے اس لیے میں کیا عرض کروں کہ مجھے کیوں طلب فرمایا گیا ہے۔ آپ ہی ارشاد فرمائیں گے تو مجھ پر منکشف ہوگا۔"

حضرت محبوب الٰہی نے چند ورق ایک تحریر ان کے حوالے کی اور فرمایا۔ "یہ خلافت نامہ ہے۔ میں نے تمہیں اپنا خلیفہ مقرر کیا ہے۔"

اس کے بعد آپ دیر تک نصیحتیں اور وصیتیں فرماتے رہے اور قطب الدین منور سر جھکائے اور توجہ سے سنتے رہے ..... آخر میں فرمایا۔ "بابا قطب الدین! اب جاؤ اور دوگانہ ادا کرو۔"

قطب الدین خلافت نامہ لیے ہوئے اٹھے، جماعت خانے میں گئے اور دوگانہ ادا کیا۔ اس دوران خلافت کی خبر پھیل چکی تھی۔ دوستوں نے انہیں اپنے حلقے میں لے لیا اور مبارکباد دینے لگے۔

قطب الدین منور کے بعد حضرت محبوب الٰہی نے اپنے دوسرے مقبول بارگاہ مرید شیخ نصیر الدین محمود اودھی (روشن چراغ دہلی) کو طلب فرمایا اور انہیں بھی منصب خلافت سے سرفراز فرمایا اور انہیں بھی دیر تک نصیحتیں اور وصیتیں فرماتے رہے۔ شیخ نصیر الدین پیچھے ہٹ کے باادب کھڑے ہو گئے۔

حضرت محبوب الٰہی نے اچانک اپنے خادم کو آواز دی۔ جب وہ آگیا تو آپ نے اسے حکم دیا۔ "جاؤ قطب الدین منور کو بلا لاؤ۔"

خادم انہیں بلا لایا۔ آپ نے قطب الدین منور کو شیخ نصیر الدین کی طرف متوجہ کیا اور حکم دیا۔ "بابا قطب الدین! تم بابا نصیر الدین کو منصب خلافت ملا ہے۔ انہیں اس کی مبارکباد دو۔"

قطب الدین منور نے شیخ نصیر الدین کو منصب خلافت کی مبارکباد دی۔

اب آپ نے شیخ نصیر الدین محمود کو حکم دیا۔ "اور بابا نصیر الدین! اب تم قطب الدین کو مبارکباد دو۔ یہ بھی منصب خلافت سے آج ہی اس وقت سرفراز ہوئے ہیں۔ اب تم دونوں آپس میں سگے پیر بھائی بن چکے ہو۔"

شیخ نصیر الدین نے قطب الدین کو منصب خلافت کی مبارکباد دی۔

حضرت محبوب الٰہی نے فرمایا۔ "تم دونوں ایک دوسرے سے بغل گیر ہو جاؤ۔"

دونوں ایک دوسرے سے بغل گیر ہو گئے۔ آپ نے اپنے دونوں مریدوں سے فرمایا۔ "بابا! آج تم دونوں کو آزاد ہو کر خلافت ملنے کی جو نعمت حاصل ہوئی ہے، اس کا دل میں شکر بجا لانا۔"

دونوں مرید جذباتی ہو گئے اور عرض کیا۔ "حضرت! آپ نے بڑی عزت بخشی ہے۔ ہمیں آپ کی جدائی سے تکلیف ہوتی ہے۔"

پھر یہ دونوں حضرت محبوب الٰہی کی خدمت میں موجود رہے۔ اس کے بعد اجازت لے کر دونوں باہر آئے۔ شیخ نصیر الدین نے قطب الدین منور کو راستے ہی میں روک لیا اور کہا۔ "بھائی قطب الدین! ہم دونوں پیر و مرشد کی خدمت اور صحبت میں کافی دیر رہے ہیں۔ اس دوران انہوں نے ہمیں بڑی نصیحتیں کی ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ ان نصیحتوں اور وصیتوں کو میرے علم میں لے آئیں تاکہ جو نصیحتیں اور وصیتیں مجھے کی گئی ہیں، آپ کے علم میں لے آؤں۔ اس طرح ہم دونوں ایک دوسرے کے محرم اسرار بن جائیں گے۔"

قطب الدین منور نے جواب دیا۔ "بھائی نصیر الدین! پیر و مرشد نے جو نصیحتیں مجھے فرمائی ہیں وہ ایک راز ہے۔ آپ نے وہ راز مجھ پر منکشف نہیں کیا۔ اب آپ ہی انصاف سے فرمائیں کہ پیر و مرشد کا راز دوسرے پر کس طرح منکشف کیا جا سکتا ہے۔ آپ کا راز آپ کے لیے ہے اور میرا راز میرے لیے ہے۔"

شیخ نصیر الدین نے شرمندہ ہو کر سر جھکا لیا اور بولے۔ "بھائی قطب الدین! میں اپنے سوال پر بہت شرمندہ ہوں۔ آپ کا جواب بہت مناسب ہے۔"

قطب الدین منور خلافت پانے کے بعد بھی پیر و مرشد کی خدمت میں موجود رہے ... ہانسی کے قبرستان میں اپنے آبا و اجداد کی قبروں [illegible]

سے حاضریاں دیا کرتے تھے جس سے انہیں سکون ملتا تھا اور فیض بھی۔ آپ کے اس اندرونی اور پنہانی کرب سے حضرت محبوب الٰہی اچھی طرح واقف تھے، ایک دن انہیں طلب فرمایا اور پوچھا۔ ''بابا قطب الدین! کہو ہانسی کا کیا حال ہے؟''

آپ نے جواب دیا۔ ''حضرت! کیا عرض کروں، میں دہلی میں، ہانسی کا حال ہانسی والے جانیں یا پیر روشن ضمیر۔''

حضرت محبوب الٰہی نے فرمایا۔ ''میں محسوس کررہا ہوں کہ تمہارے آبا و اجداد کی روحیں تمہاری جدائی میں سوگوار ہیں، تم ہانسی واپس جاؤ۔''

قطب الدین نے جواب دیا۔ ''میں آپ کو چھوڑ کر کیونکر جا سکتا ہوں پیر و مرشد!''

پیر و مرشد نے فرمایا۔ ''میں تمہیں ہانسی جانے کی اجازت دے رہا ہوں۔''

قطب الدین نے عرض کیا۔ ''اگر آپ جانے کی اجازت دیں گے تو چلا جاؤں گا۔''

اجازت حاصل کرنے کے بعد قطب الدین نے ہانسی جانے کی تیاری کی۔ اپنا مختصر سامان باندھا اور پیر و مرشد سے اجازت چاہی۔

حضرت محبوب الٰہی نے تصوف کی مشہور زمانہ کتاب 'عوارف' کا نسخہ ان کے حوالے کیا اور کہا۔ ''قطب الدین! زمانہ گزرا جب تمہارے دادا شیخ جمال الدین ہانسوی، بابا فرید گنج شکر کی خدمت میں رہا کرتے تھے تو جب انہیں خلافت نامہ عطا کیا گیا تھا، اور اس کے ساتھ جو تبرکات بخشے گئے تھے' ان میں یہ عوارف کا نسخہ بھی شامل تھا۔ ان دنوں میں بھی بابا فرید کے پاس اجودھن ہی میں تھا۔ جب میں اجودھن سے دہلی واپس آیا تو راستے میں ہانسی میں قیام کیا۔ اس وقت تمہارے دادا نے عوارف کا یہ نسخہ یہ کہہ کر میرے حوالے کیا تھا کہ اس کو امانت کے طور پر اپنے پاس رکھ لو اور آئندہ جب کبھی میری کوئی اولاد تمہارے پاس تعلیم و تربیت حاصل کرنے آئے تو عوارف کا یہ نسخہ اس کے حوالے کر دینا۔ چنانچہ یہ نسخہ تمہارے حوالے کر رہا ہوں۔''

قطب الدین نے اپنا سامان لیا اور پیر و مرشد سے جدا ہو کر ہانسی چلے گئے۔

☆☆☆

یہ سلطان محمد تغلق کا زمانہ تھا۔ سلطان کو اپنی عقل اور فہم و فراست پر بڑا ناز تھا۔ وہ شریعت کو اہمیت دیتا تھا اور طریقت سے گریزاں تھا۔ اس کے درباریوں اور مصاحبوں میں خوشامدی حضرات کسی نہ کسی کے خلاف شکایتیں اور چغلیاں کھایا کرتے تھے یہ حضرات ہر اس شخص کے خلاف سلطان کے کان بھرتے رہتے تھے جو دنیا سے الگ تھلگ باعزت زندگی گزار رہا ہوتا تھا۔ ان میں صوفیائے کرام کا نام سرفہرست تھا چنانچہ جب درباریوں نے یہ دیکھا کہ قطب الدین منور ہانسی میں دربار سرکار سے دور باعزت زندگی گزار رہے ہیں تو انگاروں پر لوٹنے لگے اور یہ اطلاعات اور زیادہ سوہانِ روح بن گئیں کہ قطب الدین منور گوشہ نشینی اور درویشی میں بھی بادشاہی کر رہے ہیں۔

حاسدوں نے سلطان کے کان بھرنا شروع کر دیے۔ ایک نے آپ کی شکایت کرتے ہوئے کہا۔ ''حضورِ والا! غلام کچھ دنوں سے عجیب سی خبریں سن رہا ہے۔ اگر ان خبروں کو چھپایا جائے تو نقضِ امن، انتشار بلکہ بغاوت تک کا خطرہ پایا جاتا ہے اور اگر انہیں حضور کے گوش گزار کر دیا جائے تو اس کے چند درویشوں کی خبثِ باطنی مشتہر ہو جاتی ہے اور اس طرح نام نہاد اللہ والوں کے باطن بلکہ مکروہ باطن کی پردہ دری ہو جاتی ہے۔''

سلطان نے پوچھا۔ ''تو کہنا کیا چاہتا ہے؟ صاف صاف کہہ۔''

حاسد نے کہا۔ ''حضورِ والا! بادشاہوں کو سب سے زیادہ خطرہ درویشوں سے ہوتا ہے کیونکہ درویش بھی انسانوں پر حکومت کرتے ہیں۔ درویشوں میں بادشاہوں سے زیادہ انا اور خود پسندی ہوتی ہے جس سے وہ بادشاہوں کو اپنے سے کمتر اور حقیر سمجھتے ہیں۔''

سلطان نے پوچھا۔ ''تیرا اشارہ کس درویش کی طرف ہے؟''

حاسد نے جواب دیا۔ ''حضورِ والا! یہ درویش محنت مشقت تو کرتے نہیں، بس مریدوں اور ارادت مندوں کے نذرانوں اور تحفوں پر اپنی شاندار زندگی گزارتے ہیں، اگر انہیں دربار میں حاضری دینے کا پابند کر دیا جائے تو بات بن سکتی ہے۔''

سلطان کو غصہ آگیا، برہم ہو کر بولا۔ ''میں تجھ سے پوچھ رہا ہوں کہ تو یہ ساری باتیں کس درویش کی بابت کر رہا ہے؟''

حاسد نے جواب دیا۔ ''ہانسی کے شیخ قطب الدین منور کی بابت۔ میں نے سنا ہے شیخ بہت مغرور ہیں اور اپنے مریدوں اور ارادت مندوں کو بادشاہ کے خلاف ورغلاتے رہتے ہیں۔ سنا ہے وہ کہتے ہیں، بادشاہی صرف اللہ کو زیب دیتی ہے۔

دنیاوی بادشاہ و امرا سے کوئی تعلق نہیں رکھتے کہ ان کی ... کی جائے کیونکہ وہ دنیاوی بادشاہ و امرا سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔"
سلطان کے ماتھے پر شکنیں ابھر آئیں، پوچھا۔ "قطب الدین نور اس قسم کا کیا کام کرتا ہے؟"
حامد نے جواب دیا۔ "اس قسم کی کج روی۔ اس سے کہیں زیادہ خطرناک باتیں کرتا رہتا ہے۔"
سلطان نے پوچھا۔ "کیا تو نے وہ باتیں سنی ہیں؟"
حامد نے جواب دیا۔ "حضور والا! وہ باتیں میں نے اپنے کانوں سے تو نہیں سنیں، ہاں دوسرے لوگ جو وہاں آتے جاتے رہتے ہیں وہ بتاتے رہتے ہیں۔"
سلطان نے دریافت کیا۔ "کیا تمہارے پاس ایک بھی ایسا آدمی موجود ہے جو قطب الدین نور کے خلاف گواہی دے سکے؟"
حامد گھبرا گیا، بولا۔ "میں کسی خاص آدمی کو تو پیش نہیں کر سکتا مگر یہ بات الگ ہے کہ اس کی بے باکی کے کسی بھی شخص سے معلوم کی جا سکتی ہے۔"
سلطان نے "ہوں" کہا اور کچھ سوچتے ہوئے بے خیالی میں کہا۔ "تو کوئی گواہ بھی پیش نہیں کر سکتا۔"
حامد بہت گھبرایا ہوا تھا، بولا۔ "ظل الٰہی! شہر کا کوئی بھی [illegible] نہیں کر سکتا۔"
سلطان دربار برخاست کر کے چلا گیا۔ وہاں سے قاضی کمال الدین صدر جہاں کے نام فرمان طلبی جاری کر دیا۔
قاضی صاحب حاضر ہوئے تو سلطان نے پوچھا۔ "[illegible]؟"
سلطان نے کہا۔ "قاضی صدر جہاں! آپ قطب الدین نور سے بھی واقف ہیں کیا؟"
قاضی صاحب نے جواب دیا۔ "خوب اچھی طرح۔ یہ وہی قطب الدین نور ہیں جو جمال الدین [illegible] کے بیٹے ہیں۔ ان سے کون واقف نہیں۔"
سلطان نے پوچھا۔ "شیخ قطب الدین کیسا آدمی ہے؟"
قاضی نے جواب دیا۔ "حضور والا! وہ نہایت بے ضرر درویش ہیں مگر [illegible]"
سلطان نے کہا۔ "میں نے سنا ہے کہ ان کے پاس جو لوگ موجود ہوتے ہیں وہ شیخ کی تعلیمات [illegible] رہتے ہیں۔"
قاضی نے جواب دیا۔ "شیخ کی تعلیم [illegible] لیکن میں ان کی طرف سے یہ ضرور کہہ سکتا ہوں کہ وہ بے ضرر اور سادہ لوح انسان ہیں۔"
سلطان نے وحشت زدہ ہو کر کہا۔ "تو کون ہوا ہے؟ کون بے ضرر انسان؟"
قاضی نے جواب دیا۔ "شیخ قطب الدین نور [illegible] بہت بڑے انسان ہیں۔"
سلطان ناراض ہو گیا۔ "مگر آپ نے ابھی درویش کی وکالت بھی چاہی۔"
صدر جہاں نے عرض کیا۔ "جہاں پناہ! قطب جمال کہہ رہا تھا جیسے شیخ نور کی وکالت کر رہا ہے، اللہ گواہ ہے۔ میں تو امر واقعہ بیان کر رہا ہوں۔ شیخ نور صدق دل سے بے ضرر انسان ہیں۔"
سلطان نے کہا۔ "میں اس بے ضرر انسان کو قتل کے [illegible] پاتا ہوں۔ شیخ نور نے صحیح کی جگہ اپنے گھر سے [illegible] ڈال رکھی ہے۔ میں چاہتا ہوں ان کا [illegible] ختم کر دیا جائے۔"
صدر جہاں نے عرض کیا۔ "واقعی سلطان کی بڑی [illegible] کیا ہے؟"
سلطان نے اسی وقت ایک فرمان لکھوایا، اس فرمان کی رو سے دو گاؤں شیخ نور کو عطا کیے گئے تھے۔ سلطان نے کہا۔
"یہ فرمان شیخ نور کے پاس لے جاؤ، اگر وہ اس کو آسانی سے قبول کر لیں تو خیر اور اگر انکار کریں تو [illegible] یہ فرمان ان کے حوالے کر دیا جائے۔ جب وہ یہ فرمان قبول کر لیں گے تو میں انہیں دربار میں بلاؤں گا اور ان سے پوچھوں گا کہ [illegible] شاہی عطا اور بخشش کا قبول کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔ اس کے بعد میں شیخ نور کو وہ سزا دوں گا کہ زندگی بھر یاد رکھیں گے اور دوسرے ریاکار درویشوں کے لیے عبرت ہوگی۔"
صدر جہاں نے کہا۔ "سلطان کا حکم سر آنکھوں پر۔ میں پوری کوشش کروں گا کہ شیخ نور سلطان کا یہ فرمان قبول فرمالیں اور اس کے ساتھ ان کے صدق اور ریا کا امتحان بھی ہو جائے گا۔"
صدر جہاں نے شاہی فرمان لیا اور [illegible] روانہ ہو گئے۔ انہوں نے شاہی فرمان [illegible] جب شیخ نور کو صدر جہاں کی آمد کی اطلاع دی گئی تو انہوں نے صدر جہاں کو ایک [illegible] کے ذریعے پڑھایا۔

شیخ منور نے پوچھا۔ ''حضرت آپ کی تشریف آوری کا بہت بہت شکریہ۔ میں آپ کی کیا خدمت کرسکتا ہوں؟''
صدر جہاں نے عرض کیا۔ ''حضرت! آپ تو یہاں ایک گوشے میں پڑے ہوئے ہیں۔ ایسا لگتا ہے گویا آپ اس دنیا سے کوئی تعلق ہی نہیں رکھتے مگر آپ کے مقام کا یہ حال ہے کہ خدا نے سلطان کے دل میں آپ کا احترام پیدا کررکھا ہے۔ سلطان آپ کی خدمت کرنا چاہتا ہے۔''
آپ نے حیرت سے پوچھا۔ ''سلطان میری خدمت کرنا چاہتا ہے' آخر کیوں؟ میں نے سلطان کا کیا بگاڑا ہے جو وہ میری خدمت کرنا چاہتا ہے۔''
صدر جہاں نے جواب دیا۔ ''آپ نے سلطان کا کچھ نہیں بگاڑا بلکہ آپ نے سلطان کے دل و دماغ کو مسخر کرلیا ہے، اسی لیے سلطان کی یہ دلی خواہش ہے کہ وہ آپ کے کام آئے۔ آپ کی خدمت کرے۔''
آپ نے پوچھا۔ ''صدر جہاں! آخر بات کیا ہے؟ سب کچھ صاف صاف بتا کیوں نہیں دیتے!''
صدر جہاں نے عرض کیا۔ ''سلطان کو آپ کی بڑی فکر لگی ہوئی ہے۔ اس نے مجھ سے بلا کر کہا کہ جب شیخ منور دن رات یادِ الٰہی میں غرق رہتے ہیں تو وہ دنیاوی امور کس طرح انجام دیتے ہوں گے۔ بس اس خیال کا آنا تھا کہ سلطان نے اسی وقت ایک فرمان تیار کیا۔ اس فرمان کے ذریعے آپ کو دو گاؤں عطا کیے گئے ہیں۔''
اتنا کہہ کر صدر جہاں نے شاہی فرمان آستین سے نکال کر شیخ کی طرف بڑھا دیا، بولے۔ ''میں خوش ہوں کہ شاہی فرمان کو آپ کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت مجھے حاصل ہوئی ہے۔''
صدر جہاں نے شاہی فرمان کو نہایت ادب سے آپ کی خدمت میں پیش کیا مگر آپ نے یہ فرمان نہیں لیا اور فرمایا۔
''صدر جہاں! زمانہ گزرا، جب اس ملک پر سلطان ناصرالدین کی حکومت تھی اور الغ خان جو بعد میں سلطان غیاث الدین بلبن بن گیا، بادشاہ کی طرف سے دو گاؤں کی بخشش کا فرمان لے کر بابا فرید گنج شکر کی خدمت میں گیا تھا۔ اس وقت بابا فرید نے الغ خان سے کہا تھا کہ ہمارے پیروں نے اس قسم کی چیزوں کو قبول کرنے سے صاف منع فرمایا ہے۔ اس سلطانی فرمان کے طالبوں کی اس دنیا میں کوئی کمی نہیں۔''
یہ کہتے کہتے شیخ منور رک گئے اور قدرے توقف کے بعد فرمایا۔ ''صدر جہاں! تم جانتے ہو کہ بابا فرید نے اس عطیے کو قبول نہیں کیا تھا پھر میں اس خانوادے کا غلام اس فرمان کو کس طرح قبول کرسکتا ہوں۔''
صدر جہاں نے جواب دیا۔ ''شیخ! میں نے فرمان دیتے وقت سلطان کے چہرے پر جیسی عقیدت اور محبت محسوس کی ہے اس کے پیشِ نظر مجھ میں اتنی ہمت نہیں ہے کہ اس فرمان کو واپس لے جاؤں۔ اس کو تو آپ قبول ہی فرمالیں۔''
شیخ نے فرمایا۔ ''صدر جہاں! تیرے دل میں بابا فرید کی کتنی عزت ہے؟''
صدر جہاں نے جواب دیا۔ ''اس کا کیا پوچھنا۔ حد درجہ عزت و احترام ہے میرے دل میں مگر اس سوال سے آپ کا مطلب؟''
شیخ نے فرمایا۔ ''آپ صدر جہاں ہیں اور آپ کا کام یہ ہے کہ مسلمانوں کے سامنے وعظ کہیں' چنانچہ آپ اپنے اس منصب کے پیشِ نظر اس بات کے پابند ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنے پیروں کے طریقے کی مخالفت کرے تو آپ اسے روکیں، اس سے منع کریں مگر یہ کیا کہ آپ مجھ کو ترغیب و تحریص کے جال میں خود پھنسا دینا چاہتے ہیں۔''
صدر جہاں نے جواب دیا۔ ''میں نے سلطان کے اخلاص و احترام کو اپنے دل میں محسوس کرتے ہوئے آپ کے پاس آنے کی جسارت کی تھی۔ اب اگر آپ اس فرمان کو قبول فرمالیں گے تو بندہ سلطان کی نظروں میں سرخرو ہوجائے گا ورنہ ذلت و خواری تو صاف نظر آرہی ہے۔''
شیخ نے کہا۔ ''صدر جہاں! میں مجبور ہوں۔ میں اس فرمان کو کسی حال میں بھی قبول نہیں کروں گا۔''
صدر جہاں نے بے بسی سے عرض کیا۔ ''جب میں اس فرمان کو سلطان کے حوالے کروں گا تو وہ بہت برہم ہوگا اور میں ذلیل و خوار ہو کر معلوم نہیں کس سزا کا مستحق قرار دیا جاؤں۔''
شیخ نے جواب دیا۔ ''میں مجبور ہوں صدر جہاں...... میں اس کو قبول نہیں کرسکتا۔''
صدر جہاں نے کہا۔ ''تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ میں سلطان سے اپنی جان بچانے کے لیے کہیں روپوش ہوجاؤں۔''
شیخ نے فرمایا۔ ''اس کی کیا ضرورت۔ آپ سلطان سے صاف صاف میری جانب سے کہہ دیں کہ میں یہ دو گاؤں نہیں قبول کروں گا۔''

صدر جہاں نے یہ سن کر دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔ "آپ کا ارشاد سر آنکھوں پر۔ میں اللہ سے دعا کرتا ہوں، آپ میرے حق میں بھی دعا فرمائیں کہ وہ مجھے سلطان کے شر سے محفوظ رکھے۔"

شیخ نے فرمایا۔ "صدر جہاں! میں تیرے لیے دعا کرتا ہوں۔ اللہ نے چاہا تو تو خوش حال اور خوش و خرم رہے گا۔"

آپ نے صدر جہاں کو تھوڑی دور تک چل کر چھوڑا اور دعا کی۔ پھر اپنے حجرے میں واپس آ گئے۔ صدر جہاں سلطان کی خدمت میں واپس گئے اور سارا واقعہ تفصیل سے بیان کر دیا۔

سلطان نے پوچھا۔ "صدر جہاں! کیا تم نے ان سے کوئی سوال کیا تھا---- تیرا کیا خیال ہے شیخ معین کیسا آدمی ہے؟"

صدر جہاں نے جواب دیا۔ "حضور والا! اگر آپ پہلے ہی ان کے بارے میں پوچھ لیتے تو میں عرض کرتا کہ شیخ معین ایک فرشتہ صفت انسان ہیں۔ انہیں تنگ نہ کیجیے۔"

سلطان نے کہا۔ "تو یہ بات ہے۔ خوب۔ بہرحال میں ان کو دیکھنا چاہوں گا اور ان شخص کا اصلی چہرہ بھی دیکھ کر رہوں گا۔"

☆☆☆

آپ عبادت الٰہی میں مشغول تھے کہ ایک قلندر کہیں سے آ گیا۔ اس نے شیخ سے کہا۔ "شیخ! بھوکا ہوں [illegible] مجھے بھی کچھ عنایت ہو۔"

آپ نے اپنے ایک مرید کو حکم دیا کہ اس کو کھانا کھلایا جائے۔ قلندر کو اسی وقت کھانا کھلا دیا گیا۔

قلندر نے کھانے کے بعد پھر آپ کو طلب کیا۔ "شیخ! اللہ رازق ہے۔ اس نے کھانا تو کھلا دیا اب مجھے کچھ نقدی بھی چاہیے۔"

شیخ نے حکم دیا۔ "اس کو کچھ رقم بھی دے دی جائے۔"

قلندر کو کچھ رقم بھی دے دی گئی۔ قلندر نے ایک بار پھر سوال کیا۔ "شیخ! کچھ اور بھی دے۔"

قلندر کو کچھ نہ کچھ دیا جاتا رہا مگر اس نے مزید مطالبہ کیا۔ "شیخ! ایک سوال اور کرتا ہوں۔ مجھے ایک گھوڑا فراہم کر دیا جائے، مہربانی ہو گی۔"

شیخ نے اپنے ایک مرید کو حکم دیا۔ "اس کو ایک گھوڑا بھی فراہم کر دیا جائے۔"

قلندر کی خواہشات کا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔ گھوڑا ملا تو گھوڑے کے لیے نقدی کا مطالبہ کر دیا گیا۔ "شیخ! میں قلندر آدمی ہوں گھوڑے کو کھلاؤں گا کہاں سے؟ اس کے لیے نقدی کا مستقل انتظام ہونا چاہیے۔"

شیخ نے اسی وقت [illegible] دے دیا۔ [illegible] آ جائے گا تو روپیہ بھی دیا جائے گا۔

قلندر [illegible] "بابا! یہ گھوڑا [illegible] حساب میں [illegible] کی کوئی صورت کرا دی جائے۔"

شیخ نے پوچھا۔ "تم [illegible] کیا چاہتے ہو؟"

قلندر نے جواب دیا۔ [illegible] "جب نقدی اپنے پاس ہو گی [illegible] آسانی ہو جائے گی۔"

شیخ کو قلندر پر غصہ آ گیا، فرمایا۔ "قلندر! تو صدر جہاں [illegible] تو کون ہے؟"

ایک مرید نے شیخ کو غصے میں دیکھا تو قلندر کو [illegible] اس سے کہا۔ "تو جاتا ہے یا [illegible] کروں؟"

قلندر نے شیخ سے مرید کی شکایت کی۔ [illegible]

شیخ نے جواب دیا۔ [illegible]

[illegible]

قلندر نے جواب دیا۔ [illegible]

آپ کسی ضرورت سے دہلی تشریف لے گئے۔ آپ کے عقیدت مندوں اور پرستاروں نے آپ کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ صبح سے شام تک یہ لوگ آپ کے آس پاس موجود رہتے۔ آپ ان سب کو شرف باریابی بخشتے اور ان سے باتیں کر کے انہیں خوش کر دیتے۔

انہی ارادت مندوں میں ایک ایسا شخص بھی آپ کو ملا جو ذرا پریشان بھی تھا اور بدحواس بھی۔ وہ جہاں بیٹھتا تھا' وہاں اس سے نچلا نہیں بیٹھا جاتا تھا۔ آپ نے اس کو اپنے پاس بلایا اور پوچھا۔ ''کیا بات ہے، تو کچھ زیادہ ہی پریشان دکھائی دیتا ہے؟''

اس نے جواب دیا۔ ''حضرت! پریشان میں نہیں، چار دوسرے لوگ ہیں اور میں انہی کا بھیجا ہوا آپ کے پاس آیا ہوں۔''

آپ نے پوچھا۔ ''تجھ کو ہمارے پاس کس نے بھیجا ہے؟''

اس نے جواب دیا۔ ''خواجہ کافور نے۔ آپ خواجہ کافور سے تو اچھی طرح واقف ہوں گے؟''

آپ نے کہا۔ ''ہاں' میں خواجہ کافور سے اچھی طرح واقف ہوں۔ وہ کہاں ہے آج کل؟ اور اس نے تجھ کو میرے پاس کیوں بھیجا ہے؟''

اس شخص نے جواب دیا۔ ''حضرت! بات دراصل یہ ہے کہ سلطان، خواجہ کافور اور اس کے تین ساتھیوں سے معلوم نہیں کیوں اور کس بات پر ناراض ہو گیا۔ اس نے چاروں کو قید خانے میں ڈال دیا ہے۔ اب وہ چاروں قید خانے میں پڑے سڑ رہے ہیں۔''

آپ نے بے چینی سے پوچھا۔ ''وہ چاروں قید خانے میں سڑ رہے ہیں؟''

اس شخص نے جواب دیا۔ ''جی' وہ چاروں قید خانے میں پڑے ہوئے ہیں۔''

آپ نے پوچھا۔ ''اور تو کون ہے؟''

اس نے جواب دیا۔ ''میں ان چاروں کا دوست ہوں۔''

آپ نے فرمایا۔ ''تو ان چاروں کا دوست نہیں، اجیر ہے۔ اجرت لے کر کام کرنے والا۔''

وہ شخص شرم سے پانی پانی ہو گیا۔

آپ نے فرمایا۔ ''یہ غلط ہے کہ خواجہ کافور نے اپنے تینوں ساتھیوں کے مشورے اور منظوری سے تیسرے سپرد یہ کام کیا ہے کہ تو ہم سے ان کے حق میں دعائے خیر کرائے؟''

اس شخص نے مری سی آواز میں جواب دیا۔ ''جی پیر و مرشد! میری یہی حیثیت ہے۔''

آپ نے فرمایا۔ ''جب تو خواجہ کافور سے ملاقات کرنے جائے تو اس کو میری طرف سے یہ بتا دینا کہ تین تو قید سے رہا ہو جائیں گے مگر چوتھا قید زندگی ہی سے نجات حاصل کر لے گا۔''

وہ شخص اس بشارت سے بہت خوش ہوا لیکن بشارت کے آخری حصے سے دکھ بھی پہنچا، بولا۔ ''حضرت! کیا چوتھا شخص واقعی مر جائے گا؟''

آپ نے جواب دیا۔ ''ہاں، مشیتِ ایزدی میں کسی کو کیا اختیار؟''

یہ شخص آپ کے پاس سے بشارت لے کر خواجہ کافور کے پاس پہنچا۔ خواجہ کافور نے چوتھے شخص کو اس کے پیام مرگ کی خبر نہیں سنائی۔ کچھ عرصے بعد سلطان کے حکم سے ان چاروں کی رہائی ہو گئی مگر چوتھا بیمار پڑ کر قید خانے ہی میں مر گیا۔ بقیہ تین کو رہائی مل گئی۔

☆☆☆

سلطان محمد تغلق کو حاسدوں نے پھر ورغلانا شروع کر دیا۔ سلطان دہلی سے دور گیا ہوا تھا۔ واپسی میں اس کا گزر ہانسی سے ہوا۔ اس نے ہانسی میں قیام کیا اور اپنے ایک امیر نظام الدین ندرباری معروف بہ مخلص الملک کو اپنے روبرو طلب کیا۔ سلطان کو مخلص الملک اس لیے پسند تھا کہ وہ بھی سلطان ہی کی طرح ظالم اور سخت گیر تھا۔ سلطان نے مخلص الملک سے کہا۔ ''میں تجھ کو لائق فائق سمجھ کر حکم دیتا ہوں کہ ہانسی کے قلعے میں جا اور اس کی شکست و ریخت کی تفصیلی روداد مرتب کر کے میری خدمت میں پیش کر۔''

شیخ منور کا گھر قلعے سے قریب ہی تھا۔ مخلص الملک ان کے گھر کے پاس پہنچا تو اس نے لوگوں کو اس گھر میں داخل ہوتے اور نکلتے دیکھا، کسی سے پوچھا۔ ''اس گھر میں کون رہتا ہے؟''

آپ نے جواب دیا گیا: "شیخ قطب الدین منور، شیخ جمال الدین کے پوتے ہیں۔"

قتلغ الملک نے پوچھا: "کیا ہمارے علاقے کے لوگ ان کے پاس کیوں آتے جاتے ہیں؟"

جواب دیا گیا: "حیرت ہے کہ تجھے شیخ کے مقام کا پتا نہیں۔ شیخ منور ایک خدا رسیدہ بزرگ ہیں۔ یہ آنے جانے والے لوگ ان کے مرید اور عقیدت مند ہیں۔"

قتلغ الملک نے پوچھا: "یہ وہی بزرگ ہیں جو دہلی کے نظام الدین اولیاء کے مرید اور خلیفہ بھی ہیں؟"

جواب دیا گیا: "ہاں! یہ وہی بزرگ ہیں۔"

قتلغ الملک نے بڑی بے پروائی سے کہا: "تب پھر ان کا دماغ بھی ضرور خراب ہوگا۔"

قتلغ الملک نے یہ بات جس لب و لہجے میں کی تھی، اس سے سننے والوں کو تکلیف پہنچی... وہ خاموش ہو گئے۔

قتلغ الملک نے کہا: "شیخ کو اطلاع کرو کہ میں ان سے ملنا چاہتا ہوں۔"

ایک مرید نے یہ خبر اندر شیخ کو پہنچا دی۔ آپ نے اسی وقت اندر بلا لیا۔ قتلغ الملک سلام کیے بغیر شیخ کے سامنے رعونت سے کھڑا رہا۔ شیخ نے کہا: "قتلغ الملک! بیٹھ جاؤ۔"

قتلغ الملک نے کہا: "شیخ! میں یہاں بیٹھنے نہیں آیا۔ یہ پوچھنے آیا ہوں کہ کیا تجھے یہ معلوم ہے کہ سلطان ان دنوں ہانسی میں قیام فرما ہے؟"

آپ نے جواب دیا: "مجھے معلوم ہے۔"

قتلغ الملک نے درشت لہجے میں کہا: "شیخ! جب تجھے سلطان کی ہانسی میں موجودگی کا علم ہے تو تو نے وہاں حاضری کیوں نہیں دی؟ سلطان کو سلام کرنے کیوں نہیں گیا؟"

آپ نے جواب دیا: "میرا دادا جو مرد خدا تھا، بادشاہ کے دربار میں بھی نہیں گیا۔ میں کیونکر جاؤں؟ میں اپنے بزرگوں کی طرح اپنے گوشے میں بیٹھ کر سلطان کے حق میں دعا کرتا رہتا ہوں۔ وہاں جا کر سلطان کی دعا کرنا کوئی ضروری نہیں ہے۔"

قتلغ الملک نے غصے سے کہا: "میں تیری یہ بات کس طرح مان لوں کہ تو یہاں بیٹھ کر سلطان کے حق میں دعائے خیر کرتا رہتا ہے۔ تجھ کو سلطان کو سلام کرنے ضرور جانا چاہیے۔"

آپ نے فرمایا: "قتلغ الملک! سلام اور حاضری پر اصرار نہ کر۔ میری گوشہ نشینی میرا [illegible] ہے۔ تو اس درویش کی اس گوشہ نشینی سے [illegible] کیا ہے؟"

قتلغ الملک نے جواب دیا: "شیخ! میں اپنے لیے کچھ نہیں کہتا۔ میں سلطان کا نمک خوار ہوں، اس لیے سلطان کی اہانت برداشت نہیں کر سکتا۔"

شیخ منور نے کہا: "جب میں سلطان کے دربار میں حاضری کی ضرورت ہی نہیں سمجھتا تو تو یہاں سے جا سکتا ہے۔"

قتلغ الملک غصے میں کھڑا ہو گیا: "شیخ! میں جا رہا ہوں، تجھے سلطان کے دربار میں لے کر آؤں گا۔ میں تیری گستاخی کی شکایت کروں گا۔"

شیخ نے کہا: "میں نے سلطان کے دربار کی حاضری سے کب انکار کیا ہے؟ وہ مجھ سے [illegible] کی طاقت پر یہاں [illegible] کر رہا ہوں۔ قتلغ الملک اللہ کے غضب سے ڈر! اور درویش کو تنگ نہ کر۔"

قتلغ الملک غصے میں پاؤں پٹختا ہوا چلا گیا اور گھوڑے پر سوار ہو کر [illegible] سلطان کے پاس گیا تو [illegible] شیخ کی [illegible] سے بھرا ہوا تھا۔ اس نے سلطان سے شیخ کی شکایت کی۔ "سلطان معظم! [illegible] کے قریب اس ملک کا سب سے متکبر انسان رہتا ہے۔ وہ آج تک آپ کے سلام کو نہیں آیا۔ جب میں نے اس کی توجہ اس طرف مبذول کرائی تو اس نے حاضری دینے سے انکار کر دیا۔"

سلطان نے نرمی سے کہا: "میرا خیال ہے شیخ کی حاضری اتنی ضروری نہیں۔ یہ لوگ اپنے گوشے میں بیٹھ کر ہمارے حق میں اللہ سے بھلائی کی دعا کرتے رہتے ہیں۔"

قتلغ الملک نے عرض کیا: "حضور معاف فرمائیں، [illegible] اس درویش کی [illegible] اپنے [illegible] ہے۔ مجھے [illegible] اس کے مرید اور عقیدت مند اس کے ساتھ سلطان کا مذاق اڑاتے ہیں۔ سلطان معظم! اگر [illegible] تو [illegible] بڑھ جانے کا امکان پیدا ہو جاتا ہے۔ حضرت

کو دبدبہ اور رعب قائم رکھنے کے لیے کبھی کبھی سختی بھی کرنا پڑتی ہے۔"
سلطان بے بس ہو گیا۔ پوچھا۔ "تب پھر ان حالات میں مجھ کو کیا کرنا چاہیے؟"
مخلص الملک نے جواب دیا۔ "حضور والا! میں شیخ سے کہہ کر آیا ہوں کہ اس کو سلطان کی خدمت میں حاضر ہونا پڑے گا۔"
سلطان نے کچھ دیر سوچتے ہوئے کہا۔ "اگر یہ بات ہے تو شیخ کو میرے دربار میں حاضری دینا پڑے گی۔"
سلطان نے تالی بجائی اور خدمت گار کو حکم دیا۔ "شیخ حسن سر برہنہ کو حاضر کیا جائے۔"
تھوڑی دیر بعد شیخ حسن سر برہنہ کو بھی حاضر کر دیا گیا۔
سلطان نے اسے سر سے پاؤں تک دیکھا، گو کہ وہ اس وقت سلطان کی طلبی پر حاضر ہوا تھا اس لیے اس کی چال ڈھال اور انداز میں نرمی اور خوش خلقی پائی جاتی تھی مگر اس نرمی اور خوش خلقی میں بھی جاہ و تکبر کی جھلک محسوس ہوتی تھی۔ سلطان نے کہا۔ "شیخ حسن! ہانسی میں ایک متکبر انسان رہتا ہے، وہ ابھی تک سلام کرنے نہیں آیا۔ تیرا یہ فرض ہے کہ اس مغرور اور متکبر انسان کے سر کو میرے سامنے جھکا دے۔"
شیخ حسن نے عرض کیا۔ "سلطانِ معظم! اس مغرور اور متکبر کا نام؟ سلطان کے ہوتے ہوئے کسی کے تکبر اور غرور کا مطلب؟"
سلطان نے جواب دیا۔ "وہ درویش ہے اور اس کی درویشی کے نشے نے اسے از خود رفتہ کر دیا ہے۔"
شیخ حسن نے کہا۔ "اس درویش کا نام بتایا جائے۔ میں ابھی اس کا پُر غرور سر سلطان کی بارگاہ میں جھکا دوں گا۔"
سلطان نے جواب دیا۔ "اس درویش کا نام ہے شیخ قطب الدین منور۔"
شیخ حسن سر برہنہ چونک پڑا اور آہستہ سے کہا۔ "حیرت ہے۔ شیخ تو سراپا عجز و نیاز ہیں۔ ان میں غرور و انانیت کہاں!"
سلطان نے سختی سے کہا۔ "اس نے دربار میں حاضری نہیں دی، وہ سلام کرنے نہیں آیا۔ کیا اس میں اس کا غرور و انانیت شامل نہیں؟"
شیخ حسن نے کہا۔ "بہر حال میں جاتا ہوں اور شیخ کو دربار میں حاضر کیے دیتا ہوں۔"
شیخ حسن چلا گیا۔ اس کے ساتھ سپاہیوں کا ایک دستہ تھا جو شیخ حسن کو اپنے حلقے میں لیے شیخ کے گھر کی طرف چلا جا رہا تھا۔ جب دور سے شیخ کا گھر نظر آنے لگا تو شیخ حسن نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا۔ "تم سب یہیں ٹھہر جاؤ۔ شیخ کی خدمت میں تنہا جاؤں گا۔"
سپاہی شیخ کے گھر سے دور ہی رک گئے۔ شیخ حسن نے اپنے ہتھیار بھی یہیں اتار دیے اور تنہا شیخ کے در پر چلا گیا۔ اس وقت شیخ دہلیز کی چھت پر یادِ الٰہی میں مشغول تھے۔ شیخ حسن نے دہلیز پر کھڑے ہو کر اعلان کیا۔ "شیخ! ایک کمینہ انسان حاضری کا طالب ہے۔"
شیخ کے مریدوں نے بتایا۔ "شیخ اس وقت یادِ الٰہی میں مشغول ہیں۔ تجھ کو کچھ دیر ان کا انتظار کرنا پڑے گا۔"
شیخ حسن نے دہلیز پر اپنا سر رکھ دیا۔ "میں ان کا انتظار کر لوں گا۔"
شیخ کے مریدوں نے شیخ کو شیخ حسن سر برہنہ کی آمد کی اطلاع دی تو آپ نے ادھر کوئی توجہ نہیں دی اور یادِ الٰہی میں مشغول رہے۔ ایک گھنٹے بعد آپ نے شیخ حسن کو بلوایا۔ آپ کے صاحبزادے شیخ نور الدین نے شیخ حسن کو مطلع کیا کہ چلو طلبی ہو گئی ہے۔
شیخ حسن آہستہ آہستہ مؤدبانہ چل کر شیخ کے روبرو پہنچا اور سلام اور مصافحے کے بعد اجازت لے کر بیٹھ گیا۔
آپ نے پوچھا۔ "ہاں شیخ حسن! غایتِ آمد بیان کرو۔"
شیخ حسن نے جواب دیا۔ "حضرت! نہایت مؤدبانہ گزارش ہے کہ سلطان نے آپ کو یاد فرمایا ہے۔"
آپ نے پوچھا۔ "سلطان نے مجھے یاد کیا ہے، خوب...... لیکن یہ تو بتاؤ کہ اس بلانے میں سلطان نے مجھے بھی کچھ اختیار دیا ہے یا نہیں؟"
حسن سر برہنہ نے جواب دیا۔ "نہیں۔ افسوس کہ بادشاہ نے آپ کو کوئی اختیار نہیں دیا۔ مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں آپ کو سلطان کی خدمت میں حاضر کر دوں لیکن میں اس حکم کی تعمیل میں سختی کے بجائے درخواست کر رہا ہوں۔ براہِ کرم آپ میرے ساتھ تشریف لے چلیں۔"
آپ نے اوپر دیکھتے ہوئے فرمایا۔ "اللہ تیرا شکر ہے کہ میں اپنی مرضی سے سلطان کے دربار میں نہیں جا رہا۔"

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایتُ اللّٰہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللّٰہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

اس کے بعد آپ نے اپنے گھر والوں کو رخصت کیا۔ ایسے میں ... سلطان نے اپنے دربار میں بلایا ہے۔
میں جا رہا ہوں۔ مجھے نہیں معلوم کہ وہاں میرے ساتھ کیا پیش آئے گا اور یہ بھی نہیں جانتا کہ میری موت کہاں ہوگی اور
میرے بعد تم سے کیا سلوک کیا جائے گا۔ میں تم سب کو خدا کی امان میں دے کر جا رہا ہوں۔ والسلام۔"
آپ نے مسکین اپنے کاندھے پر اٹھایا اور عصا ہاتھ میں لیا اور حسن مہریہ کے ساتھ پیدل نکل پڑے۔
حسن مہریہ خود گھوڑے پر آیا تھا اس لیے اس نے شیخ سے درخواست کی۔ "حضرت! آپ بھی گھوڑے پر سوار ہو جائیے۔"
آپ نے کوئی جواب نہیں دیا اور اپنا سفر پیدل جاری رکھا۔
حسن مہریہ کے ساتھ ایک خالی گھوڑا بھی تھا۔ اس نے شیخ سے درخواست کی۔
"شیخ! جب گھوڑا موجود ہے تو آپ پیدل کیوں چلیں؟ آپ اس پر سوار ہو جائیے۔"
آپ نے جواب دیا۔ "میں پیدل چلنے کی قوت رکھتا ہوں اس لیے گھوڑے کی کوئی ضرورت نہیں۔"
حسن مہریہ نے عرض کیا۔ "حضرت! پھر میں گھوڑے پر کیوں سوار ہوں۔ میں بھی پیدل چلوں گا۔"
آپ نے فرمایا۔ "نہیں، تم اپنے گھوڑے پر بیٹھے رہو۔ تمہیں خداوند تعالیٰ نے یہ اختیار دیا ہے کہ گھوڑے پر سفر
کرو۔ مجھے خدا نے پیدل چلنے کا اختیار دیا ہے اور اس اختیار پر میں اپنے رب کا دل سے شکر گزار ہوں۔"
حسن مہریہ نے کہا۔ "حضرت! آپ مجھے ... شرمندہ کر رہے ہیں۔"
اس کے بعد وہ بھی گھوڑے سے اتر پڑا اور آپ کے ساتھ پیدل چلنے لگا۔ راستے میں اس کے سپاہیوں نے بھی پیدل
چلنے کی روش اختیار کی۔
آپ ... قبرستان کے پاس سے گزرے تو حسن مہریہ سے کہا۔ "اگر تم اجازت دو تو میں اپنے آبا و اجداد
کے مزار کی زیارت کر لوں۔"
حسن مہریہ نے جواب دیا۔ "میری طرف سے اجازت ہے، زیارت کر لیجیے۔"
آپ مزار کے پاس ... ہو کر بولے۔ "بزرگو! میں ... آپ کے پاس ... جا رہا ہوں بلکہ مجھے
زبردستی لے جایا جا رہا ہے۔ خدا کے بندے جو میرے ساتھ ہیں ... مستحق کہلاتے ہیں۔ میں نے انہیں ... کے گھر میں
چھوڑ دیا ہے۔ آپ خدا کے لیے ان کا خیال رکھیے۔"
اس کے بعد آپ ... باہر نکلے تو دیکھا، ایک شخص ان کا انتظار کر رہا ہے۔ اس نے پوچھا۔ "آپ کہاں جا رہے ہیں؟"
آپ نے جواب دیا۔ "سلطان کے پاس۔"
اس شخص نے کہا۔ "میں نے ایک ... دیکھی ہے ... گویا تم ... اٹھا کر ... "
آپ نے فرمایا۔ "... میرے ... اپنے گھر میں ... آیا۔" وہ شخص چلا گیا۔
سلطان ... پہنچے۔
حسن مہریہ سلطان کی خدمت میں پہنچا اور عرض کیا۔ "حضرت! شیخ ... آ گئے ہیں۔"
سلطان نے پوچھا۔ "وہ کہاں ہے؟"
حسن مہریہ نے جواب دیا۔ "باہر... لیکن اس سفر کے دوران میں نے جو کچھ دیکھا ہے وہ حیرت انگیز ہے۔
سلطان! ... میں کہہ سکتا ہوں کہ شیخ ایک کامل بزرگ ہیں۔"
سلطان نے پوچھا۔ "تم نے اس میں کیا کمال دیکھا؟"
حسن مہریہ نے جواب دیا۔ "حضور! ... راستے میں جب وہ اپنے آبائی
قبرستان میں بزرگوں کے مزاروں کے پاس ... سلطان کی خدمت میں زبردستی لے جایا جا رہا ہوں
اور گھر والوں کے ... کے لیے ... چھوڑ دیا۔ اسی وقت ... ایک شخص ... اس شخص نے ...
... آپ کی خدمت میں ... اور آپ نے ... مستحقین ... "
سلطان نے حسن مہریہ کو ... اور ... سے کہا۔ "... شیخ ... ! شیخ کو
اسی وقت حاضر کیا جائے۔"
... سلطان نے اسی وقت ... سفر کرے گا۔

مجبوراً شیخ منور کو بھی دہلی جانا پڑا۔ راستے میں شیخ منور کو مطلع کیا گیا کہ ان کے صاحبزادے شیخ نورالدین بھی آ گئے ہیں اور وہ اپنے والد کے ساتھ دہلی چل رہے ہیں۔

آپ نے اپنے صاحبزادے سے پوچھا۔ ''صاحبزادے! یہ تم نے کیا کیا، تم کیوں چلے آئے؟''

نورالدین نے جواب دیا۔ ''باوا جان! میں آپ کو تنہا کس طرح چھوڑ دیتا؟''

آپ نے فرمایا۔ ''اللہ ہم پر رحم فرمائے۔''

دہلی میں سلطان نے انہیں فوراً ہی طلب نہیں کیا۔ شیخ کو باریابی کے لیے کچھ انتظار کرنا پڑا۔ اس دوران ان کی ملاقات فیروز شاہ تغلق سے ہوگئی۔ فیروز شاہ سلطان کا بھتیجا اور نائب باربک تھا۔ وہ آپ کا بے حد احترام کرتا تھا۔ آپ نے فیروز شاہ سے کہا۔ ''ہم درویش لوگ آدابِ شاہی سے واقف نہیں ہوتے اور ہمیں یہ بھی نہیں معلوم کہ سلطان سے بات کس طرح کی جاتی ہے' اس سلسلے میں ہمیں آپ کی راہنمائی درکار ہے۔ آپ جیسا مشورہ دیں گے' ہم اس پر عمل کریں گے۔''

فیروز شاہ نے کہا۔ ''حضرت! بادشاہ کے دل میں آپ کے خلاف زہر بھر دیا گیا ہے۔ سلطان کا خیال ہے کہ اس کو آپ حد درجہ حقیر اور فضول انسان سمجھتے ہیں' اس پر ذرا بھی التفات نہیں فرماتے اور نہ ہی اس کے آداب کو ملحوظ رکھتے ہیں اس لیے آپ کو یہ مشورہ دوں گا کہ جب آپ سلطان سے ملیں تو نہایت تواضع، اخلاص اور نرمی سے پیش آئیں۔''

شیخ نے سنا اور خاموش ہو گئے۔ سلطان نے انہیں طلب کر لیا اور جب شیخ سلطان کی خدمت میں روانہ ہوئے تو صاحبزادہ نورالدین بھی ان کے پیچھے پیچھے چلے۔ ان کے دونوں طرف امراء اور ملوک کھڑے ہوئے تھے۔ شاہی ٹھاٹ باٹ اور شان و شکوہ نے صاحبزادہ نورالدین کو ہراساں کر دیا۔ آپ نے اپنے بیٹے کی اس کیفیت کو محسوس کر لیا اور انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا۔ ''بابا نورالدین! عظمت اور کبریائی صرف خدا کے لیے ہے اور اسی کو زیب دیتی ہے۔ خطا اور نسیان کے خاکی پتلے انسان سے کیا ڈرنا۔ اپنے ہوش و حواس قابو میں رکھو اور دل سے خوف و ہراس نکال باہر کرو۔''

شیخ کے ان کلمات نے صاحبزادہ نورالدین کے دل سے خوف و ہراس کو یوں دور کر دیا' گویا کافور تھا جو اڑ گیا۔ انہوں نے امراء و ملوک کی طرف حقارت سے دیکھا گویا وہ انسان نہیں جانور تھے۔

دوسری طرف سلطان کو مطلع کیا گیا کہ شیخ منور تشریف لانے ہی والے ہیں تو وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور تیر کمان سنبھال کر تیراندازی میں مشغول ہو گیا۔ جب شیخ' سلطان کے قریب پہنچے تو سلطان نے ان پر ایک اچٹتی سی نگاہ ڈالی اور تیر کمان کو ایک طرف رکھ دیا۔

شیخ نے السلام علیکم کہہ کر مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو سلطان بھی غیر ارادی طور پر اپنا ہاتھ آگے بڑھانے پر مجبور ہو گیا۔ شیخ نے سلطان کے ہاتھ کو زور سے داب دیا۔

سلطان نے شکوہ کیا۔ ''حضرت! میں آپ کے شہر میں پہنچا لیکن آپ نے مجھ پر کوئی توجہ نہیں دی اور میری تربیت نہ فرمائی۔ یہاں تک کہ آپ نے ملاقات تک نہیں کی۔ ازروئے انصاف آپ خود فرمائیں کہ کیا میں اتنا گیا گزرا انسان ہوں کہ درویش مجھ سے نفور اور گریزاں ہوں۔''

آپ نے جواب دیا۔ ''سلطان! آپ نے ہانسی کو ملاحظہ فرمایا۔ ہانسی کا درویش بچہ آپ کے سامنے کھڑا ہے' اس کو بھی ملاحظہ فرمائیں۔ میں خود کو بادشاہوں کی ملاقات کے لائق نہیں پاتا مگر پھر بھی میں ایک گوشے میں بیٹھا سلطان اور مسلمانوں کے حق میں دعائے خیر کرتا رہتا ہوں' اس لیے مجھے حاضری اور ملاقات سے معذور سمجھیے۔''

سلطان نے اس صاف گو انسان کو بغور دیکھا اور قدرے فاصلے پر کھڑے ہوئے فیروز شاہ تغلق سے کہا۔ ''بھتیجے! تم نے سنا یہ شیخ کیا فرما رہے ہیں؟''

فیروز شاہ تغلق نے جواب دیا۔ ''حضور والا! سنا۔ شیخ صاف گو مخلص، سچے اور تکلف و تصنع سے پاک انسان ہیں۔''

سلطان نے کہا۔ ''مجھے افسوس ہے کہ میں نے انہیں خواہ مخواہ زحمت دی۔''

آپ نے فرمایا۔ ''سلطان! درویشوں سے کدورت نہ رکھ۔ ہمیں دنیا سے کیا لینا دینا' تو دنیا پر حکومت کر۔ ہمیں کونے میں اللہ کی عبادت کرنے دے۔''

سلطان نے فیروز شاہ کو حکم دیا۔ ''بھتیجے! شیخ کی خواہش معلوم کرو اور اسے پورا کر کے عزت و احترام کے ساتھ ہانسی روانہ

کر دے؟"

آپ نے فرمایا۔ "سلطان! میری کوئی خواہش نہیں۔ بس یہ کہ واپس ہانسی جاؤں اور اپنے آبا و اجداد کے [illegible] اور اپنے بچوں کی خدمت کروں۔"

سلطان نے جواب دیا۔ "میں نے ہانسی جانے کی اجازت دے دی ہے۔ آپ چاہے یہاں دہلی میں رہیں یا ہانسی پہنچ جائیں میری طرف سے آپ کو اجازت مل چکی ہے۔"

جب آپ ہانسی چلے گئے تو محمد شاہ تغلق نے اپنے ایک امیر ملک کبیر سے کہا۔ "کبیر! میں نے آج تک جتنوں سے بھی ہاتھ ملایا ہے، مصافحے کے وقت ان کے ہاتھ کانپ رہے تھے مگر جب میں نے شیخ منور سے ہاتھ ملایا تو میری عجیب سی کیفیت ہوگئی۔ میں نے محسوس کیا کہ میری طاقت کویا سلب کی جا چکی ہے۔ اسی وقت میں نے یہ جان لیا کہ شیخ منور کوئی معمولی آدمی نہیں ہیں۔"

ملک کبیر نے عرض کیا۔ "سلطان معظم! شیخ کی عظمت اور بزرگی کا ایک زمانہ معتقد اور معترف ہے۔ وہ ایک غیر معمولی انسان ہیں۔"

سلطان نے مزید کہا۔ "میں نے انہیں تکلیف دی۔ [illegible] نے مجھے ان کی طرف سے پیغام دیا تھا۔ جب میں نے ان سے مصافحہ کیا اور انہوں نے میرا ہاتھ زور سے دبایا تو میں لرز گیا۔"

شیخ کے جانے کے بعد سلطان کئی دن تک بہت پریشان رہا۔ آخر ایک دن فیروز شاہ تغلق اور مشہور مورخ ضیاء الدین برنی کو طلب کیا اور دونوں سے کہا۔ "جب سے شیخ گئے ہیں، میں نے اپنا سکون کھو دیا ہے۔ بتاؤ اب میں کیا کروں کہ میں سکون قلب پاؤں؟"

فیروز شاہ نے جواب دیا۔ "شیخ کی تالیف قلب سے ہی یہ سکون دوبارہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔"

سلطان نے پوچھا۔ "تالیف قلب کیسے ممکن ہو گا؟"

ضیاء الدین برنی نے جواب دیا۔ "کچھ مال و زر سے نوازا جائے تو شیخ خوش ہو جائیں گے۔"

سلطان نے برنی کی تجویز سے اتفاق کیا اور حکم دیا۔ "شاہی خزانے سے ایک لاکھ تنکے دے دیے جائیں اور تم دونوں شیخ کی خدمت میں میری طرف سے پیش کرو۔"

دونوں ایک لاکھ تنکوں کے ساتھ شیخ کی خدمت میں پہنچے اور انہیں ان کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے کہا۔ "شیخ محترم! سلطان نے یہ حقیر نذرانہ آپ کی خدمت میں بھیجا ہے۔"

آپ نے پوچھا۔ "[illegible]"

برنی نے جواب دیا۔ "[illegible]"

آپ نے [illegible] کہا۔ "[illegible] میں یہ کیسے قبول کر سکتا ہوں۔ انہیں سلطان کے پاس واپس لے جاؤ [illegible]"

فیروز شاہ نے کہا۔ "حضرت! اگر آپ انہیں قبول نہیں کریں گے تو سلطان یہی سمجھے گا کہ آپ نے ٹھکرا دیا ہے۔ آپ انہیں قبول فرما لیں ورنہ سلطان ناراض ہو جائے گا۔"

آپ نے جواب دیا۔ "میں اپنے مسلک سے نہیں ہٹ سکتا۔"

[illegible] آخر دونوں سلطان کی خدمت میں واپس گئے اور [illegible] "سلطان معظم! انہوں نے آپ کی نذر قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا ہے۔ اب [illegible] ہم کیا کریں؟"

سلطان نے کہا۔ "شیخ کی خدمت میں دوبارہ جاؤ [illegible]"

دونوں [illegible] آپ کے پاس پہنچے اور عرض کیا۔ "سلطان کی خواہش ہے کہ آپ [illegible] قبول فرمائیں [illegible]"

آپ نے فرمایا۔ "تم دونوں کو [illegible] سلطان کی خدمت میں [illegible]"

[illegible] سلطان نے ان دونوں [illegible]

کی باتیں سن کر تامل کیا پھر کہا۔ ''تم دونوں کچھ نہ کچھ شیخ کو ضرور دو، ورنہ دنیا کیا کہے گی۔''

فیروز شاہ نے عرض کیا۔ ''حضور والا! شیخ حد درجہ بے غرض اور سادہ لوح انسان ہیں۔ اگر انہوں نے ایک بار رقم لینے سے انکار کر دیا ہے تو اب وہ کسی قیمت پر بھی یہ رقم قبول نہیں کریں گے۔''

سلطان نے کہا۔ ''میں کچھ نہیں جانتا۔ میں تم دونوں کی زبان سے بس یہ سننا چاہتا ہوں کہ شیخ نے یہ رقم قبول فرمالی۔''

دونوں نے کہا۔ ''اچھا پھر ایک بار اور ہم دونوں کوشش کرتے ہیں، خدا کرے کہ شیخ کا دل موم کا ہو جائے۔''

یہ دونوں ایک بار پھر شیخ کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا۔ ''شیخ! ہمیں مصیبت میں نہ ڈالیے، سلطان کا اصرار ہے کہ آپ کچھ نہ کچھ قبول ضرور فرمالیں۔''

شیخ نے جواب دیا۔ ''میں نے ایک بار کہہ جو دیا کہ میں سلطان کا نذرانہ نہیں قبول کروں گا۔''

فیروز شاہ تغلق نے کہا۔ ''شیخ! آپ نے ایک بار مجھ سے مشورہ طلب کیا تھا اور یہ وعدہ فرمایا تھا کہ میں جو مشورہ دوں گا، آپ اس پر عمل کریں گے۔ آج میں آپ سے یہ درخواست کر رہا ہوں کہ بات زیادہ نہ بڑھائیں اور کم از کم دو ہزار تنکے ضرور قبول فرمالیں۔''

شیخ نے مسکرا کر جواب دیا۔ ''سبحان اللہ! جس درویش کو دو سیر کھچڑی اور ذرا سا گھی پورے کنبے کے لیے کافی ہو، وہ ان ہزاروں تنکوں کو لے کر کیا کرے گا؟ مجھے سلطانی احسان تلے مت دباؤ۔''

برنی نے عرض کیا۔ ''شیخ! ہم دونوں کو کسی مصیبت میں مت ڈالیے ہم یہ دو ہزار تنکے یا تو آپ کی خدمت میں پیش کر کے رہیں گے، ورنہ ہم دہلی واپس نہیں جائیں گے کیونکہ ہم سلطانی عتاب سے خوفزدہ رہتے ہیں۔''

آپ نے دونوں کے اصرار پر دو ہزار تنکے قبول فرمالیے۔ ان میں سے کچھ تو آپ نے سلطان المشائخ اور قطب الدین بختیار کاکی کے روضوں پر صرف کر دیے اور کچھ نصیر الدین محمود (روشن چراغ) کی خدمت میں بھیج دیے اور جو کچھ باقی بچے حاجت مندوں میں تقسیم کر دیے۔

کچھ عرصے بعد آپ حضرت محبوب الٰہی کے مزار پر عرس میں شرکت فرمانے تشریف لے گئے۔ یہاں شمس الدین یحییٰ اور نصیر الدین محمود (روشن چراغ) پہلے ہی سے موجود تھے۔ یہاں جب محفلِ سماع گرم ہوئی تو شیخ منور کی حالت ہی غیر ہو گئی وہ رونے لگے۔ جو بھی انہیں اس حالت میں دیکھ رہا تھا اس کا حال برا ہو رہا تھا۔ پوری محفل میں آپ سے زیادہ وجد اور کیف کسی پر بھی طاری نہ تھا۔

آپ نے عرس کے بعد وہاں چلہ کشی کی اور یادِ الٰہی میں مشغول ہو گئے۔ آپ کے ارادت مند یہاں بھی آپ کے آس پاس پروانوں کی طرح گھیرے رہتے تھے۔ یہاں ان واقعات کو ایک دوسرے سے بیان کیا گیا جو سلطان تغلق اور آپ کے درمیان پیش آئے تھے۔

کسی مرید نے پوچھا۔ ''آپ نے ایک لاکھ تنکے قبول فرما لیے ہوتے' اس سے بہتوں کی حاجتیں پوری ہو جاتیں۔''

آپ نے فرمایا۔ ''سلطان کے نذرانے مشتبہ ہوتے ہیں۔ جو چیز میں اپنے لیے پسند نہیں کرتا' دوسروں کے لیے کیوں پسند کروں۔''

کسی نے پوچھا۔ ''کیا آپ کا مذکورہ طرزِ عمل توکل میں شمار کیا جائے گا؟''

آپ نے جواب دیا۔ ''ہاں، وہ توکل ہی تو تھا۔''

مرید نے پوچھا۔ ''توکل کی تعریف کیا ہوتی ہے؟''

آپ نے فرمایا۔ ''توکل ایمان کے لوازم میں سے ہے۔ اگر کسی کا اللہ پر توکل نہ ہو تو اس پر بندے کا ایمان بھی نہیں ہوگا کیونکہ ایمان اللہ کی توحید کا نام ہے اور جو شخص غیر اللہ پر اعتماد کرتا ہے' وہ فی الحقیقت موحد نہیں ہے' خواہ وہ اپنی زبان سے توحید کا اقرار ہی کر رہا ہو۔''

مرید نے عرض کیا۔ ''جب آپ اپنے صاحبزادے کے ساتھ سلطان کے پاس جا رہے تھے تو میں نے یہ سنا ہے کہ صاحبزادہ نور الدین بہت زیادہ ہراساں تھے۔ شاید ان کے دل و دماغ پر سلطانی شکوہ اور جاہ و جلال غالب آگیا تھا۔ آپ نے اپنے صاحبزادے کی اس ہراسانی کو کس طرح دور کیا؟''

آپ نے فرمایا۔ ''میں نے نور الدین سے کہہ دیا تھا کہ فضیلت اور کبریائی صرف خدا کو زیب دیتی ہے۔ اس وقت

میرے سامنے پیش نظر سورۂ آل عمران کی یہ آیت تھا… ''اور جب تمہارا عزم کسی کام پر پختہ ہو جائے تو اللہ پر بھروسا کرو۔ اللہ توکل کرنے والوں کو بہت زیادہ پسند کرتا ہے۔ اللہ تمہاری مدد پر ہو تو کوئی طاقت تم پر غالب آنے والی نہیں اور وہ تمہیں چھوڑ دے تو اس کے بعد کون ہے جو تمہاری مدد کر سکتا ہے۔ پس جو سچے مومن ہیں ان کو اللہ پر بھروسا کرنا چاہیے۔''

ایک مرید نے عرض کیا۔ ''لیکن غربت بھی تو کوئی اچھی چیز نہیں۔ کیا آپ کو یہ بات نہیں معلوم؟''

آپ نے جواب دیا۔ ''جس چیز کو تو غربت کہہ رہا ہے، میں اسی کو فقر کہتا ہوں۔ کیا تو نے سورۃ البقرہ کا یہ حصہ نہیں پڑھا کہ شیطان تمہیں مفلسی سے ڈراتا ہے اور فحش کاموں پر عمل کرنے کا حکم دیتا ہے۔ شاید تو نے اسی مفلسی کو غربت کہا ہے۔''

آپ کی باتوں میں بلا کا اثر تھا۔ آپ سے جو بات بھی کی جاتی، آپ اس کا انتہائی اثر انگیز اور مدلل جواب دیتے اور سوال کرنے والا اپنا سا منہ لے کر رہ جاتا۔

کسی مرید نے پوچھا۔ ''فقر کیا چیز ہوتی ہے؟''

آپ نے جواب دیا۔ ''فقر کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ فقر اضطراری اور فقر اختیاری۔ فقر اضطراری یہ ہے کہ آدمی کو مال و دولت کبھی بھی نہ ملی ہو اور وہ مفلس اور تنگ دست ہو اور فقر اختیاری یہ ہے کہ مختلف ذرائع سے مال تو بہت ملے لیکن آدمی اس کو دوسرے حاجت مندوں میں تقسیم کر دے اور خود فقر و فاقہ کی زندگی کو ترجیح دے۔ فقر اضطراری میں اگر صبر ہو تو ایسا فقیر صابر کی فضیلت سے ہم کنار ہوتا ہے اور فقر اختیاری وہ شے ہے کہ رسول مقبول ﷺ نے اسے اپنے اور اس دنیا میں اپنے لیے پسند فرمایا تھا۔''

آپ مریدوں کے مسئلے دیر تک یوں ہی اصلاح و تلقین فرماتے رہے اور سامعین اپنے سر دھنتے رہے۔ عرس کے بعد آپ یہیں سے اپنی خانقاہ چلے گئے۔

اسی عمر میں ایک دن ایسا بھی آیا کہ آپ چپ چاپ بیٹھے تھے۔ آپ نے اپنے صاحبزادے نور الدین کو بلایا اور کہا۔ ''بابا نور الدین! مجھے یقین ہے کہ میں محسوس کر رہا ہوں کہ میرے آبا و اجداد کی روحیں میرے آس پاس موجود ہیں اور ان کا اصرار ہے کہ میں ان کے ساتھ چلوں۔''

نور الدین رونے لگے اور بولے۔ ''ابا جان! ابھی تو آپ کی عمر درست ہے۔''

آپ نے فرمایا۔ ''تیرے لیے اللہ کافی ہے کیونکہ وہی باقی اور ہم سب فانی ہیں۔''

نور الدین نے پوچھا۔ ''میرے لیے کوئی نصیحت، کوئی ہدایت؟''

آپ نے جواب دیا۔ ''میں نے زندگی بھر اپنے آبا و اجداد کے شیوہ کو نہیں چھوڑا، میری خواہش ہے کہ تو بھی میری اتباع کرے۔''

صاحبزادے نور الدین نے وعدہ کیا کہ وہ بھی زندگی بھر اسی پر عمل کریں گے۔

آپ نے صاحبزادے نور الدین سے کہا۔ ''مجھے آبا و اجداد کے مزار کی طرف لے چلو۔''

انہیں ان کے آبائی قبرستان میں لے جایا گیا۔ آپ کافی دیر وہاں موجود رہے اور باری باری ہر قبر کے پاس جا کر فاتحہ پڑھتے رہے یہاں تک کہ جب اپنے دادا شیخ جمال الدین ہانسوی کے مزار پر گئے تو فرمایا۔ ''بابا نور الدین! یہی وہ جگہ ہے جہاں تک میں دفن ہونا چاہوں گا۔''

نور الدین نے پوچھا۔ ''ابا جان! کچھ وضاحت سے ارشاد فرمائیں۔''

آپ نے دادا کے مزار کے پائنتی خالی زمین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔ ''جب میں واصل الی الحق ہو جاؤں تو مجھے اس جگہ دفن کرنا۔ دادا کے پائنتی، ان کے قدموں میں۔''

چنانچہ کچھ دن بعد جب آپ نے وصال فرمایا تو انہیں ان کے دادا کے قدموں میں دفن کر دیا گیا اور وہ جگہ آج بھی مرجع خاص و عام ہے۔

ماخذات

مزینۃ الاصفیا۔ مفتی غلام سرور لاہوری۔ سفینۃ الاولیا۔ شہزادہ دارا شکوہ
سکینۃ الاولیا۔ شہزادہ دارا شکوہ۔ سیر الاولیا۔ امیر خورد



ٹوٹے ہوئے لوگ

ڈاکٹر شیر شاہ سید

یہ ضرب تقسیم کا کلیہ بھی بڑا عجیب ہے۔ کبھی طاقت کو بڑھا دینا اور کبھی کسی ذات کو کئی حصوں میں تقسیم کرکے کمزور کردینا۔ قیام پاکستان کے دوران بے شمار داستانوں نے جنم لیا... ایسی ہی چند دردناک لمحات کا احاطہ... جن کی خونیں یادیں صدیوں بھلائی نہ جاسکیں گی۔

گھر، خاندان، اور دلوں کے ٹوٹنے کا دلخراش ماجرا

روپ چند کو کراچی پہنچ کر امرتا رام پریتم داس روڈ پر عبدالرحمان سومرو کا گھر تلاش کرنا تھا۔ روپ چند کراچی میں ہی پیدا ہوا تھا۔ رحمان سومرو اس کے بچپن کا دوست تھا، دونوں ساتھ ساتھ ہی بڑے ہوئے تھے۔ روپ چند کے باپ خوب چند کی دوستی رحمان سومرو کے باپ الٰہی بخش سومرو سے تھی۔ دونوں شکارپور کے رہنے والے تھے۔ دونوں کی پشتیں اور زمینیں شکارپور میں تھیں۔ خوب چند کا کراچی میں کپڑوں کی آڑھت کا کام تھا اور الٰہی بخش کراچی

کے ہندوؤں سے نکل جانے کا ارادہ تھا۔

پاکستان بننے سے پہلے روپ چند اس کے قریب گرلز بلڈنگ کے ساتھ دو پاؤں والی بلڈنگ میں رہتا تھا۔ وہاں صرف وہ اور اس کا باپ، ماں اور بہن اس کے ایک مکان میں رہتا تھا۔ اسے آج بھی یاد تھا جب پاکستان بنا تو کچھ ہی دن گزرے۔ پھر زندگی ایک عذاب بن کر رہ گئی۔ ہندوستان سے مہاجر کراچی آنے لگے تھے۔ روپ چند اور دوسرے غیر مسلموں کو احساس ہونے لگا تھا۔ ایسے ہی وقت میں جب ہندو مسلم فسادات کے بعد سارا خاندان ہندوستان جانے کو تیار بیٹھا تھا تو اس کی سولہ سالہ بہن لجپا کو اغوا کر لیا۔ زندگی جیسے رک گئی تھی۔ روپ چند تھا اور اس سال کی عمر کا ہوتی ہے۔ اسے آج بھی یاد تھا کہ اس اماں کا رو رو کر برا حال ہو گیا تھا۔ جب چند دن اور اس کی تلاش اور بات لجپا کی تلاش میں گزر گئے تھے۔ پھر پتا لگا کر وہ میمن زادہ ہے اور مسلمان کے قبضے میں ہے۔ وہ لوگ کہتے ہیں کہ لجپا نے کلمہ پڑھ لیا۔ دکھ اور صدمے سے بھری ہوئی ایک حویلی بیچ کر کرنی تھی۔ اس کے باپ نے ہندو دھرم کی حفاظت کی تھی ایک بستی میں ہجرت کی۔ پھر پاؤں کے ساتھ روتے ہوئے کہا زبان سے محبت کے ساتھ لڑکی پہلے آئے اور اس نے بھی اس کی کوشش نہیں کی۔ ان کی اسی کی جگہ ایک طرح کی خوشی ہو گئی۔ کسی نے لوگوں کو دیکھا اور ان کے اندر ایک زہر بھر گیا۔ ماں کی بات کی کبھی کوئی ماں ہو کر پیار کرتی ہو گی۔ وہ اس کا انتظار ہی تھا۔ اسے ضد رہتی تھی کہ ایک بار دیکھے گی۔ پھر کوشش رات کی سسکیوں میں چل بسی۔

ایسا سب ان کے ساتھ ہوا تھا۔ جب ہزاروں مسلمان ہندوستان سے پاکستان چلے آئے اور ہندو چلے گئے تھے۔

یہ تھی کہانی کے لوگی جب کہ دوسرے ملک کی سرحدوں کے ساتھ کروڑوں لوگ آباد ہوتے تھے۔ پھر ایک ایسا جنگ کا وقت گزرا۔ بابا جی کی موت نے اپنی طرف سے سوچنے والی کے لئے بھی گئی یاد تک رہا۔

روپ چند کے لیے خوب چند کے جہاں بھی گیا وہ طرح کرنے کی کوشش کی اور چھوٹی سی کمیٹیوں کی دکان سے لے کر بچے ہوئے تھا۔ کراچی کی بات اور گئی۔ شہر میں کاروبار تھا۔ ہر حال شکار ہو کر آنے والی جیسوں کی آمدنی تھی۔ ان کی گھریلو زندگی آسان تھی۔ بہت مشکل تھی۔ وہاں ساتھ رہنا تھا کہ ان کو کس کو کیا پڑھانا تھا۔ گھر بار کو سنبھال سکے۔ بچوں کے پڑھنے کا مسئلہ

باتوں کو کھتری والا کشن داس کہتا اور وہ ہندو حویلی کی گلی کو دیکھ کر دل میں روتے تھے۔ کسی نے گھر کی سیڑھیوں والا بالی بکھرا ہوا تھا۔ کسی نے ہندو کے گھروں کو تالیاں لگی ہوئی تھیں۔ کسی نے کراچی کے مکان کی بالائی منزل لی۔ ایک محلے میں جو چھوڑ دیں تھیں۔ لجپا ان کی بیٹی تھی، اس کی بہن کی طرح ساتھ ساتھ کرتا تھا۔ لجپا نے اسے اداس کر دیا تھا۔ کبھی اس سے ملنے آتی تھی اور کبھی اسے ملانا بھی نہ تھا۔ اسے ایک مہربان چہرہ یاد تھا۔ ایک گرم گرم گود یاد تھی۔ اپنے چہرے پر پوروں کی بارش یاد تھی۔ جب ماں بیمار ہوئی اسے دلاسہ تو دو بہن کی باتوں میں جب بیٹا گریا تھا۔ اسی لجپا ہندو کے گھر چھوڑ جانے میں جیسے وہ ہوئی کسی مسلمان کے گھر میں اس کی ماں بن کر۔ گھر میں باندی کی طرح۔ شاید بیٹیاں ہو کر دو بچوں سال کے بعد لجپا کی تلاش میں کراچی آیا تھا۔

لیکن یہاں زندگی سے بہت دور کے رہتے تھے۔ لاکھوں شرنارتھیوں کی طرح ان لوگوں کی زندگی بھی گزر گئی تھی۔ آزادی کے بعد بھی زندگی میں پاسپورٹ کی ضرورت تھی بس جیسے تیز خواب بکھر گئے تھے۔ بھارت کیمپ میں رہتی تھی۔ یہ کیا ہندوستان تھا۔ بھارت نام کا کوئی خواب ابھرا کی طرف۔ زندگی سب سے بڑی شہر ہے۔ جہاں کبھی ان انسانوں کو پھر کے رہتے ہیں۔ لگے رہتے ہیں۔ ان کے گھروں میں رونق ہے اور جن کے بچوں کے ہاتھوں میں سجاوٹ کی کتاب ہے۔ جہاں گلیاں گلیوں کی ہیں اور چاول کی تھیلی کی طرح ٹوٹی باتیں ہیں۔ بچپن کے دن بہت یاد آتے۔ اس کی ہوٹل سے لے کر ریل کی پٹری تک کا بازار۔ جہاں لے جاتا تھا جب دادی صدر آتے تھے تو وہ اسے کہا کرتے تھے کہ گھر کی مرمت کے ہوتی تھی۔ دادی کو پتا لجپا کا جواب کرنی ہوتی ہو۔ ان لوگوں کو پورا یقین دیے گئے ہیں کہ ایک دن خاموشی سے کر چکی تھی اور یہ کہا کہ کام کے مرا تھا۔ کافی اس سے چھوٹی تھی۔ لجپا کی طرح ہی خوب صورت، گہری رنگت۔ گھر کے گھٹن زدہ ماحول میں ایک روشنی کے رشتے کی طرح تھی۔ اس کی یاد میں جیسے لجپا کے بول تھے۔ ایسا لگتا تھا جیسے لجپا کے بچپن میں کھو گئی ہو کی خوشبو بستی جاتی ہو اور جسم سے اس کے آنگن میں اترتی ہو۔

اسے پھر ایک بار یاد آتا تھا۔ ایسی گھر کی قربت اور دوسری زندگی کی ... میں چھپی سے آنکھی اور اس نے ... تو کسی ... خان ... نے پاس کر ... میں ... اپنے ... میں پڑھا یا اپنے گھر سے

پہنائے اور اچھے کالج میں داخلہ دلایا تھا پھر اس نے تو ایک لوہے کی دیوار کی طرح اس کی حفاظت کی تھی۔ شراب پی کر مست ہوجانے والوں سے کانتا کو بچانا آسان نہیں تھا، روزانہ کی جدوجہد تھی۔ اس کی خوب صورتی سارے پریوار کے لیے مسئلہ بن گئی تھی۔ اس کے لیے رشتے کی ہی تلاش تھی کہ یکایک یہ سب کچھ ہوگیا۔ وہ کالج کے کسی لڑکے کے ساتھ چلی گئی تھی، بمبئی کی فلم انڈسٹری میں کام کرنے کے لیے۔ نہ جانے کیا ہوا تھا، نہ کوئی بات، نہ کوئی چیت۔ نہ کوئی بحث نہ کوئی مباحثہ۔ ان لوگوں نے تو ایسا سوچا بھی نہ تھا۔ اس نے شاید خود ہی سوچ لیا تھا کہ گھر والے ستیش کی ذات برادری میں اس کی شادی بھی نہیں کریں گے۔ ستیش نے پیار کی قسمیں کھائی ہوں گی، بولی وڈ کے قصے سنائے ہوں گے اسے، اس کے حسن سے آشنا کیا ہوگا، اسے سمجھایا ہوگا کہ زندگی بہت سندر ہوسکتی ہے۔ بمبئی میں ہی سمندر کے کنارے خوب صورت سا گھر بھی ہوسکتا ہے۔ بس کسی طرح فلمی دنیا میں پہنچنے کی دیر ہے۔ وہ تھی ہی اتنی خوب صورت، کوئی بھی اسے بہکا سکتا تھا۔

زندگی نے بہت جلد بہت سخت پرانی چال دہرائی تھی۔ اس دفعہ کراچی نہیں تھا، الہاس نگر تھا۔ پاکستان نہیں، ہندوستان تھا۔ کوئی مسلمان نہیں، ہندو تھا۔ ابھی سنبھل بھی نہیں پائے تھے کہ پھر باپ بیٹا کانتا کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔

بمبئی حیدرآباد نہیں تھا اور بمبئی میں الٰہی بخش بھی نہیں تھا۔ نہ جانے وہ کہاں چلی گئی تھی۔ اسے آسمان کھا گیا تھا یا زمین نگل گئی تھی۔ وہ دونوں کام کرتے تھے اور کانتا کو تلاش کرتے تھے۔ نہ جانے پولیس والوں نے کتنے ہی روپے کھالیے تھے، ایک دن اس نے کانتا کو دیکھا بھی تھا۔ ایک بڑی سی گاڑی میں ایک عربی کے ساتھ۔ وہ دیوانوں کی طرح دوڑا تھا۔ اس ہوٹل کے چپے چپے میں اس نے شور مچایا تھا، پھر اس نے کانتا کے کالج کے دوست ستیش کو دیکھا تھا جس نے اسے پولیس کے حوالے کردیا تھا۔ پولیس والوں نے اسے خوب مارا تھا۔

''حرام زادے...... جانتے نہیں ہو، ستیش کون ہیں؟ نیتا جی کے بیٹے ہیں۔ ان پر الزام لگاتے ہو۔ تمہاری بہن کو یہ اغوا کریں گے۔ ارے ان کو کمی کاہے کی ہے۔ ساری سرکار ان کی ہے۔ سارا علاقہ ان کا ہے۔ دہلی سے بمبئی تک ان کا کام ہے۔ اونچی جگہ ان کی رسائی ہے۔''

اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ دہلی سے بمبئی تک ان کا کیا کام تھا۔ لڑکیوں کا اغوا۔ فلمی دنیا کا مافیا۔ بڑے بڑے ہوٹلوں میں دلالی۔ بیٹا چھوٹا دلال، باپ وزیر تھا، بڑا دلال تھا۔

بڑی مشکلوں سے ہزاروں روپوں کا بندوبست ہوا تھا اور خوب چند نے پولیس والوں کو رشوت دے کر روپ چند کو آزاد کرایا تھا۔

پھر انہیں کانتا کی لاش ملی تھی۔ اس نے خودکشی کرلی تھی۔ وہ لوگ لاش لے کر بھی نہیں آسکے تھے۔ لاش اس قابل ہی نہیں تھی۔ انہیں تو کانتا کا خط ملا تھا جو اس کی کسی دوست نے اس کے کہنے کے مطابق مرنے کے بعد انہیں بھیجا تھا۔ اس نے معافی مانگی تھی۔ اسے دھوکا دیا گیا تھا۔ ستیش نے اسے اغوا کرکے شادی کا ڈھونگ رچایا تھا اور پھر اسے صرف استعمال کیا تھا اور ایک دن وہ سمجھ گئی تھی کہ آگے کا راستہ بولی وڈ کی طرف نہیں بلکہ بمبئی کے چکلے کی جانب جاتا ہے اور پیچھے تو اب صرف دیوار ہی تھی۔ اس نے پتاجی سے، ماتا جی سے اور اس سے معافی مانگی تھی۔ گھر میں جیسے میت ہوگئی تھی۔ ہر کوئی جی بھر کے رو دیا تھا اور پتاجی خاموشی سے روتے روتے فالج کی نذر ہوگئے تھے۔

زندہ رہیں۔ ان کی زندگی کے آخری دن اسپتال میں
گزرے۔ ... [illegible] ... مگر یہ پہلا موقع تھا جب [illegible]
بہرحال ان کی بیماری، اسپتال میں تو جگہ کم ہی تھی۔ کاغذ کے
پرزے بنتے تھے۔ ہیپاٹائٹس وائرس نے خون کی بوتل لگوا دی
پیلی خون کا ٹیسٹ، ڈاکٹر نے ... سسک سسک کر
جان دے دی تھی۔ آخری وقت میں ایک ایسی حالت [illegible]
لوگوں نے مدد کی اور مگر ... جس سے تکلیف دہ
زندگی کے ختم ہونے میں کچھ ہی دن لگ گئے تھے۔

بابا جی کے مرنے کے بعد وہ بابا جی کے گھر تک
گر تو بہ رہا تھا اور اس نے سوچا تھا کہ وہ [illegible] کو معاف
نہیں کرے گا۔ [illegible] اور غم میں سے اس
نے اس کے لیے [illegible] کی یاد جو اس نے ہندوستان
کے نظام کو ... جس میں لڑکیوں کو اغوا کر کے
ملک بیچ دیا جاتا ہے۔ ہندوستان کی تقسیم کے بعد اس کو
بھاگنا پڑا تھا۔ [illegible] اس نے اپنے باپ کے سامنے
[illegible] جس میں [illegible] کی شکل
[illegible] رہی تھی۔

بابا جی کے مرنے کے بعد اس نے نئی جان سے کام
کرنا شروع کر دیا تھا۔ بابا جی کے کہنے پر وہ پڑوسی سے
ان کی بیٹی کی شادی ہو گئی تھی۔ [illegible] کے لیے
[illegible] کر رہا تھا۔ پھر [illegible] اٹھتے بیٹھتے [illegible]
کے خواب دیکھنے لگی تھی۔ [illegible]
زندگی۔ [illegible] بھی گئی۔
اس کے بیٹے تھے۔ مسلمان ہونے کے بعد [illegible]
وہ لوگ اکثر اس کی [illegible] کرتے تھے۔

ایک دن پڑوسی کے [illegible] نے خبر دی کہ
وہ لوگ پاکستان گئے تھے۔ [illegible] سے
تھے۔ اسے اطمینان [illegible] کا کچھ پتہ نہیں تھا۔ پڑوسی
والے لوگ اب [illegible] کے رہنے والے تھے۔ [illegible] کی
جلدی میں [illegible] لگے تھے۔ اس نے اپنی
[illegible] اس سے وعدہ کیا تھا کہ وہ پاکستان جانے کا جب
بار [illegible] کو تلاش کرے گا۔ اس کی خبر لے گا۔ اس نے دل
میں سوچا تھا کہ [illegible] کے مرنے سے پہلے شاید انہیں
کوئی اچھی خبر دے سکے۔ کاش وہ ایسا کر سکتا۔

دلی جا کر پاکستانی سفارت خانے سے ویزا لینا کوئی
آسان کام نہیں تھا۔ [illegible]
[illegible]
[illegible]

حاصل کرنے کے باہر جہاں [illegible] گھومتے
[illegible] اور پھر کوئی
وقت [illegible] اچھے عزیزوں سے ملنے کے لیے
ایک [illegible] کرتی تھی۔

ویٹنگ [illegible] نے اسے بتایا تھا کہ ہندو [illegible]
[illegible]
[illegible] کے
سامنے [illegible]
ہے جہاں [illegible]
[illegible] کرنے کی
کوشش [illegible] اس کا
[illegible]
[illegible]

شاید اس کی قسمت [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] تھی۔
[illegible] جا سکتا
تھا۔ [illegible]
[illegible] جانتے تھے۔ [illegible]
[illegible] اسکول [illegible] میں
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
کی نظروں کے سامنے گھوم گیا۔ [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

کے خاندان کے ساتھ کراچی بھی اجڑ گیا ہے۔

عبدالرحمان سومرو ویسا ہی تھا جیسا اس نے سوچا تھا۔ اس کے بتانے پر وہ دونوں گلے ملے تھے۔ بڑی محبت سے اسے گھر میں بٹھایا گیا تھا۔ کچھ پرانی باتیں ہوئی تھیں، کراچی میں گزرے ہوئے بچپن کے دن، نہ سومرو نے اس سے اس کے پتاجی کا پوچھا تھا اور نہ اس نے ماسٹر الٰہی بخش کے بارے میں کوئی سوال کیا تھا۔

حیدرآباد میں کلپنا کو تلاش کرنے میں زیادہ مشکل نہیں ہوئی تھی۔ سومرو اور روپ چند کراچی سے حیدرآباد بس پر گئے تھے۔ بس صدر کے علاقے سے نکلی تھی۔ شہر کے درمیان سے ہوتی ہوئی حیدرآباد پہنچی تھی۔ دونوں شہر تقریباً ایک جیسے تھے۔ اسے تو ایسا ہی لگا تھا جیسے وہ ہندوستان میں گھوم رہا ہو۔ وہی فقیر، وہی گانے، یہاں خدا کے نام پر مانگ رہے تھے۔ وہی ٹوٹی ہوئی سڑکیں، دھوئیں سے بھرا ہوا ماحول، پانی کا رونا، بجلی کی کمی، دھتکارے ہوئے غریب، ذلتوں کے مارے لوگ۔ کچھ بھی فرق نہیں تھا اور اگر تھا تو کوئی خاص نہیں تھا۔

وہ کلپنا کے بڑے سے گھر میں اس سے ملا تھا۔ اس کا نام اب کلثوم تھا۔ اس کے جوان جوان بچے تھے۔ اس کی بیٹی کی شادی ہو چکی تھی۔ اس کی نظروں کے سامنے جیسے اس کی ماں کا چہرہ آ گیا تھا۔ اس کا بڑا دل چاہا تھا کہ اس کے پیروں کو چھو لے، اس کے ہاتھوں کو چومے، اس کے سینے سے لگ کر رو دے۔ ”دیدی! میں ہوں روپ چند..... تیرا بھائی۔“ وہ بس اتنا ہی کہہ سکا تھا۔ بڑے دن گزر گئے تھے، بہت فاصلہ تھا، مہینوں اور برسوں کا۔ بیتے ہوئے سپنوں کا، کھوئے ہوئے رشتوں کا اور اب تو مذہب کا فاصلہ بھی تھا جو انہیں کھینچ کر دو الگ الگ کناروں پر لے گیا تھا۔

اس نے اسے بتایا تھا کہ ”دادی مر گئی ہے، پتاجی مر گئے ہیں، کانتا بھی مر گئی ہے۔“ رک رک کر ساری کہانی سنائی تھی۔ آنسوؤں کی لڑی تھی جو بہہ رہی تھی، کلپنا روتی رہی، سنتی رہی۔

پھر کلپنا نے بتایا تھا کہ موسیٰ جو کھو کی اب دو اور بیویاں ہیں۔ ایک اسلام آباد میں ہے جبکہ دوسری کراچی کے کلفٹن میں۔ اسے خرچ مل جاتا ہے اور اب تو بچے بھی بڑے ہو گئے ہیں۔ اغوا ہونے کے بعد موسیٰ نے شادی زبردستی کی تھی مگر شروع کے آٹھ سال تک شوہر اچھا تھا، پھر آہستہ آہستہ بدل گیا۔ اپنے باپ کے ساتھ سیاست شروع کی تھی۔ وہ حیدرآباد میں رہتی تھی اور وہ کبھی کراچی میں اور کبھی زمینوں پر۔ اس کی دو بیویاں مر چکی تھیں اور دو بیویاں اور موجود تھیں۔ میں نے ایک دفعہ بچوں کے نام پر شور کیا تھا تو اس نے کہا تھا کہ یاد رکھنا دو بیویاں مر چکی ہیں، تیسری بھی مر جائے گی تو کیا بگڑ جائے گا۔ مجھے پتا لگ گیا تھا کہ میری اوقات کیا ہے۔ کلپنا سے کلثوم تک ایک کہانی ہے، ایک قصہ ہے۔

پھر وہ لوگ جدا ہو گئے تھے۔ اس نے اپنے مسلمان بھانجوں کو پیار کیا۔ کلپنا کو آخری دفعہ دیکھا تھا۔ کلپنا نے کہا تھا۔ ”ماں جی کو بتانا میں خوش ہوں۔ بچے بھلے مسلمان ہیں، میں وہی ہوں، کلپنا۔ بھگوان سے پراتھنا کرنا میرے لیے۔“ اس نے جھک کر کلپنا کے قدم آخری دفعہ چھو لیے۔

روپ چند کا دل پھر زور سے دھڑکا۔ کیا ہو گیا ہے، کس جنم کے گناہوں کی سزا ہے۔ سرحد کے اس طرف بھی اس پار بھی، ہندوستان میں بے روزگاری، پاکستان میں غربت۔ وہاں کے محلوں میں بیٹھے ہوئے لوگ یہاں کے محلوں میں سمٹے ہوئے لوگوں سے بابر، غوری، پرتھوی اور اورنگ زیب کی جنگ لڑ رہے ہیں اور ہم لوگ زندگی کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ زندہ رہنے کی جنگ۔ ایسی شدید ہوگی، کس نے سوچا تھا۔

سومرو کے ساتھ بوجھل قدم لیے ہوئے روپ چند کراچی لوٹا تھا۔ صدر کے اس فلیٹ میں گھر میں داخل ہوتے ہی وہ بڑے میاں نظر آئے تھے، عبدالرحمٰن سومرو کے بابا جی۔ وہ چیخ رہے تھے، مر گئے، مر گئے، سب مر گئے۔ رحمان بھی مر گیا، ہائے ہائے۔

رحمان کو دیکھتے ہی جیسے ان کو چپ سی لگ گئی تھی۔ وہ اٹھے اور آہستہ آہستہ رحمان کو گلے لگایا اور خاموشی سے اندر چلے گئے، نہ اس کی طرف دیکھا اور نہ ہی کوئی بات کی تھی۔

”یہ بابا جی تھے، روپ چند۔ اب تو یہی حال ہو گیا ہے۔ ایک دن بھی اگر میں گھر سے غائب ہو جاتا ہوں تو یہ اسی طرح چیختے چلاتے رہتے ہیں۔ کراچی کے حالات نے بابا جی کی یہ حالت کر دی ہے۔ خوف زدہ سے رہتے ہیں۔ کیونکہ ایک حادثے میں چھوٹا بھائی اور چچا شہید ہو گئے تھے۔ تب سے میں گھر میں نظر نہ آؤں تو یہ چیخنے لگتے لیکن تیرے ساتھ تو مجھے جانا تھا۔ ابھی ٹھیک ہو جائیں گے..... ٹوٹے ہوئے لوگ روز جیتے اور روز مرتے رہتے ہیں۔“ یہ کہہ کر سومرو خاموش ہو گیا۔ جیسے کہنے کے لیے کچھ نہ ہو۔ گویا جگہوں کے بدلنے سے حالات نہیں بدلتے بلکہ دلوں اور کردار کے بدلنے سے معاملات میں سدھار آتا ہے۔

جواز

غسان احسان

پھوٹنے والی ہر نئی کونپل موسم کے بدل جانے کی نوید دلاتی ہے... بالکل اسی طرح انسان کے اندر بھی یہ کونپل امید کی شکل میں جنم لیتی ہے کہ شاید آنے والے کل میں موسم کی طرح اس کی زندگی کا منظرنامہ بھی بدل جائے بہرحال... جب آزمائشوں اور مشکلوں کا سلسلہ طویل ہو جائے اور صبح کا سورج دیکھنے کی امید میں آنکھیں مسلسل رت جگا کرتی رہیں مگر دکھوں کی رات کا کوئی کنارا ہاتھ نہ آئے تو ایسے میں ارادوں میں لرزش اور قدموں میں لغزش آ ہی جاتی ہے... یہ تو یک جان دو قالب ہیں لیکن... ایک آسمان اور دوسرا زمین... بلکہ زمین کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا... جب شاید انسان کہلانے کا بھی حق نہ تھا۔ اس کے باوجود ان کے درمیان دل کا ایک تعلق قائم تھا اور یہی سنگم ہر ایک کے لیے حیران کن تھا... ایسا ہونا بھی چاہیے تھا کیونکہ... محبتوں کی قدر اور آزمائش... مگر دل کے لمحات ختم نہیں ہوتی ہے اور جو لوگ اس آزمائش پر پورا نہیں اترتے انہیں دل سے بھی اتار دینا چاہیے کہ یہی عقلمندی اور وقت کا تقاضا بھی ہوتا ہے لیکن... بے حد شدید... محبت کو شاید محبت جیسے جذبے کی اساس بنا کر بھیجا گیا ہے جو انسان کو کسی پل پرسکون نہیں رہنے دیتی...



حبس کا موسم تھا۔ ارد گرد کی فضا میں گھٹن تھی۔ ارمل نے
بیٹے کی حالت دیکھی۔ وہ ایک سات سالہ لڑکا تھا۔ درمیان
سے مانگ نکالے، سوت کا سفید کرتا پاجامہ پہنے، پاؤں
میں سیاہ سینڈل پہنے، مضطرب، اداس اور پھولی سانسوں
کے ساتھ بچے کے ساتھ قدم ملاتا جا رہا تھا۔ احمد ارمل کی
پتلی پگڈنڈی کے اختتام پر ایک کھلیان تھا۔ کھلیان زیادہ بڑا
نہیں تھا۔ دور سے کھلیان میں کھڑی بکریاں اپنی قامت
سے کچھ چھوٹی محسوس ہوتی تھیں۔ ارمل پگڈنڈی سے جو قدم
اٹھاتا، وہ پگڈنڈی پر لرزاں کھلیان پہنچا۔

دھوپ کی تمازت سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ سوت کا سفید کرتا پسینے کی وجہ سے بدن سے چپک کر اس کے جسم کی ساخت کو نمایاں کر رہا تھا۔ آگے پیچھے کے کنارے پگڈنڈی سے اور جنگل سے پسینے کی دھاریں بہہ رہی تھیں۔ پگڈنڈی کا ایک چہرے پر ارمل کی نظر سے سروکار تھا۔ سامنے کھلیان میں موجود اس بچے کے چہرے پر خوف کے سائے تھے، وہ درخت کے سائے میں بیٹھا اپنے ہم عمر لڑکے کی قربت میں بیٹھا تھا۔

قیصر کا وہ بچہ اس قدر گھبرایا ہوا تھا کہ اپنے سامنے کھڑے لڑکے کی طرف دیکھ کر ... فراہم کرتا۔ چھوٹا سا گاؤں تھا ... کے موسم کے بعد کی دوپہر کے وقت ... پسینے میں ... ساتھی ... بکریوں پر نظر رکھنا ... بکریاں بھی حبس سے بے حال محسوس ہو رہی تھیں۔

چوہدری کے لڑکے قیصر کے سامنے بیٹھے ہوئے اس کا چہرہ اس قدر زرد تھا کہ ... رنگت کم ... ہاتھ ... سامنے ... پاؤں پر مٹی کی تہ جمی ہوئی تھی۔

سیاہ ... چوہدری ... کو ... کے پاس لانے کے لیے ... ارمل آج دکھائی دیا۔ چوہدری کے چہرے پر ... سامنے بیٹھے گئے۔

"پھر کے صاحب! اتنی گرمی میں آپ نے کیوں زحمت کی؟ کہاں کی ٹھنڈی ہوا میں بیٹھیے۔ یہاں تو حبس ہے۔" چوہدری کی بات ... ارمل ... کا
ساتھ ... بیٹھا ... ارمل کی طرف ... دیکھا۔

تھا۔ ارمل کے آنے سے ان پر فرق پڑتا تھا کہ فریق ہیں۔۔۔
چھوٹی بکریاں اور کھیتوں کے علاوہ ارمل پر تم کو کچھ نہیں۔
چوہدری کا فکر ہونے لگی۔ "آؤ صاحب! یہیں آپ کے
پاس آ بیٹھوں۔" چوہدری نے چاہا تھا کہ صاحب دھوپ
میں چلے۔۔۔ وہ چوہدری کو خاطر میں نہ لایا۔ پگڈنڈی پر چلتے
ہوئے اس کے قدم تیز تیز اٹھتے تھے، پہلے وہ قدم قدم چل
رہا تھا۔ گھبراہٹ قدموں کو جکڑ رہی تھی۔ چلتے چلتے
ارمل رکنے لگا، سر سے آگے کہا، ... آنکھیں پھر
کر دیکھا اور رکنے لگا۔

"تمہیں کیا کہا تھا؟"

بچے کو اس کی گرفت سے نجات ملی تو آنکھوں میں
عجیب سی چمک ابھری اور اس نے ہاتھ چھڑا کر کہا ارمل
کے آگے کیا ہے ... ایک ... ہو رہا تھا۔
قیصر کے ابھرے ماتھے میں گھرے ارمل نے کہا
تھا ... جہاں بچے کے پاؤں ... تھے
اپنے ... کو دیے۔

ارمل قدم ... ایک ... میں ... کے
کھیل میں آگے ... بچے ... سے اس نے پوچھا۔
"بچے، ان کی گرمی سہتے ہی کیا کی؟"
"مجھے۔۔۔ وہ کوئی گرمی۔۔۔ لا دو۔" ... اس نے
بچے نے ... معصوم بچے کی ... فرق سے ... اور
کی ... بچے ...

چوہدری کا ... کے ... سے کہا
دیکھ رہا تھا ... کی ... اس
کی ... کرتا تھا۔

☆☆☆

سرخی ... کے ... سامنے پڑا ایک منظر تھا۔
شرقی ... کے ساتھ آم کے ... کی شاخیں
آموں سے لدی تھیں۔ ... ماحول میں ... ایک
چھوٹا سا ... آم کی شاخ ... سے چھا کر
... آم ... ارمل سامنے ... موجود
کر ... اور آم ... لگا۔ ... کا ... نہ
... سامنے ... اسے ... رہے
آم کھانے سے روکے۔

"بیٹا! ہم ... کی ... گرمی ... اندر
بھی ... مت کھاؤ ... آم ... ہے۔" ... کے
... بات ... کی ... سے
... کے

درخت سے چند قدم آگے مغربی رخ پر نیم کا گھنا پیڑ تھا۔ نیم کا یہ پیڑ اس قدر گھنا اور سایہ دار تھا کہ اس کے سائے پر شکر بجالانے کو جی چاہتا، ایسا ٹھنڈک بھرا سایہ ہر درخت فراہم نہیں کرتا۔

اس نیم کے نیچے کے عین سامنے پندرہ گز کے فاصلے پر سفید چونا کیا گیا اونچی چھت والا کمرا تھا۔ کمرے کے سبز دروازے سے اونچی چارپائی پر آن بان سے بیٹھے انتظار نظر آتے تھے۔

ملک انتظار حسین...... سفید لٹھا ان کی پہچان تھا۔ نوروزی کھیڑی ان کی آن بڑھاتی۔ مونچھیں گھنی اور بل دار تھے۔ آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی۔ وہ مردانہ وجاہت کا پیکر تھا۔

''سنو باسط......'' انتظار دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی مونچھوں پر پھیرتے ہوئے مخاطب ہوئے۔

''باسط نہیں عبدالباسط......'' جمعے کے خطبے میں عبدل کی اہمیت کے بارے میں سننے کے بعد عبدالباسط ہر کسی کی تصحیح کرتے تھے مگر مالک کی تصحیح نہ کر پائے، بس دل میں سوچ کر رہ گئے۔

''جی صاحب!'' عبدالباسط نے ادب سے جواب دیا۔ وہ نوروزی کھیڑی کے ساتھ ہی بیٹھا تھا۔

انتظار عقبی لوہے کی سلاخوں والی کھڑکی کے پار دیکھتے رہے۔ سیاہ پشم کے فرسا گھوڑا شجر کے شیڈ میں بیٹھا تھا اور اس سے چند قدم کے فاصلے پر ارسل اور بخت کندھے سے کندھا ملائے بیٹھے بچپن کے سہانے لمحے گزار رہے تھے۔

''ستارہ ہے میرا ارسل اور یہ اس کی شان بے نیازی ہے کہ اپنی اہمیت جانتا ہے پر کسی کو حقیر نہیں مانتا۔'' دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی کو مونچھوں کی چبھن اچھی لگتی تھی۔

''بے شک صاحب!'' عبدالباسط نے ادب سے تائید کی۔

''میرے بیٹے نے دوست بنالیا ہے تمہارے بیٹے کو۔ کیا نام ہے تمہارے بیٹے کا؟''

''بلند بخت......''

''بخت!'' انتظار نے منہ ہی منہ میں نام دہرایا۔ نظریں لوہے کی سلاخوں والی کھڑکی کے پار ان لڑکوں پر ہی جمی ہوئی تھیں۔

''سمجھو تمہارے بخت نے واقعی تمہارا بخت بلند کر دیا ہے۔ بخت میاں بھی آج سے ہمارے ملازم ہوئے۔ سمجھا دینا اپنے بیٹے کو کہ وہ میرے ارسل کا اچھے سے دل بہلایا کرے۔ میں منشی سے کہہ کر بخت کی تنخواہ مقرر کیے دیتا ہوں۔''

''شکریہ صاحب۔'' عبدالباسط نے ہاتھ بڑھا کر انتظار کے پیروں پر ہاتھ رکھ دیے۔ وہ پیر جو چاند کی روشنی سے دھلے محسوس ہوتے تھے۔

''اوہ باسط! یوں مت کرو۔ مجھے پسند نہیں۔'' انتظار نے پاؤں پیچھے کیے اور پھر اوپر اونچے پایوں والی چارپائی پر ہی پسار لیے۔

''تمہارا سانس غیر متوازن لگ رہا ہے۔ کیا آج کل دمے کا اٹیک ہوا ہے؟''

بہت سی باتوں کے درمیان یہ بات بھی گفتگو کا حصہ بن گئی۔

''جی!'' مدھم سی آواز ہوا میں تحلیل ہوئی۔

''تو پھر مرکز صحت جا رہے ہو علاج کے لیے؟''

''جی!''

''اچھا ہے۔ سنا ہے مرکز صحت میں کوئی نیا ڈاکٹر آیا ہے۔ لوگ بڑی تعریفیں کرتے ہیں اس کے اخلاق کی۔''

انتظار اٹھے اور کھڑکی کے پاس جا کھڑے ہوئے۔ لوہے کی سلاخوں میں سے ایک سلاخ تھام کر اپنے ارسل کو محبت پاش نظروں سے دیکھنے لگے۔

وہ محبت جو دل کو گرماتی تھی۔

دور شجر کے سائے میں بیٹھے بچے اپنی ہی دنیا آباد کیے بیٹھے تھے۔

اک غبار خاک ہیں
کل کو بکھر ہی جائیں گے
مختصر سی زندگی ہے
کچھ تو اس میں رنگ بھر لیں
آؤ دوستی کر لیں......

''ابو کہتے ہیں جب میں بڑا ہو جاؤں گا اور یہ گھوڑا بوڑھا ہو جائے گا تو وہ مجھے اس گھوڑے سے زیادہ اچھا گھوڑا لے دیں گے۔ اس پر بیٹھ کر میں سارے گاؤں کی سیر کروں گا۔'' ارسل کہہ رہا تھا۔ انتظار کا سچ مچ ایسا ہی ارادہ تھا۔

''پھر مجھے بھی سیر کرانا!'' بخت کے چہرے کا بانکپن مچلا۔

''ضرور کراؤں گا۔'' ارسل اپنے دیرینہ دوست کی فرمائش کیسے ٹال سکتا تھا۔

''تم نے وعدہ کیا تھا کل گلی ڈنڈا لاؤ گے۔ لائے کیوں نہیں؟''

''بھول گیا۔ کل لاؤں گا۔ وعدہ...... پکا وعدہ۔'' بخت تجدید عہد کر رہا تھا۔

☆☆☆

بہاولپور کو ساحل سمندر سے ملانے والی ریلوے ٹریک/ پکی سڑک مشرق کی طرف جاتی تھی۔ یہ پکی سڑک چند میل کے بعد ہی تبدیل ہو جاتی تھی۔ پر چند گزوں کے فاصلے پر ایک نہر تھی۔ ریگستان میں یہ نہر کسی نعمت سے کم نہ تھی۔ نوجوان لڑکوں نے اپنے بزرگوں سے اور بزرگوں نے اپنے بزرگوں سے اس نہر کی بے انتہا تعریفیں سنی تھیں۔ جس کا نام نہر بہشت تھا اور یہ نام کچھ ایسا غلط بھی نہ تھا۔ نہر کا پانی اس قدر شفاف تھا کہ شیشے کا گمان ہوتا اور یہ ایسا میٹھا تھا کہ شہد سے زیادہ کا ذائقہ رکھتا۔ نہر بہشت سے متصل گاؤں کا نام بھی نہر کی نسبت سے تھا۔ گلی بہشت۔ ریت کی گرم سرد زمین پر وہ جیسے جنت کا ٹکڑا تھا۔ نہر بہشت سے ملا ہوا سال بھر سرسبز رہتا۔ ہری بھری فصلیں، پھل دار درخت، پھول دار پودے، بے حساب دودھ دینے والے جانور۔ گاؤں کی قسمت کبھی کسی سے ... بہشت محروم تھا۔

ارحل اسی مستقل بہشت کا رہنے والا تھا۔ نہر بہشت کے دائیں کنارے جہاں ریت کی روا ... درختوں کے گھنے ... ان کی چھاؤں میں ... کاشت سے کمرے تھے۔ ... کی ٹھنڈک ہوا ... ارحل بیٹھا تھا اپنے بخت کے ساتھ۔

بخت نے جیب سے گولی نکالی تو ارحل کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

"دیکھو! کتنی کمپنی گولی ہے۔ انگلینڈ ... ابا سے کہا تو لے آئے۔" بخت ابھی ... کے ... ساتھ ... بیان کر رہا تھا۔

"کھیلیں؟" ارحل کھیلنے پوچھا۔

"نہیں..." بخت نے نفی میں سر ہلایا۔ "گولی نہر میں چلی جائے گی پھر کیسے نکالیں گے۔" بخت یہاں کھیلنے کے نقصان سے آگاہ کرنے لگا۔

"ہم ادھر جا کر کھیلتے ہیں۔" ارحل نے سامنے اشارہ کیا۔ جہاں سے زیادہ ریتلی زمین کا ٹکڑا تھا مگر یہاں پھر بھی ... بکھری ہوئی تھی۔ بخت سر ہلاتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

ابھی انہوں نے اگلی ... قدم بڑھایا ہی تھا کہ ... کے سامنے ... جس کی ... پہلے بھی ... کی آواز نے انہیں روک دیا۔

"کدھر جا رہے ہو؟"

"ادھر ہم ... گولی کھیلنے جا رہے ہیں۔"

... بابا ...

سامنے ویلو اور ... کی ... ہو گیا۔

"نہیں چھوٹے صاحب! یوں دھوپ میں کھیلنا آپ کی شان نہیں۔ بیمار ہو جائے گا۔" بخت نے حیرت سے دیکھا۔ وہ کبھی ... اگر سال کا بچہ بھی ضرور ہوتا ہے ... کر رہا ہوتا ہے۔

بخت سوچ رہا تھا کہ اس کا باپ ارحل کی اتنی عزت کیوں کرتا ہے؟

"مگر ہم نے کھیلنا ہے۔" ارحل نے بچے کی فرمائش رکھ دی۔

"نہ صاحب۔" چچا نے ہاتھ جوڑ کر گویا منت کر کے باز رکھنا چاہا تھا۔

انکار تو ارحل کو بھی ... اور ارحل کی ماں ... حویلی میں ... گھر سے باہر جا کر کھیلنا پسند تھا۔ اسی ... فرمائش کرتا۔

"چاہے ... ارحل کی فرمائش ... خاطر ہونے لگی اور ان کی آنکھوں میں آنسو ... انکار ... دیا۔

"دیکھو! ... نہر کے کنارے چلے جاؤ ... بچے ... دھوپ میں مت نکلنا ... درختوں کی چھاؤں میں بیٹھنا ... ارحل دھوپ میں ... انکار نے ... ہدایت کی۔

"... بابا ... حکم۔"

"ہم گھر پر کھیلیں گے چھوٹے صاحب۔" ... کی کوشش کر رہا تھا۔

اس سے ... ارحل کو کوئی ... کرتا ... جیپ آتی نظر آئی۔ جب ... کے بعد ... انکار کی ... کام کے سلسلے میں ... تھا۔ اب ... جیپ قریب آئی ... کے ساتھ انکار ... بیٹھی تھی۔

... ہے ... شانے ... ایک ... شخصیت تھی۔

"آؤ ارحل، ... شروع کرو!" انکار ... جیب سے ... کے ... کی ... انکار ...

...

تھا۔ اتنا تو جانتا تھا کہ اب وہ اسے لیے بغیر نہیں جائیں گے۔

''بخت بھی چلے ہمارے ساتھ؟'' ارسل نے باپ کی طرف دیکھا۔

''نہیں، بخت اپنے گھر جائے گا۔ اس کی امی انتظار کررہی ہیں۔'' انتظار پیروں کے بل بیٹے کے سامنے بیٹھ گئے اور اس کا گال سہلانے لگے۔

خلافِ معمول ارسل نے مزید سوال وجواب نہ کیے اور جیپ میں آن بیٹھا۔ جیپ روانہ ہوئی تو ارسل جو باپ کی گود میں بیٹھا تھا' اس نے سر اٹھا کر باپ کو دیکھا۔ باپ کی نظریں باہر جمی تھیں۔

''ابو!'' ارسل نے انتظار کے گال پر ہاتھ رکھتے ہوئے اپنی طرف متوجہ کیا۔

''جی میری جان!'' انتظار نے بیٹے کے گال پر بوسہ دیا۔

''میری امی کیوں نہیں ہیں؟'' ارسل کے چہرے پر معصومیت تھی۔ یہ سوال ارسل پہلی بار نہیں پوچھ رہا تھا مگر آج بھی ایسے لگ رہا تھا جیسے پہلی بار ہی پوچھ رہا ہے۔ بخت انگریزی کیکر کے سائے میں کھڑا دور جاتی جیپ کو دیکھتا رہا۔

☆☆☆

''یسو، پنجو، ہار، کبوتر، ڈولی۔ یسو، پنجو، ہار...... ہاہاہا...... میں جیت گیا۔ لو اب ہاتھ جوڑو اور مار کھاؤ......'' بخت قلقل قلقل ہنسنے لگا۔ آنکھوں میں بے چارگی لیے ارسل نے ہاتھ جوڑ دیے۔

''یہ یہ ٹھاہ......'' اور تھپیڑ ارسل کے ہاتھ پر پڑا۔

''آہ!'' ارسل نے سسک کر آہ بھری۔

''میں نہیں کھیلتا تمہارے ساتھ، تم زور سے مارتے ہو۔'' ارسل بائیں ہاتھ کی پشت سہلانے لگا جو سرخ ہوگئی تھی اور بخت کی ہنسی نہ تھمتی تھی۔

''بس ختم یہ نہیں کھیلتے۔''

''نہ نہ مار کھاؤ۔ بے ایمان۔'' بخت شور مچانے لگا۔ ارسل خاطر میں لائے بغیر جیب میں ہاتھ ڈال رہا تھا اور جب ہاتھ باہر آیا تو اس میں آم تھا۔

''میرا آم؟'' بخت آنکھیں گھما گھما کر پوچھ رہا تھا۔

''یہ تمہارے لیے ہے۔'' ارسل نے ہاتھ بڑھایا تو بخت نے آم پکڑ لیا اور دوسرے ہی لمحے وہ آم چوس رہا تھا۔ پہلے دائیں طرف دانت گاڑے پھر بائیں طرف۔ آم کا گودا تھوڑا کپڑوں پر جا گرا۔

''بخت! تمہیں جلدی کیوں ہے۔ دیکھو کپڑے بھی گندے کرلیے۔ اس لیے تمہارے کپڑے گندے ہوتے ہیں۔'' جواباً بخت نے اپنے پیلے دانت نکال کر دکھا دیے جن سے آم کے ریشے چپکے تھے۔

''میرے پاس بھی تمہارے لیے کچھ ہے۔'' بخت نے آم کے گودے سے لتھڑا ہاتھ جیب میں ڈال کر باہر نکالا تو اس میں گڑ کی ڈلی تھی۔ ''لو......'' بخت نے ارسل کو پکڑائی۔ ارسل گڑ کی وہ ننھی منی سی آلودہ ڈلی منہ میں ڈال کر چوسنے لگا۔

''پرسوں اسکول کھل جائے گا۔ مجھے اسکول جانا پسند نہیں۔'' ڈلی چوستے ہوئے ارسل ناپسندیدگی کا اظہار کرنے لگا۔

''اسکول میں بہت سارے بچے ہوتے ہیں۔ استاد انہیں لکھنا پڑھنا سکھاتے ہیں اور چھٹی کے وقت وہ مختلف کھیل کھیلتے ہیں...... ایسے نا؟'' آم ختم ہوچکا تھا۔ بخت اب پیچھے ہاتھ گالوں پہ لگائے آنکھوں میں اشتیاق لیے پوچھ رہا تھا۔

''تم اسکول کیوں نہیں جاتے؟'' ارسل کی ڈلی ختم نہ ہوئی تھی۔ وہ چوس رہا تھا۔

''ابو کہتے ہیں غریب اسکول نہیں جاتے۔ وہ صرف کام کرتے ہیں۔'' بخت کا چہرہ اداس دکھائی دینے لگا۔

''تم اسکول جانا چاہتے ہو؟'' جواباً بخت نے اثبات میں سر ہلایا۔

''میں ابو سے بات کروں گا۔ وہ تمہیں اسکول میں داخل کرائیں گے۔'' ارسل کہہ رہا تھا۔

''سچ؟'' آنکھوں میں گویا ستارے آن بسے تھے۔

''ہاں دوست۔'' ارسل لبوں پر زبان پھیر رہا تھا۔ گڑ کی ڈلی حل ہوکر ختم ہوچکی تھی۔ جوشِ مسرت سے بخت آگے بڑھا اور ارسل کے گلے لگ گیا۔ سوت کا نفیس کرتہ لمحوں میں کئی جگہوں سے آم کے شیرے سے داغدار ہوگیا۔ پھر وہ اٹھا، بھاگ کر گیا اور نیم کے تنے کے پیچھے چھپی پتنگ کو اٹھا لایا۔ یہ پتنگ اسے یہاں آتے ہوئے راستے میں پڑی ملی تھی۔ ارادہ تھا کہ شام کو اکیلا اڑائے گا۔ ارسل کو نہیں بتائے گا مگر اب ارسل نے کچھ ایسی خبر سنائی تھی کہ دل خوش ہوگیا اور پتنگ اکیلے اڑانے کا خیال دل میں جما نہ رہا۔ پتنگ دیکھ کر ارسل کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا اور چند لمحوں بعد دونوں لڑکے کھلے میدان میں آگے پیچھے بھاگتے جارہے تھے۔

☆☆☆

رات نے پَر پھیلا لیے تھے۔ عشا کی اذانیں ہوئے گھنٹا بھر ہوا چاہتا تھا۔ مرکزی دروازے بند ہوچکے تھے۔ بسیج

آنگن میں دو پائی کمروں سے جڑا ہوا برآمدہ تھا۔ برآمدے کے آگے بان والی چارپائی کے ساتھ ایک چھوٹی سی پیڑھی بچھی تھی۔ صحن کی روشنی کی سمت کی اس چارپائی پر نگہت بی بی کی مالش کی مالش اور دوسری چارپائی پر انتظار بیٹھے تھے۔ کمروں کے پیچھے دو گھڑے کے دو ساتھ والی چارپائی پر الٹی پائنتی دار کر بیٹھے لالہ سے کٹورے لیے جاتے۔

"ارسل وہ تمہارا دوست ہے۔ نوکروں کے ساتھ اتنا گھلا ملا نہیں جاتا۔" انتظار نے ارسل کو سمجھانے کی کوشش کی۔ جواباً ارسل نے سر جھکا لیا۔

انتظار بیگم دالان سے اٹھ بیٹھے اور ہاتھ بڑھا کر لالہ سے کٹورا دودھ کا لے لیا۔

"چاچا! امانت غلط کہتے ہیں۔"

"ابا! وہ میرا دوست ہے۔ میرا کزن اور دوست بھی تو تھی۔ نگہت کے چہرے پر سے گالوں پر تھپکی دے دیا۔ پیار آ گیا انہیں بیٹے پر جو اپنے نام سے اس کے ساتھ بھی تھے اور ہاتھ میں پکڑے اُس کٹورے کو، جس میں دودھ بھرا ہوا ایک چھوٹا اور ایک بڑا گلاس تھا۔

"تم تو بڑے ہو گئے ہو۔ دودھ پی لو۔" انتظار نے بڑا گلاس ارسل کے ہونٹوں سے لگا دیا۔

"مجھے تھوڑا سا دینا۔" ارسل کا لہجہ لاڈ بھرا تھا۔ اپنے گلاس سے ایک گھونٹ دودھ پینے کے بعد انہوں نے دوسرا ہاتھ بڑھا کر چھوٹا گلاس بھی اٹھا لیا اور ارسل کے ہونٹوں سے لگا دیا۔ مسعود کا ہاتھ پکڑ کر مسعود کی طرف دیکھا۔ ارسل کی مسکراہٹ مسعود اور اس کی ماں کی آنکھوں میں جھلکنے لگی۔

مسعود کے چہرے کی خوشی دیکھی جسے نے کہا۔ "اچھا، شہزادے پیار آ رہا ہے۔ مجھ پر یہ بچے کیا کر رہے ہیں۔"

"ممی آپ مجھے ہمیشہ ایسے ہی کہتی رہنا۔" ارسل نے مسعود کو دیکھتے ہوئے کہا جس کی آنکھیں نم ہو رہی تھیں۔

"اچھا ایک منٹ۔" انتظار نے دودھ کا گلاس چارپائی کی پائنتی کے ساتھ رکھ دیا۔

"یہ کیا ہے؟" انتظار نے انگلی سے زمین پر پڑے ارسل کے جوتوں کی طرف اشارہ کیا۔

ارسل نے ایک نظر ماں پر ڈالی اور بولا۔

"جوتے!"

"کبھی تم نے انہیں صحیح سے پہنا ہے؟"

"ہم ہم ہم ہم..." ارسل سوچنے لگا۔

"ہاں امی جب میں اور نگہت دونوں گھر آ جاتے ہیں تو پہلے ہم جوتے اتار کر گھر کے اندر آتے ہیں۔ اور ابھی تو میں ارسل ہی تھا۔ ارسل کے پاؤں کے پنجے اٹھے ہوئے تھے اور جوتے پاؤں میں پھنسے ہوئے تھے۔

ہاتھوں میں تھی... آئی طرح انہوں نے ارسل کے گال کو چوما جاتا ہے۔ وہ دونوں شرمندگی کی جالی سے ملنے چلے گئے۔

ایک پل کو انتظار کے ذہن میں آیا کہ ارسل سے کہیں سے نکلیں آ گئیں اور وہ بات ختم ہو گئی۔ دو چپ ہو گئیں۔ پھر خود اس ارادے سے باز رہے۔ ایک طویل سانس بھرنے کے بعد انہوں نے کہا۔

"ٹھیک ہے میں اپنے شہزادے کی ہر بات مانوں گا۔ نگہت کو اسکول میں داخل کروا دیتے ہیں۔ یہ شہزادہ کوئی وعدہ کرتا ہے کہ دل سے پڑھے گا اور بڑا ہو کر بہت بڑا ڈاکٹر بن کر دکھائے گا۔"

گویا میرے ارسل کا چہرہ گلنار ہو گیا۔ آگے بڑھ کر اس نے باپ کے گال چوم لیے۔

"وعدہ ابا میں ڈاکٹر بنوں گا۔ نگہت سے پوچھوں گا آپ نگہت کا اسکول میں داخلہ کروا دیں۔"

"جو شہزادے کا حکم۔ اب چلو دودھ پی کر سو جاؤ۔" انتظار نے دودھ کا گلاس ارسل کو تھما دیا اور وہ خوش ہو کر پینے لگا۔

وہ ارسل ہی اس رات نگہت کی قسمت کے فیصلے کا فیصلہ ہو گیا۔ کوئی فیصلے انسانی ہوتے ہیں مگر ان انسانوں سے فیصلہ کرانے والی ذات نے تو آج پوری تیاری کی تھی۔

☆☆☆

چھوٹا بابا نے ... پان کھاتے ہوئے گزاری تھی۔ گرمیوں کی شامیں وہ اپنے احاطے میں بیٹھ کر گزارتے تھے۔ گھر کے باہر نیم کے درخت کے نیچے چارپائی پر چھوٹا بابا میاں بیٹھے ہوئے اور جو آتے جاتے تھے وہ ساتھ بیٹھ جاتے ساتھ ساتھ پان چباتے جاتے اور جب منہ بھر جاتا تو پیک تھوکتے۔ کبھی ادھر کبھی ادھر۔ نالی میں، دیوار پر، ہر جگہ ان کی پیک کے نشان تھے۔ یہ تو ہر جگہ ان کے پان کی پیک کے اتنے نشان تھے کہ یوں لگتا کہ کوئی رنگ ساز کمرے میں رنگ اور سرخ رنگ کا چھڑکاؤ کر گیا ہے۔

"اور وہ کئیں بہت خراب کرتا ہے۔ ہمارا کام بگاڑ کر رکھ دے۔ بڑے یوں کو اس کی عادت پڑ جائے تو پھر کام بھی نہیں ہوتے۔" باپ سمجھا جو اور صاحب کے ساتھ وہاں رہتے تھے۔ اور بہت کچھ سمجھاتے۔ کئی کئی دن گزرتے اور بیٹوں کے لیے تو وہ بار بار آتا تھا۔ لیکن کبھی ان کی بیٹوں کو اس سے پہلے کبھی بھی ... بیٹی کا یہ سلسلہ چلتا رہا۔

"اس نے واسطے! میرے تخت بخت کو برباد کر کے۔ باپ کے بعد کیسے زندگی گزارے گا۔ چارپائی پر بیٹھ کر صرف پانی ہی پیتا رہے گا کیا؟ تو زمینداروں کا کمی روا یا ہو جائے گا۔" ماں سمجھانے کی کوشش کرتی۔

"اماں! کام نہیں ہوتا۔ مجھے پتا تو ہے مشکل ہے۔" پانی کو لاتے ہوئے صبا الیاس اللہ سے کہتا۔ اگلی بار پیار میں دن گزرتے چلے گئے اور پچاس نے جاکر شادی کی ہوئی عمر کو دیکھا۔

ہر بخت صبا الیاس کا اکلوتا بیٹا تھا۔ چودہ برس کے بعد اللہ نے ایک رحمت سے نوازا تھا اور وہ باپ بیٹے کو پڑھانا چاہتا ہے کہ جو باپ کے پاس آ رہے ہیں ہنر سے بیٹے پڑھے لکھے "پڑھا تا کیسے۔" یہ سب الیاس صاحب نے سوچ کر رکھا تھا۔

ارمل کی دوستی ہر بخت کا نصیب ہو گئی گئی۔ وہ ارمل جو پہلا گیا آدھ ماہ اسلامی کی کمی کی وجہ سے جلدی ہی ارمل میں بیٹھا رہا اور باپ کے ساتھ کھیتوں کھلیان گھومتا۔ جب اسکول جاتا اور شام کو واپس آ کر ارمل کے ساتھ کھیلتا۔

ارمل کی دوستی ہر بخت کے لیے خدا کا انعام ہی تھی۔ یہ بخت بخت بھی اس کا تھا۔ کیونکہ ابھی بچپن تھا۔ ماؤں کی باتیں بہت سمجھ میں نہیں آتی، بچپن میں ہی آ کیا پڑا ہے۔ وہ ماؤں کی بیدار جذبات کی۔

ہر بخت ہی ارمل بخت کے دل میں ایک جذبے نے سر اٹھانا شروع کر دیا۔ تھوڑی سی بچپن کی الجھن اس جذبے کو کوئی نام دینے سے قاصر تھی کیونکہ ارمل کی محبت اس کا ادراک ہو جانے میں۔ اگر یہ احساس اسے ہو گیا؟

گزرتے سالوں کے ان کی آبیاری کی۔ ارمل نے بے لوث ہو کر بچے دوست کی مدد کرتا رہا اور اسے اپنا بھائی جیسا ہی سمجھتا رہا اور دوست سے ہمیشہ محبت ہو گیا اور جب پتا چلا کہ وہ جذبہ جس کے بارے میں کیا کہا ہے..." دیکھیں کیا ہے کہا جا ہے پیچھے آ گے وہ بھی کچھ کی..."

☆☆☆

سوزوکی سے کر جب اسکول کے دروازے پر رکی۔ سوچا بخت میں اسکول والی بگ تھا پر بیلا اسٹر صاحب نے سچ کہا تھا کہ اگلے سال سے ہائی اسکول کا بھی آغاز ہو جائے گا۔

اترنے سے پہلے ارمل نے باپ کو ہاتھ ہلایا۔ ایک مسکراہٹ دی۔ ادھر بخت کے اترنے سے پہلے ارمل تیزی سے اتر کے اس کی مدد کی۔ پھر وہ بھاگ کر بخت آگے گیا۔ بیگ سنبھالا پھر سوال سے بخت کو بس میں سے بیگ سے ہٹایا۔

اس معذوری سے اس بات کے علاوہ وہ آج بے ایک بات تھی وہ یہ کہ آج سارا دن ارمل بیگ کی آنکھوں میں کھٹکتے ہوئے میں لیے بیٹھا رہا۔ دور سے عام طور پر بیگ سوٹ کو رسی سنبھال کر بیٹھتا۔ دھڑکتے دل کے ساتھ بیگ لیے وہ اسکول میں داخل ہوا۔ بیگ میں اس کی عزت اب گم ہو چکی تھی۔

ارمل گیٹ سے اندر داخل ہوا تو ایک طویل سانس بھرتے ہوئے انکار سے عیب پوشی۔ دل کی بات کی شہادت کی آنکھ دیکھ کر تو بخت محسوس کرتی رہی اور کوئی بخت سے چیز چھپانے پر وہ اس کا ہونا ہے اور کسی ہوتی تھی۔

گل بخت میں گورنمنٹ اسکول تھا۔ بلکہ آس پاس گاؤں کے بچے بھی تعلیم کے لیے گل بخت کے اس ایک اسکول پر انحصار کرتے۔ اسکول کے بچے معیاری تعلیم سے مطمئن ہوتے تھے مگر کئی دوسرا علم الحال بھی نہ تھا۔ ہاں بھی بھار یہ ضرور سوچتے کہ شہر گل ہو جائیں گے بیٹا بیٹا لیے بچوں کے سر پر بیٹھے اسکولی شرارتیں کریں اور محنت کا درس کی طرح۔۔۔ سب کچھ آسان تھا۔

اسکول کے گیٹ کے اندر بچوں کا شور آ رہا تھا۔ بچے ابھی تک شروع ہونے کے وقت تھا۔ اس لیے ساری دوڑ میں کم تر سے تعلیم گل گل رہے تھے۔ بچوں کی ہنسی خاکی رنگ سارے اسکول پر اتر رہا تھا۔ ارمل نے اندر کے ان کی طرف کی طرف دیکھا جن کے بارے میں ان سے اور بخت سے پہلے ہی آ گئے تھے اور بیگ رکھ کر ادھر سے کلاس میں آ گئے۔ بخت کے ساتھ بخت دعا کرتا تھا جس کا مطلب تھا کہ وہ اسکول آ گیا۔

کرانے کی جماعت میں جا کر بیگ رکھنے کے بعد وہ بوڑھے کے ساتھ کندھوں پر بیگ لیے کھڑا ہو گیا۔ اس وقت بخت بھی آ گیا۔

"آؤ بخت! دکھاؤ ہیں۔" بخت نے ہاتھ کا بیگ ارمل کے ساتھ لے جانا چاہا مگر ارمل منع کر رہا۔

"نہیں۔۔۔"

"کیوں؟" بخت رکا تو ارمل اسے دیکھ کر بے چینی میں بتانے لگا۔

"بخت میں بیگ ہے۔ ہم گل کر دیکھ پاس کے اور اس سے کھیلا کریں گے۔" پہلے تو گل بخت کی آنکھوں میں استعجاب ابھرا مگر پھر اس کی آنکھیں بھی ارمل کی طرح خوشی سے چمکنے لگیں۔

ارمل کی خوشی دیکھ کر بخت نے ہاتھ پکڑا۔ مگر بر جماعت کی طرف بڑھ گئی۔

''بستہ رکھ آتے ہیں۔ اسمبلی میں اٹھائے رکھا تو ماسٹر صاحب سزا دیں گے۔''

لہٰذا اسمبلی برخاست ہونے کے بعد بچے اپنے اپنے کرائے جماعت میں پہنچ گئے۔ بخت اور ارسل بس اتنا ہی صبر کر سکتے تھے۔

''مجھے دکھاؤ مینڈک۔'' کرائے جماعت میں ٹاٹ بچھے تھے۔ ارسل اور بخت ساتھ ساتھ بیٹھتے تھے۔ بخت مینڈک دیکھنے کی فرمائش نہ بھی کرتا تو ارسل اسے مینڈک دکھانے کا ارادہ کر چکا تھا۔

جوش سے دھڑکتے دل پر قابو پاتے ہوئے ارسل نے بیگ کھولا۔ بخت نے بیگ کے اندر جھانکا۔ ایک مینڈک جس کا دہانہ ہل رہا تھا، موجود تھا۔ اس سے قبل کہ لڑکے کوئی منصوبہ بندی کرتے' کرائے جماعت میں ماسٹر صاحب آگئے۔ تمام بچے احترام میں کھڑے ہوگئے۔ ارسل اور بخت دوسری قطار میں بیٹھے تھے انہیں بھی کھڑا ہونا پڑا۔ قبل اس کے کہ ارسل بیگ کی زپ بند کرتا مینڈک پھدکا اور بیگ سے باہر آگیا اور پھدکتا پھدکتا دیوار سے جالگا۔

''مینڈک' مینڈک.....'' جماعت میں ایک بچے نے دیکھا' دوسرے کو بتایا اور پوری کلاس میں شور گونج اٹھا۔

گاؤں کا ماحول تھا۔ بچوں کے لیے مینڈک کوئی نئی چیز نہ بھی مگر بچے تو بچے تھے ماسٹر صاحب نے بہ مشکل چپ کروایا۔

''کیا ہوا؟ گرمیوں میں مینڈک پھرتے رہتے ہیں۔ کتابیں نکالو۔ آج جس بچے نے تیسرا کلمہ نہیں سنایا تو وہ سارا وقت مرغا بن کر کھڑا رہے گا۔'' ماسٹر صاحب تنبیہ کر رہے تھے۔

اور ارسل یہ بھی نہ کہہ سکا کہ یہ میرا مینڈک ہے۔

اسکول کا وقت جیسے تیسے کٹا۔ تمام وقت ارسل مینڈک کے بارے میں سوچتا رہا اور چھٹی کے وقت تک مینڈک باقی جماعت کے لیے تو قصۂ پارینہ بن چکا تھا مگر ارسل کے لیے نہیں مگر افسوس کہ چھٹی کے وقت تک مینڈک غائب ہو چکا تھا۔ ارسل کا رنج نہ ختم ہونے والا تھا۔ بخت کی تسلیاں بھی اس کا غم نہ کم کر پا رہی تھیں۔

☆☆☆

بنیادی مرکزِ صحت۔ مثلِ بہشت۔

علاقے کی ویکسی نیشن کی ضروریات پوری کرنا' لوگوں کو صحت سے متعلق آگاہی دینا' نزلہ زکام' کھانسی جیسی چھوٹی موٹی بیماریوں کا علاج کرنا..... یہ وہ فرائض تھے جو بنیادی مرکزِ صحت مثلِ بہشت سر انجام دے رہا تھا۔

میڈیکل ٹیکنیشن' ویکسینیٹر اور ڈسپنسر تو تب سے خدمات پر مامور تھے جب سے مرکزِ صحت قائم کیا گیا تھا مگر ڈاکٹر کی سیٹ اکثر و بیشتر خالی رہتی۔ تا حال گاؤں کا کوئی... فرزند ڈاکٹر نہ بنا تھا۔ شہر کے ڈاکٹر ایسی جگہوں پر پوسٹنگ سے گھبراتے تھے اور اگر کسی بھولے بسرے ڈاکٹر کی پوسٹنگ ہو جاتی تو بھی وہ مرکز پر آنے کا تکلف نہ کرتا۔ کئی سال مرکز ڈاکٹر کے بغیر ہی چلتا رہا۔ اب ڈاکٹر عامر تعینات ہوئے تھے۔ جوان ڈاکٹر تھے۔ دل میں لوگوں کے لیے درد رکھتے تھے۔ اسی لیے تو جب انہیں یہاں تعینات کیا گیا تو ادھر چلے آئے اور اب مرکز کی چار دیواری میں موجود ڈاکٹر کے لیے قائم شدہ رہائش میں رہ رہے تھے۔

اور آج انتظار خاص طور پر ڈاکٹر صاحب سے ملنے آئے تھے۔ آفس میں میز کے اس پار ڈاکٹر عامر براجمان تھے، دوسری طرف انتظار اپنی شان سے بیٹھے تھے۔

''یہ ہمارے گاؤں کی خوش قسمتی ہے کہ آپ تشریف لائے۔ دو سال سے تو یہاں کوئی ڈاکٹر تعینات ہی نہ تھا اور اس سے قبل جو ڈاکٹر صاحب تھے وہ بھی چھ مہینے بعد ایک گھنٹے کے لیے تشریف لاتے۔'' دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پیوست کیے کہنیاں میز پر ٹکائے انتظار کہہ رہے تھے۔

''ملک صاحب! بات تو صرف احساس اور ذمے داری کی ہے۔ اور میں اپنے خدا کا شکر گزار ہوں کہ اس نے مجھے بے حس نہیں بنایا۔'' ڈاکٹر صاحب انتظار کے ہم عمر ہی تھے۔ شیریں لہجے میں بات کرتے وہ جیسے سامنے والے کو مسحور کر دیتے۔ ''ویسے بھی مجھے مثلِ بہشت بہت خوب صورت اور پیارا لگا۔''

''یہ تو ہے۔ اللہ نے ہمارے مثلِ بہشت کو تمام نعمتوں سے نوازا ہے۔''

''جی ملک صاحب' بجا فرماتے ہیں لیکن صحت اور تعلیم کی سہولیات ناکافی ہیں۔ یہاں مرکزِ صحت پر حکومت کی طرف سے دی جانے والی ادویات کم ہوتی ہیں۔ مریضوں کا ہم مکمل علاج نہیں کر پاتے۔ شعبۂ تعلیم کا مجھے مکمل علم تو نہیں' پر سنا ہے صرف ایک اسکول ہے جس میں... اس سال ہی ہائی کلاسز شروع ہوئی ہیں.....'' انتظار نے ڈاکٹر صاحب کی باتیں دھیان سے سنیں۔ دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی مونچھوں کی چبھن محسوس کرتی رہی۔ کچھ دیر سوچتے رہے پھر گویا ہوئے۔

"آپ ٹھیک فرماتے ہیں ڈاکٹر صاحب، حکومت اور محکمہ کی ہدایات تو ہمارے ملک کے کسی کاغذ میں ہی کہیں لکھی رہتی ہیں، ٹیکس اور ٹیچر اور آپ کے تحت ہم کام نہ کر سکے ہیں وہ تو کیا بار ہے۔" ڈاکٹر شاہ افتخار کو بے حد پسند آئے۔

اٹھنے سے پہلے خدمت گار کو اندر سے افتخار نے روکا اور وہ جیب سے سو روپے کی دو پتیاں لے آیا۔

"ڈاکٹر صاحب یہ آپ کے لیے۔ کسی بھی چیز کی ضرورت ہو تو مطلع کیجیے گا۔" افتخار نے ڈاکٹر صاحب کو کہا۔ پھر بھی رخصت لی۔ دلوں میں اگلی ملاقات کا عہد کیے اور افتخار آنکھوں میں اپنے بیٹے ارسل کے ڈاکٹر بننے کا خواب لیے مرکز صحت کا دورہ یاد کرتے ہوئے اس خوش کن ملاقات کو سوچتے آ رہے تھے۔ وہ اسے یاد کر رہے تھے کہ ایک مرد درزن جو اندر داخل ہو رہے تھے، سے مڈبھیڑ ہو گئی۔

وہ آج کل ملک افتخار چھ سال پہلے تک اسی قوم کو گھر لیا کر اس کی خدمات حاصل کرتے گھر گھر ٹیوشن سے ان کام کو گھر بلا کر ترک کر دیا۔ اب بھی گھر آتی تھیں اور وہ خاتون سلام صاحب پر آتی تھیں۔ چادر سے چہرہ چھپائے ان کی آنکھیں نظر آ رہی تھیں۔ اپنے بچوں کی تعلیم اور مرکز صحت کے لیے کام کر رہی تھیں۔

"سلام ملک صاحب!" اس خاتون نے جھک کے سلام کیا۔ افتخار کا دل بھی ایسا دھڑکا کہ آواز تک نہ سنائی دی۔ سلام کا جواب دیے بغیر وہ اندر داخل ہو گئے۔

"چلو..... جیب میں ڈال لو۔" افتخار نے کہا۔ آواز میں تھوڑی سی لرزش بھی جوانی کی جھجک پر اگلا ذہن تھی۔

جیب کے رد نوٹ رواں دواں کی۔ گاڑی کے پیچھے سے باہر جھانکتے افتخار کے کانوں میں ایک نسوانی آواز گونجی۔ وہ آواز جو بار بار گونج رہی تھی۔

"عورت بھی ہے اگر مجھے مرد دوسری شادی کر لے تو اور مرد بھی اگر سکتا ہے عورت کیا کرنا چاہیے؟"

☆☆☆

سردی کی گرم ہوا چل رہی تھی۔ گرد باد کے جھکڑ تھے۔ گزشتہ موسم میں جس شدت کی گرمی گزر رہی تھی جب رمضان کا مہینا شروع ہوا۔ گرمی کے روزے کی فضیلت کا کوئی حساب نہیں مگر کئی لوگ اس فضیلت سے محروم ہو رہے تھے۔ گرمی اور کام کا عذر کر کے روزے سے بچ رہے تھے۔

آج کی افطاری پر افتخار نے ڈاکٹر صاحب اور ارسل کے اسکول ٹیچر کو مدعو کیا تھا۔ دونوں حضرات آ گئے۔ افتخار کی

کی گاڑی ہی گھر پہ چھوڑ جاتے تھے۔ مجھی صندرانہ گزر کرنے سے متعلق کئی احتمالات رہے۔ آج کل ارسل چڑچڑا ہو رہا تھا۔ وہ اسکول میں دن پہلے ارسل کو صبح کی سارا دن گھنٹے کی وجہ سے بخار ہو گیا تھا۔ افتخار تو بے حد پریشان ہو گئے۔ ڈاکٹر صاحب سے ہی دوا لی گئی۔ اب افتخار نے ٹھہرا ہے کہ کچھ دن بلا وقت کوئی نہ لے کر آئے۔

اسی وجہ سے ارسل کی طبیعت پر تنہائی چڑچڑا پن نے جا ضد اور چڑ چڑے پن کی صورت میں ظاہر ہو رہی تھی۔ اب بھی وہ منہ پھلائے کسی بات پر افتخار سے ناراض بیٹھا تھا۔ افتخار نے پیچھے مڑ کر دیکھ لیا۔

"شہزادے کے انداز بدل گئے ہیں۔ ہر وقت اپنے ابو سے ناراض رہتا ہے۔" افتخار مسکرا کر گویا ہوئے۔ ارسل منہ پھلائے بیٹھا رہا۔ بیٹے کے گال پہ چپت لگاتے ہوئے افتخار گویا ہوئے۔

"ارسل! آج میں نے ڈاکٹر صاحب کو افطاری پہ بلایا ہے اور ان سے ملنے بیٹھے ہو گے تم نے آن ہی جانا ہے۔" وہ تم کو سمجھ کی بات سمجھا رہے تھے۔

"میں ان سے ملتے ہی کہوں گا کہ آپ میری بات مانیں کہ یہ ارسل کے ہاتھ سے کچھ نہیں کھانے کا ارادہ ہے گیا۔"

"بالکل کہ دینا۔"

"ٹھیک ہے میں بھی وقت کی بات بتاؤں گا۔" افتخار ہنس دیے۔

"میرے بیٹے! میں نے تم ارسل کو تم جتنے کے بعد تمہارے دوست کے گھر جا کر بھی گئے ان کے لیے میری پیار کر کے بچے ہوئے انھوں نے تو؟" افتخار ارسل کو پیار سے کہنے لگے۔

"ابو آپ....." ارسل منہ پھلائے ضد کرنے لگا اور افتخار طویل سانس بھر کر رہ گئے۔ بچوں کو سمجھانا آسان نہیں ہوتا۔

شام کو افطاری کے وقت استاد صاحب وقت سے پہلے تشریف لے آئے۔ ارجمن استاد ان کے چہیتے تھے۔ بی اے کرنے کے بعد وہ ان کے اسکول میں استاد متعین ہوئے تھے۔

"ارسل کیسا ہے پڑھائی میں؟" افتخار نے پوچھا تو استاد صاحب شش و پنج میں پڑ گئے کہ کیا کہیں۔

"ملک صاحب! ارسل آپ کا اکلوتا بچہ ہے، بیٹا ہے۔ آپ کو اس سے بہت محبت ہوگی۔ مگر وہ اسکول کا طالب علم ہے مگر....." استاد رک گئے اور افتخار متفکر ہو گئے۔

"آپ بتائیں کیا کیا جائے کہ اس کی توجہ

پڑھائی کی طرف ہو جاتی ہے۔ شام والے ٹیوٹر سے تو میں مکمل طور پر مطمئن نہیں مگر اور کوئی ٹیوٹر میسر بھی نہیں۔ آپ بھی شام کو نہیں پڑھانا چاہتے۔ میں خود بھی اس کو پڑھانے کی کوشش کرتا ہوں۔ ایک ملازم کے بیٹے کو دوست بنایا ہوا ہے' بلند بخت...... اگر آپ کہیں تو اس کے ساتھ کھیلنا کودنا ختم کر دیتے ہیں۔ پچھلے دنوں سے یوں بھی میں نے بخت کو حویلی آنے سے منع کیا ہوا ہے۔"

"بخت تو بڑا پیارا بچہ ہے۔ پڑھائی میں بھی اچھا ہے۔ اس کی دوستی میں ارسل اچھا پڑھ پائے گا۔ آپ ارسل کو دل سے پڑھنے پر راغب کریں۔" اس موضوع پر مزید باتیں ہوتیں پر ڈاکٹر صاحب تشریف لے آئے اور موضوع سخن بدلا۔

"ڈاکٹر صاحب! میرا ارسل بھی مستقبل کا ڈاکٹر ہے۔" ارسل نہ بلسوتا آم کھاتا رہا۔

"انشاء اللہ ضرور۔ میں بھی اپنی بیٹی کو ڈاکٹر بنانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔" ڈاکٹر عامر مسکراتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

یہاں انسان اپنے مستقبل کے ارادے اور خواہشات کا تذکرہ کر رہے تھے۔ اس بات سے بے خبر کہ کاتب تقدیر قسمت میں کیا لکھ چکا ہے۔

☆☆☆

عید کی نماز سے پہلے نماز کے دوران اور نماز کے بعد ارسل نظریں دوڑا دوڑا کر عید گاہ میں بخت کو ڈھونڈتا رہا مگر وہ اسے نظر نہ آیا۔ مایوسی اس کے چہرے سے عیاں ہونے لگی۔ زرق زرق لٹھے کا سوٹ جس کے گلے پر موجود کڑھائی دل فریب تھی۔ سر پر موتیوں سے سجی ٹوپی اور وہ اپنے اندر اتنا صبر بھی نہ پاتا تھا کہ خطبے کے اختتام تک بیٹھ سکے۔

بالآخر خطبۂ عید اختتام کو پہنچا۔ دعا کے بعد امام صاحب نے لوگوں کو عید اور روزوں کی مبارکباد پیش کی۔

سفید کڑکڑاتے سوٹ کے دامن کو جھٹکا دیتے انتظار کھڑے ہو گئے۔ صفدر آگے بڑھا اور ریشم کے دھاگوں سے بنی جائے نماز کو لپیٹنے لگا۔

دوستوں اور معززین سے گلے ملنے کے بعد انتظار جیپ میں آن بیٹھے۔

انتظار نے سر کی پشت سیٹ سے لگا کر آنکھیں موند لیں۔ ایک بے کلی جو چاند نظر آنے کی اطلاع سے لے کر اب تک ان پر چھائی تھی' کم نہ ہوتی تھی۔

رباب اور انہوں نے بھی تو وعدہ کیا تھا کہ ایک دوسرے کا ساتھ کبھی نہ چھوڑیں گے اور جب تک سانس ہے، عیدیں اکٹھی گزاریں گے مگر اس وقت مسکراتے ہوئے پختہ یقین کے ساتھ عہد کرنے والی خاتون وفا نہ کر سکی۔ حالانکہ انہوں نے رباب کو زندگی کی ہر خوشی دینے کی کوشش کی تھی حتیٰ کہ اولاد کے حوالے سے بھی وہ یتیم خانے سے ارسل کی صورت میں خوشی اٹھا لائے مگر اسے تو اپنی اولاد چاہیے تھی۔

"ابو! بخت کے پاس جانا ہے۔" ارسل کی آواز انہیں ماضی کی یادوں سے حال میں لے آئی۔

"جی شہزادے! حویلی سے تمہارے دوست کا تحفہ اٹھا لیں۔"

حویلی پہنچ کر انتظار نے فطرانہ ادا کیا۔ ارسل اس دوران بھی جلدی کا شور مچاتا رہا۔ آم کی پیٹیاں' سوئیوں کا تھال' بادام' کشمش' چینی کی تھیلیاں' ان سلے دو جوڑے، جوتے اور نقد رقم لے کر وہ بخت کے گھر گئے۔

دستک کے جواب میں چہرہ اہا خود دروازے پر آیا۔ میلا کرتہ اور ان سے زیادہ میلی دھوتی کئی دنوں سے زیب تن کی ہوئی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ بھول گیا ہے کہ آج عید ہے۔

"صاحب ہمارے دروازے پر؟" عبدالباسط نے ہاتھ جوڑ دیے۔

"باسط! ہمارا بیٹا اپنے دوست کو عیدی دینے آیا ہے۔" مالک کو اپنے دروازے پر دیکھ کر عبدالباسط کے جسم پر لرزش طاری ہونے لگی۔

"آپ کو بٹھانے کے لیے ہمارے پاس شایانِ شان جگہ بھی نہیں۔"

"نہ باسط! تم پروہ کروالو جیسی بھی جگہ ہے ہم بیٹھ جائیں گے۔ ٹھیک ہے شہزادے؟" انتظار نے ارسل کی رائے لی۔ مسکراتے ہوئے اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"پروہ کیسا صاحب! آپ کے اپنے بچے ہیں۔" عبدالباسط انہیں اندر لے آیا۔

عبدالباسط کی بیٹیاں اور بیوی دوپٹے ٹھیک کرنے لگیں اور بخت پیڑ کے سائے میں بیٹھا دیگچی کے پیندے سے لگی سوئیاں اکھاڑ اکھاڑ کر کھا رہا تھا۔ عید کے نام پر ان کے گھر میں بھی سوئیوں کی عیاشی میسر ہوئی تھی۔

ارسل کو دیکھ کر جیسے دل کی کلی کھل گئی۔ کتنے دن ہو گئے تھے ارسل سے ملے ہوئے۔

"تم تیار نہیں ہوئے۔ آج عید ہے۔" یہ ارسل کا پہلا سوال تھا۔

"ابو کہتے ہیں غریب عید نہیں مناتے۔" یہ بخت کا

جواب تھا:

"تمہارا گھر تو بہت کشادہ ہے۔" انزلہ نے کہا۔ یہاں بھی تھا جیسے اس کی ذی شان حویلی کا گھر ہے۔ بخت بھی اپنے گھر میں رہتا ہوگا۔

بخت کوئی جواب دیے بنا انزلہ کے ساتھ چلتی بات جیسے اس کے دل میں گڑ سی گئی۔

"شکریہ! اپنے دوست کو بھی دکھاؤ۔" انزلہ وہ یہاں میں مگن ہو گئے۔

خدمت گار وہاں سے آگے بڑھ کر میز پر ان کا سامان آگے رکھا۔

آم کی ٹوکریاں، سوغاتوں کا تحفہ لا کر ... مشغول مچھلی کی تھیلیاں ان کے ... آموں سے لدے ہوئے تھے۔ سامان دیکھ کر بخت ان کو دیکھ کر مسکرانے لگیں۔

"مجھے انکل نے بتایا تھا کہ اسلام کو ہم نے بچے کا عید کا جوڑا بھی سلوایا ہوگا۔ بہت ہم عید سے پہلے عیدی دے دیں۔" انزلہ کو انہی کی طرف دھیان تھی کیا شاید وہ مسکرا رہی ہے۔

"صاحب کی مہربانی ہے آپ تشریف لائے۔" مہر النساء ہاتھ باندھے شکریہ ادا کر رہا تھا۔ اس کی زوجہ بھی پاس ہی کھڑی ہوئی۔

"ارے بابا! شرمندہ نہ کرو۔" انزلہ کا اشارہ مہر النساء کے چہرے پر آنسوؤں کی طرف تھا۔

وہ انکل اس کی آنکھوں کا مشاہدہ کر رہا تھا جس کے چہرے سے کئی سوال بخت ابھر ابھر کر کہا رہا تھا۔ انکل نے آؤ تم شاہ بخت کی ایک بھی انگلی بھی ہوئی ہے میں کھانے تک رہو ہوں۔

"شام کو بچے گھر لی آنا۔ میرے انکل کا دل ہے۔" انزلہ مہر النساء کو ہدایت دے رہی تھی۔

☆☆☆

بنیادی مرکز کے جس کوارٹر میں ڈاکٹر عامر رہائش پذیر تھے وہاں آگئی۔ وقت گزار کر نکل گئے اور انھوں نے کہ دیا ڈاکٹر صاحب کے پاس موجود شناخت اور بھی سامان لے گئے۔ پھر جب انزلہ تک پہنچا تو ان کے دل سے دوبارہ بات بھی ابھری کہ پھر کیا ہو۔

تمام ضروری کام نمٹا کر گھر آ ہوئے انھوں نے ڈاکٹر عامر کو رخصت کرنے کی اجازت مانگ لی وہ ایسے ... اپنے ساتھی کچھ دیر وہاں رہی کی ... ڈاکٹر صاحب کی ... کا سامان

پیک کر چکے تھے۔

انزلہ فیصلہ نہ کر پائے کہ بات کا آغاز کہاں سے کریں۔ ان کی مشکل ڈاکٹر صاحب نے حل کر دی۔

"ملک صاحب! اللہ نے شکل کشت کے لوگوں کو بڑا مہمان نواز پیدا کیا ہے۔" ڈاکٹر عامر کے چہرے پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ڈاکٹر صاحب! ہاں مت کہیے۔ آپ تو یہاں کے لوگوں کے لیے محنت کر رہے ہیں۔"

"ملک صاحب! اگر ایسا ہوتا تو زندگی کو ایک نئی رخ پر لے جاتا۔ مگر اب بھی یہ جو ذرا بیماری کی گنتی میں مجھے یہاں لائی گئی مگر یہ سوچ بھی تھی کہ گاؤں کے لوگوں کی خدمت کروں گا۔ مگر یہاں کے لوگ مجھے بھگا رہے ہیں۔"

انزلہ چار کر بھی کوئی انکل نہ دے پائے۔ "جہاں اچھے لوگ ہوتے ہیں وہاں برے لوگوں کی بھی کمی نہیں ہوتی۔ آپ یوں ہمیں چھوڑ کر نہ جائیں۔ گاؤں کو آپ کی ضرورت ہے۔" انزلہ دل سے چاہتے تھے کہ ڈاکٹر صاحب یہیں رہ جائیں۔

"ملک صاحب! آپ سب کا بہت احترام ہے۔ اس کا میں دل سے شکر گزار ہوں۔ میں یہاں اپنی لیب چھوڑ کر آیا تھا۔ میں یہاں آ کر رات گزار رہا تھا کہ لوگ جو کچھ کرتے ہیں میرا جینا محال ہو گیا ہے۔ میری بھلی نیکی کا کیا ہوا۔" ڈاکٹر عامر کے دل میں جو ملال تھا، کوئی بھی ہو، اپنے بس میں تھا۔

"اب مت کہیں ڈاکٹر صاحب! ہمارا سب کچھ انہی کا ہے۔ ... تمام لوگ ہیں جو شرمندہ ہیں۔ آپ کو اس بات کا واقف ہے کہ آپ کے ساتھ کیا زیادتی کی گئی ہے۔ میں ان لوگوں کو آپ کے سامنے لا کر کھڑا کروں گا اور آپ کے نقصان کا کوڑی کوڑی وصول کریں گے ان سے۔"

ڈاکٹر عامر انزلہ کو دیکھتے رہے۔ چہرے پر موجود مسکراہٹ اب غائب ہو چکی تھی۔

"نہیں ملک صاحب! میری طرف سے معذرت قبول کیجیے۔ میں مزید یہاں نہیں ٹھہر سکتا اور نہ ہی ان لوگوں کے بیچ رہنا چاہتا ہوں۔"

انزلہ اپنے نئے دوست کو ایک نظر دیکھتے رہ گئے۔ ڈاکٹر عامر اگلے دن شام شکل کشت کو چھوڑنے کے لیے تیار ہو کر پہنچ گئے۔

☆☆☆

بخت کو ... کام ... اپنا کام جانفشانی سے

کررہا تھا۔ وہ بچے جن کی بچپن کی اداؤں پر ہونٹ مسکرا اٹھتے تھے اب ہائی اسکول کے طالب علم تھے۔ ارسل پڑھائی میں درمیانے درجے کا طالب علم تھا اور بخت... کلاس کے پوزیشن ہولڈر میں سے تھا۔

بچپن میں آنکھ مچولی کھیلنے والے اب کرکٹ کھیلتے تھے۔ یہ بڑے گراؤنڈ میں اتنی بڑی شاٹ لگاتے کہ نگاہیں بال کا تعاقب نہ کر پاتیں۔ گرمی، سردی، خزاں اور بہار۔ موسم کے موسم گزرتے جاتے ہیں اور احساس تب ہوتا ہے جب وقت گزر چکا ہوتا ہے۔

چرواہا عبدالباسط اب کافی بوڑھا ہو گیا تھا۔ بکریوں اور بھیڑوں کے ریوڑ کی بھیڑ بکریاں بدلتی رہتیں۔ ارسل اور بخت کو اب چرواہے کے ساتھ جانے میں دلچسپی محسوس نہ ہوتی۔ وہ اب خود ہی سارا گاؤں گھومتے۔ بغیر روک ٹوک کے کبھی بائیک پر تو کبھی پیدل۔ ارسل تھوڑی بہت جیپ بھی چلا لیتا مگر انتظار اسے ابھی جیپ چلانے کی اجازت نہ دیتے تھے۔

اور آنے والی گرمیاں بخت کے لیے ایک اور آزمائش بھی لائیں۔ گندم کی کٹائی کا موسم تھا۔ چرواہے کو دمے کا اٹیک کچھ زیادہ شدت سے ہوا تھا۔

”یار عبدالباسط... تو اسپتال کا چکر لگا آ۔ میں اپنی بکریوں کے ساتھ تیری بکریوں کا بھی خیال رکھوں گا۔“ دوسرے چرواہے نے اسے مرکز صحت جانے کا مشورہ دیا۔

وہ چرواہے کا شکریہ ادا کرتے ہوئے مرکز صحت کی طرف روانہ ہو گیا۔ مرکز صحت میں اسے جو دوا اور ٹیکے لگتے، وہ اکثر و بیشتر بہتر محسوس کرتا۔ سانس لینے میں دشواری کم ہو جاتی۔

راستے میں تمام کھیتوں میں کٹائی جاری تھی۔ فضا میں نہ نظر آنے والی سبوس کے ذرے اڑ رہے تھے۔ مرکز صحت سے کچھ فاصلے پر عبدالباسط بیٹھ گیا۔

چلنا اب بس میں نہ رہا تھا۔ سانس سے سیٹیوں کی آواز گونجتی تھی اور وہ جو سوچ رہا تھا کہ بیٹھنے سے سانس متوازن کر پائے گا۔ کس قدر غلط سوچتا تھا۔ سبوس کے ذرے سانس کی نالیوں کا راستہ مزید تنگ کر گئے اور سانس لینا ناممکن ہو گیا۔ ہاتھ پاؤں نیلے ہونے لگے اور سانس رکنے لگا۔ بے یار و مددگار چرواہا ایک کھلے میدان میں اپنی حالتِ زار پر خدا سے مدد مانگنے لگا اور خدا کی مدد آئی۔ جسم سے جان نکلنا آسان ہوتی گئی۔

☆☆☆

باپ وہ گھنا پیڑ ہے جس کے سائے میں بیٹھ کر آپ بے فکر ہو جاتے ہیں۔ عبدالباسط کے یوں چلے جانے سے بخت پر غم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے۔ گو کہ عبدالباسط نے کوئی آسودہ حال زندگی مہیا نہیں کی تھی پر اپنی بساط کے مطابق جو اس سے ممکن تھا مہیا کیا تھا۔

اور بخت چھ بہنوں کا اکلوتا سب سے چھوٹا بھائی۔ گو کہ اس کی زندگی کے اخراجات انتظار نے اپنے ذمے لے رکھے تھے اور یہ رقم اس قدر چپکے سے دائیں ہاتھ سے دیتے کہ بائیں ہاتھ کو خبر بھی نہ ہوتی مگر باپ تو باپ تھا۔

رات پہر کے پہر گزرتی جا رہی تھی اور بخت کی آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی۔ اس نے لیٹے لیٹے ہی منہ موڑ کر بائیں سمت بچھی چارپائیوں کی طرف دیکھا۔

پہلی چارپائی پر ماں لیٹی تھی۔ اگلی تین چارپائیوں پر اس کی بہنیں دو دو کر کے لیٹی تھیں۔ بڑی بہن تیس سال کی ہونے والی تھی اور سب سے چھوٹی اٹھارہ کی۔ سبھی بہنیں شادی کی عمر کو پہنچ چکی تھیں اور تاحال قسمت کے دروازے بند تھے۔

”ابو! آپ اتنی جلدی کیوں چلے گئے۔ میں تو پڑھنا چاہتا تھا۔ یہ ذمے داریاں کیونکر اٹھا پاؤں گا۔ ابو ابو......“ کروٹ بدلی تو آنکھوں میں اٹکے آنسو بہہ نکلے اور رخساروں کو گیلا کر گئے۔

رخسار جن پر ہلکی ہلکی سی داڑھی آنا شروع ہو گئی تھی۔ مگر اللہ مسبب الاسباب ہے۔

دوست کی پریشانیاں ارسل سے کہاں چھپی تھیں اور ارسل ان باتوں کا ذکر انتظار سے نہ کرے یہ ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ آخر انتظار ہی تو پریشانیوں کا حل ڈھونڈتے تھے۔

گزرتے سالوں میں انتظار بخت کے لیے بطور ارسل کے دوست بہت زیادہ نہ سہی مگر نرم گوشہ محسوس کرتے لگے تھے کہ بخت کی دوستی ارسل کو سنوارتی ہے بگاڑتی نہیں۔ کلاس کا پوزیشن ہولڈر کلاس کے متوسط درجے کے طالب علم کا دوست ہو تو متوسط طالب علم کا باپ یونہی سوچتا ہے۔ ارسل نے انتظار سے ذکر کیا اور والد صاحب نے اپنے ملازمین ’مزارعوں اور خدمت گاروں سے جن کے جوان سال بیٹے تھے اور مزدوری سے جی نہ چراتے تھے‘ ان سے ذکر کیا۔

اور ملک انتظار حسین اگر ذکر کر رہے ہیں اور ایسی خواہش رکھتے ہیں تو کوئی کم بخت ہی ہو گا جو انکار کا سوچے۔ نتیجتاً ایک سال کے اندر سبھی بہنوں کی شادی ہو گئی اور وہ اپنے گھروں میں خوشحال رہنے لگیں۔

بڑی ان کا اسکول کا آخری سال تھا اور انتظار تو اکثر
کہتے تھے کہ وہ اسکول کے بعد کالج کے لیے باہر جائے گا۔
پھر انہیں لگے گا وہ بھی ساتھ جا سکیں گے۔ یہاں پورے شہر میں
ان کی اپنی زبان گونج گئی ہے۔ وہ ماں بچے ارحل کے ساتھ
جب بھی ارحل پڑھتا۔
لیکن اچانک ایسی بات ہو گئی کہ انتظار وحشت زدہ
رہ گئے۔
ایک دن گھر جاتے ہوئے اپنا کتاب اٹھانے آیا کہ
دیکھا دروازے والے انتظار کی جگہ ایک اجنبی انتظار سے کی
جڑ بیٹھی تھی۔ چہرے پر جیسے خوف چھپا
تھا۔ جیسے اپنا خوف چھپانا چاہتے ہوں اور انتظار یہ کہتے
ہوئے ٹھہر گئے۔ "ارحل! ہم شہر جا رہے ہیں۔"
"مگر کیا کام ہے ابو؟"
"تمہیں پڑھانے کے لیے۔"
ارحل اونچی سے انتظار کو دیکھنے لگا۔ "مگر ابو میری
بہ ماں..."
"شہر میں ہو جائے گی۔ وہاں بڑے اچھے ادارے
ہیں۔" یہ انتظار تھے۔ ارحل کہتے کہتے رک گیا۔
"ابو اور ان کے احسانات ہم بھول جائیں گے۔ جیسا
کہتے ہیں۔" انتظار نے کہا، کم وقت ہوتا تھا۔
"ہم ابھی جا رہے ہیں۔ ضروری سامان پیک کر لو
اور سورج نکلنے سے پہلے ہم نکل جائیں گے۔" انتظار کا
انداز فیصلہ کن تھا اور ارحل کچھ بھی نہ کہہ سکا اور
جب انتظار گھر کا دروازہ پار کر کے جا رہے تھے تب
دروازے سے نکلتے ہوئے ارحل کی آواز انتظار کے کانوں میں
گونجی۔
"ابو! کیا نگہت بھی ہمارے ساتھ جائے گی؟"

☆☆☆

ادھر وہ باپ بیٹا شہر کی مشکل گزار رہا ہے کر کے شہر
آنے کے بعد بیٹے کے لیے داخلہ کروانا آسان تو نہ تھا۔
پرکھوں کی جائیداد زمینوں کے مربعے تھے انتظار وارث
تھے اور بیٹے کی تعلیم کا خرچ اٹھا سکتے تھے۔
انتظار بیٹے کے دو دن بھی مشکل گزارتے۔
زمینوں کا حساب کتاب دیکھتے اور دیگر ضروری معاملات
طے کرتے۔ ارحل اگر ساتھ جانے کی فرمائش کرتے تو منع
کر دیتے اور ارحل کبھی نہ جا سکا۔
نگہت کی باری آئی تو ارحل نے فرمائش کی کہ نگہت
بھی ساتھ چلے۔ انتظار نے فرمائش پوری کرنے کی ٹھان لی۔

تو وہ نگہت کی والدہ کے ساتھ بات کر کے اور پھر نگہت ان
گھر سے نگہت ارحل اور انتظار کے ساتھ شہر آ گئی۔
ارحل کا دوست نگہت۔ گاؤں والوں میں تو مشہور تھا
کہ ارحل کا خدمت گار ملازم ہے۔ چونکہ نگہت کے ساتھ
رہنے کے لیے انتظار رقم دیا کرتے تھے۔ ایک بار تو
نگہت کے کانوں میں پڑا۔ وہ کہنے والے سے لڑ پڑا۔
"میں ملازم نہیں ہوں۔ میں ارحل کا دوست ہوں۔"
"تو کیا تم دوستی نبھانے کے پیچھے لگے ہو؟" کہنے
والے کے جواب نے نگہت کو لاجواب کر دیا اور وہ حقیقت
جس سے نگہت آنکھ چراتا تھا، ایک بار پھر اس کے
سامنے منہ پھاڑے آن کھڑی ہوئی۔
خدمت گار، ملازم...
میٹرک کے امتحانات کے بعد انتظار نے ارحل کو کالج
میں داخل کروا دیا شہر کے سب سے اچھے کالج میں۔ اب
وہ دونوں پری میڈیکل کے طالب علم تھے اور ارحل کے
ڈاکٹر بننے کا خواب جو انتظار نے آنکھوں میں سجایا تھا، پورا
ہو رہا تھا۔
کالج میں بہت سے رنگ اور کردار الگ الگ تھے مگر
ایک رنگ کی چمک کے آگے سب کی روشنی ماند تھی۔
اور اسی رنگ کا نام ارحل نے "...." رکھا۔

☆☆☆

وہ بے نازک اندام سی لڑکی تھی۔ بہت گوری تو نہیں تھی
پر رنگت میں ایک جاذبیت تھی۔ ستواں ناک اور چمکتی
پیشانی۔ بال لمبے تھے جو ہر وقت بھی لپیٹے رہتے۔ بالوں کو
...
کچھ لٹیں بالوں میں الجھی ہوئی تھیں۔ موٹی آنکھوں
...
...
...
...
یہ ایک روشن دن تھا۔ مختلف رنگوں کے پھول ...
گھر سے ... کے درمیان ... سر پر
... چڑھ جائے ... شان ... سے ... پھولوں کی
شہزادی لگتی تھی۔ اور چونکہ شہزادی کی پشت تھی ارحل چہرہ
نہ دیکھ پایا۔ اور چہرہ دیکھنے کے تجسس میں ارحل ...
شہزادی کے پاس آیا۔ پاس آ کر ارحل نے دیکھا کہ
شہزادی کے ... بال ... میں ...
... بالوں میں الجھی تھیں۔

یہ شہزادی جویریہ تھی جس کے چہرے پر مسکراہٹ سجی تھی۔ مسکراہٹ میں اپنایت اور انسیت تھی مگر ایک تیسری چیز بھی تھی جسے ارسل کوئی نام نہ دے پایا۔

فسوں کا عالم تھا...... تم ہو...... اور میں ہوں۔ ارسل آگے بڑھا اور پھولوں میں سے اودے پھول چننے لگا۔

''مجھے سرخ پھول پسند ہیں۔'' جویریہ کی مترنم آواز ارسل کے کانوں سے ٹکرائی تو اس کے ہاتھ تھم گئے۔

سرخ پھول محبت کی علامت ہوتے ہیں۔ تو کیا مسکراہٹ میں تیسری چیز محبت تھی؟ ارسل کا دل بڑے زور سے دھڑکا اور جب آنکھ کھلی تو ارسل اپنی خواب گاہ کی مسہری پر لیٹا تھا۔ یہ خواب کیسا تھا؟

ملحقہ واش روم میں جا کر ارسل واش بیسن کے سامنے کھڑا ہو گیا اور بیسن کے اوپر لگے آئینے میں اپنا عکس دیکھنے لگا۔ چند لمحوں بعد آئینے میں عکس کی جگہ ایک منظر ابھرا۔ کچھ دیر پہلے والا خواب ایک بار پھر آئینے میں نظر آنے لگا۔ ارسل نے گھبرا کر نل کھول لیا اور منہ پر چھینٹے مارنے لگا اور بخت سے زندگی کی ہر بات شیئر کرنے والا' ہر موقع پر اس کی مشاورت لینے والے ارسل نے بخت سے بھی اس خواب کا تذکرہ نہ کیا۔

کالج میں سارا دن بائیولوجی کی کلاس کا انتظار کرتا رہا اور جب بائیولوجی کی کلاس کا وقت آیا تو وہ جان بوجھ کر کلاس میں لیٹ گیا تاکہ آخری نشستوں پر بیٹھ سکے۔ بخت اگلی نشست پر بیٹھا تھا اور جب وہ کلاس میں داخل ہوا تو ابرو کے اشارے سے اس سے لیٹ آنے کی وجہ پوچھی۔

ارسل نظر انداز کرتا ہوا پچھلی نشست پر آن بیٹھا۔

کلاس میں ارسل لڑکوں کی قطار سے آخری لڑکا اور جویریہ لڑکیوں کی قطار سے آخری لڑکی تھی۔

''ایکسکیوزمی! آپ کے پاس ایکسٹرا پین ہوگا؟ میرا پین رک گیا ہے۔''

ارسل پلکیں جھپک کر رہ گیا۔ جویریہ اس سے ہی مخاطب تھی۔

فوراً اپنا پین جویریہ کو دے دیا اور وہ پھر سے لیکچر کی طرف متوجہ ہو گئی اور یہ پہلی گفتگو تھی جو ان دونوں کے درمیان ہوئی تھی۔

اور پھر یہ سلسلہ بڑھنے لگا۔ اگلے دن جویریہ نے ارسل کو پین واپس کیا تھا۔

''تھینک یو۔'' وہ پین واپس لوٹا رہی تھی۔

''نہیں، آپ رکھ لیں۔ میرے پاس ہے۔'' ارسل نے ہاتھ میں دبے نئے پین کی طرف اشارہ کیا۔

اور جویریہ کے ہونٹوں کی مسکراہٹ میں آنکھوں نے بھی حصہ ڈالا اور اس نے پین رکھ لیا۔

☆☆☆

بخت اب ارسل کی وجہ سے شہر آن بسا تھا۔ اور شہر کی روشنیاں اسے ایسی راس آئیں کہ اسے شہر کے رنگ میں رنگنے میں زیادہ وقت نہ لگا تھا۔

ارسل نے کبھی بخت سے فرق نہ رکھا تھا۔ بچپن گزر گیا۔ جوانی بانہیں پھیلائے سینہ تانے خود میں ضم کرنے کے لیے سامنے کھڑی تھی۔ تب بھی بلند بخت اس کا جگری دوست تھا۔

کالج میں داخلے کے وقت انتظار نے کہا تھا۔

''اب کیا ضرورت ہے کہ بخت آگے پڑھے۔ تمہارا اور تمہاری ضرورتوں کا خیال رکھے۔'' انتظار زمیندار تھے، پیسوں کے عوض خدمت خریدتے تھے۔ ان کی سوچ اپنے حساب سے ٹھیک تھی۔

''ابو! میں نے اسے دوست نہیں بھائی بنایا ہے۔ جو میرے لیے، وہ بخت کے لیے۔''

جواباً انتظار نے اسے زمانے کی اونچ نیچ سمجھائی۔ زندگی گزارنے کے اصول بتائے۔

''ملازموں کے ساتھ بیٹھا بھی جائے تب بھی انہیں یہ باور کروانا چاہیے کہ وہ ملازم ہی ہیں۔'' حسب توقع ارسل نے اختلاف کیا۔

''ابو! وہ میرا ملازم نہیں ہے۔'' انتظار طویل سانس بھر کر رہ گئے۔ ارسل ان کے قد کے برابر آ گیا تھا اور جوان بیٹے کو سمجھانا آسان نہیں تھا۔ وہ تو اس وقت بھی ارسل کو نہ سمجھا پاتے تھے جب وہ بچہ تھا۔

''جو تم کہو گے سب ویسا ہوگا مگر تم یہ یاد رکھو وہ ملازم ہے۔'' سنجیدگی انتظار کے لفظوں میں لپٹی تھی۔ مزید کچھ کہنے کے بجائے ارسل نے خاموش رہنا بہتر سمجھا۔

مگر تنہائی میں بخت سے انہوں نے دوٹوک بات کی۔

''بلند بخت!'' بخت ان کے ہمراہ جیپ میں شکر بہشت جا رہا تھا۔

''جی ملک صاحب!'' انتظار کے کہنے پر ہی وہ انہیں ملک صاحب بلاتا تھا۔

''میرے ارسل کا اچھی طرح خیال رکھا کرو۔''

''جی!'' ایک بدھم سی جی سنائی دی۔

''ایک چرواہے کا بیٹا شہر کے سب سے اچھے اور مہنگے

کالج میں پڑھ رہا ہے تو اس کی وجہ ہے کہ میرا دل ایسا چاہتا ہے۔ اگر تم اس کا خیال نہیں رکھو گے تو احسان کا بدلہ کیسے اتارو گے؟" پہلے افتخار ایسی باتیں نہیں کرتے تھے مگر اب اکثر ہی تقاضا کرنے والی باتیں کرنے لگے تھے۔ کیونکہ چوہدری کا بیٹا زمیندار کے بیٹے سے آگے تھا۔ شہر میں آ کر بھی ایسا گھل مل گیا کہ شہری بابو لگتا۔ صابری کہ بہ شیخ میں انگلی جالی اس پر آ گئی کہ گاؤں میں ایک لگا اور ان کا دل بھی چاہتی میں ڈرامائے ڈر سے چھوٹا تھا۔ شہری رنگ ڈھنگ اسے نرالے تھے۔

تعلقات نہ بھائی تھی۔ اور یہی بیٹے میں وہ وقت محسوس کرتے کہ کیوں کہ چوہدری نے اسے خوبصورت بنا دیا تھا مگر بخت کی بات الگ تھی۔

اب افتخار کچھ خدشات دور کر رہے تھے کہ یہ ان کا ٹھیکا بہت زیادہ رہے تھے۔

"جی ابا! تم ٹھیک ہو۔" بخت نے بیٹے کے پاس جا کر دیکھا۔ دل ایسا چاہتا ہوا کہ جو بیچ میں پڑی گئی تھی۔ تھا نے آ کر اسے اتنا قریب کہیں بٹھایا تھا کہ میرا دل اتنا اچھا کیوں تھا؟

جب تجھ حویلی کے دروازے پر رکی جب ایک خوب پوش لیڈی ایجنٹ ورکر بھاگ سے حویلی کی دیوار پر آ گیا۔ کوری تھی۔ نام محمد ان کیمرے کا ممبر اور اس کا شوہر ایک گھر لیے کھڑا تھا۔ جس کے لیے لیڈی ہیلتھ ورکر کے باتھ کا بچے کو گھر دوا چاہ کام کرنے لگی۔ شوہر بارہا ادھر نظر آ کے چوہدری ملک صاحب کو سلام کیا۔

دل کی نے تو تک ملے کی تھی ایک عورت کی جو انہوں نے خود کو سنبھالا تھا۔ یوں ہی کئی سال گزر گئے تھے اور بچانی تو بدکی خواب سے نہ یاد رکھتی تھی۔

لیڈی ہیلتھ ورکر اپنی ٹیم کے ساتھ آگے گھر کی طرف بڑھ گئی اور افتخار حویلی کا گیٹ پار کر کے اندر گئے۔

حیا ان کا دروازہ اور انگلی جو آدھے میں دیکھیں پانچوں والی چارپائی پر خالی بچی نظر آتی۔ پاؤں میں پراندہ لگے وہ صحن پر بیٹھی چوڑیاں کے حساب کے ساتھ آنے والی چوڑی کی فروش خاتون سے کہہ رہی تھی۔

"لے بیٹا تو ہر بار ہری چوڑیاں ہی لاتی۔ ملک صاحب نے فرمائش کی تھی میں ہری چوڑیاں پہنوں۔"

"ہم ملک صاحب! چوڑیاں لگ کے دل میں کس نے ٹھہرا کر ہر رنگ کے بنا کر ضرور لگتے ہیں۔"

حیا ان کا کام کر رہی اور وہ آدھے میں لگی سب

حسن پائیں والی چارپائی پر آن بیٹھے۔ خالی کے جانے کے بعد انہوں نے مرغی اور سبز رنگ کی ہری چوڑی کو خود سے دور کر دیا تھا جو بیانتہ جوڑے کی نشانی ہوتی ہے اور جو بیانتا جوڑے سے پہچانی ہے۔

صفدر کی بیوی کچھ فاصلے سے پانی کا گلاس لے آئی اور افتخار نے اسے قریب آنے سے لگا لیا۔

ابھی میں اس گھر پر حکمرانی کرنے والی خاتون مست ہولی کا کانات رہی تھی۔ اب وہ لیڈی ہیلتھ ورکر کی اور جس گھر کی کسی زمانے میں وہ مالکن تھی آج اسی گھر کے دروازے پر کھڑی انتظار رہی تھی۔

"جس گھر شان لیے لیکن پانے کے لیے آئی پہنچی۔"

☆☆☆

بخت دو ماہ بعد گھر آیا تھا۔ ماں کا دل اکرم ٹھہرا قربانیت میں ماں نے بیٹے کے لیے خوب دل لگا کر کھانا پکایا تھا۔ حالانکہ جو جانتا تھا اور مگر آنکھوں میں رہتا تھا کہ اس نے کام ختم کر لیا تھا۔ بیٹے کی محبت میں اس نے چوہدری کا گھر میں جو ایسا اکثر تھے کہ جو بندگی اس سے مٹی سے نیک کی عزت کے واسطے سے آگاہ ہونے والے تھے بال میں ایک ایسی ہوگئی مگر اس اماں کو چھوڑ آئی گئی۔

"اماں اٹھے بھوک لگی ہے۔"

"تمہارا کیا کیا کھانا گزر رہا ہے۔ کیا کھا سکتا ہے کیا اور شہر میں کہاں وہ ایسی چیزیں ملتی ہیں۔"

"بس اماں ہیپ گھر گیا۔" "ہاں کے بے چیز سے ہی اب نے کرتی ہوں نہ کھانا تو نے گئے آسمان کے چارپائی پر لیٹے وہ اور ہی ہے آسمان کو تکنا۔

کیا اچھی اور سچ کی کوئی امید میں نہ تمہیں تو ایسا تم سب کی طرح بیٹھ کر ہاں چھوڑ جاتا؟"

"ایک چھوٹے بیٹا کر شہر کے سب سے اچھے اور مہنگے کالج میں پڑھ رہا ہے تو اس کی وجہ ہے کہ میرا دل چاہتا ہے۔ اگر تم اس کا خیال نہیں رکھو گے تو احسان کا بدلہ کیسے اتارو گے۔" صفدر کی آواز کانوں میں گونجی تو دل میں ایک بے نام سی چبھن جاگی۔

"کیا تم واقعی وہی نہیں کہ بیٹے کے جیسے لگتے ہو؟" بخت نے اس کو گھورا کے آئی تو تم سے ناراض ہو گئی۔ یہ کیسی لاٹری تھی۔

بخت نے کروٹ بدلی۔ جو سال پڑھائی ابھی ایک ہی چھٹی لے کر آیا تھا۔ جو کیمپ لگا تھا میں والا اب بیٹا تھا کالج کی پڑھائی کے سال اور پھر وہ ڈاکٹر

ہوگا۔ خود کمائے گا۔ اپنے پیروں پر کھڑا ہوگا۔ تب وہ سب کے احسانوں کا بدلہ چکائے گا۔ ارسل کا بھی اور اس کی دوستی کا بدلہ تو ضرور اتارے گا۔

یہ سوچتے ہوئے یہ بات اس کے ذہن میں ہرگز نہ آئی کہ دوست بدلے اتارنے پر اتر آئیں تو وہ دوست نہیں رہتے۔ دشمن بن جاتے ہیں۔

☆☆☆

ایف ایس سی کے طلبا کی عمر ہی کتنی ہوتی ہے۔ ٹین ایج کے آخری سال مگر ہارمونز کی تبدیلی سے شخصیت میں جو تلاطم آتا ہے اس کی وجہ سے جذبات کے سمندر بہہ جاتے ہیں۔

کالج میں لڑکے لڑکیوں کے گھلنے ملنے پر کچھ زیادہ پابندی نہ تھی اور پتا بھی نہ چلا ارسل اور جویریہ قریب آتے چلے گئے۔ شروع میں چھوٹے چھوٹے بے ضرر سے فقروں کا تبادلہ ہوتا۔ یہاں تک کہ ایف ایس سی کا دوسرا سال بھی ختم ہونے کو پہنچ آیا مگر پھر بھی ایک ہم آہنگی اور باہمی تعلق کا احساس ہوتا اور ان دونوں کا گھلنا ملنا بھی تھا۔

ایک دوسرے پر نظر پڑ جاتی تو خیرسگالی بھری مسکراہٹ کا تبادلہ ہو جاتا مگر ارسل یہ نہ جان پایا کہ پسندیدگی اور محبت کے جذبات صرف ان کے دل میں پنہاں ہیں یا پھر دوسری طرف بھی یہ معاملہ ہے۔

سالِ اول میں ارسل کچھ ایسے اچھے نمبر نہ لے سکا تھا۔ یہ بات اس کے لیے کچھ ایسی قابل تشویش بھی نہ تھی۔ انتظار کا دل برا ہوا مگر وہ صبر کا گھونٹ پی کر رہ گئے۔

بخت نے حسب معمول شاندار نمبر لیے تھے۔ جویریہ کے بھی اچھے نمبر تھے۔ ایسے کہ میڈیکل کالج میں داخلہ ہو جائے۔

دوسرا سال بھی ختم ہونے والا تھا اور ارسل یہ فیصلہ نہ کر پایا تھا کہ جویریہ کو حالِ دل کیسے بتائے۔

میسج کر کے؟ فون نمبر کا تبادلہ بھی کسی زمانے میں ہو گیا تھا۔ ایک دو دفعہ میسج بھی ٹائپ کیا تھا۔

''جویریہ! میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ کیا مجھے زندگی بھر کا ساتھی بناؤ گی؟'' مگر پھر یہ طریقہ اوچھا لگتا اور ڈیلیٹ کر دیتا۔

''ارسل! بڑے گم صم رہتے ہو۔'' بخت کالج کے لان میں بیٹھے ارسل کے ساتھ آن بیٹھا اور اسے دھپ رسید کی۔

''نہیں یار! کوئی بات نہیں۔'' ارسل نے گول مول جواب دیا اور بخت ہنسنے لگا۔ وہ اتنا سیدھا نہ تھا۔ اڑتی چڑیا کے پر گن لیتا۔ یہ تو اس کا دوست تھا۔ اس کے بدلے ہوئے انداز نہ سمجھ پاتا۔ تبھی سہیلیوں کے جھرمٹ میں جویریہ گزری۔

''یار! وہ لڑکی دیکھ رہا ہے جس نے پرپل شیڈ پہنا ہوا ہے؟''

''کون؟'' ارسل کا دل دھڑکا مگر وہ انجان بننے لگا۔

بخت کا دل چاہا قہقہہ لگا کر ہنس دے۔

''جویریہ!'' بخت کے دانت باہر تھے۔

''کیا ہوا اسے؟'' ارسل بکھری ہوئی کتابیں سمیٹنے لگا۔

''مجھے لگتا ہے تم اس لڑکی سے محبت کرتے ہو۔''

ارسل کے ہاتھوں سے کتابیں پھسل گئیں۔

''نہیں۔'' ارسل کی آواز میں لرزش تھی۔

بخت قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔ ''تم تو کہتے تھے بخت میں تم سے کوئی بات نہیں چھپاتا۔'' ارسل کے انداز میں نقل کی۔ ''تم مجھ سے باتیں نہیں چھپاتے مگر یار حالِ دل تو چھپایا مگر میں بھی جان گیا۔ دیکھ لو۔'' بخت ہنستا رہا اور ارسل ہکا بکا اسے دیکھتا رہا۔

☆☆☆

ایک عندلیب بھی تھی۔ جس کالونی میں انتظار کا گھر تھا اسی کالونی میں رہتی تھی۔ دیوار سے دیوار ملی ہوئی تھی گھر کی اور اس کے گھر سے انتظار کے گھر کا لان نظر آتا اور چونکہ پہلے گھر اکثر و بیشتر خالی رہتا۔ اس لیے وہ چھت سے اکثر و بیشتر لان میں جھانک لیتی۔

سیدھی سادی لڑکی تھی۔ آرٹس کی طالبہ۔ والدہ صاحبہ بخت گیر خاتون تھیں۔ چاہتی تھیں کہ بیٹی ہر فن میں ماہر ہو مگر جتنی والدہ سختی کرتیں کام اتنا ہی خراب ہو جاتا۔

''عندلیب! چٹنی صحیح بنانا۔'' والدہ کا بس یہ کہنا ہوتا اور نتیجتاً چٹنی میں نمک زیادہ ہو جاتا۔

''عندلیب! دھیان کرنا چاول ٹوٹ نہ جائیں۔'' اور چاول ایسے ٹوٹتے کے کھانے کے لائق نہ رہتے۔

وہ دوپہر کو رسالہ پڑھ رہی ہوتی۔ والدہ آتیں اور ہاتھ سے رسالہ لے لیتیں۔

''آج روٹیاں کچی تھیں' سزا کے طور پر دو دن تم رسالہ نہیں پڑھو گی۔''

رات کو نیند نہ پوری ہوتی۔ صبح نماز کے بعد سونے کے لیے لیٹتی تو والدہ صاحبہ کی گونجتی ہوئی آواز سنائی دیتی۔

''خبردار سونا مت۔ فجر کے بعد سونا گھر میں بے برکتی لاتا ہے۔'' اور عندلیب دل مسوس کے رہ جاتی۔

ماں اپنی پیاری غیر شادی شدہ بیٹی کو نہ جانے کیا کیا کہہ دیتی اور دل کرچی کرچی نہ ہوتا تو کیا ہوتا اور تان آ کر ٹوٹتی...

''زندگی اتنی مشکل کیوں ہے؟''

والد صاحب کی مین بازار میں جوتوں کی دکان تھی۔

گھر میں پہلی بار اس طرح رونق تھی ورنہ تو مشکل تھا کہ عندلیب کا
زندگی بہت مشکل لگتی اور وہ سوچتی۔
"شادی کر کے دوسرے گھر جاؤں گی تو سکون ملے
گا یا کوئی ہو گا جب گھر میں دیواروں کو اٹھاؤں گی۔"
گھر میں وہی آنسو بھی تھی کہ ناول کے بجائے گھر آئی۔ قدم
رکھا۔

وہی بیٹے والی زندگی کی مشکلات سے تنگ رہنے
والی عندلیب کے ہاتھ میں ایک لفٹ آ گئی۔ ساتھ والے گھر
میں بھاگتا اور جب سے ساتھ والے گھر میں لڑکا ان لوگ کے
آن بسے تب بھاگتا پھرتا اور بھی اچھا لگا۔
اور اس بولا بولی چہرے والی لڑکی کو بھاگتے جب
بھی دیکھا تھا۔ جب بھی دیکھا مسکرا دیتا۔ کیسی سادگی
کا پیکر ہے یہ۔
گزرتے وقت اس سے چھپ چھپ کر بات بھائی کرتی
کہ ایک دن اس نے دیکھا تو جیسے قیامت سی آ گئی۔
اس نے گھری عمری سا کچھ سوچا گیا۔ وہ پچھلی
رات عندلیب ایک بار پھر ہنسے گی۔
"زندگی اتنی مشکل کیوں ہے؟" آنکھوں سے
بہتے آنسو اس سے پھر کہتے تھے۔
اور پھر وہ کئی دن چھت سے بھاگتی نظر آئی۔ کسی اور
کے ساتھ [illegible] محسوس کی تھی۔
قدا قدا کر کے کئی دن کے بعد ایک دن پھر وہ
بھاگتی نظر آئی اور کسی کے ساتھ [illegible] ہوا۔
اور اس نے اس بھاگتی لڑکی کی طرف دیکھا
مسکراہٹ کے ساتھ دیکھا تو عندلیب گھبرا کر چھپ گئی۔

☆☆☆

رات کا وقت تھا۔
لان میں گہری رات نے پراسرار خاموشی پھیلا رکھی تھی
اور اندر والے حصے میں انتظار بیڈ سے ٹیک لگائے گہری سوچ
میں گم تھے۔ ہاتھ سینے پر بندھے تھے وہ [illegible] سامنے
دیوار پر۔ گزرتے وقت میں ان کی شخصیت میں جو تبدیلی آئی
تھی کچھ وزن کا اضافہ ہوا تھا۔ کن پٹیوں پر سفید بال چمکنے
لگے تھے اور مونچھوں میں بھی ایک سفید بال آ گیا تھا۔ وہ
مکمل ادھیڑ لگتے۔
بیڈ کے پاس پڑی کرسی پر ارسل بیٹھا تھا۔ چہرے پر
بے چینی لیے وہ باپ کے بولنے کا انتظار کر رہا تھا۔
انتظار کچھ دیر بعد ارسل سے مخاطب ہوئے۔
"ارسل [illegible] کے ساتھ [illegible]"

"انہیں تمہارا بطور ڈرائیور رکھنے پر اعتراض ہے۔"
"ابا اتنی محنت ہوگی مجھ سے، اب بڑا عہدہ
رکھیں گے یا؟" ارسل اتنا سنجیدہ ہو کر جتانا چاہتا
تھا۔ اور انتظار چاہ کر بھی اس بات کی نفی نہ کر سکے۔
"میں چاہتا تھا کہ تم ڈاکٹر بنو۔" چاہتا ہوں کی جگہ
چاہتا تھا کے الفاظ پر انتظار کو افسوس ہوا۔
"ابا یہ آج بہت اچھا لگے۔" ارسل
زیر لب ہنسا تھا اور پھر ارسل باپ کو بیان کرنے لگا کہ
میں واپس کے طریقے کا اور لیکچروں کے بارے میں بتانے
لگا۔ جنونی جواب کا شہر بہا ہوا پر ایک بات سمجھ کر
رکھا تھا۔ اس کے لیے قدم اٹھانا ضروری تھا۔
"اب یہاں سے نہیں۔ پہلے ضمیر کو آخر نرم ہے تو ہی
سامنے ہو جائے۔" انتظار نے قدرے مطمئن ہو کر کہا۔
"محنت کے اچھے ثمر ہیں ابا۔ آپ کا بیٹا بہت
کامیابی میں داخل ہو جائے گا۔" ارسل نے چاہا انتظار نے
اس کی ہمت کر دی۔ محبت سے انہیں آگے بڑھنے دیا۔ ارسل کا
دوست ہے آپ سے وقت آگے بڑھ کر بات تو انتظار نے
توجہ سے دل ہی دل میں دعا دی تھی۔
باپ بیٹے میں بہت محبت تھی۔ پھر باپ بیٹے کی
ملاقات ڈرائیونگ سیکھنے کے ساتھ پر قائم رہتی۔ اس
دوران کئی بار ارسل کے دل میں آیا کہ باپ کو بتا دے۔
اس وقت انداز بیٹے کا اس طرح تھا کہ آگے تک بڑھتا چلا
جائے لگ جاتا۔ لیکن ہمت نہ کر سکا۔ پھر آخر
جلدی ہی کیا ہے۔
اور وہ باپ کو شب بخیر کہہ کر اپنے کمرے میں آ کر
بیٹے کے بارے میں سوچتا تھا۔

☆☆☆

آسمان سے ایک سیاہ سایہ اترا اور اس نے ارسل کو
اپنی لپیٹ میں لے لیا۔
کچھ عرصے کے اختلافات کے بعد پاکستان کا دورہ
تھا۔ پاکستان کرکٹ کا ٹیسٹ دورہ شروع سے جاری تھا وہ کچھ
دن میں پاکستان کے بعد انگلینڈ کی طرف روانہ ہو رہے
تھے۔۔۔
ارسل بالکل ملنا چاہتا تھا مگر روز ہی ٹال رہا تھا
اور ایک دن صبح ہی گیا۔
پھر کچھ گھر والے تھے اور اب صرف۔۔۔۔۔
کچھ کرنے کا ارادہ کر رہا تھا۔ ارسل الگ تھلگ سا
کھڑا تھا۔ ڈرائیور بننے کا جوتا پہنے قدم

اٹھاتی اس کے پاس آئی۔

بالوں کو کرہ لگا تا موباف گردن سے آگے جھول رہا تھا اور ارسل کی نگاہیں بالوں میں الجھ سی گئیں۔

"ارسل یہ......" جویریہ نے سیاہ جلد والی ایک خوبصورت ڈائری آگے بڑھائی۔

ارسل نے ڈائری تھام لی اور سوالیہ نظروں سے جویریہ کو دیکھنے لگا۔

"خدا حافظ کہنے کا وقت آ گیا ہے۔ میں اپنے تمام دوستوں سے کمنٹس لکھوا رہی ہوں جو ساری زندگی یادگار رہیں۔ جنہیں پڑھ کر میں کئی سال بعد بھی مسکرا سکوں۔ کچھ کمنٹس اچھے سے لکھنا۔" چہروں سے دل کے حال عیاں ہوتے تو اس وقت وہ ایک دوسرے کے دل کے راز پالیتے۔

"ضرور!" سیاہ جلد والی ڈائری ہاتھ میں لیے ارسل سوچتا رہا اور سوچتا رہا کہ کیا لکھے۔

ڈائری بالکل خالی تھی۔ شاید جویریہ سب سے پہلے اسی سے کمنٹس لکھوا رہی تھی۔

رات اس نے جاگ کر گزاری۔ نیند آنکھوں سے روٹھی ہوئی تھی اور ارسل کو یہ روٹھنا اچھا لگ رہا تھا۔ رات کے کسی پہر ارسل کی آنکھ لگی تو اس نے وہ خواب دوبارہ دیکھا جو ایک بار پہلے بھی دیکھ چکا تھا۔

جب آنکھ کھلی تو رگ و پے میں سنسناہٹ دوڑ رہی تھی۔ دل کی دھڑکن معمول پر نہ تھی۔ ایسی حالت ارسل کی پہلے کبھی نہ ہوئی تھی اور یہ کیفیت ہی تھی جس نے ارسل سے ڈائری پر لکھوایا۔ وہ جو کئی گھنٹے بیٹھ کر بھی یہ نہ تعین کر پا رہا تھا کہ اسے کیا لکھنا چاہیے اب ڈائری پر لکھ رہا تھا۔

"آسمان کی خوبصورتی چاند ستاروں سے ہے۔ زمین کی خوبصورتی مسحور کرتے نظاروں سے ہے۔ زمین کی خوبصورتی کو اپنی آنکھوں میں قید کرنا چاہتا ہوں۔ ساری دنیا کی سیر کو جانا چاہتا ہوں۔ تمہیں ساتھ لے جانا چاہتا ہوں۔ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ میرا ہاتھ تھام لو۔" الفاظ اہم نہ تھے۔ الفاظ میں چھپے جذبات اہم تھے اور ارسل نے یہ جذبات سرخ روشنائی سے کاغذ پر منتقل کر دیے تھے۔

صبح ویسی ہی روشن تھی جیسی وہ خواب میں دیکھ چکا تھا۔ پریکٹیکل کلاس میں اسے جویریہ کی جھلک دکھائی دی۔ مگر پھر وہ نظر نہ آئی تو کالج میں ڈھونڈنے لگا۔

وہ لائبریری میں نہ تھی۔ کینٹین کے گرلز سیکشن میں جھانکا وہاں بھی نظر نہ آئی۔

روش پر چلتے موباف میں لپٹے بال نظر آئے اور وہ رک گیا۔

آڈیٹوریم کی سیڑھیوں پر تین چار لڑکیاں پشت کیے ستون سے ٹیک لگائے بیٹھی تھیں۔ ارسل نے دھڑکتے دل کو سنبھالا۔ قدموں میں آئی معمولی سی لرزش پر قابو پایا اور بغیر چاپ قدم اٹھاتا ان لڑکیوں کی طرف بڑھا۔

"جویریہ! اکیلے میں پڑھنا۔" دل میں فقرہ ترتیب دیتا وہ لڑکیوں کے قریب پہنچ گیا۔

لڑکیوں کی پشت تھی۔ انہیں خبر نہ ہو سکی کہ کوئی آ رہا ہے۔ اس سے قبل کہ ارسل پکارتا، لڑکیوں کی آواز نے اس کے قدم روک لیے۔

"تم نے اسے کیوں ڈائری میں کمنٹس لکھنے کو دیے۔ نکما لڑکا۔ گاؤں کا پینڈو۔ اسے کیا پتا کہ کیا وشز لکھ کر دیتے ہیں۔" کہنے والی لڑکی اکثر و بیشتر جویریہ کے ساتھ نظر آتی تھی۔

چند لمحے خاموشی رہی۔ اس خاموشی کو جویریہ کی آواز نے توڑا۔ وہ آواز نہیں تھی بم تھا جو ارسل کے اعصاب پر گرا تھا۔

"دل بڑھانے کے لیے دی۔ کیسے الگ تھلگ رہتا ہے۔ تھوڑا پینڈو ہے اس لیے لڑکے بھی اسے زیادہ لفٹ نہیں کرواتے۔ میں نے سوچا ڈائری کمنٹس لکھنے کے لیے دوں گی تو اس کا دل بڑھے گا۔ یہ بھی ثواب کا کام ہے۔" آسمان پھٹا اور نہ زمین شق ہوئی۔ ارسل نے موباف میں لپٹے بالوں والی لڑکی کو دیکھا جو ثواب کمانے کے لیے اس سے ڈائری لکھوا رہی تھی۔ قدموں کی لڑکھڑاہٹ پر قابو پاتے وہ جیسے آیا تھا ویسے ہی لوٹ گیا۔

کلاس روم کی سیڑھیوں پر بیٹھا وہ کوشش کر رہا تھا کہ سانس لے پائے تبھی موبائل کی گھنٹی بجی۔ یہ گھنٹی اس نے جویریہ کے نمبر کے لیے خصوصاً لگائی تھی۔ بے جان ہاتھوں سے موبائل نکالا۔

"ڈائری؟" جویریہ پوچھ رہی تھی۔

ارسل ہاتھ میں پکڑی سیاہ ڈائری کو دیکھنے لگا۔ آنکھوں میں آنسو چمکنے لگے۔ ہاتھ کی پشت سے آنکھوں میں آئی نمی صاف کرتے ارسل نے ڈائری کھولی۔ ڈائری میں درج سرخ روشنائی سے لکھا واحد صفحہ تھا۔ وہ صفحہ ڈائری سے الگ کیا اور پرزے پرزے کر کے ہوا میں اچھال دیا۔

"با اعتماد لڑکی کے..... مستقبل کے لیے نیک تمنائیں۔" سیاہ روشنائی سے یہ الفاظ لکھے۔ نیچے اپنا نام تاریخ کے ساتھ لکھا۔ خود کو سنبھالتے ہوئے کھڑا ہوا۔ تبھی دور روش پر جویریہ سہیلیوں کے ساتھ آتی نظر آئی۔ وہ خود کو مضبوط کرتے ہوئے آگے بڑھا اور چلتا ہوا لڑکیوں کے

پاس آیا۔ ارزم کی محبت پر آج بھی وہ اپنے قول پر قائم تھا اور
بے ہودگی کی مسکراہٹ کے جواب میں اس نے ہونٹوں پر
مسکراہٹ سجائی۔
کیونکہ آسمان سے اترنے والا سایہ سایہ اسے اپنی
پناہ میں لے چکا تھا۔

☆☆☆

رات کی تاریکی میں اضافہ ہوا تھا۔ بجلی ساکن تھی۔ وہ بالکنی
کی سیڑھیوں پر بیٹھا ارکل کی آنکھوں میں نمی نہیں تھا۔ ہاتھ میں قلم لیے وہ
سائن کر بیٹھا۔ آج وہ محبت کے قلم سے حرکت کی۔
"چندا......" اس کے قلم نے صفحے پر لکھا تھا اور وہ
تھا۔ کل سے وہ بیٹھا اس لفظ کو دیکھ رہا تھا۔ پھر کاغذ کے
صفحے پر انگلیاں پھیرنے لگا۔ ایسے جیسے اس لفظ کو محسوس کر رہا
ہو۔ وہ بکھرا بکھرا کری پر بیٹھا ہوا تھا ارزم زینے کے سامنے
کھڑا ہو گیا اور وہ غم کے گھنگھرو بجنے لگے۔
رات کو کرنے لگے آسانی بنگ کے ... سے
نکلے ... جیسے وہ کھیل۔ کیا وہ چندا تھا!
"تمہارا چندا ... سے اس کے محبت کے گھروں کو لفت بھی
کرنا ہے۔ تم کھڑے ہو جاؤ ارزم میں کشش تھی کہ وہ اس کی آواز
اس کا دل چرا لے گی۔ یہ بھی زرد بے ... ہے..." تو اب
کسانے والی لڑکی کی آواز یا الفت کی طرح کانوں میں گونجی اور آنکھ
میں نظر آئے چندا کے بچپن کو کھوجتے ہوئے ارکل کی
آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔
اور کمرے میں سو کر بچی ارکل پر جھکی آپ ہیجان
اور وہ انگلی کھل کر وہ اور گول اور کڑیاں بجتی تھیں۔
آنکھیں کھولیں تو ... سامنے ... تھی... زرا سمجھانے کی
کوشش کر رہا وہ بے حال ہو رہا تھا۔
تنہائی پیار اسے راس آرہا تھا اور محبت بھی جیسے
اس لفظ کے نیچے دبی جا رہی تھی۔
کسی اور اے کے دل پر دباؤ اور بے بسی کی
تھی وہ اس لیے وہ اداس ہو گیا۔
"ارکل! وہ وہاں کھڑی ہے" وہ ارزے کے دل پر
بجنے کی آواز ابھری۔
"ارکل! یہ سونے کا وقت نہیں تھا وہ انتظار کی گھڑی کا
کر رہا تھا۔
کیا ہوا تھا۔ بچے دیر سے وہ انتظار سے تھی۔
"بچے تم بات کریں گے آج میرا کی بات
کرنے کو ... اور سمجھتی ہی تھی ... بچپن کی ..."
... اسے کیسی بار ... کہہ رہا تھا

کیا کرنے جیسے بچپن سے بہت کیا۔ جو تم اسے زندگی
دوبارہ ملاقات کا وعدہ تھا۔ وہ بچپن کا دوست تھا۔ اسے ساتھ
کی خبر کر رکھی ہی چاہتی تھی کہ وقت سب کچھ بدل دیتا ہے۔

☆☆☆

کبھی اس سے نہ ملا۔ بچپن میں بھی ماں کی کمی محسوس
کرتا۔ بڑا ہونے پر عادی ہو گیا مگر ایک بات ہمیشہ
حیران کرتی کہ اس کی ماں نے اس سے ملنے کی کبھی خواہش
نہ کی۔ ماں کی محبت وہ ... سے وہ خود اسے اپنی محبت کو بیان
کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ اپنے بیٹے سے منہ
موڑ لیا جیسا وہ کرتا ہوں تو کبھی اس کی ماں نے ضرورت
محسوس نہیں کی کہ اس سے ملے اسے پیار کرے۔ اسے
ساتھ بٹھائے۔ اس سے باتیں کرے۔
چندا کا لقب پا کر ارکل کا دل ایسا آج تک وہ نہ
دل کو سنبھال ہی رہا تھا تب اس کے دل میں ماں سے ملنے
کی خواہش پیدا ہوئی۔ ایک جھٹکے سے کھڑے ہو کر ارزم
کے لیے اس طرف کا رخ کر رہے تھے اس لیے وہ ماں سے
ملنے کے لیے اب تک بے چین ہو رہا تھا۔
انکار ہونے کے صفحے میں بھی بہت سے ہو گئے
تھے وہ اتنا غصہ اور جب سے ہمراز ارکل وہ انکار کرتی رہی
تھا۔ اس لیے اس نے بچپن سے کا اندازہ لگا کر دیکھا تھا ابھی
ارکل ... ہو گیا ان ڈھائی سالوں میں ارکل
خالی تنہا دل کو جیت گیا تھا۔ جب سے اسے محسوس
ہوتا کہ انکار تک بات کرنے جائے ... اپ کی
خواہش کو عدم جانتے ہوئے انہوں نے کبھی نام بتانے کی
زحمت نہ کی۔
خالی نظروں سے وہ کمرے سے باہر نکلنے لگا۔
یہاں تک کہ تیز بجلی کے بیچ سے گزرتے ہوئے وہ جب بھی
وہ بچپن سے گزرتے بچپن کی یادیں جب وہ ارزم بچپن آکر
کھیلنے لگے تو یاد آتا ہو جاتی۔
"اب سے ... کی ... طلاق کی ہو گئی بیٹا مگر
اپنی جگہ۔ امی! آپ مجھے کیوں بھول گئیں تھیں آپ کا
ہاتھ مجھے بھی آپ کی ضرورت تھی۔ آج آپ کے ہاتھوں
سے کھانا کھا کر بیٹھ کر کیوں باتیں کروں گا؟"
وہ دونوں سے آگے کا راستہ پوچھا۔ گاؤں میں وہ
ہوتے وہ اس بات سے واقف تھا کہ اس کی والدہ کا گھر
کہاں ہے۔ پھر بھی وہ ان کے گھر کی تصدیق کرنے
والوں کی ... سے نیچے آگے بڑھے گی۔

☆☆☆

انتظار کے بعد رباب نے اختر سے شادی کی تھی۔ اختر اس کا دور کا رشتے دار تھا۔ حجام کا کام کرتا تھا۔ اسے پسند کرتا تھا۔ اسی لیے تو اس کے طلاقہ ہونے کی پروا کیے بغیر اس کا ہاتھ تھام لیا۔ حجام کی کمائی گھر چلانے کے لیے ناکافی تھی۔ وہ پڑھی لکھی تھی۔ سمجھ بوجھ رکھتی تھی۔ کچھ ہاتھ پاؤں مارے تو لیڈی ہیلتھ ورکر کی جاب مل ہی گئی۔ پانچ بچے تھے۔ دو بیٹیاں اور تین بیٹے۔ بڑی بیٹی کی شادی وہ اگلے سال کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔

کہتے ہیں نا مصیبت بتا کر نہیں آتی۔ تو یہی صورت حال رباب کی تھی۔ ایمان دار خاتون تھی۔ دل جمعی سے کام کرتی۔ لیڈی ہیلتھ ورکر کے ذمے جو کام تھے بھی جانفشانی سے سرانجام دیتی۔ چھوٹی موٹی کوتاہیاں تو بشری تقاضا ہے۔ کبھی بڑی غلطی جان بوجھ کر نہ کی۔

اس بار مشکل بہشت میں رباب کی کمیونٹی میں پولیو کیس سامنے آ گیا۔ حالانکہ وہ خود اور ویکسینیٹر کے ہمراہ جا کر تمام بچوں کو قطرے پلایا کرتی تھی مگر جو کیس سامنے آیا تھا وہ بچہ جانے کیسے پولیو کے قطرے سے محروم رہ گیا۔

فوری طور پر رباب اور ویکسینیٹر کو معطل کر دیا گیا۔ ہیلتھ سیکریٹری پنجاب اور ایگزیکٹو ڈسٹرکٹ آفیسر ہیلتھ آ کر مشکل بہشت کا دورہ کرنے لگے اور ایک دوسرے سے سرگوشیوں میں کہتے۔

"نہ صحت، نہ تعلیم، نہ ضروریات کی فراہمی اور نہ ہی کوئی سہولت۔ سڑکیں تک کچی ہیں۔ موسم کی گرمی ناقابل برداشت۔ جانے کس سیانے نے اس جنگل میں گاؤں کا نام مشکل بہشت رکھ دیا۔" یہ کہہ کر وہ ہنسنے لگتے۔ رباب شہر جا جا کر افسروں کے سامنے پیشیاں بھگت رہی تھی۔ اپنی صفائی دیتی کہ وہ جانفشانی سے کام کرتی رہی ہے مگر بات نہ بن پائی۔ آج بھی وہ شہر سے آئی تھی۔ افسران سے بے عزتی کروا کروا کر اس کا موڈ سخت خراب تھا۔ ابھی گھر پہنچی ہی تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

بڑا بیٹا جا کر دیکھ آیا۔

"ملک انتظار کا بیٹا آیا ہے۔ اپنی ماں سے ملنا چاہتا ہے۔"

رباب پہلے تو ناسمجھی میں بیٹے کو دیکھتی رہی اور جب بات سمجھ میں آئی تو بیٹے سے کہا۔

"جا کر کہہ دو، میں نہیں ملنا چاہتی۔"

بیٹا پیغام ارسل تک پہنچا آیا۔

"میں ملے بغیر نہیں جاؤں گا۔" ارسل وہیں ڈیوڑھی میں بیٹھ گیا۔

چہرہ بے تاثر تھا مگر پھر بھی غم کی کہانی سناتا تھا۔ لڑکا عمر میں ارسل سے چند سال چھوٹا تھا اور کچھ نہیں پا رہا تھا کہ ارسل کو کیسے روانہ کرے۔

"ساری زندگی بھی بیٹھنا پڑے تو بیٹھوں گا۔ پر ملے بغیر نہیں جاؤں گا۔" ارسل یہی کہہ رہا تھا۔

اور جب لڑکا ماں اور ارسل کے درمیان پیغام رسانی سے اکتانے لگا اور ماں سے الجھنے لگا تو رباب خود چل کر ڈیوڑھی تک آئی۔

"اے لڑکے! ہم پہلے ہی پریشان ہیں۔ ہمیں مزید کیوں تنگ کرتے ہو؟"

"امی!" ارسل اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور پلک جھپکے بغیر دیکھنے لگا۔

"میں تمہاری ماں نہیں ہوں اور نہ ہی انتظار تمہارا باپ ہے۔ میں نے تمہیں جنم نہیں دیا۔ جاؤ جا کر انتظار سے تفصیل پوچھو۔ ہمیں بخش دو۔ گھر میں پوچھتے نہیں، دوسرے کے گھر کے سامنے دھرنا ڈال دیتے ہیں۔ اترو یہاں سے۔" رباب کے اشارے میں اتنی طاقت تھی کہ ارسل ڈیوڑھی سے لڑھکتا گلی میں آ گیا۔

رباب نے آگے بڑھ کر دروازہ بند کر دیا اور ارسل بے یقینی سے دروازہ تکنے لگا۔

"نہ انتظار تمہارا باپ ہے۔" کیا اس نے صحیح سنا تھا؟

☆☆☆

"رباب مجھے یونیورسٹی میں اچھی لگنے لگی تھی۔ ہم کلاس فیلو بھی تھے اور مجھے جب معلوم ہوا کہ وہ بھی مشکل بہشت سے ہی یونیورسٹی پڑھنے آئی ہے تو مجھے حیرت ہوئی۔ ان دنوں زمانے کی رفتار اتنی تیز نہیں تھی۔ گاؤں کی لڑکیاں تو پڑھائی کے لیے شہر نہیں جاتی تھیں۔ جلد ہی یہ حیرت خوشی میں بدلی اور رباب کے لیے پسندیدگی محبت میں۔ یونیورسٹی میں گھلنا ملنا اتنا مشکل نہیں تھا۔ جلد ہی رباب اور میرے درمیان چھوٹی موٹی گفتگو ہونے لگی اور ایک دن میں نے اسے پروپوز کر دیا۔" انتظار نے آنکھیں جھپکیں تو پلکیں گیلی ہو گئیں۔ ہاتھ بڑھا کر آنکھیں صاف کیں۔ ارسل ساکت بیٹھا انہیں تک رہا تھا۔

"وہ غریب تھی اور میں زمیندار کا بیٹا۔ بڑی مشکل سے میں نے ابو کو راضی کیا اور ہماری شادی ہو گئی۔ شادی کے ابتدائی سال ہم نے بہت اچھے گزارے۔ محبت سے اور ایک دوسرے کا خیال رکھتے ہوئے۔ ہم نے وعدے بھی کیے کہ کبھی ایک دوسرے کو نہ چھوڑیں گے۔ ایسے وعدے جو

تمام عمر تڑپنے کے لیے ہی چھوڑ گئیں... انتظار رک گئے۔ انہیں رکنا پڑا۔ کچھ باتوں کے بارے میں گفتگو کرنا آسان نہیں ہوتا۔

"شادی کو تین سال گزر گئے مگر اولاد نہ ہوئی۔ ہم دونوں پریشان تھے۔ میڈیکل چیک اپ کے لیے ڈاکٹر کے چکر لگنے لگے۔ تب معلوم ہوا کہ کمی مجھ میں ہے۔ میں باپ بننے کی صلاحیت سے محروم ہوں۔ بڑی جگہ علاج کے لیے گئے لیکن نتیجہ صفر رہا۔ یہ بات اس کے ذہن میں گھر کر گئی۔ کسی کی بات سن نہیں سکتی تھی۔ یہ بات ناقابل برداشت ہوتی ہے کہ وہ اپنا وارث نہیں پیدا کر سکتا۔ کتنا عرصہ میں اس بات کو جھٹلاتا رہا۔ میری سمجھ بوجھ ختم ہوتی جا رہی تھی۔ اللہ سے وہ کیسے شکوہ کرتی تھک گئی مگر [illegible] تمہیں ایک بار پھر کیا ہونے لگیں۔

محو بیٹھا رہا۔ ہاتھ جوڑے انتظار نے بات دوبارہ جوڑی۔

"تب ارباب نے اپنا وعدہ نبھانے لگے... وہ ہم ایک دوسرے کو دیکھ کر [illegible] سکھانے لگے۔ مجھے اور بیٹیوں سے زیادہ سب بیٹے چاہیے تھے کہ تمام عمر ساتھ نبھائیں گے مگر سب کو پیار نہیں ہوتا جتنے ہم چاہتے ہیں۔ ارباب نے کہا تھا۔ عورت بچہ نہ پیدا کر سکے تو مرد دوسری شادی کر لیتا ہے اور اگر مرد بچہ نہ پیدا کر سکے تو عورت کو کیا کرنا چاہیے۔ ایک بار اس نے کہا تھا اور مجھے اس بات کا مطلب سمجھ میں آگیا تھا۔ لیکن سامنے کی بات تھی وہ طلاق چاہتی تھی۔ اسے اب مجھ سے کوئی سروکار نہ تھا۔ تب میں نے سوچا کہ [illegible] مجھے اس لیے نہیں چھوڑا اور میری مجبوری [illegible] مجھ سے طلاق چاہتی تھی مگر میں کیا کر سکتا تھا۔" انتظار خاموش ہوئے۔

ارسل ابھی تک حیرت سے تکتا رہ گیا کیونکہ اس سے پہلے اس نے کبھی انہیں اتنا کمزور نہیں دیکھا تھا۔

"وہ طلاق چاہتی تھی۔ اسے ماں بننا تھا۔ ہر عورت کے [illegible] اپنا بیٹا چاہتا ہے اور میں نے بھی اس کی خواہش کو پورا کرنے کے لیے خود کو مجبور کر لیا مگر اس وقت کیا کہتا میری بیوی مجھ سے بے جوڑ گئی ہے کیونکہ اسے اولاد چاہیے تھی۔ لیکن انتظار اپنا وارث پیدا کرنے کے قابل نہیں ہے۔ میں یہ ذلت کیسے برداشت کرتا۔" انتظار کی آنکھیں پھر سے گیلی ہو گئیں۔ اس گفتگو میں ارسل کے دل کو کئی بار دکھ ہوا۔

تب میں نے [illegible] کی [illegible]

زندگی کے بکھرے ٹکڑے اور نئے سرے سے زندگی کے نئے خوب صورت سال گزارنے والی خاتون نے میری درخواست قبول کر لی اور ہم کراچی آ گئے۔ اس خوب صورت کے ساتھ گزارے [illegible] ہم یہاں آ کے [illegible] نے ارباب سے وعدہ لیا کہ وہ کسی کو نہیں بتائے گی کہ تم [illegible] اولاد ہو۔ دو ہی سال اس نے وعدہ نبھایا پھر اس سے ہم نے ایک بچہ گود لیا اور [illegible] آ گئے اور ارباب نے مجھ سے طلاق لے لی۔ دو تین سال پہلے یہ بات میں نے [illegible] کہ تم میرے بیٹے نہیں ہو۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ تمہیں اصل حقائق کا پتا چلے اسی لیے ہم آج تک [illegible] میں نے تمہیں بتا کر [illegible] ہوں۔"

"آپ نے مجھے کہاں سے گود لیا تھا؟" اگلے الفاظ ارسل کے منہ سے نکلے تھے۔

"یتیم خانے سے..."

"ان لوگوں کے پاس میرا کوئی بائیو ڈیٹا ہوگا۔ میرے والدین..."

"نہیں۔" انتظار نفی میں سر ہلانے لگے۔

"کوئی نام معلوم [illegible] نہیں۔ چھوڑ گئی تھی اس کے [illegible] نا ان کے پاس کوئی بائیو ڈیٹا تھا۔"

ارسل نے مجھے کی [illegible] کی صلاحیت کھو دی تھی۔ مزید کچھ بولنا اب اس کے بس میں نہیں تھا۔ [illegible] خاموشی میں گزر گئے۔ وہ خاموشی جو زندگی کے بدلنے کا احساس دلاتی ہے۔

"مگر ارباب نے مجھے پالا [illegible]
ارباب... ایک" ایک کہتے ہوئے ارسل [illegible]

انتظار نے بے بسی سے ارسل کو دیکھا۔ کیا واقعی ان سے [illegible] آنکھوں کی نمی پونچھتے ہوئے انہوں نے بازو پھیلائے۔

"آؤ میرے بچے!" آنکھوں میں نمی [illegible] صاف کرتے ہوئے وہ انتظار کے سینے سے جا لگا۔

[illegible] ختم ہو گئی۔

☆☆☆

بڑا ہی عجیب تھا۔ [illegible] سمجھ آتا ہے۔ مگر اب [illegible] آج کل انتظار [illegible] ارسل [illegible] آگاہ ہو گیا تھا [illegible] ابھی بھی [illegible]

جمعے کا دن تھا۔ حجامت کے لیے حجام کو حویلی بلایا گیا تھا۔ جمعے کے دن انتظار ضرور حجام کی خدمات حاصل کرتے۔

اختر نوجوان حجام تھا۔ اب وہ مثلِ بہشت کے ماہر حجاموں میں شمار ہوتا تھا۔ بالوں کی سیٹنگ اور شیو کے دوران انتظار نے محسوس کیا کہ اختر کے انداز میں وہ لگن نہیں جو اس کا خاصہ تھی۔ تھوڑا گھبرایا سا محسوس ہوتا تھا۔ انتظار نے پوچھا بھی مگر وہ ٹال گیا۔

مونچھیں تراشتے ہوئے قینچی غلط چلی اور دائیں طرف کی مونچھیں باریک ہوگئیں۔ نتیجتاً تمام مونچھوں کو باریک کرنا پڑا۔ انتظار کے ماتھے پر تیوری بھی چڑھی مگر انہوں نے نظر انداز کر دیا۔

"ملک صاحب! اجازت ہو تو ایک بات کروں؟" اجرت لینے کے بعد اختر پوچھ رہا تھا۔

"بولو....." اختر کے انداز ایسے تھے کہ انتظار ٹھٹکے۔ بھلا اختر ان سے کیا کہنا چاہتا تھا۔

"وہ ملک صاحب! آپ کی سابقہ زوجہ رباب بی بی....." اختر لمحے بھر کو رکا۔

انتظار کا دل لمحے بھر کو اپنی جگہ پر نہ رہا۔

"ملک صاحب! میری دور کی رشتے دار ہے۔ آپ کی شادی سے قبل بھی میں اسے اپنی زوجہ بنانا چاہتا تھا مگر جو رب کی مرضی۔ اب اگر آپ اجازت دیں تو میں نکاح کر لوں ہے۔"

اختر انتظار کا غلام نہ تھا کہ اسے ان کی اجازت کی ضرورت تھی اور نہ ملک انتظار کا گاؤں کے دیگر غریب باشندوں سے ایسا دھونس بھرا تعلق تھا کہ وہ غلام نہ ہوتے ہوئے بھی غلام ہوں مگر وہ اجازت طلب کر رہا تھا تو صرف ملک انتظار حسین کی عزت کی بنا پر اور انتظار بھی کون ہوتے تھے روکنے والے۔ جب خاتون ہی انہیں ہمیشہ کے لیے چھوڑ گئی تو کیا حق باقی رہ جاتا ہے۔

"مجھے کیا اعتراض ہونا ہے۔ اللہ خوش رکھے۔" انتظار کی آواز بوجھل تھی اور اختر کے ہونٹ مسکرانے لگے۔

چند ہفتوں کے بعد اختر اور رباب کی شادی کی خبر بھی آگئی اور پھر کبھی انتظار نے اختر سے حجامت کے لیے خدمات نہ لیں۔ کوئی بھی حجام بلا لیا جاتا مگر اختر کبھی نہیں۔

دروازے پر دستک ہوئی تو انتظار چونکے۔ چوکھٹ پر ارسل کھڑا تھا۔ چہرے پر سنجیدگی لیے۔

"آؤ بیٹے! رک کیوں گئے؟" انتظار نے مسکرانے کی کوشش کی۔

ارسل دھیرے دھیرے چلتا ہوا آیا اور انتظار کے سامنے صوفے پر ٹک گیا۔ انتظار خاموشی سے اس کے بولنے کا انتظار کرتے رہے۔

"ابو! مجھے اس یتیم خانے کا ایڈریس اور اڈاپٹیشن کے کاغذات مل سکتے ہیں؟ میں ایک دفعہ وہاں جانا چاہتا ہوں۔" ارسل کی آواز مدھم تھی۔

انتظار یک ٹک اسے دیکھنے لگے۔ "کیوں؟" اپنے سوال کی بے مائیگی کا احساس انہیں تھا۔

☆☆☆

جہاز نے انہیں چالیس منٹ میں کراچی انٹرنیشنل ائرپورٹ پہنچا دیا۔ ائرپورٹ سے انہوں نے ٹیکسی پکڑی اور ہوٹل پہنچ گئے جہاں انہوں نے ٹیلی فون پر ہی کمرا ایک کروا لیا تھا۔

ارسل اکیلا جانا چاہتا تھا۔ انتظار نے اکیلے جانے کی اجازت نہ دی۔

"بخت کو لے جاتا ہوں۔"

"میں نہیں چاہتا کسی کو پتا چلے۔" انتظار اپنا بھرم قائم رکھنا چاہتے تھے اور یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ ارسل باپ کو رسوا کرتا۔

"ٹھیک ہے۔" ارسل کے پریکٹیکل اختتام کو پہنچے تو دونوں باپ بیٹا کراچی آگئے۔ ٹیلیفون پر بھی اس یتیم خانے میں رابطہ کر کے معلومات کی کوشش کی تھی مگر رابطہ نہ ہو پایا۔ دوسری طرف آپریٹر کہتی تھی کہ یہ کسی یتیم خانے کا نمبر نہیں ہے۔ ایک شاپنگ مال کا نمبر ہے۔

"ارسل!" ہوٹل کے کمرے میں صوفے پر گم صم بیٹھا تھا جب انتظار کی آواز نے اسے متوجہ کیا۔

"جی ابو!" ارسل سیدھا ہو بیٹھا۔

انتظار خاموش بیٹھے الفاظ ڈھونڈتے رہے کہ اپنا مدعا مناسب انداز میں بیان کر سکیں۔

"کیا تم اپنے والدین کے ساتھ چلے جاؤ گے؟" انتظار کی آواز دھیمی تھی۔

ارسل نے دھیان سے باپ کو دیکھا گو کہ وہ اس کے حقیقی باپ نہ تھے مگر انہوں نے اسے پالا تھا۔ صرف باپ بن کر نہیں ماں بن کر بھی۔

ارسل صوفے سے اٹھ کر انتظار کی طرف آیا۔ وہ صوفے پر بیٹھے تھے۔ ان کے پیروں میں بیٹھ گیا اور اپنا ہاتھ ان کے

گئے پر رکھتا یا نیا پاشا کا عکس تھا۔ جب کا اظہار تھا۔
"میں آپ کا سر اونچا رکھوں گا۔ میں ساری زندگی آپ کے ساتھ رہوں گا۔ جب آپ بوڑھے ہو جائیں گے اور چلنے کے لیے چھڑی کا سہارا محسوس کریں گے تب میں آپ کو چھڑی نہیں اٹھانے دوں گا۔ میں خود چھڑی بنوں گا۔" ارسل نے اشفاق کا بازو پکڑ کر لاڈ سے لپٹتے ہوئے کہا۔

اس اظہار محبت پر ان کی آنکھیں نہ چھلکیں پر دل ضرور ڈوب گیا۔

"ٹھیک ہے انکل ہمیں بھی بڑا مزا آئے گا۔" اشفاق نے کہا تو ارسل بے اختیار ہنس پڑا۔

"سچ کہا....." کسی دور دراز کا چہرا ہنستے ہوئے کیا اس نے کہا۔

"بچانے والے کی نسل کے کسی کو نہیں۔" یہ بات ظاہر کرنے والی نظر تھی۔ ان کے لئے کئی دن کی امید تھی تو وہ بھی ختم ہو گئی۔

اشفاق نے کوئی جواب نہ دیا بس مسکرا دیے۔

"بیٹا آپ کو برا نہ لگے تو ایک کہوں؟" ارسل اچانک بولا تھا۔ اب کے قدموں میں بیٹھے ارسل کا ہاتھ ان کے گھٹنوں پر تھا۔

"کہو شہزادے" انہوں نے ارسل کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ کچھ دیر بعد انہوں نے اسے غور سے دیکھ کر مخاطب کیا تھا۔

"اللہ نے قرآن میں فرمایا ہے کہ بچے اپنے باپوں کے نام سے پکارے جائیں۔ میرے اصل والد کا نام پتا چل گیا تو میں ان کے نام سے پکارا جانا چاہوں گا۔"

اشفاق دم بخود رہ گئے۔ کچھ دیر تک خاموش رہنے کے بعد بولے۔ اس خاموشی کی ... نے توڑا۔

"ٹھیک ہے شہزادے..... جیسا تم کہو۔"

مگر ایسی کوئی نوبت ہی نہ آئی۔ وہ جگہ جہاں تمہیں سال پہلے یتیم خانہ تھا آج وہاں ایک عظیم الشان پلازہ تھا۔ یتیم خانے کی بابت معلوم کرنے پر پتا چلا سال کے بعد بند ہو گیا۔

"ان کے جانے کے بعد میرے لیے یتیم خانہ چلانا ممکن نہ رہا۔ چنانچہ میں نے پلاٹ بیچ دیا اور اپنے آپ کو مستحکم کیا۔ اب میں ایک ... یتیم خانے ... یتیم خانے ... کا ..."

یہاں تک کہ کراچی والے بھی بھول گئے تھے کہ یہاں یتیم خانہ ہوا کرتا تھا۔ وقت نے کیا کچھ بدل دیا تھا۔

باپ بیٹا اس دن کی ناکامی کے بعد واپس اپنے شہر آ گئے۔

☆☆☆

اتوار کی صبح تھی۔ موسم معتدل تھا۔ ہر چیز پر اتوار کا رنگ چڑھا ہوا تھا۔ بخت اپنے کمرے میں کورس کی کتابیں کھولے بیٹھا تھا۔ شہزاد کے بعد وہ یہاں ملازم کی طرح نہیں رہا تھا۔ اس کا کمرا کچھ چھوٹا تھا۔ آرائش اور ساز و سامان میں ارسل کے کمرے سے مختلف تھا۔ یہ تو تیسری جگہ اس کا کمرا تھا۔ اشفاق کی کہنا دو ہو گی اس وقت جب اکثر بخت ارسل سے آگے بڑھتا محسوس ہوتا اسے یاد آتا کہ وہ ملازم ہے۔ اسے ارسل کا خیال رکھنا ہے اسے یاد رکھنا ہے کہ وہ اس کے گھر کا نمک ہے۔

وہ کافی دیر پڑھتا رہا جب پڑھتے پڑھتے تھک گیا تو اس نے کتاب بند کر دی۔ کچھ دیر یونہی آنکھیں موند کے بیٹھا رہا۔

وہ یہ سوچ رہا تھا کہ کاش وہ ارسل کی جگہ ہوتا۔ آج کل وہ سوچ رہا تھا کہ جس دن سے وہ کالج گئے تھے اس دن سے ... اس کا فون بہت بجا کرتا تھا۔ ارسل کی زندگی کا واحد مقصد بہت پیسہ کمانا ہوتا ہے۔ یہ خدا کا احسان تھا کہ اسے ... آج صبح ایک خوب صورت کالونی کے ایک خوب صورت گھر کے آرام دہ کمرے میں بیٹھا پڑھ رہا تھا۔ ارسل کی جھلکیاں ... ارسل میں ... اب ... کے ... آرام ... پر ... کیا کرتے تھے۔

آنکھیں موند کے وہ کتنی دیر یونہی بیٹھا رہا۔ جب شہزاد کے موبائل ... تو موبائل اٹھا کر ارسل کو پیغام بھیجنے لگا۔

"کیا کر رہے ہو؟" پیغام لکھنے کے بعد وہ ارسل کے جواب کا انتظار کرنے لگا۔

"ہاں۔" مختصر ترین ارسل کا جواب آیا۔

وہ ... سے ... محسوس ہوتا سب رہتا ... بھی ... تھا۔

اپنے کمرے سے نکل کر وہ ارسل کے کمرے کی طرف گیا۔

... ارسل کے ساتھ کھانے پر

تک گیا۔

"کچھ نہیں۔" گو کہ ارسل کم گو تھا مگر آج کل وہ جس طرح خاموش رہتا تھا، کوئی تو بات تھی۔ بخت اسے دیکھتا رہا۔

"بغیر بتائے کراچی بھی ہو آئے۔ ویسے ملک صاحب کا کراچی میں کیا کام نکل آیا تھا؟" ایک زمیندار کو بھلا دور دراز کے شہر میں کیا کام ہو سکتا ہے۔ بخت کا تجسس غلط نہ تھا۔

"بس یار! مجھے بھی سمجھ نہیں آیا کیا کام تھا۔ بس گئے اور آ گئے۔" ارسل نے گول مول سا جواب دیا۔

"اب اتنی دور گئے تھے تو گھوم پھر لیتے۔ مزارِ قائد، سمندر، عجائب گھر کچھ تو دیکھ آتے۔"

"بس جانا ہی نہ ہوا۔ تم سناؤ پڑھائی کیسی جا رہی ہے؟" ارسل نے پہلو تہی کرتے ہوئے موضوع بدلا۔

"اچھی جا رہی ہے۔ دعا کرو اللہ سرخرو کرے۔"

دعائیں تو اب بخت کے لبوں پہ ہی رہتی تھیں۔ ایف ایس سی کے رزلٹ کا انتظار کرنے کے ساتھ ساتھ لڑکوں نے انٹری ٹیسٹ کے لیے اکیڈمی بھی جوائن کر لی تھی۔ ارسل کا یہ معاملہ نہ تھا، بے دلی سے کتاب لیے بیٹھا رہتا۔

"انشاء اللہ میڈیکل کالج تمہارا انتظار کر رہا ہے۔"

ارسل نے کہا تو مسکراہٹ بخت کے لبوں پر آن ٹھہری۔

لان میں آ کر لڑکے کرکٹ کھیلنے لگے۔ ٹاس کے بعد پہلے ارسل بیٹنگ کرنے لگا۔

"اونچی شاٹ مت لگانا، گیند باہر گئی تو خود جا کر اٹھانا۔" بخت کہہ رہا تھا کیونکہ سامنے والی دیوار چھوٹی تھی۔

کتنی دیر لڑکے کرکٹ کھیلتے رہے اور ساتھ والے گھر میں رہنے والی عندلیب نے جھانک جھانک کر منچلوں کو کرکٹ کھیلتے دیکھا اور آہیں بھر کر رہ گئی۔ بچپن میں اسے بھی کرکٹ کھیلنے کا بہت شوق تھا۔

☆☆☆

وہ فرید گیٹ سے اندر بلاوجہ ہی بازاروں میں گھومتا رہا اور ایسی دکانوں کے سامنے رک جاتا جہاں سے اس نے کبھی خریداری کی تھی اور نہ ہی متوقع تھی۔

وہ یونہی غائب دماغی سے چلتے رکتے وہ وقت گزار رہا تھا۔

"پینڈو، یتیم خانہ!"

ان دو لفظوں نے کیسے زندگی بدل دی تھی۔ کہاں وہ لڑکا جس کے اگر ہونٹوں پر مسکراہٹ نہ بھی ہوتی مگر دل مسکرا رہا ہوتا اور کہاں یہ ارسل جس کی چپ سامنے والے کو تشویش میں مبتلا کر دیتی۔ فرید گیٹ پر پہنچ کر اس نے ایک رکشے والے کو روکا اور اس میں بیٹھ گیا۔ اس نے رکشے والے کو چڑیا گھر چلنے کا کہا۔

ابھی وہ ٹکٹ لے رہا تھا کہ موبائل فون بجنے لگا۔ انتظار فون کر رہے تھے۔

"بس یار گھر بیٹھا بور ہو رہا تھا۔ اس لیے چہل قدمی کے لیے نکل آیا۔" وہ انتظار کو بتانے لگا۔

"میں بھی ساتھ چلتا۔" انتظار کہہ رہے تھے جواباً ارسل ہنس دیا کہ انتظار فون کے دوسری طرف اسے ہنستا سن لیں اگر پتا چلے کہ آپ بے نام و نشان ہیں تو انسان تنہا ہو جاتا ہے۔

ارسل بھی تنہا ہو گیا تھا۔ ایک بھائی جیسا دوست تھا بخت۔ دو تین بار دل مائل ہوا کہ اسے اپنا غم بتائے مگر اسے بتا نہ پایا۔

کیا یہ بتاتا کہ اسے ایک لڑکی سے محبت ہے۔ ہاں وہی لڑکی جس کے بارے میں تم نے کہا تھا، ارسل مجھے لگتا ہے تم اس لڑکی سے محبت کرتے ہو۔ جب میں نے اسے حالِ دل بتانے کا ارادہ کیا تو اس لڑکی کے منہ سے اپنے لیے پینڈو کا لفظ سنا اور یہ کہتے ہوئے بھی کہ وہ مجھ سے اس لیے بات کرتی ہے کہ ثواب کا کام ہے۔

یہ سوچ کر دل ایک بار پھر سکڑا اور سمٹا اور اس نے اپنا چہرہ ہرنوں کے جنگلے کے ساتھ لگا لیا۔

اپنے وجود کے بے نام ہونے کا تو وہ کسی کو بتا نہیں سکتا تھا۔ انتظار نے منع کیا تھا۔

جب وہ شیر کے پنجرے کے ساتھ کھڑا سست رو شیر کو سستی سے بیٹھے دیکھ رہا تھا اور اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا، تب موبائل کی بیپ بجی کوئی پیغام آیا تھا۔ اس نے موبائل جیب سے نکال کر دیکھا۔

"نہ پڑھائی کرتے ہو نہ فون اٹھاتے ہو۔ ایسا کیوں ہے ارسل۔" جویریہ کا پیغام تھا۔ ارسل نے دو دفعہ پیغام پڑھا۔

جب سے کالج ختم ہوا تھا، جویریہ کی تین بار کال آ چکی تھی اور یہ دسواں پیغام تھا۔ ارسل نے کال ریسیو کی اور نہ کسی پیغام کا جواب دیا۔

ہاتھ کے انگوٹھے سے موبائل کی اسکرین پر مندرجات ..... اوپر نیچے کرتے ہوئے وہ جویریہ کے آئے ہوئے دسوں پیغامات دیکھنے لگا۔ سب کا متن ایک سا تھا مگر اس اپ ٹو ڈیٹ ماڈرن لڑکی کو ارسل جیسے پینڈو سے اب رابطے کی کیا ضرورت تھی؟

"سوری میڈم! ثواب کمانے کا کوئی اور ذریعہ ڈھونڈیں۔" یک لخت ارسل کے دل میں آیا، وہ موبائل کا بیک

کر کو لینے کا وہ سوال نہ ہے جو پہلی بار اسے عدن کو دیکھ کر کیا تھا۔

"سنا جانو!" ہمیں کے لگا جیسے وہ کسی نے دھڑکن کے پیچھے کر دیا ہو۔ اب وہ اپنے کی کیا ضرورت تھی۔ گلاس پر بیٹھ کر آنے جانے والوں کو دیکھنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد ادیل کی نگاہیں ایک چہرے پر ٹک گئیں۔ چہرہ جانا پہچانا تھا۔ لڑکی کی شکل ساتھ والے گھر والی فوزیہ سے مشابہت رکھتی تھی۔

ادیل سوچنے لگا کہ اس لڑکی کو کہاں دیکھا تھا؟

"کیا کالج میں؟" نہیں۔ ہاں یاد آیا۔ اس لڑکی کو ساتھ والے گھر سے اپنے لان میں جھانکتے دیکھا تھا۔ ایک بار نہیں کئی بار۔

وہ عندلیب تھی۔

اب ادیل کو سمجھ آیا کہ کیوں وہ اسے اچھی لگی تھی۔ وہ عندلیب کیوں تھی۔ ادیل نے تب تک عندلیب کو دیکھا جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہ ہو گئی۔

☆☆☆

[illegible] مسکرا دی۔

"جی؟" اجازت ہے؟ [illegible]

"بڑے صاحب کہہ رہے تھے کہ آپ کے کمرے میں آکر کہا ہے۔" انکار نے بیٹھا کہا۔ اس وقت بیٹھے تھے [illegible] کوئی بات کہنے میں لگا رہے تھے۔ ادیل جو [illegible] کھانے کا [illegible] پڑ [illegible] ادیل انکار کے کمرے میں تھا۔

"لو بیٹا۔" انکار نے ادیل سے کہا۔

"بابا آپ بھی [illegible]" ادیل [illegible]

"تمہارے انکار میں [illegible] کیا کرو۔"

"ہاں کیونکہ [illegible]" دونوں باپ بیٹا ہنس دیے۔

"آخری محبت کی کبھی بتائی ہے؟" انکار عنایا کی طرف دیکھ کر بات کرنا چاہتے تھے۔

"بابا ٹھیک ہے۔ ادیل اب میں نے بیاہ کی بھی نہیں۔ جتنے اچھے انکل کے [illegible] آتے ہیں اس سے [illegible] آخری محبت میں اکثر ہوتا [illegible]" انکار سوچتے ہوئے رہ جانے لگے۔

"بابا..... [illegible] ادیل [illegible] خوبصورت [illegible]"

ادیل نے فوراً ہاتھ میں پکڑ لیا۔ "کیا ہوا؟" انکار کہاں ہو [illegible] انکل کی تفصیلات بتانے لگا جہاں وہ فضا ملی تھا۔

"لاہور۔ ملتان کیوں نہیں؟" انکار نے ادیل سے پوچھا وہ اس کی [illegible] چاہتے تھے۔

"بابا میں بڑے شہر جانا چاہتا ہوں۔ بڑے شہر کی طرز زندگی، پرسنالٹی گرومنگ چاہتا ہوں۔ اس کے لیے لاہور بہتر ہے۔" ایک مسکراہٹ انکار کے چہرے پر آن ٹھہری۔ زندگی [illegible] والی بات [illegible] جب انکار خود چاہتے تھے کہ ادیل اپنا [illegible] بدلے۔ بڑے شہر کے [illegible] اپنائے مگر ادیل نے [illegible] زندگی [illegible] سادگی کا عنصر [illegible] تھا اور جب انکار [illegible] بیٹے کی سادگی [illegible] تب وہ پرسنالٹی گرومنگ چاہتا تھا۔ اس کے لیے بڑے شہر کا انتخاب کر رہا تھا۔

اگر پہلے والی بات ہوتی تو انکار [illegible] کے لیے قائل کر لیتے مگر جب سادہ تھا تو [illegible] ہے۔

"جیسے تمہاری مرضی [illegible]"

[illegible] لاہور [illegible] ادیل [illegible] بھی بیٹھا رہا۔

"آج آپ سے باتیں کرنے کا دل چاہ رہا ہے۔" انکار کہہ رہے تھے۔

"کھانا کیا [illegible]" ادیل [illegible] بیٹھا تھا۔

"ضرور [illegible] بیٹا [illegible] چاہتے ہو؟" کہہ کر انکار [illegible] ادیل کی آنکھیں [illegible] کی [illegible]

"نہیں۔" ادیل نے [illegible] ہلا دیا۔

"تو پھر.....؟"

چند لمحے [illegible] ادیل [illegible]

"بابا مجھے ایک لڑکی پسند ہے..... عندلیب۔ ساتھ والے گھر میں رہتی ہے۔" کہہ دیا [illegible] کی بات اس [illegible] کی معلوم ہو چکا تھا۔

"پیر صاحب کی بیٹی؟" انکار کی [illegible] سے [illegible] تھی۔

"جی!"

انکار خاموشی سے ادیل کو دیکھنے لگے [illegible] ادیل [illegible]

خوشی کے جذبات کے ساتھ انتظار اپنی جگہ سے اٹھے اور ارسل کو گلے لگا لیا۔

''یہ شیر جوان۔ ملک انتظار کا بیٹا۔'' انتظار ارسل کو بھینچے کھڑے تھے۔ ''سردار صاحب سے پرانی جان پہچان ہے۔ میں کل ہی بات کرتا ہوں۔''

☆☆☆

کئی سالوں بعد مثلِ بہشت کے بنیادی مرکز میں ایک بھولا بھٹکا ڈاکٹر تعینات ہوا۔ ڈاکٹر صاحب مثلِ بہشت آن بسے۔ وسیم رحمانی ڈسپنسر اب کافی بوڑھا ہو چکا تھا۔ سروس کا آخری سال تھا۔ اس لیے اس نے ڈاکٹر کے آنے کا زیادہ برا نہ منایا اور یوں مثلِ بہشت کے لوگوں کو ایک پڑھا لکھا ڈاکٹر میسر آ گیا۔

بخت کی ماں نصیبن کئی دنوں سے پیٹ میں بھاری پن محسوس کر رہی تھی۔ کافی تکلیف میں تھی۔ اس نے مرکز صحت آکر چیک اپ کرایا۔ ڈاکٹر نے تفصیلی معائنہ کیا۔ معائنے کے بعد بیٹے کو بھی کمرے میں بلایا۔

''مجھے کالے یرقان کا شبہ ہوتا ہے۔ آپ انہیں فوراً شہر کے اسپتال لے جائیں۔ وقت ضائع کرنا زندگی ضائع کرنے جیسا ہے۔'' ڈاکٹر صاحب نے جس سنجیدگی سے کہا، انہیں معاملے کی سنجیدگی کا احساس ہوا۔ گھر پہنچتے ہی بخت سے بات ہوئی۔

''دیر مت کریں، امی کو شہر لے آئیے۔'' اور اگلے دن کی شام نصیبن بی بی شہر میں تھی۔ اگلی صبح انہیں اسپتال چیک اپ کے لیے لے جایا گیا۔

''یہ بیماریاں تو پہلے شہروں تک محدود تھیں۔ اب تو ہمارے گاؤں والے بھی اس کی لپیٹ میں آنے لگے ہیں۔'' ڈاکٹر صاحب نے بخت اور ارسل کو اپنے کمرے میں بلایا اور گفتگو کی ابتدا کی۔

''کالے یرقان کی وجہ دراصل ہیپاٹائٹس سی وائرس ہے..... یہ وائرس جگر پر حملہ کرتا ہے۔ اگر بیماری کا پہلے پتا چل جائے تو ٹیکوں اور دوسری ادویات سے وائرس کو جسم میں صفر کیا جا سکتا ہے۔ مگر اگر بروقت نہ پتا چلے تو جگر کی تبدیلی ہی علاج رہ جاتا ہے یا پھر علامتی طور پر مریض کو ٹھیک کر دیا جاتا ہے۔ جیسے خاتون بھی علاج کے مراحل کے بعد آئی ہیں۔ ان کا جگر بھی تبدیل نہیں کیا جا سکتا کہ ضعیف العمر ہیں۔ اب ہم رفع حاجت کے دوران آنے والے خون کو بند کرنے کی ... ادویات دے رہے ہیں۔'' سینئر ڈاکٹر کے ماتحت کام کرنے والے جونیئر ڈاکٹر نے نوجوان لڑکوں کو مرض کے متعلق اور مریض کی صورت حال کے متعلق تفصیلاً بتایا۔

☆☆☆

دستک کے بعد ارسل اندر کمرے میں داخل ہوا۔

''آؤ شہزادے آؤ۔'' انتظار نے ہی ارسل کو بلایا تھا۔

''کیسی طبیعت ہے، تمہارے دوست کی ماں کی؟'' ارسل کاؤچ پر بیٹھا تو انہوں نے گفتگو کی ابتدا کی۔

''بہتر ہے۔ خون تو نہیں آ رہا مگر یہ عارضی علاج ہے۔ ڈاکٹر کہتے ہیں وائرس ان کے جگر کو ناکارہ کر چکا ہے۔ عارضی علاج کے سہارے ہی زندگی گزرے گی۔'' انتظار سوچتے ہوئے سر ہلانے لگے۔

''اللہ انہیں صحت یاب کرے۔ میں نے تمہیں خاص بات کرنے کے لیے بلایا ہے۔ وہ باتیں جو بیس سال کے ہو کر تمہیں خود ہی سمجھ لینی چاہیے تھیں۔'' انتظار موضوع کی طرف آئے۔

''جی ابو!'' ارسل مزید سیدھا ہو کر بیٹھا۔ یہ اشارہ تھا کہ وہ بات توجہ سے سن رہا ہے۔

''زندگی گزارنے کے اپنے اصول ہوتے ہیں۔ جذبات کے سہارے زندگی نہیں گزرتی۔ زندگی کا کلیہ ہے کچھ لو اور کچھ دو ہے۔'' ارسل کا دل لمحے بھر کو کچھ زیادہ تیز دھڑکا۔ انتظار کیا کہنے جا رہے تھے۔

''بخت تمہارا دوست ہے۔ شاید تم اسے اپنا بھائی مانتے ہو۔ مگر مت بھولو وہ تمہارا ملازم ہے۔ ایک چرواہے کا بیٹا۔ اگر تم نہ چاہتے تو وہ کبھی اسکول نہ جاتا۔ تم نے فرمائش کی کہ وہ بھی ہمارے ساتھ شہر چلے۔ میں نے برا نہ منایا۔ اس کی ماں کالے یرقان کی مریضہ ہیں۔ وہ ان کا بیٹا ہے، علاج کروانا اس کا فرض ہے۔ سرکاری اسپتال میں علاج کے لیے لے جانے کے بجائے تم اسے پرائیویٹ اسپتال میں لے گئے اور کثیر سرمایہ خرچ کر آئے۔ پہلے بھی وہ تمہارے بل پر یہاں ہے۔ پیسوں کی قدر جانو۔ انہیں سوچ سمجھ کر خرچ کرو گے تو ہی یہ تمہارے پاس رہیں گے اور... بہر حال ہمارے پاس قارون کا خزانہ نہیں۔''

انتظار کی بات سن کر ارسل مسکرانے لگا۔

''ابو! چند پیسوں کے عوض جو محبت حاصل کی کیا وہ کم ہے؟'' چہرہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر جمائے وہ نرم مسکراہٹ سے باپ کو دیکھ رہا تھا۔

''پیسوں کے عوض حاصل کی جانے والی محبت طویل العمر نہیں ہوتی اور ایسی محبتیں تم جب چاہو حاصل کر سکتے ہو۔'' انتظار اپنی زندگی کا تجربہ بیان کر رہے تھے۔ ارسل

مسکرا دیا۔

"ٹھیک ہے ابو جو آپ کہیں۔" زمان نے باپ کی تائید کرتے ہوئے ادول کے انداز بدلنے سے وہ خوش تھا۔ بجائے کہیں مستقبل میں کسی بیگم کی اپنی ہے۔ اس نے کسی حد تک سمجھا ہے کا، جانا اس کے لیے موضوع بدلا اور موضوع بھی بدلا ادول کی ان کا پسندیدہ تھا۔

"مرزا صاحب سے میں نے دعا سلام بڑھا لی ہے۔ انہیں چائے پر بھی مدعو کیا ہے۔ تھوڑا آنے جانے کھلیں تو بات کروں گا۔ تب تک تمہارا بھی میڈیکل کا فرض بھی مکمل ہو جائے گا۔ تب بات کرتے ہوئے بھی اچھا لگوں گا کہ میرا مستقبل کا ڈاکٹر ہے۔" ادول کے چہرے پر مسکراہٹ کی جگہ سنجیدگی نے لے لی اور اثبات میں سر ہلاتے ہوئے وہ جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔

"بیٹے چائے بھی نہ پیا۔ میرا اپنا کھانا کھا لو جلدی وہ تصور تو سائیڈ جب تمہیں کھانے کی میز پر بیٹھنا آئی اور اس کی چشم دل۔" ادول اتنی جلدی کرنے سے پوچھنے لگے۔

"پیٹ بھرا ہوا ہے، شکر! اچھے باپ کہیں چل جائیں۔"

مسکراہٹ پر وہ کاٹی مسکراہٹ سجائے ہوئے انہیں شرمندہ کرتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

☆☆☆

لان میں بیٹھے وہ بخت کے سامنے کرسی ڈالے ادول کے گھر کے لان پر ٹانگ ادول اور بخت کے سامنے آئے تو بخت تی وی سے اٹھنے کی اجازت چاہی۔ کا نہیں ہے سامنے کرسی پر بیٹھا وہ مسکرا اب کو خاموشی سے گر دیا۔ ادول دائیں طرف دیکھ کر خوش ہوا پھر اپنا ہاتھ نیچے کر کے ادھر بخت پاس ہی آ بیٹھا ہے۔ ادول نے پاس کے گھر سے رخ پھیر لیا۔

بے بسی کا احساس ابھری۔ بندگی سے منسوب بخت کی کیفیت اور سر پر ادول کے ساتھ کرسی ڈال کر بیٹھ گیا۔

"کیا کر رہے ہو؟" بخت نے سوال کیا۔

"کچھ نہیں، بس فرصت کی گھڑی سے گزر رہا تھا۔" ادول نے جواب دیا۔

چہرے کا سوالی وہی اور پھر بخت کو دیکھا۔

"تمہارا گھر یہاں سے قریب ہی ہے۔"

"ہمیں ملنے میں یہ؟" ادول وہ کرسی کے تکیے پر بھی ٹانگ ٹیک کر بیٹھا تھا، جو واقعی بخت کی طرف مڑ دیا۔

"ابھی اس کے لیے ہر طرح کے جھٹکے سہنا اب بھی اس کا بھلا ہو اس نے دکھ اٹھانا۔۔۔

"چلیں! ادول نے بخت کو دھیان میں بولا۔" ادول نے بخت کی بات کرکے دوستی کا حکم مت کرو۔" ادول نے بخت سے بات کی۔ ایک چہرے سے محبت دیکھ بخت چہرے کی بھلکی ہنسی ہنسا۔

"آپ کی طبیعت کیسی ہے اب؟"

"کافی بہتر ہے۔"

"آ نکلا اچھے ساتھ کچھ مشکل میں ہمارے دوست ہیں۔"

"کیا صاحب اب مانتے گئے" بخت کا کیا چھپاتی تھی۔

"ٹھیک ہو کوئی بات جو نہ میں اس سے کیے دوں گا؟"

بس سے ادول کہاں جاتا تھا۔ بخت کی ماں کا بیان تمام ایسی زندگی میں کی طرح کہانیاں لائے گا۔

"اور مانو تمہاری بہت کی چائے کیسی ہے؟" کچھ دنوں پہلا تمہاری بہت تھا۔

"میں تو مستقل ہوں۔ مگر آگے کیا بتا ہے۔" بخت نے ایک طویل سانس بھری۔

دونوں نے مزید کچھ باتیں کیں۔ تمام میں جرب کی باتیں کرکے کچھ فیصلہ وہ دونوں چڑھنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔

☆☆☆

"کانے کے زمان کے ساتھ آپ کی والدہ اور بڑی بھی کھرچیں لگی ہیں سے ٹھیک ہے اب محمول سنی ہو رہی وہ اپنی امی کے ساتھ پر منتقل کر رہے گا۔" بخت ماں کو لے کر باہر نکل آیا اور بس سے پیچھے آیا تھا۔

"ہاں ڈاکٹر صاحب امی کیسا ہیں اس کے لیے آ مورت اور ہا ہا ہے۔" بخت نے تھوڑی سی تشویش ظاہر کی۔

"ہاں یہ کافی دیر تک سنگین ہیں ہے لیکن ایک اچھا امر ہے کہ فرزاں ہے۔ کافی ٹھیک ہوتا ہی طور پر جلدی باہر سے مریض کی حالت سے بچنا ہے۔ آپ کی والدہ کی استعمال شدہ مریض جو فی الحال طور پر کی اور آرام اور بحال کرتے ہوئے دیکھ لیں گے۔ جہاں سے کوئی تشخیص کا اندیشہ ہے۔" ڈاکٹر صاحب نے مریض کے متعلق بہت سی باتیں بتائیں۔

اسپتال سے نکل کر اس کا ہاتھ تھامے وہ واپس کرنے کے بعد ایک رکشے والے کو پاس بلانے لگا۔ کبھی موبائل فون گنگنانے لگا۔ بخت نے جیب سے موبائل نکالا، ادول کی کال تھی۔

"بخت یار! تمہاری بہت کا رزلٹ آگیا۔" ادول کی آواز میں خوشی چھلک رہی تھی۔ بخت کے دل کی دھڑکن اچانک تیز ہو گئی۔ ایک لمحے میں سارے اندیشے جاگ اٹھے۔

"اچھے نمبر سے پاس ہوئی ہے؟" بے تابی سے اس نے ادول کو

سنبھالنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے وہ پوچھ رہا تھا۔ آواز میں کپکپاہٹ تھی اور پورا جسم جیسے کان بن گیا تھا۔

☆☆☆

شہر شفٹ ہونے کے بعد انتظار نے ڈاکٹر عامر کو کئی بار یاد کیا۔ کئی سال پہلے وہ مثلِ بہشت میں مسیحا بن کر آئے تھے مگر اندرونی سازشوں کی وجہ سے وہ زیادہ عرصہ قیام نہ کر سکے۔ تب انتظار نے ان کا فون نمبر لیا تھا۔ شومئی قسمت نمبر ان سے کھو گیا اور وہ پھر ان سے رابطہ نہ کر سکے۔

ڈاکٹر صاحب انتظار کے دل کو ایسے بھائے تھے کہ اب بھی کبھی کبھار ان سے ملنے کی خواہش دل میں جاگتی۔ ڈاکٹر عامر کی سادگی نے انہیں متاثر کیا تھا۔ وہ انسان دوست تھے۔ شاید یونہی سرِراہ کسی موڑ پر ملاقات ہو جائے۔

صفدر کے ساتھ وہ گروسری اسٹور پر روزمرہ کا سامان لینے آئے تھے۔ مختلف اشیا کے ریکس کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے وہ اپنی پسند کی مطلوبہ شے اٹھاتے اور ٹرالی میں رکھ دیتے۔ ٹرالی گھسیٹتے ہوئے صفدر ان کے پیچھے پیچھے چلتا۔

تبھی ان کی نظر ساتھ والے ریکس پر ہیئر کلرز کی ورائٹی پر نظر جمائے آدمی پر پڑی۔ پروقار شخصیت کا حامل وہ انسان جس کی کن پٹی کے بال سفید تھے، انتظار کو جانا پہچانا لگا۔

''کہاں پر دیکھا تھا؟'' ریکس پر نظر جماتے ہوئے وہ سوچنے لگے۔

بل ادا ہو گیا اور صفدر سامان گاڑی کی ڈگی میں رکھنے لگا۔ تب وہ آدمی کاؤنٹر پر کھڑا بل بنوا رہا تھا۔ ساتھ نوعمر لڑکی تھی جو چہرے مہرے سے ان کی بیٹی لگتی تھی۔ گاڑی کے پاس کھڑے گروسری اسٹور کے شیشے کے پار وہ اس آدمی کو دیکھنے لگے۔ تب ان کے ذہن میں اچانک جھماکا ہوا۔

''ارے یہ تو ڈاکٹر عامر ہیں۔'' کئی سالوں بعد دیکھا تھا۔

اور جب وہ باپ بیٹی سامان کے شاپر اٹھائے گروسری اسٹور کے ملازم کی مدد سے سامان گاڑی میں رکھ رہے تھے، انتظار ان کے پاس آئے۔

''السلام علیکم!'' انتظار نے سلام کر کے انہیں متوجہ کیا۔ سلام کا جواب دے کر وہ انتظار کو دیکھنے لگے۔ آنکھوں میں شناسائی کی چمک نہ جاگی۔

''معاف کیجیے گا۔ مجھے یاد نہیں آرہا کہ ہم پہلے کہاں ملے تھے؟'' ڈاکٹر عامر پوچھ رہے تھے۔

''میں ملک انتظار، مثلِ بہشت سے۔'' مثلِ بہشت کے نام سے وہ چونکے اور پھر انہیں انتظار کو پہچاننے میں دیر نہیں لگی۔

''اوہ ملک صاحب! کیسے ہیں آپ؟ اتنے سالوں بعد۔'' وہ گرم جوشی سے گلے ملے۔ ''ملک صاحب! آپ تو بالکل بھی نہیں بدلے۔ لگتا ہے وقت نے آپ کو چھوا ہی نہیں۔ کہیں آبِ حیات تو نہیں پیا ہوا۔''

انتظار کھلکھلا کر ہنس دیے۔ ''نہ ڈاکٹر صاحب! ایسی بات ہوتی تو آپ مجھے پہچان جاتے۔''

''یہ میری کم نظری ہے کہ میں آپ جیسی معتبر شخصیت کو نہ پہچان پایا۔''

''جانے دیں ڈاکٹر صاحب۔''

''ملک صاحب! میری بیٹی جویریہ میڈیکل کی اسٹوڈنٹ ہے۔'' جویریہ مسکرا کر آگے بڑھی۔ موباف میں لپٹے بالوں والا سر تھوڑا سا جھکا کر سلام کیا۔

''وعلیکم السلام! خوش رہو۔'' انتظار نے خوش دلی سے سلام کا جواب دیا۔

''میرا بیٹا بھی میڈیکل کا اسٹوڈنٹ ہے۔ لاہور میں پڑھتا ہے۔ نمبر کم آئے تھے تو پرائیویٹ میڈیکل کالج میں داخلہ لے لیا۔''

''ملک صاحب! آپ دھن کے پکے ہیں۔ یاد ہے جب آپ نے افطار پر بلا کر اپنے بیٹے سے ملوایا تھا اور کہا تھا مستقبل کا ڈاکٹر ہے اور آپ نے داخلہ کروا ہی لیا۔'' انتظار ہنس دیے۔

''بس اللہ کی نوازشیں ہیں۔''

انتظار نے انہیں مختصراً اپنے شہر شفٹ ہونے کے بارے میں بتایا اور یہ بھی کہ اب تو بیٹا لاہور چلا گیا ہے اور اب وہ دوبارہ مثلِ بہشت شفٹ ہو جائیں گے۔ ایک دوسرے کے نمبر کا تبادلہ ہوا۔ دونوں حضرات رخصت ہوئے۔

☆☆☆

انٹری ٹیسٹ کا رزلٹ شاندار تھا۔ بخت کے پاؤں زمین پر نہ ٹکتے تھے۔

قائداعظم میڈیکل کالج۔ وہ جگہ جہاں اس نے داخلے کا خواب دیکھا، آج وہ خواب تکمیل کو پہنچا۔ کچھ ہی عرصے میں کلاسز کا آغاز ہو گیا۔ وائٹ کوٹ ہاتھوں میں تھامے میڈیکل بکس شولڈر بیگ میں لیے، وہ بس اسٹاپ پر کالج بس کا انتظار کرتا نظر آتا۔ خوشی اس کے چہرے سے پھوٹتی۔ شانِ بے نیازی اس کی چال سے ظاہر ہوتی۔

ارسل بھی لاہور کوچ کر گیا۔ لاکھوں روپے فیس بھر کر اس

کالا عزت کے احترام کے ساتھ [illegible] کی گاڑی بھی داخل ہو گیا۔
اور دیا کر دی اس نے [illegible] کی کوشش شروع کر دی۔

تمیز سے اس کی والدہ [illegible] سے ملتان سے جا کر [illegible] تبدیلی کروا دی [illegible] انہوں نے [illegible] انگلش بہتر کرنے کے لیے اس نے [illegible] داخلہ لے لیا اور [illegible] کی محنت سے [illegible] کا لیول پاس کر لیا۔

ایک بیٹے [illegible] انتقال [illegible] بھی [illegible] اب [illegible] بہت [illegible] بچے [illegible] میں اور [illegible] بیٹے کے ساتھ گھر آباد کر لیں۔ [illegible] زندگی [illegible] چلایا جاتا۔

ارسل اس قدر بڑا ہوا [illegible] کہ انتظار حیران رہ گئے۔ [illegible] کے ساتھ [illegible] کے گھر میں [illegible]

"شہزادے! [illegible] ایک [illegible]" انتظار [illegible] ارسل [illegible]

"سردار صاحب سے بات ہوئی ہے۔ وہ تم سے ملنا چاہتے ہیں۔" انتظار [illegible]

"[illegible] جب [illegible] آتے ہیں۔" انتظار [illegible] سردار صاحب [illegible] شام [illegible] کیا۔

"شہزادے [illegible]" انتظار [illegible] ارسل کی [illegible]

[illegible] ارسل چپ بیٹھا رہا۔

☆☆☆

[illegible] ارسل باپ کے ساتھ سردار صاحب کے ڈرائنگ روم میں بیٹھا تھا۔

اب [illegible]

سردار صاحب گرم جوشی سے ملے۔ ان کے انداز سے لگتا تھا کہ وہ [illegible] رشتے کے لیے راضی ہیں۔ [illegible]

[illegible] عندلیب کے لیے اچھا اور [illegible] اس کی عندلیب [illegible] سادگی [illegible] کرتے ہیں۔ عندلیب چائے کی ٹرے لیے اندر آئی۔

ارسل [illegible] چہرے پر شرم لیے [illegible] اس نے ٹرے [illegible] میز پر رکھ دی اور [illegible] چائے بنانے لگی۔

"[illegible]" عندلیب نے ارسل سے پوچھا تھا۔ [illegible] والے گھر میں [illegible] عندلیب [illegible] دی۔

"[illegible]" ارسل دیکھنے لگا۔ [illegible] سادی لڑکی خوبصورتی میں اپنی مثال آپ تھی۔ آنکھیں [illegible] چہرے پر معصومیت [illegible] ارسل [illegible]

[illegible] لڑکی [illegible] خوبصورت [illegible] کر لی تھی۔

ارسل کا دل اچاٹ سا ہو گیا اور وہ اس ملاقات کے اختتام کا انتظار کرنے لگا۔ واپسی پر انتظار ارسل سے [illegible] رہے تھے۔

"شہزادے! اس گھر [illegible] سسرال [illegible] شروع کر دو۔ سردار صاحب [illegible] روایت ہے۔"

جب وہ لوگ گھر کے اندر داخل ہو رہے تھے [illegible] انتظار [illegible] چلے گئے [illegible] ساتھ آ بیٹھی۔

"کہاں سے آ رہے ہو؟" [illegible] کا سوال تھا۔

"[illegible] کے لیے گیا تھا۔" [illegible]

[illegible] ارسل [illegible]

"کہاں؟"

"[illegible] کے گھر۔" ارسل نے [illegible] اشارہ کیا۔

"وہ لڑکی [illegible]" [illegible] کی آنکھیں [illegible]

"کون... عندلیب؟"

[illegible] ان کے دل میں

لڈو پھوٹ رہے تھے۔

ساتوں زمینیں بخت کے پیروں تلے سے کھسک گئیں۔ ساتوں آسمان اس کے سر پر ٹوٹ پڑے اور وہ ساکن سا ہو گیا۔

اس کا دوست اس کی محبوبہ کے گھر اپنے رشتے کے لیے ہو آیا تھا اور اس کی محبوبہ کو اپنی بیوی بنانے کی خوش خبری دے رہا تھا۔ وہ ساکن نہ ہوتا تو کیا ہوتا۔

☆☆☆

آسمان پر گول ٹکیا سا چاند چاندنی بکھیر رہا تھا۔ اس چاندنی میں آسودگی تھی۔

موسم ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ گوکہ ابھی سویٹر پہننے اور کمبل اوڑھنے کا وقت نہ آیا تھا۔ پھر بھی ایک ٹھنڈک کا احساس تھا۔

ارسل کے کمرے کو انرجی سیور نے روشن کیا ہوا تھا۔ بیڈ پر آلتی پالتی مار کر بیٹھا ارسل ڈھیلی شرٹ اور ٹراؤزر میں ملبوس تھا۔ یہ اس کا شب خوابی کا لباس تھا۔ سامنے بیٹھے بخت نے جینز پہن رکھی تھی۔ دل ایسا گھبرایا ہوا تھا کہ رات گئے بھی کپڑے بدلنے کا خیال نہ آیا۔

دائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر چہرہ ٹکائے' بخت کو دیکھتے ہوئے ارسل غور سے بخت کو سنے جاتا۔ نظریں جھکائے بیٹھا بخت، اضطرار جس کے ہاتھوں کی کپکپاہٹ سے واضح ہوتا۔ مدھم آواز میں کہہ رہا تھا۔

''مجھے نہیں پتا ارسل کب مگر عندلیب مجھے اچھی لگنے لگی۔ میں اس سے محبت کرنے لگا۔ وہ دیوار سے جھانکا کرتی اور میں اسے تکا کرتا۔ میں اس انتظار میں سہہ پہر لان میں گزار دیتا کہ اب جھانکے کہ ابھی جھانکے۔ وہ جھانکتی اور میں اسے نظر بھر کر دیکھ لیتا پھر سارا دن اچھا گزرتا۔ یہ روٹین دو سالوں سے جاری تھی اور مجھے خود بھی احساس نہ ہوا اور میں نے اعترافِ محبت کر لیا۔ اور اس کے ساتھ حسین خواب دیکھنے لگا۔ مجھے پتا ہوتا کہ تم بھی اسے پسند کرنے لگے ہو تو میں پہلے پیچھے ہٹ جاتا اس قدر آگے نہ جاتا مگر ارسل اب دیر ہو چکی ہے۔ میں واپس نہیں پلٹ سکتا۔ میں پلٹنا بھی نہیں چاہتا۔ تم نے مجھ پر بہت احسان کیے ہیں۔ آج میں میڈیکل کا اسٹوڈنٹ ہوں تو اس کی وجہ تم ہو۔ اب مجھ پر ایک اور احسان کر دو۔''

بخت چپ ہوا تو ارسل گہری نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ بخت کتنے لمحے انتظار کرتا رہا کہ ارسل کچھ بولے مگر جب وہ کافی دیر کچھ نہ بولا تو بخت بولنے لگا۔

''میں سمجھتا تھا تمہیں جویریہ پسند ہے۔ وہ کالج والی لڑکی۔ اب میڈیکل کالج میں وہ میری کلاس فیلو ہے۔ ایک دفعہ اس نے مجھ سے تمہارے بارے میں پوچھا بھی ہے۔ کیا تم بھی عندلیب کو پسند کرتے ہو یا محبت کرتے ہو؟''

بخت ارسل کو دیکھنے لگا وہ چپ چاپ اسے تکتا رہا۔ ارسل کی نگاہوں میں ایسی اپنایت تھی کہ بخت کے دل کو تقویت ملی۔

''ارسل! کچھ بولو تو سہی۔''

''کیا احسان کرنا ضروری ہوتا ہے۔'' ارسل نے کہا تو بخت اچنبھے سے اسے دیکھنے لگا۔

''تمہیں چاہیے تھا یوں بھیگی بلی کی طرح نہ آتے اور سر جھکا کر مجھ سے التجا نہ کرتے۔ بلکہ دھڑ سے دروازہ کھولتے ایسے جیسے توڑنے کا ارادہ رکھتے ہو اور مجھے ایسی غصے بھری نگاہوں سے دیکھتے جیسے ابھی کھا جاؤ گے۔ اور کہتے اوئے ارسل..... عندلیب میری نہیں تیری بھابی ہے۔ ہٹ جا ہمارے درمیان سے۔ راستے کا پتھر نہ بن۔ ورنہ تو نہیں یا میں نہیں.....'' ارسل ہنسنے لگا اور بخت ہونقوں کی طرح اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔

''مجھے عندلیب اچھی لگی تھی اور بھابی کے روپ میں بھی اچھی لگے گی۔ تم پریشان نہ ہو میرے دوست۔'' ارسل نے آگے بڑھ کر اس کے گال کو تھپتھپایا۔

اور بخت کے چہرے پر گلابوں سی مسکراہٹ کھیلنے لگی۔

''شکریہ بہت شکریہ ارسل!''

''کیا احسان اور شکریے کے الفاظ لغت سے ختم نہیں ہو سکتے۔ چلو لغت سے ختم کرنا ہمارے بس میں نہیں مگر کم از کم تم مت بولا کرو۔ یہ میری آخری تنبیہ ہے ورنہ مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔''

بخت کھلتی مسکراہٹ اور دھڑکتے دل کے ساتھ ارسل کے کمرے سے رخصت ہوا۔ بخت کے جانے کے بعد ارسل نے دروازہ بند کیا اور کاؤچ پر آڑھا ترچھا بیٹھ گیا اور آنکھیں موند لیں۔

''بخت کو لگنے لگا تھا کہ میں تمہیں پسند کرتا ہوں۔ کیا تمہیں نہ پتا چلا جویریہ؟'' چشم زدن میں وہ جویریہ سے مخاطب تھا۔ کیا دجہ تھی وہ پری وش بھولتی ہی نہ تھی۔ ان چند ماہ میں کیا کچھ نہ بدلا تھا۔ اسے معلوم ہوا تھا کہ وہ بنا ماں باپ کی پہچان کے ہے۔ اس نے شہر بدل لیا تھا۔ پہننا اوڑھنا بدل لیا تھا۔ دلچسپی کے نئے سے نئے پہلو ڈھونڈے تھے مگر وہ بھولتی ہی نہ تھی۔

☆☆☆

اپنی بقا اور حفاظت کے لیے انسان نے ایٹم بم بنا

یہ انداز اپنی جماعت کرتا بھی کس سے جاتا ہے؟
دوسرے انسانوں سے۔

... وہ انسان بھی کیا عجیب ہے کبھی جنگی ہتھیاروں، لڑائی کے لیے، خیال کرتا ہے تو کبھی معاشی اور کبھی [illegible] سے حملہ کرتا ہے اور کبھی عدم علم کی [illegible] کو مکمل ختم کر دیا جاتا ہے۔ بخت نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

☆☆☆

بخت نے دروازے پر دستک دی۔ اور اندر جھانکا۔
"اندر آ جاؤں؟"

انکار نے سر اٹھا کر دیکھا [illegible] وہ اندر داخل ہوا اور کمرے کے وسط میں جا کھڑا ہوا۔

کمرے کی سجاوٹ میں بھی انکار کا ذوق جھلکتا تھا۔ کمرے کے وسط میں سرخ قالین کا ٹکڑا تھا جس پر [illegible] رکھا ہوا تھا۔

انکار نے چشمے کے پیچھے سے بخت کو [illegible] کر کے [illegible] شروع کی۔

"کیا کہنا صاحب! آپ نے مجھے یاد فرمایا۔" بخت کی آواز [illegible] ان کی آنکھوں میں [illegible] کرنے لگے پھر بخت کا دل [illegible] ہو گیا۔ کمرے میں [illegible] خاموشی [illegible]

"[illegible] گھر سے۔" بخت نے [illegible] انکار [illegible] والے انداز میں [illegible] دیکھا۔

"آخر کیا ہے [illegible] ساری زندگی [illegible] تھا۔ [illegible] تم [illegible] اب [illegible] کی وجہ سے [illegible]" بخت [illegible] کہ سب انکار [illegible]۔ [illegible] انہوں نے آگے بڑھ کر ایک [illegible] اسے [illegible] کر دیا۔ بخت [illegible] ہو گیا۔

[illegible] گرتے ہی بخت نے گال پر ہاتھ رکھے بے یقینی سے انکار کو دیکھا تھا۔

"تمہاری ہمت کیسے ہوئی میرے بیٹے کی پسند کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھو۔ [illegible] میرے ازل کی [illegible] تم [illegible] باپ کی جگہ [illegible] ہو۔" انکار [illegible] بخت اب انکار کی طرف دیکھ بھی نہ پایا [illegible]

[illegible]

[illegible] انکار [illegible] ہونے پر باہر ہے ہے۔ بخت نے [illegible] کرنے سے [illegible] جانے کے لیے قدم بڑھا دیے۔

☆☆☆

انکار وقت کی قدروں کے عادی تھے۔ سوچ سمجھ کر بولنے کے عادی تھے۔ [illegible] ایک حد کا فاصلہ رکھنا ان کا اصول تھا لیکن [illegible] سے پیچھا [illegible] آئے۔ [illegible] نے [illegible] غصہ [illegible] کی [illegible] پر [illegible]

[illegible] آج بخت [illegible] کیوں آیا [illegible] بخت [illegible] ازل کی محبت میں [illegible] برداشت کر لیے۔ [illegible] مراعات [illegible] ازل اور انکار کی طرح [illegible] کے [illegible] انکار [illegible] کی [illegible]

[illegible] ازل سے آگے بڑھ [illegible] انکار [illegible] [illegible] کی طرح [illegible] بخت [illegible] کو [illegible] انکار [illegible] تھا جب [illegible] انکار [illegible] کرتا [illegible] اس بات نے انکار [illegible] کر دیا۔

ازل نے [illegible] تھا [illegible] انہوں نے اسے [illegible] انکار [illegible] ایک لڑکی پسند کر چکا ہے۔ کیا بات ہے [illegible] خون [illegible] کی [illegible] بات۔ ایک طرح سے [illegible] تھی۔ [illegible] تھے۔ [illegible] اور [illegible] کی طرف سے [illegible] تھے۔ [illegible] ازل نے [illegible] آ کر کہا [illegible] بخت کی طرف [illegible]

"کیوں؟"

"کیونکہ بخت اس کو پسند کرتا ہے [illegible] محبت کرتا ہے [illegible] بھی [illegible] جائے گی۔ بخت [illegible] کی پسند بھی چاہیے۔" انکار [illegible] ازل کو [illegible] بخت سے بات کرنے کا [illegible]

[illegible] بخت پر ہاتھ [illegible] تھے۔ [illegible] انہوں نے [illegible] کی [illegible] بخت [illegible] کی [illegible] ان کی

بہو بن کر آجائے۔

اور رات کے اس پہر انہیں پچھتاوے نے گھیرا ہوا تھا کہ انہوں نے اور کچھ زیادہ برا کر دیا۔

''چلو خیر۔کھلایا پلایا اس مقام تک بھی پہنچایا کہ وہ کل کا ڈاکٹر ہے۔کبھی معافی بھی مانگ لیں گے۔'' آرام سے کرسی پر جھولتے ہوئے وہ خود کو تسلی دے رہے تھے۔اس بات سے بے خبر کہ تلوار کے گھاؤ بھر جاتے ہیں زبان کے نہیں......

☆☆☆

کمرے میں اندھیرا تھا۔گھپ اندھیرا۔سیاہی ہر طرف چھائی ہوئی تھی۔وہ سیاہی جو ہر قسم کی اچھائی نگلنے کی صلاحیت رکھتی تھی اور کرسی پر بیٹھا بخت......جس کا وجود اس سیاہی میں گم تھا۔اس نے مڑ کر دیکھا، ماں سو رہی تھی۔اسے ماں پر غصہ آنے لگا۔اسے پیدا ہی کیوں کیا تھا' ذلت اٹھانے کے لیے کہ لوگ پہلے اسے اپنے گھر میں جگہ دیں اور جب سب کچھ اپنا لگنے لگے تو اسے ٹھوکریں مار کر کہا جائے نکل جاؤ یہاں سے۔

ارسل اس کا دوست۔وہ ہمیشہ ارسل کا شکر گزار رہا۔شعور کی جیسے جیسے منزلیں پار کرتا گیا، اسے احساس ہوتا گیا کہ سب اس لیے ہے کہ ارسل نے خواہش کی ہے۔ارسل کے ساتھ ہمیشہ ایک ممنونیت کا رشتہ برقرار رکھا۔گو کہ کبھی کبھار ایک حسد کا بھی جذبہ منہ چڑانے آجاتا اور اسے ارسل برا لگنے لگتا اور وہ یہ سوچنے لگتا کہ ارسل کی جگہ وہ ہوتا۔مگر اس جذبے نے کبھی اتنی پروان نہ پائی کہ وہ محض اسی جذبے کا اسیر بن کر رہ گیا ہو۔

اب عندلیب اسے پسند تھی۔وہ اس سے محبت کرنے لگا تھا تو اس میں اس کا کیا قصور تھا۔وہ دعوے سے کہہ سکتا تھا۔ارسل عندلیب سے محبت نہیں کرتا۔اس صورت حال میں بھی کیا وہ اپنے دوست سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ میرے لیے یوں مت کرو۔عندلیب سے رشتہ نہ جوڑو۔

بالکل کہہ سکتا تھا۔پھر ملک انتظار نے ایسا کیوں کیا؟ منظر ایک بار پھر اس کی آنکھوں کے سامنے گھوما۔کمرے کے وسط میں سرخ قالین پر رخسار پر ہاتھ رکھے وہ بے یقین نگاہوں سے ملک انتظار کو دیکھ رہا ہے اور ملک صاحب اسے ٹھوکر مار رہے ہیں۔

وائیں ران میں جہاں ملک صاحب نے ٹھوکر ماری تھی اچانک سے درد کی شدید لہریں اٹھنے لگیں۔وہ گال بھی دہکنے لگا جہاں تھپڑ پڑا تھا۔ران اور گال دونوں ہی پھوڑے کی طرح دکھنے لگے۔

بخت نے ہاتھ بڑھا کر لیمپ روشن کیا۔لیمپ کی روشنی نے اندھیرے کو چیرا اور اس کے وجود کا ہیولا سامنے دیوار پر بننے لگا اور وہ وحشت بھری نگاہوں سے ہر طرف دیکھنے لگا۔

رات کے دس بجے ملک صاحب نے اس کے ساتھ یہ سلوک کیا تھا جب وہ کہیں نہیں جا سکتا تھا۔صبح اجالا پھیلتے ہی وہ یہاں سے چلا جائے گا مگر کہاں؟ شل بہشت میں اپنے گھر کے علاوہ وہ کہاں جا سکتا تھا اور اس کی پڑھائی۔اس کا ڈاکٹر بننے کا خواب......آنکھوں میں آنسو بھرنے لگے۔

''کیوں، کیوں، کیوں؟'' کیوں کی تکرار اسے کھائے جاتی۔وحشت بھری نگاہیں کمرے میں موجود اشیا پر بھٹکتیں۔کبھی وہ ماں کو دیکھتا' کبھی بستر کو۔کبھی کپڑوں کی الماری کو تو کبھی جوتوں کے ریک کو اور کبھی ماں کی دواؤں کی تپائی کو اور پھر اس کی نظریں ماں کی دواؤں والی تپائی پر ٹھہر گئیں اور ڈاکٹر کے کہے الفاظ اس کے کانوں میں گونجنے لگے۔

''بس ایک احتیاط جو بے حد ضروری ہے۔کالا یرقان بنیادی طور پر سرنج یا دوسرے سرجیکل آلات سے پھیلتا ہے۔آپ کی والدہ کی استعمال شدہ سرنج حادثاتی طور پر کوئی اور آدمی استعمال کرے اور نہ ایسی جگہ پر رکھی جائیں جہاں سے نقصان کا اندیشہ ہو۔''

ماں کی دواؤں کی تپائی جہاں پر پڑی انسولین سرنج بس ایک ہیولا لگتی تھی۔

''یہ معمولی نوعیت کی سرنج ہے۔اس کی سوئی بے حد باریک ہے۔ٹیکا لگنے کا درد چیونٹی کے کاٹنے کے درد سے بھی کم ہوگا۔گہری نیند میں سوئے کسی انسان کو لگائی جائے تو بعض اوقات اس کی نیند بھی نہ ٹوٹے گی۔'' ڈاکٹر کا کہا اسے یاد تھا۔نگاہیں سرنج پر جمی رہیں اور ڈاکٹر کے الفاظ کانوں میں گونجتے رہے۔

نفرت نے دل و دماغ پر کچھ ایسے ڈیرے ڈالے کہ دماغ شیطانی سوچیں بننے لگا اور دل نے اسے ان سوچوں پر عمل پیرا کرنے پر آمادہ کیا۔

سرنج اٹھائے وہ کتنی دیر اسے دیکھتا رہا پھر سرنج ہاتھ میں لیے دبے پاؤں چلتا ہوا ارسل کے کمرے کی طرف بڑھنے لگا۔ارسل کے کمرے کا دروازہ بند تھا مگر وہ کبھی کنڈی نہ لگاتا تھا۔

کمرے میں داخل ہو کر اس نے آہستگی سے دروازہ بند کیا۔بنا چاپ کیے وہ ارسل کے قریب آیا۔نائٹ بلب روشن تھا۔بنیان اور ٹراؤزر میں ملبوس ارسل سو رہا تھا۔

نخوت ہو گئے اس کی جبین پر تیوری ابھر آئی ہو جیسے تھی۔
بہت اور کر تھوڑا اصرار کیا تھا۔
سرمد کو تحفہ لیے جو نئے وہ سوچ رہا تھا اس نے سرمد کو اس کی کمر میں پیوست کر دی۔
"تم نے وعدہ کیا تھا کل کی ڈنر دو گے ...... یاد ہے کہاں گئی ہو؟"
"بھول گیا ... کل اماں کا اصرار تھا [illegible]"
"تمہیں اماں کی کوئی سہیلی یاد آ گئی ہے؟"
"مجھے ...... وہ کال کر لی ... یاد ہے۔"
"میں تمہیں کہتا ہوں تمہارے ساتھ ہم [illegible] ہوں گے۔"
"[illegible] کہاں پڑے گی۔ سب باتیں تمہیں پتا ہے گا۔"
"تم میں بہت فرق ہے۔ تم اپنا کر سوچ کے باتیں کر کے اور ان سے ملا کریں گے۔"
"اور کل تم کب آ رہے ہو؟"
"ابھی پتا نہیں کوئی بات نہیں۔"
اور پھر شاید کسی بات پر وہ [illegible] تمام بیگم کی تصویر [illegible] ایک طرف سے دونوں اور کل کے [illegible] ہو گئے۔

☆☆☆

سرمد کی دوست اور نے سے وہ بات کا سمایا۔ آج کل کی۔ دیکھا تو نخوت کو نہ جانے کیا ہوا۔
"نخوت! تم اتنی رات گئے [illegible] ہو؟" اور کل نے سامنے کی دیوار پر گھڑی میں ٹائم دیکھا۔ جو وہ ہوتے کے بعد اسے اور پھر [illegible] بھی دو کوئی کام نہ ہو [illegible]
"وہ بہت تنگ آ گئی ہے سوچا تھی کر کے [illegible] نہ ہو اور پھر تم بیٹھ کر [illegible] پاس سے اسے [illegible] کھل گیا تھا۔
"اور نخوت! میرے دوست مجھے تو بہت نیند آ رہی ہے۔ سر ہو گا اور میرے ساتھ ہی آ جاؤ۔" اور کل پھر سے اور اسے سرہانے پر رکھ کر آنکھیں بند کر چکا تھا۔ وہ نہ جانے دوسری طرف وہ نخوت کیسے کا مشکل ہو رہا تھا۔
"جانے کس کا فون ہے کہا ہے۔ مگر میں وہ ہو رہا ہے۔ مجھ پر کی [illegible] ہاں سے آ گئی ہوں گی۔" اور کل اندر ساحر کر کسل رہا تھا۔ نخوت کا دل بے چین کر کے رہا ہوا جا رہا تھا۔
"[illegible] ہے [illegible] نخوت [illegible]
[illegible] اور کل کی آواز [illegible]

دیکھ رہی تھی۔
کمرے سے باہر نکلتے ہی اس کے ذہن میں سوچ سی جاگی۔ "یہ اس نے کیا کر دیا؟"

☆☆☆

بانی اسکول جانے سے پہلے روڈ پر کے کنارے سامان اور دونوں [illegible] ہو گئے۔
"نخوت اتنا غصہ کیوں ہے؟" بابا نے بالآخر دوسری بار پوچھا تھا۔
"کچھ نہیں اماں! مجھے وہم ہو رہا ہے۔" نخوت نے چہرے پر مسکراہٹ لانے کی کوشش کی۔
"وہم نہیں... کچھ تو ہے۔" بابا [illegible] کہتی گئی۔
"بڑے صاحب! آج اسے صاحب نے [illegible]"
نخوت نے [illegible] کر [illegible] دیکھ کر دیا۔
[illegible] اب [illegible] سے [illegible] نخوت نے [illegible] بات [illegible] اس نے [illegible] نخوت کو [illegible] گیا۔
"اور ابا! [illegible]" نخوت اور کل کی طرف گئی۔
[illegible] کر اس کی [illegible] اس نے بھی [illegible] دیکھا تھا ...... وہ [illegible] سے [illegible] تھی۔ آج تم [illegible] رہے تھے۔" [illegible] اس کے ملے میں [illegible] تھا۔ نخوت نے [illegible] دیکھا۔ [illegible] کے سامنے میں [illegible] کے نخوت اور کل بھی نظر آئے۔
"کل [illegible] تھا [illegible] کیسی گئی ہے ... [illegible] میں یوں [illegible] کر کے تم نہیں آئی؟"
[illegible] کے جھونکے کی طرح آ گیا۔
نخوت نے رخ موڑ لیا اور ماں کی [illegible] طرح [illegible]
"[illegible] کے ساتھ ساری زندگی [illegible] جا رہا ہے۔ یہ تم [illegible] کے نظر آ رہے ہو۔ سب اور کل کی وجہ سے ہے اور اب اس کے [illegible] آ رہے ہو۔" [illegible] آواز کانوں میں گونجی اور نخوت کی آنکھیں [illegible]
"آ گئے بابا ...... [illegible] گئی۔ [illegible] تم [illegible]" [illegible] کی آواز نخوت کے کانوں میں [illegible]
"[illegible] اللہ سے [illegible] یہ [illegible] کا

اشارہ ہوسکتا ہے۔ سارا شل بہشت بدل گیا۔ نہر کے میٹھے پانی سے زندگی گزارنے والے اب مشکل سے گزارا کر رہے ہیں۔ زیر زمین پانی نہانے دھونے اور پینے کے کام آتا ہے۔" تانگا بان شل بہشت کے مکینوں کی زندگی میں آئی تبدیلی سے آگاہ کر رہا تھا۔

بخت روٹھا سا بیٹھا نہ چاہتے ہوئے بھی یہ بے کار کی باتیں سنتا رہا۔

رات کو چارپائی پر لیٹا آسمان کو تکتا رہا۔ ساری زندگی فلم کی طرح آنکھوں کے سامنے گھومتی رہی۔ جب وہ باپ کے ساتھ بکریاں چرانے جاتا تھا۔ جب ارسل اس سے ملنے آیا تھا۔ جب ارسل اسے عیدی دینے آیا تھا۔ جب وہ اسکول پڑھنے گیا تھا۔ جب وہ شہر شفٹ ہوا تھا۔ جب اس کا میڈیکل کالج میں ایڈمیشن ہوا تھا۔ جب اسے عندلیب اچھی لگنے لگی تھی۔ اور جب ملک انتظار نے طعنہ دیتے ہوئے پاؤں کی ٹھوکر سے اسے اوقات یاد دلائی تھی۔

ساری رات آنکھوں میں کٹی۔ کبھی اس کروٹ تو کبھی اس کروٹ۔ صبح دم ہی وہ ماں سے کہہ رہا تھا۔

"اماں! میں نے شہر جانا ہے۔ پڑھائی کا حرج ہو رہا ہے۔" نصیبن حیرت سے بخت کا منہ تکنے لگی۔

"ابھی کل تو آئے ہو۔ دو دن ٹھہر جاؤ۔ بہنوں' بھانجے بھانجیوں سے تو اچھی طرح مل لو۔"

"نہیں اماں! پڑھائی کا حرج ہوگا۔" بخت نے اپنی بات پھر سے دہرائی تھی۔

نصیبن بیٹے کو دیکھنے لگی۔ جانے کیوں وہ اسے بدلا بدلا سا لگتا تھا۔

☆☆☆

"بڑی عجیب بات ہے۔ رات کو کمرے میں آیا کہ باتیں کرتے ہیں اور اب صبح صبح غائب ہے۔" صوفے پر پاؤں پسار کر بیٹھتے ہوئے وہ بخت کو فون کرنے لگا۔

بخت نے فون نہ اٹھایا۔ ایک دفعہ فون کیا' دو دفعہ فون کیا تیسری دفعہ کیا۔ کئی دفعہ کیا مگر بخت نے کال ریسیو نہیں کی۔

"بخت بغیر بتائے چل دیے۔ میرے لاہور جانے کے بعد چلے جاتے۔ شل بہشت کہیں بھاگ نہ جاتا۔ میں تم سے ناراض ہوں۔" پیغام ٹائپ کرنے کے بعد وہ کچھ دیر تک یونہی بیٹھا رہا۔ پرسوں واپسی لاہور کا ارادہ تھا۔

تبھی انتظار لاؤنج میں آئے اور ارسل کے بالمقابل بیٹھ گئے۔ غور سے ارسل کو دیکھنے لگے۔ بیٹے کے انداز بدل گئے تھے۔ پہننا اوڑھنا بدل گیا تھا۔ ایک لڑکی کے لیے پسندیدگی کا اظہار بھی کر دیا تھا مگر پھر بھی بجھا بجھا سا نظر آتا تھا۔ جانے واقعی کوئی مسئلہ تھا یا پھر ان کا وہم تھا۔

"ابو! کیا دیکھ رہے ہیں؟" ارسل انتظار کے یوں یک ٹک دیکھنے پر جھینپ سا گیا۔ انتظار مسکرانے لگے۔

"یہ بخت کو دیکھیں۔ صبح صبح بغیر بتائے چلا گیا۔ میں بخت ناراض ہوں اس سے۔" ارسل بخت سے ناراضی کا اظہار کرنے لگا۔ انتظار نے اپنی رات کو بخت کے ساتھ ہونے والی گفتگو اور ہاتھ اٹھانے کے بارے میں نہ بتایا۔ بتانے کی ضرورت ہی کیا تھی۔

"ناشتا کرلیا شہزادے؟" انتظار مدعے پر آئے۔

ارسل نے نفی میں سر ہلایا۔

"تو پھر چینج کرلو۔ شرٹ ٹھیک ہے۔ ٹراؤزر کی جگہ جینز پہن لو۔ میرے دوست نے ناشتے پر بلایا ہے۔ پرانے دوست ہیں ڈاکٹر عامر...... وہ جو شل بہشت میں بھی آئے تھے۔ تمہیں بھی ملوایا تھا۔ شاید یاد ہو۔" ارسل کو اس ملاقات کی ہلکی شبیہ یاد تھی مگر اس کا کہیں جانے کو دل نہیں کر رہا تھا۔ یہ سوچا بھی کہ باپ کو انکار کردے مگر یہ سوچ کر کہ گھر خالی بیٹھ کر کیا کروں گا، وہ راضی ہو گیا۔ ٹراؤزر کی جگہ جینز پہن لی۔ بالوں میں برش بھی کرلیا۔ اور وہ باپ کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ گیا۔ بیٹھنے کے بعد اسے خیال آیا کہ اس نے بھلا وہاں جا کر کیا کرنا ہے۔ "ابو! آپ تو اپنے دوست کے ساتھ گپیں لگائیں گے' میں کیا کروں گا؟"

"چپ کر کے چلو۔" انتظار گاڑی اسٹارٹ کرنے لگے اور اگلے پل گاڑی سڑک پر رواں تھی۔

"زیادہ دیر مت بیٹھیے گا۔ زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹا۔" ارسل کہہ رہا تھا۔ گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے انتظار یوں بیٹھے رہے جیسے سنا ہی نہ ہو۔

"ابو! میں آپ سے کہہ رہا ہوں۔" ارسل نے قدرے بلند آواز میں کہا۔

"سن لیا تمہارا عالی فرمان۔" انتظار مسکرا اٹھے۔

"زیادہ دیر ہوئی تو میں رکشا لے کر آجاؤں گا۔"

"ٹھیک ہے آجانا۔ میں تو رات کا کھانا کھا کر ہی آؤں گا۔" انتظار بیٹے کو چڑانے لگے۔ ایک مسکراہٹ ارسل کے لبوں کا احاطہ کرگئی۔

"اب آپ کے دوست نے گھر پر ناشتے کے لیے بلایا ہے تو گھر کی بنی ہوئی کوئی چیز بھی ہوگی۔ یہ نہ ہو بازار کے نان چنے اور حلوہ پوری سامنے رکھ دیں۔" جواباً انتظار نے گھورنے پر اکتفا کیا۔

ڈاکٹر صاحب نے کیس پر افسوس کیا اور کچھ دیر بیٹھے۔ سنے وہ نے ارسل کو بتایا کہ ایک گھنٹے میں وہ ہوش میں آ جائیں گی۔

ڈاکٹر صاحب نے لان میں بٹھایا۔ وہ اور افتخار باتوں میں ایسے مگن ہو گئے کہ ارسل سوچنے لگا کہ اتنا تو ان کو کھانا تک جانے کا [illegible] اٹھانا ہے گا۔

اس بیچ اور [illegible] ہوئی۔ ارسل کو بے چین کیا۔ "کیا کلام تھا تو عمر کیوں ہوا؟ اس نے [illegible] کا کہا۔"

جویریہ کے کمرے کی کھڑکی سے لان نظر آ رہا تھا۔ لان میں اس نے والد صاحب کو اپنے دوست کے ساتھ بیٹھے دیکھا۔ دوست کے ساتھ شاید ان کا بیٹا تھا۔ جویریہ کی نظر ذرا سی مڑنے کی بجائے [illegible] رک گئی۔

کیا وہ ارسل تھا؟

اس کے لیے وہ لان کا دروازہ کھولتی ہوئی لان کی طرف بڑھ گئی۔

"ارسل!" خوشی جویریہ کے چہرے سے چھلک رہی تھی۔

ارسل نے مڑ کر دیکھا تو حیران ہو گیا۔ [illegible] میں بال سمیٹے کھڑی لڑکی جویریہ ہی تھی۔ آج بھی ارسل کی نگاہیں اس کے چہرے پر [illegible] اس کے بال [illegible] اور اسے اپنا دل رکتا ہوا محسوس ہوا۔ زندگی ایک بار پھر رقص کرنے جا رہی تھی اور اتنی جلدی لوٹ آئی تھی کہ ارسل کو یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔

☆☆☆

"مجھے نہیں پتا تھا ارسل کہ تم اتنے عجیب سے ہو گے۔ [illegible] میں صرف [illegible] سے [illegible] تھی۔ [illegible] تم نے [illegible] کی تھی۔ کبھی بار میں نے تمہیں [illegible] کے لیے۔ ذرا مشکل پسند ہو۔ [illegible] آس پاس کی [illegible] ... جیسی تھیں ان میں سے کسی کے پاس اضافی [illegible] نہ تھا، کیا کوئی مجھے نہیں پتا؟ تم سے اس لیے [illegible] تھا کہ تم [illegible] تم سے بات آ کے [illegible] کر لو گے۔ جب تم کہہ سکتے تھے تم نے کبھی [illegible] نہیں۔ [illegible] کا تیار بھی میری کوششوں سے ہوا۔ [illegible] شروع کر دی۔ ایک خواب دیکھا تھا۔ میں نے تم کو [illegible] کے بیٹھے ہو اور میں دور سے تمہارے پاس آ رہی ہوں۔"

[illegible] ارسل کا دل چاہا کہ اسے ٹوکے اور بتائے میں نے بھی ایسا خواب دیکھا تھا مگر پھر اسے بولنے دیا کہ وہ [illegible] رہی تھی۔

"[illegible] کئی بار لکھا تھا کہ [illegible] لیکن [illegible] یہ خواب میرے [illegible] ..."

ہوا اگر مجھے کوئی تم نظر آئے تو کیسا۔" جویریہ کی آنکھوں میں آنسو آنے لگے۔ "سب سوچا تھا کہ یہ بات وہ مجھے کبھی [illegible] کبھی شادی سے پہلے۔"

ادھر ارسل نے پچھلی بار جویریہ کی آنکھوں میں آنسو دیکھے۔ آنسو ایسے جیسے چمکتے ستارے۔ عجیب سا [illegible] تھی اسے جویریہ [illegible] کی [illegible] سے اس کی صورت کا۔

"بھلا ان کے درمیان پر بیٹھ کے بات کیا ہے نیازی سے بیٹھے ہوئے۔ حقیقت میں بھی اسی شان بے نیازی سے بیٹھے۔ میں کیا کہتی۔ کیا کرتی۔ ایک ڈائری دی تھی مگر تمہیں فرصت نہیں ہوگی۔ ڈائری کھول کر دیکھتے وہ جس میں میں ایک صفحے پر میں نے اپنی پسند کا اظہار کیا تھا۔"

"اگر تم مجھے پسند کرتے ہو تو ڈائری کھول کر تو دیکھتے۔ میرا لکھا پڑھتے پر تمہیں کیا [illegible] لیے مستقبل کی [illegible] لکھ دیا تھا۔ [illegible] تھیں۔" جویریہ نے شکوے سے آنکھیں صاف کیں۔

"میں نے ڈائری دیکھی تھی۔ مجھے تو ہماری ڈائری [illegible] اب یہ تو قسمت کی خرابی کہ مجھے وہ [illegible] پایا۔" ارسل نے دل میں کہا۔ [illegible] اس نے اظہار کیا تھا۔

"کیا تم سے محبت کرتی ہوں اور اللہ نے یہ دن بھی دکھا دیا کہ میں تم کو پھر ملی ہوں۔" جویریہ رو رہی تھی۔

"ان آٹھ برسوں میں [illegible] چہرے میں ڈھونڈا [illegible] تم نے [illegible] آخر [illegible] تمہارے [illegible] کی [illegible] ہو گی۔ آخر [illegible] کی [illegible]" جویریہ اپنے [illegible] رو رہی تھی۔

"اور تم کیسے ہو میں نے [illegible] کے درمیان [illegible] تمہیں ڈھونڈا ہوا [illegible] ..... اور [illegible] آس کی [illegible] ارسل جیسی لڑکی سے میں بات کر رہی تھی وہ میری [illegible] تھی۔ میں [illegible] کر [illegible] کرتی تھی۔ [illegible] مجھے [illegible] سمجھانے کی کوشش کرتی۔ [illegible] میں تم چاہتے ہوئے بھی اپنے ساتھ لے [illegible] ہے۔ [illegible] پھر ان کی ایک [illegible] ہونے سے [illegible] پھر [illegible] تھی۔ مجھ سے [illegible] تھی۔ میرے [illegible] کی وجہ سے [illegible] ہوئی۔ [illegible] کیا گیا [illegible] ... [illegible]

تو کہاں میرے دل کا راز جان پاتیں۔ آخر میں لڑکی تھی نا، سب کچھ کہاں کہہ سکتی تھی۔"

ارسل کے لب مسکرا اٹھے۔ آخر کو یہ لڑکی جیت ہی گئی۔

"ورنہ تو اتنے قابل ہو ڈاکٹر صاحب، آنکھوں سے دل پڑھ لیتے ہو۔ فلاسفر بھی ہو تو اتنی سی بات کیوں نہیں سمجھ سکے۔" مگر زرکی کچھ اس طرح اداکاری سے ارسل سے نہیں کہا پائی۔

"فلاسفر نہیں ہوں، بالکل ایسا ہی لگتے ہو۔" آخر میں کے لیے اسے ہی بولا۔ ارسل ہنس پڑا اور کہہ دیا۔

"تم سے جو بات کرنا بھی فضول ہے ورنہ بھی کسی لڑکی ہوں جو تم سے یوں بات کرتی۔" بڑے ہی ادا سے کہتی ہوئی جب باہر جانا چاہتی ہو اور اس نے قدم باہر کی طرف بڑھائے ہی تھے کہ اس کی نرم سی آواز نے اسے روک لیا۔

"میری نگاہیں ہمیشہ تمہارے بالوں میں الجھ جاتی تھیں۔ جانے تمہارے بال اتنے گھنے کیوں ہیں بار بار دیکھنے کو من چاہتا ہے، جیسے حسن کا کمال بکھرا ہو۔"

تعریف سن کر وہ بے حد خوش ہوئی اور ارسل ہنس دیا۔

"اگر یہ تعریف کی تو معذرت، میرے سر میں درد ہونے لگا ہے۔" زرکی شرما کر وہاں سے بھاگ گئی۔

ادھر بیٹھے ڈاکٹر صاحب اور افتخار اپنی اپنی جگہ حیران بیٹھے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے گھر کے سارے ماحول میں جو کچھ دیکھا، ان کی سمجھ سے باہر تھا کہ آخر گفتگو کس بات پر ہو رہی ہے۔ بیٹی کو اس طرح خوش دیکھ کر بھی ان کا دل مطمئن تھا۔ ایک بار اسے ٹوک کر کہا "آپ کی گفتگو ارسل کے ساتھ بڑی ہی سنجیدہ ہے، میں تو سمجھ رہا تھا۔" اپنے ساتھ ادھر سے لے گئی۔

اور افتخار بھی سوچ رہے تھے کہ ارسل اپنا کیا فیصلہ کرے گا، لڑکیوں سے ایسی بے تکلفی سے وہ کبھی بات نہیں کرتا۔ ڈاکٹر صاحب کی بیٹی اتنی اچھی لگی ہے شاید۔

ان کی حیرانی بجا تھی کیونکہ وہ ان دونوں کے ماضی سے ناواقف تھے۔

☆☆☆

"تو تم یہ بات ڈاکٹر واسع سے کہتے؟" کانوں ادا کرتے ہوئے انہوں نے ایک بھرپور نظر سامنے بیٹھے ارسل پر ڈالی تھی... بیٹا بھی اتنا خوش نظر آ رہا تھا۔

"ہاں، بھی... بلکہ ہاں۔" ارسل سوچنے لگا کہ کیا جواب دے۔

"آپ کے دوست نے تو خوب چوہدری اور دن ہی ہی کھلائے۔ آخر وہ کچھ بیٹے کا گھر بازاری دکھانے چلے گئے۔"

"آخر؟" افتخار ایکدم رک گئے۔ "تم نے جواب کیوں دیا؟ کیا تم آخر یہ واسع ہے؟"

ارسل الجھ کر چونکنے لگا۔

"واسع تو نکل گیا اور میں..." کچھ سوچ کر بھی سب ٹھیک نہیں پایا۔ افتخار صاحب سے گر کر گئے۔ ان کی باتوں کا احساس کی ذمہ داری کو محسوس کرتے تھے اور دو بڑے صدمے بھی سہہ چکے تھے۔ گزرتے وقت کے ساتھ ان کی یہ عادت بھی کم ہو گئی تھی۔

"کیا تم آج سب لوگ پورا کرتے رہے؟"

"نہیں... مگر مجھے کہیں آنے سے روک دیا۔"

"تو پھر اس کا کام کیوں کیا؟"

عجیب تھا ارسل کا لہجہ، بیچارا افتخار جواب کو تکنے لگا۔ بے اعتبار ہونے لگا۔

"مجھے تو ڈاکٹر بننا ہی تھا مگر آج تک میں نے ایک دن بھی یہ نہیں سوچا کہ مجھے یہ پروفیشن کرنا ہے۔ ڈاکٹر بننے کے لیے میں نے ہمیشہ محنت کی۔ وہ شاید میری غلطی ہے۔ آپ کو تو معلوم ہے ارسل سے زیادہ کسی کی اہمیت نہیں۔"

وہ کچھ سوچ کر کہنے لگے کہ یہ جوان بھی ان کی طرح کتنی سمجھدار ہو گئی ہے۔

"سمجھ آ گیا تمہارا ارسل، لڑکی پسند آ گئی ہے تو صاف کہو، نظر آنے میں کچھ ہو کہ مجھے تو یہ بھی منظور ہے۔ سب ہی یار ہو گیا ہے۔"

ارسل قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔

"ابا! مجھے نہیں پتا تھا کہ آپ کی بھی فراست اتنی ہے۔" شرم سے کی گئی بات اسے ہنسا رہی تھی۔ افتخار نے گھورا کر دیکھا۔ مگر دھیمے سے مسکرا دیے۔ ارسل نے دور ہی سے گھور کر ابا کو دیکھا۔ افتخار ارسل کے بارے میں سوچنے لگے جو ڈاکٹر صاحب کے سامنے اچھی طرح رہے گی۔

"مگر ابا! ارسل خوشی سے بولا۔" کمال کا دن ہے۔ بات سے جڑے ہوئے یہ بات کرنے کی طرف جانے کا

وہی کے سر میں ارسل کے چہرے پر ایک بار پھر مسکراہٹ تھی کہ افتخار دیکھ کر رہ گئے۔ اپنے ڈپریشن سے دور ہی مسکرائے تھے اور افتخار بے اختیار سے دیکھ پائے تھے۔

"ابا!"

"جی ابا! میں جواب دے پاؤں گا" افتخار بولے۔

اور انتظار اس کے انداز دیکھتے رہ گئے۔ انہیں تو اپنے بیٹے کی خوشی عزیز تھی۔ اگر اس کی خوشی جویریہ تھی تو پھر وہ ہی سہی۔ اب وہ سوچوں میں عندلیب اور جویریہ کا موازنہ کرنے لگے۔ جویریہ نے کچھ زیادہ مارکس لیے۔

''کچھ دن ٹھہر کر شہزادے کے رنگ دیکھتے ہیں پھر ہی ڈاکٹر عامر سے بات کروں گا۔ ٹھیک ہی ہے۔ دونوں میاں بیوی ڈاکٹر ہوں گے، زیادہ بنے گی۔'' وہ اپنے کمرے کی طرف جارہے تھے کہ صفدر نے انہیں روک دیا۔

''صاحب! وہ گاؤں سے مہمان آئے ہیں۔'' صفدر نے ڈرائنگ روم کی طرف اشارہ کیا۔

''کون؟'' ملکِ بہشت سے تو کوئی مہمان متوقع نہ تھا۔

صفدر چاہ کر بھی مہمان کے تعارف کے لیے کچھ نہ کہہ سکا۔ انتظار بھی صفدر کے جواب کا انتظار کیے بغیر ڈرائنگ روم کی طرف بڑھے۔ مہمان خاتون تھی۔ صوفے پر پشت کیے بیٹھی تھیں۔

''خاتون مہمان!'' انتظار حیران ہوئے۔

''السلام علیکم!'' کھنکھار پر متوجہ کرتے ہوئے انتظار نے سلام کیا تھا۔

خاتون اٹھ کھڑی ہوئیں اور مڑ کر دیکھا۔

یادوں کے نرم گرم جگنو ٹمٹماتے ہوئے ڈرائنگ روم میں اکٹھے ہونے لگے۔ ایسے جیسے یہیں بسیرا کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں۔

یادِ رفتہ نے سفر شروع کر دیا اور انتظار لمحے بھر کو اپنی جگہ پر بت بن گئے۔ سامنے رباب کھڑی تھی۔ آنکھوں پر نظر کا چشمہ۔ دوپٹا سر پر جمائے اور دوپٹے سے جھانکتے سفید بال۔

''وعلیکم السلام!''

رباب کی آواز نے سکوت کا طلسم توڑا اور انتظار مجسمے سے انسان ہوئے اور سامنے والے صوفے پر جا بیٹھے۔ چاہ کر بھی کچھ نہ بول پائے۔

''کیسے ہو انتظار؟'' رباب سوچ کر آئی تھی ملک صاحب کہہ کر پکارے گی مگر......

''ٹھیک!'' یک لفظی جواب دے کر انتظار رباب کو دیکھنے لگے۔

رباب انتظار کے بولنے کا انتظار کرنے لگی مگر وہ نہ بولے۔ اور رباب سوچنے لگی کہ کس طرح بات شروع کرے۔ خاموشی کی تہ دبیز ہونے لگی۔ دبیز سے دبیز تر اور اس خاموشی کو رباب کی ہچکی نے توڑا۔ وہ رونے لگی تھی۔

زار و قطار۔ آنکھوں کا چشمہ دھندلانے لگا۔ چشمہ اتار کر اسے دوپٹے کے پلو سے صاف کرنے لگی۔ آنکھوں سے آنسو تب بھی جاری تھے۔

''میں نے سوچا تھا کہ مرجاؤں گی مگر تم سے کبھی نہ ملوں گی۔ میں نے علیحدگی لی میں اس پر آج بھی خود کو حق بجانب پاتی ہوں۔ تمہیں قصوروار بھی نہیں ٹھہراتی کہ جو تھا خدا کی طرف سے تھا۔''

آنکھوں سے آنسو اب بھی جاری تھے۔ انتظار کا دل چاہا اسے روک دیں۔ ایک زمانہ گزر گیا تھا۔ نئی نسل جوان ہو چکی تھی۔ وہ خود بوڑھے ہو چکے تھے۔ بائیس سال گزر چکے تھے۔ بائیس سال پہلی والی باتیں دہرانے سے کیا حاصل۔ مگر چاہ کر بھی وہ روک نہ پائے۔

''اگر میں تمہاری قصوروار ہوں تو معافی مانگتی ہوں۔ میں بڑی آس لے کر تمہارے پاس آئی ہوں۔ کوئی روزن نہیں تھا۔ سال بھر پہلے میں نوکری سے برخاست کر دی گئی۔ میرے شوہر بستر مرگ پر ہیں۔ اسپتال میں داخل ہیں۔ تمام بچتیں ختم ہو گئیں۔ سرمائے کی ضرورت ہے۔ تم کچھ مدد کر دو۔'' انتظار کچھ دیر سامنے بیٹھی خاتون کو روتے دیکھتے رہے پھر چپ چاپ اٹھے۔ ڈائنگ روم کا دروازہ دھکیلتے چلے گئے۔

رباب یوں چلے جانے کا مطلب نہ سمجھ پائی۔ کیا یہ انکار کا اشارہ تھا؟ کیا اسے چلے جانا چاہیے؟ رباب ابھی اسی شش و پنج میں تھی کہ انتظار دوبارہ ڈائنگ روم میں آئے۔ ان کے ہاتھ میں ایک چیک تھا۔

''محترمہ! مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں بلکہ میں شکر گزار ہوں کہ آپ نے میرے راز کو کئی سال تک راز رکھا۔ ہر انسان کے پاس خودارادی کا حق ہے۔ آپ نے اپنا حق استعمال کیا۔ مجھے گلہ نہیں۔ یہ لیں۔ اللہ آپ کے شوہر کو صحتِ کاملہ اور لمبی عمر عطا فرمائے۔'' انتظار کا چیک والا ہاتھ ہوا میں معلق تھا۔

رباب نے ہاتھ بڑھا کر چیک تھام لیا۔

''شکریہ!'' عینک کے شیشے ایک بار پھر دھندلا گئے تھے۔

☆☆☆

جویریہ نے اکتا کر سامنے دیوار پر لگی گھڑی کی طرف دیکھا۔ گھڑی کے ہندسے رات کے گیارہ بجنے کا اعلان کر رہے تھے۔ بیڈ کی پائنتی سے ہینڈز فری اٹھا کر موبائل فون میں لگائے اور ایئر پیس جیسے کانوں میں ٹھونسے اور ایف ایم آن کر دیا۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-



"ایک بجا رہی تھی لیکن۔" حریم نے بڑا فضا سے نکل کر افروز کی پر غصہ کا اک بھی نظر ٹپکی تھی۔

اب تو ہم کا فون بھی مسلسل کال کی حد تک بے کار رہا۔

اکتاہٹ اور غصہ مدن سے تنگ آ کر دل بڑا کر کے پھر کی جانب تیل اس نے گاڑی اسٹارٹ کرنے کے لیے ڈرائیونگ سیٹ پر سوار ہوئی تو اس کا فون کی طرف دیکھ کر رہ گئی۔

"کیسی ہو؟" سب اکتاہٹ اور غصہ لمحوں میں چھو منتر ہو گیا۔

"ٹھیک ہوں تم کیسے ہو؟" بادل نخواستہ جواب دیا۔

"میں بھی ٹھیک ہوں۔ لیکن میرے گفٹ کا انکار کر دیا کیوں؟" پیغام کے ساتھ ایک مسکراتے کارٹون کی تصویر تھی۔

"نہیں۔" اس لفظ کے ساتھ سر سے دھواں نکالتے ہوئے کارٹون کی تصویر بھی تھی۔

ارمل کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آن رکی۔

"نہیں ٹھیک آپ۔" سیل فون پر ایک بار پھر بجا۔

"مت چھیڑا کرو۔ میں ہونے والی ہوں۔" اس پیغام کا مطلب بھی تھا کہ وہ جانے لگی ہے۔

"ابھی مت جاؤ۔ مجھ سے بات کرو۔" ٹائپ کرتے ہوئے ارمل نے نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبا لیا تھا۔

"کیا باتیں کروں؟" اتنا ہو کر کہاں پوچھے۔

"دل کی باتیں بھی کیا باتیں۔" حریم نے پہلے دو دفعہ پیغام پڑھا اور پھر بھی وہ ارمل کی بات سمجھ نہ سکی تھی۔

"مجھے نہیں پتہ۔" ٹائپ کرتے ہوئے پہلے حریم نے کئی سوچا۔

"آئی لو یو۔" اس جملے کے بعد بہت سے زرات لگتے ہاتھ کے انگوٹھے تھے حریم نے کیچ لگا کر پورا گفٹ پر مار دے۔

"اس جملے کا مطلب بتاؤ۔" حریم کے لبوں پر ان مسکراہٹ نے بسیرا کر لیا تھا۔

"مجھے نہیں آتا۔"

"میں بتاؤں؟"

"ہاں....."

"تم بھلے ہو۔"

"سوری۔ مصروف ہوں۔"

"چلو۔ میں نے پوچھا ہوں بھلے جاتا ہے۔"

"سوچتی ہوں۔"

"کل شام کو ڈنر کروں۔" ارمل نے رات ڈیڑھ بجے کا

ٹائم اور جگہ کا تعین کیا اور ساتھ اپنی خوشی سے بتا دیا کل ہونے والی خوشگوار ملاقات کے بارے میں سوچنے لگا۔

دل کی باتیں کرنا لمحوں کے حساب سے کچھ اچھا لگتا ہے۔

کل شام ارمل وقت پر حریم کا بتایا ہوا پتا ایک ریسٹورنٹ جا کر حریم نے انکار کر دیا کہ وہ ایک گھنٹہ لیٹ آئی۔ ارمل دروازے سے اندر آ کر دیکھتی رہ گئی کہ ارمل کہاں بیٹھا ہے۔ ارمل نے اسے دیکھا آگے بڑھ کر پاس آیا۔ "آؤ ادھر۔" اس نے میز کی طرف اشارہ کیا اور حریم ہچکچاتے ہوئے قریب گئی مگر ارمل کرسی کھینچ کر ابھی بیٹھنے کی درخواست کرنے لگا۔ ایسا کرتے دیکھ کر حریم کے بیٹھنے سے پہلے کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ حریم نے برداشت نہیں کیا۔ کافی دیر تک ایک طرف سے حریم نے پچھلی کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔

"تم ایک گھنٹا لیٹ آئی ہو۔" ارمل گھڑی دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ حریم نے ارمل کا چہرہ دیکھا پھر نظریں اٹھائے اور ارمل نے سر جھکا...... شکل بھی ٹھیک سے نظر آ رہی تھی کہ ماحول میں بات بنانے کا۔

"تو کیا ہوا..... لڑکیاں لیٹ ہی آتی ہیں۔ تم نے کوئی کتاب پڑھی ہوئی ہے جس کے مطابق لڑکیاں کیا کرتی ہیں اور لڑکوں کو کیا کرنا چاہیے۔" مشکل تھا۔ ارمل کے جواب پر وہ مسکرا کر اس کا ان سر پر مار دینا چاہیے تھا مگر حجاب نے جھجک کو تھام لیا۔

"اگر تم میرے لیے تھوڑا سا وقت نکال کر بیٹھو تو ہم ایک ساتھ باتیں کر لیں گے۔"

"تم میں نے کیسی بات کی ہے؟" ارمل کو ہنستا دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

حریم نے ارمل کو ایسے دیکھا جیسے آنکھوں سے ہی کھا جائے گی۔ پھر اپنے پرس اٹھا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں جا رہی ہوں۔"

"اف جاؤ۔" ارمل نے اطمینان سے کہا۔ حریم کی آنکھیں جو پہلے ہی غصے سے زیادہ اور کھلی ہوئی تھیں، اب تو جیسے باہر نکل آئیں۔

آنکھوں سے ہی دہشت کرتے ہوئے حریم مڑی۔ ارمل گھوم کر اس کے سامنے آ گیا۔

"سوری سوری مذاق کر رہا تھا۔ میں تمہارے سارے نخرے اٹھاؤں گا۔ ساری زندگی اٹھاؤں گا۔ اور۔"

حریم کے دل میں ایک چیز سی لے آیا۔ لیکن

جائے تاکہ ارسل کو بھی پتا چلے مگر پھر کچھ سوچ کر رک گئی۔
"پکا وعدہ؟" جویریہ پوچھ رہی تھی۔
"بالکل پکا اور سچا وعدہ۔" ارسل عہد کر رہا تھا۔ وہ عہد جو عہد بہ زر تھا۔

☆☆☆

وہ محبت جو دو سال تک دل میں دبی رہی اور آٹھ ماہ دل میں کسک کی طرح چبھتی رہی، اب ملی تو جیسے صدیوں جیسا طویل فاصلہ لمحوں میں طے کر لیا۔ دونوں ہی اپنی جگہ ایک دوسرے کو یاد کرتے رہے تھے۔ اسی لیے تو حادثاتی اور پُرکشش ملاقات کے دوسرے دن پیزا شاپ بھی مل آئے۔

ارسل کچھ دن اور بھی رک جاتا مگر کالج سے کسی کلاس فیلو نے سرپرائز اسائنمنٹ کے بارے میں بتایا جو ناگزیر تھا۔ چنانچہ اس نے لاہور کے لیے قصد کیا۔ اس ارادے کے ساتھ کہ چند دنوں تک دوبارہ آئے گا۔
کہ اب تو دل آنے کے لیے مچلے گا۔
اس وقت وہ اپنا ہینڈ کیری لیے انتظار کے ساتھ بیٹھا تھا۔ ایک گھنٹے بعد بس کا ٹائم تھا۔ انتظار خود ہی اسے ٹرمینل چھوڑ آئے تھے۔
"ابو! انکل عامر سے بات کر لیجیے گا۔" ارسل تو جیسے اب ہتھیلی پر سرسوں جمانے کا خواہاں تھا۔ انتظار نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ حالانکہ ابھی وہ اس معاملے میں سوچ بچار کا ارادہ رکھتے تھے۔
"بخت کا فون بند ہے۔ پیغام کا جواب بھی نہیں دے رہا۔ یہ کاغذ اسے دے دیجیے گا۔"
انتظار نے تہ شدہ کاغذ کھولا اور ایک نظر دوڑائی۔
"اوئے یار! کہاں گم ہو۔ مجھ سے جلدی رابطہ کرو۔ ایک خوشخبری تمہیں بتانے کے لیے بے چین ہو رہا ہوں۔"
انتظار نے کاغذ دوبارہ تہ کر کے سائڈ لیمپ کے نیچے رکھ دیا۔ اور..... سوچنے لگے کہ بخت کے ساتھ انہیں یہ زیادتی نہیں کرنی چاہیے تھی۔ چلو کل جا کر لڑکے کو شکلِ بہشت سے لے آتے ہیں۔ آخر میرے ارسل کا دوست ہے۔
ارسل لاہور روانہ ہوا۔ اگلے دن انتظار شکلِ بہشت سے ہو آئے۔ بخت وہاں نہ تھا۔ تحسین تو پریشان ہونے لگیں کہ انتظار اسے لینے یہاں آئے ہیں تو ان کا بیٹا کہاں ہے۔
"آپ پریشان نہ ہوں۔ ہاسٹل میں دوستوں کے پاس ہوگا۔ موبائل شاید کھو گیا کہ رابطہ نہیں ہو رہا۔ وہ پہلے بھی ہاسٹل میں پڑھائی کے سلسلے میں دوستوں کے پاس چلا جاتا تھا۔" انتظار غلط بیانی سے کام لے رہے تھے۔ وہ بھی ہاسٹل

قیام کے لیے نہ گیا تھا۔ آئے تو وہ شکلِ بہشت ایک دن کے لیے تھے مگر زمینوں کے کچھ کام نکل آئے تو انہیں چار دن رکنا پڑا۔ واپس شہر آ کر انہوں نے صفدر کو میڈیکل کالج کے ہاسٹل بھیجا کہ بخت کا پتا کرے۔
"صاحب! بخت بابو ادھر تھے۔ بڑی مشکل سے ڈھونڈا۔ پر انہوں نے آنے سے منع کر دیا۔"
"چلو ارسل خود آ کر دوست کو منا لے گا۔" انتظار اپنی مصروفیت میں گم ہو گئے اور ارسل کا دیا ہوا خط لیمپ کے نیچے ہی دھرا رہ گیا۔

☆☆☆

شکلِ بہشت سے بہاولپور کا فاصلہ اتنا طویل نہ تھا مگر آج صدیوں جیسا طویل لگا۔ آنکھیں کھڑکی سے پار گزرتے مناظر پر لگائے کتنی دیر بخت بیٹھا رہا پھر جیسے تھک کر آنکھیں موند لیں۔
"اگر تمہارا ارادہ احسان جتانے کا ہے تو بہتر ہے تم احسان مت کرو۔"
گاڑی جھٹکے سے رکی۔ بخت نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ اس کی منزل آ چکی تھی۔ اپنا سامان اٹھا تا وہ بس اسٹینڈ کی ایک سنگی بنچ پر کتنی دیر بیٹھا رہا۔ کہاں جائے۔ جو ٹھکانا تھا وہ اب نہ رہا تھا۔ یوں شہر میں اکیلا۔ دل پہلے ہی دکھ سے بھرا تھا۔ اب یاسیت سی چھانے لگی۔
کچھ پیسے اس کے پاس تھے۔ جب میڈیکل کالج میں داخلہ ہوا تھا تب ارسل نے قیمتی موبائل فون تحفتاً دیا تھا۔ ایک موبائل شاپ پر جا کے موبائل بیچا۔ کچھ پیسے جیب میں رکھے اور کچھ بیگ کے پوشیدہ خانوں میں ڈالے اور چل پڑا۔
رکشا لوکل ٹرانسپورٹ کسی چیز پر سوار نہ ہوا کہ پیسے بچانے ہیں۔ اور کوئی ڈیڑھ گھنٹے کی مسافت طے کر کے ہاسٹل پہنچا۔ دوستوں سے اتنی دوستی ہو چکی تھی کہ ایک دوست نے اسے کچھ دنوں کے لیے اپنے پاس ٹھہرا لیا۔ امتحان میں چار ماہ رہ گئے تھے۔ پڑھائی کا زمانہ سر پر آ چکا تھا۔ باقی طلبا مسلسل پڑھائی کی تیاریوں میں تھے اور بخت کوئی چھوٹا موٹا روزگار ڈھونڈ رہا تھا۔ ایک بیکری پر سیلز مین کی جاب ملی۔ سخت کام تھا۔ سارا ٹائم کھڑے رہنا پڑتا تھا۔ اس کے عوض معمولی سی تنخواہ ملتی۔ چند دنوں میں طبیعت بوجھل ہو گئی کہ اتنی محنت کرنے کی عادت نہ تھی۔ پھر ایک ٹیوشن مل گئی۔ کم وقت میں نسبتاً اچھے پیسے مل جاتے۔ گو کہ ابھی اتنے پیسے تھے کہ وہ تین چار ماہ بہ آسانی گزار سکتا تھا مگر پڑھائی کے لیے سال سامنے منہ چڑاتے کھڑے تھے۔ انتظام تو کرنا تھا۔

ثمینہ بی بی گزرے وقت کا نقصان ہوا اور بدحالی کا وقت بھی بیٹے کی گزری زندگی بھی یاد آنے لگی۔ سوچ تصور پہ آ کر رک گئی۔

"یا اللہ تم میرے نصیب میں ہو کہ نہیں۔" اس نے لب کو سوچتے ہوئے سوچیں ذہن کے دروازوں پہ دستک دیں۔

☆☆☆

نرمین کو ابھی ایم بی بی ایس پاس کیے دو سال ہی ہوئے تھے۔ وہ کارڈیالوجسٹ بننا چاہتی تھی۔ پوسٹ ورن کی تیاری کرتے ہوئے ساتھ ہی میڈیکل کالج میں بطور ڈیمانسٹریٹر جاب سٹارٹ کر دی۔ فرسٹ ایئر کی فزیالوجی کی ڈیمانسٹریشن کا دن تھا۔

بڑی ذہانت سے وہ اسٹوڈنٹس کو بتا رہی تھی کہ آج کی ڈیمانسٹریشن کلاس میں دوسری رو میں بیٹھا تھا۔ نرمین کو اس کی رنگت میں کچھ غیر معمولی پن لگا۔ جیسے جسم کا رنگ زرد سا ہو۔

"کیا نام تھا بھلا؟" نرمین ذہن پر زور دیتے ہوئے سوچنے لگی۔

"تم، ادھر آؤ۔" نرمین نے ارمل کو مخاطب کیا۔

"جی میڈم۔" ارمل اس کی ٹیبل کے پاس آیا۔ نرمین اسے غور سے دیکھنے لگی۔

"کیا نام ہے تمہارا؟"

"ارمل۔"

"اچھا ارمل ذرا ہاتھ دکھاؤ۔" ارمل نے اپنا ہاتھ پھیلا دیا۔ نرمین نے اس کی ہتھیلی چھو لی۔

"آنکھیں دکھاؤ۔" ارمل کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے اس نے کچھ محسوس کیا اور پھر کچھ سوالات کیے۔ اس کا جواب ٹھیک نہ پا کر وہ خاموش ہو گئی۔

"تم کو کبھی کوئی تکلیف محسوس ہوتی ہے۔ ٹیسٹ کرواؤ کسی اسپیشلسٹ سے۔" ٹیسٹ کا نام لکھ کر کاغذ ارمل کو پکڑا دیا۔ ارمل کا دل زور زور سے دھڑکا۔

"میں صاحب کو دکھا دوں گا۔" نرمین نے کہا۔

اسپیشلسٹ سے ٹیسٹ سے پہلے ارمل نے ٹیسٹ کروائے اور نرمین کے پاس ہی آیا۔

اسے اس بیماری کی علامت ہی مل گئی تھی۔

"میڈم کیا ہوا ہے؟" ارمل نے پوچھا۔ نرمین کی طرف بڑھ کر کہا۔ رپورٹس دیکھ کر نرمین کو افسوس ہوا۔ "کیا میں ٹھیک ہوں؟" ارمل نے پوچھا۔ تو نرمین اسے کچھ بتا نہیں سکی۔

"ارمل! میرے پاس آؤ۔" کہتے ہوئے اس کا دل بھر آیا۔

تکلیف ہے۔" نرمین نے اس کے ہاتھ کو تھام کر کہا۔

"پہلے کبھی کوئی بیماری؟ کیا نام ہے؟"

ارمل کے ذہن میں فوراً حادثے کی یاد آگئی جو ابھی مرض میں مبتلا تھی۔

"جی۔" اس نے دل کو سنبھالتے ہوئے اتنا ہی کہا۔

"تو ارمل میاں! تم اس مرض میں مبتلا ہو۔ تمہیں کسی اسپیشلسٹ سے ملنا چاہیے۔"

ارمل پریشانی سے نرمین کو دیکھنے لگا۔

کیا وہ ٹھیک کہہ رہی تھی؟

☆☆☆

"مجھے افسوس ہے کہ تمہاری بیماری کی تشخیص آخری اسٹیج میں ہوئی ہے۔ قسمت کی بات ہے کہ تمہاری بیماری اتنی جلدی تشخیص میں نہیں آئی اور اب تمہارے پاس وقت کم ہے۔ اس لیے تم کو جلدی سے علاج شروع کرنا ہو گا۔ بس تم اب ہمت کرو۔ کیا تمہیں کسی کی ضرورت ہے؟" میڈیکل اسپیشلسٹ ارمل کو بتا رہا تھا اور ارمل ان کو دیکھے جا رہا تھا۔

"میرا اس کا کوئی علاج؟" ارمل نے ہونٹ بھینچے ہوئے پوچھا تھا۔

"بالکل ہے لیکن اس کا ایک ہی طریقہ ہے کہ اس کے لیے جگر کا ٹرانسپلانٹ کرنا پڑے گا۔ اس کی ضرورت ہوتی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ڈونر کی ضرورت ہے جو کسی بیرون ملک جانا پڑے گا۔" ارمل نے سنا اور خاموش سے ہسپتال کے کمرے میں آ کر خالی ذہن لیے بیٹھا رہا۔ جانے کب دل بھر آیا اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

اس نے موبائل فون پہ نمبر ڈائل کیا۔

"ہیلو بیٹا!"

"کیسے ہو ارمل؟"

"ٹھیک ہوں۔"

"تمہاری آواز کو کیا ہوا ہے؟"

"کچھ نہیں۔"

"ارمل! کیا تم رو رہے ہو؟"

"تم بتاؤ کسی کو ان کی صورت حال ہے جب تم مجھے چھوڑو گی؟"

ارمل اچانک بولا۔

"تم میری بات کا جواب دو کب چھوڑو گی؟"

''ارسل لیکن......''

''جویریہ! جواب دو۔''

دوسری طرف کئی لمحے خاموشی چھائی رہی اور اس خاموشی کو جویریہ کی سنجیدہ آواز نے توڑا۔

''میں تمہیں کبھی نہیں چھوڑوں گی۔ تاوقت کہ موت ہمیں جدا کرے۔''

ارسل کے آنسو اور تیزی سے بہنے لگے۔

''جویریہ! میں ہیپاٹائٹس سی کا مریض ہوں جس کا علاج بھی آسان نہیں۔ جگر کی تبدیلی۔ جانے کوئی ڈونر مل پائے کہ نہیں۔''

جویریہ نے طویل سانس لی۔

''تم اداس نہ ہو۔ میں ہمیشہ تمہارے ساتھ ہوں۔ آج کل اور ہمیشہ۔ ہم مل کر اس وائرس کا مقابلہ کریں گے۔ جیت ہماری ہوگی۔'' جویریہ عزم سے کہہ رہی تھی اور اس وقت ارسل کو اسی عزم کی ضرورت تھی۔

☆☆☆

''دوبارہ کبھی اس چوکھٹ پر قدم نہ رکھوں گا۔ چاہے ارسل آکر منالے۔ چاہے کتنی منتیں کرلے۔ چاہے خود ملک انتظار لینے آئیں۔ معافی مانگیں۔ تب بھی نہ جاؤں گا۔'' یہ بخت کا خود سے کیا گیا وعدہ تھا مگر وہ صفدر کے آتے ہی اس کے ساتھ ہولیا۔ خود سے کیا وعدہ وہ ایسے بھولا جیسے کیا ہی نہ تھا۔

اس وقت وہ ہاسٹل کے سامنے لان میں ایک سنگی بنچ پر بیٹھا پڑھ رہا تھا۔ امتحان کی تیاریاں شروع تھیں گو کہ ابھی امتحان میں مہینوں رہتے تھے۔ مگر میڈیکل کی پڑھائی مشکل ہوتی ہے اسی لیے طلبا کئی ماہ پہلے ہی امتحان کی نیت سے پڑھنا شروع کردیتے ہیں۔

صفدر ہاسٹل کا مرکزی دروازہ پار کرتا اندر آیا۔ بخت اسے لان میں ہی بیٹھا نظر آگیا۔

''بخت باؤ! آپ کو ملک صاحب بلارہے ہیں۔ لاہور جانا ہے۔ ارسل میاں کی طبیعت خراب ہے۔''

''کیا ہوا اسے؟'' ہونہہ! لاڈلے کو چھینک آئی ہوگی اور یہ لاہور جانے کو تیار ہیں۔ مجھے کیوں بلایا ہے، میں کوئی زرخرید ملازم ہوں؟ سوچ کے گھوڑے دوڑتے ہی چلے گئے۔ اس رات کا صرف وہ حصہ بخت کو یاد تھا جب انتظار نے بخت کو تھپڑ اور ٹھوکر ماری تھی۔ انسولین سرنج۔ سویا ہوا ارسل اور خاموش تاریکی ذہن سے محو ہوچکے تھے۔

کیونکہ......

''خود پر کیا گیا ظلم یاد رہتا ہے اور خود کیا گیا ظلم انسان بھول جاتا ہے۔''

''کالا یرقان۔ ارسل میاں کو کالا یرقان ہے۔ کیسے عالی شان ہمارے چھوٹے صاحب ہیں اور اللہ نے کیسی بیماری لگادی۔''

ہاسٹل کی عمارت پل بھر میں دھڑام سے نیچے آن گری۔ لان میں اگی گھاس سبز نہ رہی' سرخ ہوگئی ایسے جیسے لہو رنگ ہو۔ بخت کا اپنا چہرہ سیاہ پڑتا گیا۔ ایسا سیاہ جسے گناہ سے تعبیر کیا جائے۔

''کیا ہوا ارسل کو؟'' بخت کو خواہش ہوئی کہ اسے سننے میں غلطی ہوئی ہو۔ لازمی تو نہیں وہ سرنج ارسل کو جراثیم سے آلودہ کرتی۔

''کالا یرقان!'' صفدر نے بیماری کا دوبارہ نام لیا اور ایک بڑی سی سرنج آئی' اتنی بڑی کہ کلاشنکوف لگی اور بخت کا سر چل گیا۔

اک غبارِ خاک
کل کو بکھر جائیں گے
مختصر سی زندگی ہے
کچھ تو اس میں رنگ بھر لیں
آؤ دوستی کرلیں......

بخت اور ارسل کی دوستی کی ابتدا ہیں سے تو ہوئی تھی۔ غبار خاک بکھرنے کو تیار تھا اور بخت کا دل چاہا کہ وہ کھڑے کھڑے مرجائے۔ اب اس کے پاس جینے کا حق کہاں رہا تھا؟

☆☆☆

ڈرائنگ روم کی آرائش میں ایک قدامت تھی۔ سیڑھیاں' موڑھے اور گاؤ تکیے اور یہ قدامت ہی ڈرائنگ روم کا حسن تھی۔ جویریہ نے اپنی پسند کو مدنظر رکھتے ہوئے باپ سے بار بار فرمائش کرکے سامان منگوا کر ڈرائنگ روم سیٹ کیا تھا اور اب ڈرائنگ روم کی جگہ بیٹھک لفظ زیادہ جچتا تھا۔

اور ڈاکٹر عامر ہاتھ میں اخبار لیے کوئی خبر پڑھنے میں مصروف تھے جب جویریہ ان کے پاس آئی۔

''ابو! آپ کے دوست کا بیٹا بیمار ہے۔ ہمیں جانا چاہیے۔''

''تمہیں میرے دوست کے بیٹے کی فکر کیونکر ہونے لگی؟'' انہوں نے اخبار سائڈ پر رکھ دیا اور غور سے بیٹی کو دیکھنے لگے۔ ان کی بیٹی اتنی بڑی ہوگئی تھی کہ ایک لڑکے کے لیے دل میں جذبات رکھنے لگی تھی۔

جویریہ کوئی جواب نہ دے پائی اور اضطراری طور پر

وہ بیٹے کو کاؤچ پر لیٹی دیکھ رہی تھیں۔ ڈاکٹر صاحب طویل سانس بھر کر رہ گئے۔

"بیٹا وہ کافی عرصے سے کینسر کی مریضہ ہے۔ اس کی بیماری تھرڈ اسٹیج میں پہنچ چکی تھی ان کے حوالے سے کہہ سکتا ہوں۔ یہ بیماری تمہیں بھی اپنا شکار بنا لے گی۔"

"اگر آپ کی بیٹی کو بھی کوئی ایسا مرض لاحق ہو جائے تب بھی آپ یہی باتیں کریں گے؟" ایک سوچ کا راہداری بار بار پیچھا کر رہی تھی۔ وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔ یہ بھی گفتگو کو طول دینے والی بات تھی۔

"اب بات اس مقام سے آگے بڑھ گئی ہے کہ ایسی باتیں سوچی جائیں۔ ارسل کی آواز آ گئی تھی۔" بیٹی کی آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے۔ لفظوں میں بھی نمی سی گھلنے لگی۔ ایسی باتیں باپ سے کرتے ہوئے شرمندگی محسوس کر رہی تھی مگر صورت حال ہی ایسی تھی۔ وہ بات نہ کرتی تو کس طرح ارسل کا دفاع کرتی۔

"ابھی ڈاکٹر زرنش اسپتال کا سوچ رہے تھے۔ [illegible] جب ارسل ایک بار پھر سے مکمل صحت یاب ہو جائے۔"

ڈاکٹر عامر بیٹی کو دیکھ کر رہ گئے۔ وہ اس جذباتی بیٹی سے خفا ہو کر بھی نظر نہیں آ رہے تھے۔

"ہم تمہارا اور ارسل کا ہر ممکن ساتھ دیں گے۔ اس معاملے کے بارے میں تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ اگر ارسل مکمل صحت یاب ہو گیا تو آپ کی بات مان لیں گے۔" کچھ ہی دیر میں ان کے درمیان راز و نیاز کا معاملہ بہتر ہو گیا تھا۔

آنسوؤں کی نمی نے ترکرلی تھی [illegible]
والد صاحب وقت آنے پر ساتھ نبھائیں گے [illegible]
پختہ یقین تھا۔

☆☆☆

افتخار صاحب رات بھر اسپتال رہے اور بیٹے کو اسلام آباد کے علاج اسپتال لے گئے۔ بیٹے کا چہرہ دیکھنے جیسی حالت تھی۔ السو [illegible] مرض کی تشخیص جس وقت اس کے پاس کوئی [illegible] کی جان بچ جائے۔

"میرے بیٹے کو کچھ نہیں ہوگا۔" ارسل سے افتخار [illegible] کے چہرے پر ایک مسکراہٹ سی آتی۔ وہ مسکراہٹ جس کے پیچھے [illegible] تھے۔

"کاش! تم کبھی اس [illegible] ہو جاتے۔ [illegible] کیا [illegible] مجھے لگتا ہے [illegible] جیسا [illegible] ارسل [illegible]

گئے تھے۔ وہ جینا کی طرح ہار چکے تھے۔

بیٹا جاگتے ہی پہلے گھر ارسل کو دیکھا۔ آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور وہ بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا۔

"بیٹا اٹھو! بیٹا! اٹھو مجھ سے بات کرو۔" بیٹا کا سرارسل کے کندھے پر تھا اور ارسل اسے تسلی دے رہا تھا۔ بیٹا کریں بیٹا ارسل کو اپنا کھو دینے کا [illegible]۔

اسپتال کی لابی میں بیٹھے وہ ڈاکٹر کا انتظار کر رہے تھے۔ ڈاکٹر صاحب آئے اور اپنے کمرے میں آنے کا کہا۔

"نمبر یا کوئی بھی انسانی عضو یا خون سے بنی والی چیز نہیں جو فوت سے خودبخود فائنل کر دی جائے۔ آپ کو ڈونر کا بندوبست کرنا پڑے گا۔" ڈاکٹر جو ہو گئے ان کو صورتحال سے آگاہ کرنا چاہتے تھے۔ "ٹرانسپلانٹ پر جتنا خرچ آتا ہے وہ آپ جانتے ہی ہیں۔" اور ایسے مسائل کے بارے میں سوچنے لگا۔

"کیا آپ کے اسپتال کا کوئی ایسا بندوبست نہیں جو ڈونر کا بندوبست کر دے؟" ڈاکٹر کے حلق سے یہ سوال انتظار نے پوچھا۔

اسپتال میں عطیہ کا بندوبست تھا مگر ان کے اپنے تحفظات تھے اور ان کے پاس ایسی کوئی ہر صورت کی تعداد حاصل کرنے کے علاوہ کوئی اور راستہ بھی نہ تھا۔

ڈاکٹر کے کمرے سے وہ بوجھل دل کے ساتھ آئے۔ اللہ سے رحم کی دعا کرتے ہوئے۔

اسپتال کی لابی میں آ کر وہ ارسل کے پاس بیٹھے ہی تھے کہ کیفیت ہونے لگی۔ [illegible] اور خون [illegible] کیا [illegible] جائے۔ مریض خون کی کمی [illegible] کی [illegible] ارسل اپنے [illegible] تھا۔ وہ [illegible] خون کی [illegible] والد صاحب [illegible] گئے ہیں [illegible] آ گئی ہے اور جانتے تھے ابھی بچا جا سکتا ہے۔

"تو کیا میں مر جاؤں گا؟" ارسل تڑپ کر مزید ڈر کر دیکھتے ہوئے بولا۔ انتظار بھی دھک سے رہ گئے۔ ان کے چہرے سے رنگ اڑ گیا تھا اور لب ہلا رہ گیا تھا۔

وہ کچھ خوف سی بن گئی۔ ایک بار پھر بیٹا کا سرگھٹنے پر آ گیا تھا۔

☆☆☆

ارسل کو اسپتال میں داخل کر دیا گیا۔ قریب کی ہر شخص [illegible] آنکھوں کے [illegible] لیے وہ کی جانے والی دعا [illegible] ابھی [illegible] اپنا [illegible] کا [illegible] خوف [illegible] کی کیفیات [illegible]

میں کمی نہ تھی اور اتنی تدابیر کے بعد بھی ارسل دو دن خون کی الٹیاں کرتا رہا۔ اب تھوڑی طبیعت سنبھلی تھی۔ نقاہت طاری تھی۔ اٹھنا بیٹھنا بھی مشکل تھا۔ تبھی جویریہ والد صاحب کے ساتھ ملنے کے لیے آئی۔

''ارسل! اتنے کمزور اور پیلے کیوں ہو گئے؟'' وہ منضبوط لڑکی جسے خود سے تپ کرنے کی کبھی ضرورت نہ تھی کہ وہ ارسل کے سامنے رو دے گی۔ بے تحاشا روئی اور پھر اپنے آنسو پونچھتے ہوئے بولی۔

''تم پریشان نہ ہو، ہم اس بیماری کا مردانہ وار مقابلہ کریں گے۔''

''کیا عورتیں بھی مردانہ وار مقابلہ کرتی ہیں؟'' بیڈ پر تکیوں کے سہارے بیٹھے ارسل نے جواباً پوچھا تھا۔

کمرے میں موجود سبھی نفوس مسکرا دیے، سوائے انتظار کے اور بھلا کس طرح مسکرا سکتے تھے۔ ان کا بیٹا خون کی الٹیاں کرتا رہا تھا۔ وہ اپنے بیٹے کے لیے ڈونر کا بندوبست بھی نہ کر پا رہے تھے۔ کہاں سے کراس میچ جگر لاتے۔ ڈاکٹر تو بار بار رشتے داروں میں سے کسی کا مشورہ دیتے مگر وہ اب ارسل کے رشتے دار کہاں سے لاتے۔

ڈونر کے لیے انہوں نے کثیر رقم کا اعلان کر دیا۔ کوئی اخبار ایسا نہ چھوڑا جس میں اشتہار نہ دیا ہو۔ لاکھوں خرچ کر کے پرائم ٹائم میں چینلز پر بھی خبر چلائی۔ رقم تو ان کے پاس کم نہ تھی، پر کم نہ پڑ جائے انہوں نے زمین کا ٹکڑا بھی بیچا کہ ارسل ہی تو ان کی دنیا تھی۔ ارسل سے شروع ہوتی اور ارسل پر ختم ہوتی۔

ان کا خون نہ سہی تھا تو ان کا بیٹا۔

اور انہوں نے اپنے بیٹے کا علاج کروانا تھا۔ یہ ان کا خود سے عزم تھا۔ منضبوط عزم۔

''میں تمہارے ساتھ ہوں۔'' جویریہ وعدہ کر کے چلی گئی اور ارسل خود کو پہلے سے زیادہ بہتر اور توانا محسوس کرنے لگا کہ محبت توانا کرتی ہے۔

رات کو جب جویریہ چلی گئی اور انتظار ساتھ والے کاؤچ پر بیٹھے تھے ایسے جیسے شکستہ دل ہوں۔ سر جھکائے کچھ سوچتے ہوئے۔ ارسل انہیں دیکھنے لگا۔ کتنے کمزور لگنے لگے تھے وہ۔

''ابو! آپ... بہت کمزور لگ رہے ہیں اور تھوڑے بوڑھے بھی آپ ہی تو کہا کرتے تھے ملک انتظار کبھی بوڑھا نہ ہوگا۔''

''وہم ہے تمہارا بیٹا۔'' انتظار کا انداز تھکا تھکا سا تھا۔ باپ کو اپنے لیے یوں دیکھنا کیسا طمانیت کا احساس دلاتا تھا۔ مگر انہیں نارمل زندگی کی طرف مائل بھی کرنا تھا۔

''اپنا خیال نہیں رکھیں گے تو میرا خیال کیسے رکھ پائیں گے۔ دیکھیں مونچھ میں بھی سفید بال جھلک رہا ہے۔'' جواباً انتظار کچھ نہ کہہ پائے بس زرد ہوتے بیٹے کو دیکھتے رہے۔

''میں جانتا ہوں آپ مجھ سے بے حد پیار کرتے ہیں۔ میری اتنی دیکھ بھال اس کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ گوکہ کسی قسم کے ثبوت کی ضرورت نہ تھی مگر آپ خود کو اتنا نظر انداز نہ کریں۔ ڈاکٹر کہہ رہے تھے میرے علاج کے لیے مہینوں درکار ہیں۔ تو کیا آپ اتنا لمبا عرصہ اس کاؤچ پر گزاریں گے؟ یہاں کوئی کرائے پر مکان لے لیں۔ آپ کے بہانے ڈاکٹروں کی اجازت سے میں بھی کبھار چکر لگا لیا کروں گا۔ بخت بھی تو ہے۔'' انتظار چپ کر کے ارسل کو دیکھتے رہے۔

''ٹھیک ہے۔'' ارسل کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ آگئی۔

''بخت کب سے اندر نہیں آیا۔ کتنی بار اسے کہا ہے امتحان دے آؤ پھر آجانا مگر نہ لڑکا بھی۔ میرے پاس بھی نہیں بیٹھتا اور واپس بھی نہیں جاتا۔ یوں ہی باہر لان میں بیٹھا رہتا ہے۔ غمگین چہرہ لے کر۔ اسے تو کال کر کے بلائیے۔''

''میں اسے بلا آتا ہوں۔ چہل قدمی بھی ہو جائے گی۔'' فون بج رہا تھا۔ کسی ڈونر کا بندوبست ہو رہا تھا۔ اگر کراس میچنگ ہو جاتی تو کیا ہی اچھا تھا۔ اب بھی وہاں سے فون تھا اور وہ ارسل کے سامنے بات کرنے سے گریز کر رہے تھے۔

باہر جا کر وہ فون پر بات کرنے لگے۔ لان میں بیٹھے بخت سے انہوں نے اندر ارسل کے پاس جانے کا کہا۔

انہیں نہیں پتا تھا کہ یہ لڑکا ان کے بیٹے سے اتنی محبت کرتا ہے..... جب سے ارسل کے بیمار ہونے کی خبر ملی تھی اس قدر رنجیدہ خاطر اور ارسل کے لیے پریشان نظر آتا کہ انتظار کو ہر وقت قلق ہونے لگا۔

''یونہی بلاوجہ بے عزتی کی اور مارا بھی۔ اب اسے کھلایا پلایا تھا تو جتایا کیوں تھا۔ خوامخواہ تھوک کر چاٹا۔'' وہ بخت سے شرمندہ تھے اور معافی مانگنے کے لیے موزوں وقت کا انتظار کر رہے تھے۔

تھکے قدموں کے ساتھ بخت اندر ارسل کے کمرے میں آیا۔ ارسل سے مخاطب بھی نہ ہوا۔ چپ چاپ سر جھکائے کاؤچ پر بیٹھ گیا۔

"انھیں کو اب چھوڑنا پڑ رہا ہے۔" اب ہر
بندے کو ارسل کی رخصتی کی پڑی ہوئی تھی۔
بخت کوئی جواب نہ دے پایا۔
"او پاپا! مجھے بولو کوئی ایسا قصہ سناؤ کہ میں تھوڑی دیر
کے لیے بھول جاؤں کہ میں اسپتال میں داخل ہوں۔ مجھ
سے نہیں سکوں۔ پھر لگتے ہیں کہ پاپا۔ کوئی کہانی سناؤ جب تم
ڈالتے تھے تو میں پاپا کہتی تھی ... کیا آپ کو یاد تھا جب
ماما نے ... ہوتا تھا؟" ارسل نے ایک دن ... میں
کہا اور اس کا چہرہ چمک اٹھا۔ اس کا جانی پہچانا کو۔
بخت کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو بہنے لگے اور وہ
پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔
"مجھے معاف کر دو ارسل۔" روتے ہوئے بخت کہہ
رہا تھا۔ ارسل چونکی۔ یہ آنسو ارسل کی بیماری کے نہ تھے ان
پر پچھتاوا بھی تھا۔
"کیا ہوا بخت؟" جانے کیوں اسے لگا کچھ
ہوا ہے جو بہت ہی برا ہوا ہے۔
"میں انتہائی شرمندہ ہوں۔" بخت روتا ہی جا
رہا تھا۔ ارسل چونکی اور اس کی طرف دیکھنے لگی، بابا کیا ہوا؟
"مجھے اس حد تک نہیں جانا چاہیے تھا ... میں نے
... کیا ہے جس کا اور مجھے اب کسی حد تک ... کر رہا تھا۔
ملک صاحب نے مجھے چھوڑا اور میں نے تمہیں اسی لیے
... سے کہا لے کر ان کا ... بھی بتایا۔" روتے ہوئے
وہ سب کچھ کہہ رہا تھا۔
"یہ کیا کہہ رہے ہو؟" ارسل کچھ نہ پایا۔
"میں بہت برا ہوں۔ میں نے اپنی ... مریض
تمہیں جان بوجھ کر چھوڑ دی تھی تاکہ تم اس بیماری میں مرض میں
مبتلا ہو جاؤ۔ بیٹی ... کیا کہتا۔" بخت روئے جا رہا تھا۔
ارسل کی آنکھوں میں بے یقینی پھیلنے لگی۔ جلد ہی اس
بے یقینی میں خوف بھی شامل ہو گیا۔ کمرے کی خاموشی میں بخت کے
رونے کی آواز گونج رہی اور جب ارسل بولی تو اس کا لہجہ
اجنبی اور کرخت تھا۔
"مجھ پر احسان کرو ... احسان فرما ہوں۔" کچھ
لمبا ارسل نے ... کی تھا پایا تھا۔
"ارسل! مجھے معاف کر دو ...."
"تم جاؤ ... اسے جا کر ... کر
دو ..." ارسل نے ... انگارے اٹھائے اور بخت کو دے
... وہیں ... اور ... نیچے ... تو ہی دے پایا۔
"ارسل!"......

"... ہو جاؤ۔"
وہ اس کے ساتھ کرنے جا رہا تھا جب وہ چار پاتا
انتظار کرنے میں داخل ہو رہے تھے۔ انھوں نے بخت کو
چیخیں سنیں تو دیکھا ... بھی کھڑے تھے۔
"تمہارا دوست ہم سے کتنی محبت کرتا ہے، جب سے
تمہارا رشتہ طے ہوا کی ہے بیٹا ... ایسے دوست ہر
کسی کے نصیب میں نہیں ہوتے۔" انتظار بھی کہتے رک
گئے۔ ان کی نظر فرش پر پڑی۔ جہاں ٹوٹے ہوئے کانچ کے
ٹکڑے بکھرے ہوئے تھے اور وہیں خون کے قطرے بھی
جو بخت کی پیشانی سے گر رہے تھے۔
"یہ کیا ہوا ان کے ہاتھ اور یہ خون؟" کمرے کے در سے
ساتھ تھے ان کے ارسل کا خون بہہ رہا تھا۔ ارسل کا خون تو
ارسل کا جسم تھا۔ اسی لیے تو چپ ہو گئے تھے۔
☆☆☆
"بابا ... ارسل اور ...
اسلام آباد ... ہی ہوتے تھے اور ... کے
کرنے ... کے سہارے ... ارسل کے
... کی ... اور ... کے ... اور
بخت کی ... مادی ... لے۔ انتظار خوشی خوشی
اندر آئے۔
"ارسل! ... کرو اس ... ہو گیا ہے۔ ... تمہیں ...
... ہے۔ ... ہے۔" ... اس
شخص کا نام ... ارسل ... کے
... کر رہا تھا اور انتظار کی خوشی نہ چھپ رہی
تھی۔
مسکراتا ہوا چہرہ ... انھوں نے ... تو
اسی ... بھی کر رہا ہے۔ آج کا دن میری زندگی کے
بہترین دنوں میں سے ہے۔" انتظار خوشی سے مسکرانے
جا رہے تھے۔
"تم تو ... دوستوں کو جاؤ۔ بخت ... کے
... جو تمہاری دوست بھی ... ہوا ہے۔"
انتظار خوشی ... کی طرف بڑھا ہے تھے
ارسل ... رشتہ ... تھا۔
"بابا آپ کو ... ہے ... کہاں سے
ملا؟" ارسل نے کہا تھا۔
"کہاں سے؟" انتظار کی ارسل کے ... عجیب
... تھے
ارسل ... کے ... پھر ... گیا۔

''تمہیں کونسی بکری سب سے اچھی لگتی ہے؟''

''مجھے وہ کالی بکری...... لاڈو۔''

''گلی ڈنڈا ارشد درکھان سے ہوا یا تھا۔ دیکھو گلی کیسی نوکیلی ہے۔ یہ ڈنڈا مارو تو ہوا میں یہ اڑتی ہے کہ قابو میں نہیں آتی۔'' بچپن کی یادیں ذہن پر دستک دینے لگیں اور وہ چاہ کر بھی بخت کا نام نہ لے سکا۔

''پتا نہیں کیسے یہ مرض لگ گیا۔'' کہتے ہوئے اس کا لہجہ دھیما تھا۔

''بس اللہ کا شکر ادا کرو کہ جگر مل رہا ہے اور مرض رخصت ہونا چاہتا ہے۔ بخت کو تو تم نے امتحان دینے کے لیے بہاولپور روانہ کر دیا۔ لو اسے فون پر یہ خوشخبری تو دو۔ یہاں ہوتے ہوئے کتنا پریشان تھا۔ وہاں جانے کیسا ہوگا۔ میں تم سے معذرت بھی کرنا چاہتا ہوں۔ بخت سے بھی کروں گا۔ ایک رات میں اس پر غصے بھی ہوا تھا۔ اسے مارا بھی اور احسان فراموشی کا طعنہ بھی دیا۔ بہت برا کیا، اب پچھتاتا ہوں۔ کتنا اچھا لڑکا ہے اور میں کتنا سنگدل بن گیا تھا۔ اپنے دوست سے میری سفارش کرنا کہ میری معذرت قبول کرلے۔'' بخت بھی اب انتظار کو اچھا لگنے لگا تھا۔

ارسل چپ چاپ باپ کو دیکھتا رہ گیا۔

☆☆☆

اعضا کے انتقال کی سرجری' ٹرانسپلانٹ سرجری دنیا کی مشکل ترین اور پیچیدہ ترین سرجری سمجھی جاتی ہے۔ مشکل اور طویل......

صبح دس بجے آپریشن شروع ہوا تھا اور شام پانچ بجے اختتام پذیر ہوا۔ آپریشن تھیٹر کے باہر بنی بینچ پر بیٹھے انتظار۔ تھیٹر کے اوپر لگے سرخ بلب کو جلتا دیکھتے رہے، دیکھتے رہے۔ آنکھیں پتھرانے لگیں۔ دل میں آتا کہ جائیں اور خدا کے حضور سجدہ ریز ہو جائیں۔ گڑگڑا کر اللہ سے اپنے بیٹے کی صحت اور سلامتی کی دعائیں مانگیں مگر اس بینچ سے ہل نہ پاتے۔ کہیں ڈاکٹر باہر نہ آجائیں اور وہ وہاں موجود نہ ہوں۔

جو دعائیں انہیں آتی تھیں سبھی مانگ لیں۔ اپنے کیے گئے سب نیک کاموں کا واسطہ بھی دیا لیکن پھر ذہن میں سرگوشیاں ہونے لگیں۔

اللہ رحیم ہے۔ کریم ہے۔ ان کی نیکیوں کی کیا اوقات۔ انہیں رحم اور کرم مانگنا چاہیے اور وہ رحم مانگتے رہے، کرم مانگتے رہے۔ ڈونر کے لواحقین سے انہیں بچائے نماز میسر آگئی۔ وہ وہیں بچھا کر دعائیں مانگتے رہے۔ سجدہ ریز ہوتے رہے۔ روتے رہے۔ گڑگڑاتے رہے۔

رحم' رحم۔ کرم' کرم۔ وقت کی سوئیاں سرکتی رہیں اور وہ صبر سے خود کو سنبھالے دعا گو رہے۔ کلیجا تھا کہ یوں لگتا پگھل جائے گا مگر انہوں نے ہمت سے کام لیا اور خود کو سنبھالے رکھا۔

پانچ بجے کے قریب آپریشن تھیٹر کا دروازہ کھلا۔ ڈاکٹروں اور معاون عملے کو دیکھنا نصیب ہوا۔

''مبارک ہو مسٹر انتظار۔'' لیڈ کرنے والا ٹرانسپلانٹ سرجن ملک انتظار کو مبارکباد دیتا، کندھا تھپتھپاتا چلا گیا۔ تھکاوٹ سرجن کے چہرے سے عیاں تھی مگر ایک اطمینان بھی جھلکتا تھا کہ اس کی محنت رائگاں نہیں گئی۔

انتظار کی آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے اور وہ اسی وقت ایک بار پھر خدا کے حضور سجدہ ریز ہو گئے۔

''یا اللہ تیرا شکر ہے۔''

...کہ خدا کا شکر لازم و ملزوم ہے۔

☆☆☆

آسمان پر کالے سیاہ گھنگھور بادل چھائے ہوئے تھے اور وہ یہ اعلان کررہے تھے کہ ہم برسنے کو تیار ہیں۔ بادلوں کی گرج جہاں دل کو دہلاتی تھی، وہاں یہ خوشخبری بھی لاتی تھی کہ بارش ہونا چاہتی ہے۔

پیپر اختتام کو پہنچا۔ طلبا پرچے سے فارغ ہو کر پرچے میں آنے والے سوالات اور ان کے جوابات زیر بحث لانے لگے۔ امتحان گاہ کے باہر لان میں ایک شور سا برپا ہو گیا تھا۔ وہ شور جس میں لگن تھی' جذبہ تھا' کچھ کرنے کی لگن تھی اور پرچے ختم ہونے کی سرشاری بھی۔

بجھے دل والا بخت اس شور سے الگ دور ایک بینچ پر آن بیٹھا۔ امتحان ختم ہوئے۔ اس کے تمام پرچے مناسب ہوئے۔ مگر اسے دوسری فکر لاحق تھی۔ اس نے کیا کر دیا تھا اور اس کا نتیجہ اس کے بھائی جیسے دوست کو کیا بھگتنا پڑا تھا۔

وہ خون کی الٹیاں۔ وہ نڈھال ارسل اور وہ مختلف ادویات کے ٹیکے لگاتی نرسیں اور وہ ہدایت دیتے ڈاکٹر۔ تمام مناظر ایک بار پھر سے تازہ ہو گئے اور اس نے آنکھیں میچ لیں۔

وہ ملک انتظار سے مسلسل رابطے میں تھا۔ ان کے طفیل انہیں ارسل کی کامیاب سرجری کی اطلاع مل چکی تھی اور اس پر بھی وہ سجدہ' شکر بجا لایا کہ اس کے قبیح فعل نے کم از کم ارسل کو جان سے مار ہی نہ ڈالا تھا۔ ورنہ اس نے تو کوئی

مگر نہ تھوڑی تھی اور انتظار سے گفتگو سے تھی لاتے اور از
ہوا تھا کہ ارسل نے کبھی کوئی بھی نہیں ہے! یہ بھی ارسل کا ایک
احساس تھا۔ اس... احسان کے کا ایک کہاں تھا۔
کبھی کوئی اس کی تنگی پر اس کے ساتھ آ کر بیٹھا رہ
جو بہ تھی۔ ارسل کی بہت محبت اور حوصلہ شکنی۔
"تمہیں ٹھیک ہو گیا؟" عشرت نے پوچھا تھا۔
"ہوں۔" یہاں بھی وہ سب ثانوی حیثیت اختیار کر
گئے تھے۔ جب کوئی پیارا زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہا ہو تو
ایسے پر سب اپنی اہمیت کھو دیتے ہیں۔
"مبارک ہو۔ تمہارے دوست آفتاب زندگی پا گئے ہیں۔"
ارسل جیسے پاؤں گھسیٹتا گیا۔
وہ خوش نصیب کیسی تھی جس کا جیون ساتھی ارسل جیسا
ٹکا تھا۔ کیا وہ ایسا تھا کیا ارسل ایسا۔
اور وہ اللہ سے گرفت والا۔
"تمہیں مبارک۔ اللہ انہیں لمبی زندگی دے۔ میری عمر
بھی ان کو لگ جائے۔"
عشرت نے اس کا ہاتھ دبایا اور جیسے ہی وہ اپنے ارسل
کے دوست سے ملا اس کی گرفت کو جاں کنی کی نذر پایا۔
کالج سے ہاسٹل آیا تھا۔ مگر عشرت بھی وہیں
سے بچ گیا اور سڑک کا رستہ چلا۔ یا جیسے پوچھ کر
رک گیا۔ ہر طرف زندگی اور اس اجالوں کی اور دور اپنے
بھری نگاہوں سے زندگی کو دور تک تکتا رہا۔ کبھی ایک
کنٹرول پاس سے گزرتی اور اس کے دل میں آیا کہ بچے
جانتے ہوئے۔
مگر جان دینا اتنا آسان نہیں تھا۔ آسمان پر سجائے
کاسے گلستور بادل ایک بار بکھرے اور باقی ہو گئے تھے۔
جب اب ہوئی بارش ہوئی تو ہوا چلی تو وہ چھوڑ بے پر گھرا
عشرت اس بارش میں بھیگتا رہا۔

☆☆☆

سرجری کے بعد وہ خیریت تھی ارسل دور سے کیا تھا
دیکھ رہا۔ بے ہوشی کی حالت میں پڑا تھا۔ بے سدھ رہ رہ
کر بھی محسوس کرنے لگا۔ سر درد اور درد کی شدت معمولی
تھی اور اس دن وہ بیچ بچارے کے ان تک بھی آیا۔
اسپتال کا لان تھا۔ پریشان چہروں کی کثرت تھی۔
وہ آتے جاتے لوگوں کے چہروں کو دیکھ رہا تھا۔
"کیا کوئی اور بھی ایسا مریض ہوگا جیسے اس کے
دوست بات نہ کرتے ہوں..."
اور وہ بیٹھا رہا، یہ شاید لمحات اس پر بھاری ہو رہے تھے۔

"تو پھر ایسا کیوں کیا تم نے؟" عشرت کے دل میں
عشرت کے لیے بہت شدید نفرت تھی۔ ایک وہ بار بار اس نے
اراد کیا کہ انتظار کا جواب کہ عشرت نے کیا کیا ہے مگر اسے
آپ کو اس سارے سے الگ رکھا۔ انتظار ویسے جان سے
مارا گئے اور وہ کسی قسم کی لڑائی جھگڑے کا شوقین تھا۔
یوں بچے آتے جاتے لوگوں کے چہرے وہ دیکھتے اسے
خیال آیا۔
"شان ب..." اور اس سے ساتھ بیٹھے انتظار کو مخاطب کیا۔
"ہم انسان کیا ہوتے ہیں؟"
انتظار نے ہاتھ میں پکڑا اخبار لپیٹ کر رکھ دیا۔
"بہتر ہے۔ جلدی گھر لوٹیے۔"
"میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔" ارسل نے اپنی بات کی۔
"کیا کرو گے اس سے مل کر؟" انتظار کو جیسے کا
شاید ہو گئے۔ وہ بھی یہ جانتے تھے کہ ارسل بتا نہیں سکے گا
وہ کسی کو کوئی جواز بھی نہ تھا۔
"کیوں اس نے مجھے نئی زندگی دی ہے۔ وہ زندگی جو
مجھ سے کسی نے چھین لی تھی۔ اب اس آدمی سے ملوں جس
نے مجھے نئی زندگی دی۔" انتظار نے لفظوں پر غور کر کے
خراد ہو بیٹھے۔ ارسل سے نظر پھیر کر وہ کسی اور زاویے پر
سامنے گئے۔
"کیا ہے ممکن؟ جا کر دیکھ لو اس وقت۔ میرا بیٹا
ارسل اس سے ملنا چاہتا ہے وہ شکریہ ادا کرنا چاہتا ہے۔ کیا
ہم آپ کے گھر سے مل سکتے ہیں؟" انتظار بول رہے تھے اور
[illegible]
"آ جاؤ کو دیکھ لیا ہوں آتے ہیں۔ تمہارے گھر سے
سے مل کر سب پوچھ لوں گا کہ کس کا گھر ہے۔"
"سرجری سے پہلے کی سوچ بچار کا کہ اس سے ملوں۔
آپ سے کہا بھی کہ آپ نے فون کیا کی۔ اس نے یہ
احسان کیا ہے جو میں کبھی نہیں بھلا سکتا۔" ارسل نے
بھرے لفظوں سے خود بتایا۔ انتظار اس کا ہاتھ تھامے
رستے چلتا رہے۔
شان کے گھر کے دروازے پر دستک دے کر وہ
اندر داخل ہوئے۔ اندر بیٹھے لوگ اداس تھا۔ جو یقیناً
نالاں تھا۔ وہ لوگ کارپٹ پر بیٹھے تھے اور جن میں اس کے
رشتہ دار تھے۔ ارسل ان کو دیکھ کر ٹھٹک گیا اور اس نے بات
کر کے دیکھا۔
اسے ایک بڑا فرق محسوس ہوا۔ جو انتظار کی انکھوں میں
... تھا، نہ لوگ ... تھے، وہ جانتے تھے کہ وہ مل نہ لے۔

کمرے میں کوئی مرد نہ تھا۔ چہروں پر شیو کے نشان تھے... مگر ہونٹ لپ اسٹک سے رنگے ہوئے تھے اور کپڑے بھی خواتین والے تھے۔

''شان!'' ارسل بیڈ کے پاس آیا اور مسکرا کر اس بے جنس انسان کو دیکھا جو اسے زندگی دینے کا وسیلہ بنا تھا۔

'' کیسے ہو صاحب؟'' اس کی آواز میں بھی نسوانی آمیزش تھی۔

''میں ٹھیک ہوں۔ تم سناؤ۔ میری وجہ سے تم اتنے دن تکلیف میں مبتلا رہے۔ چیر پھاڑ اور بے انتہا درد بھی... برداشت کیا۔'' ارسل کا ہاتھ قمیص پر پیٹ کے دائیں طرف رک گیا جہاں سرجری کا زخم تھا۔ جہاں پٹی بندھی تھی۔

شان سر جھکائے بیٹھا رہا۔ سمجھ نہ آیا کیا کہے۔ اس سب کے تو وہ پیسے لے چکا تھا۔ اتنے پیسے جو گنے بھی نہیں جا سکتے تھے۔ ان پیسوں نے اس کی اور اس کے لواحقین کی زندگی سنوار دی تھی۔

''شرمندہ مت کرو صاحب۔'' شان کی آواز دھیمی تھی۔

''نہ نہ۔ تم کس لیے شرمندہ ہو۔ شرمندہ تو میں ہوں۔'' ارسل کو سمجھ نہ آیا مزید کیا بات کرے۔ اسی لیے تو پلٹ آیا۔

دروازے کو پار کرتے ہوئے اس کی آنکھوں میں نمی اترنے لگی اور دو آنسو آنکھوں سے چھلک پڑے۔

''معاشرے کا بوجھ یہ نہ ہو تو کیا فرق پڑے گا۔'' لوگ ایسے کہتے ہیں اور معززین زمانہ کی رائے ان لوگوں کے متعلق ہمیشہ ایسی ہوتی ہے مگر اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز بلاوجہ نہیں بنائی۔

اگر شان نہ ہوتا تو نوجوان ارسل کو جگر کا ٹکڑا کون ڈونیٹ کرتا؟

☆☆☆

ارسل کو اسپتال سے ڈسچارج کیا گیا۔ چنانچہ ابھی روزانہ ڈاکٹر کے پاس فالو اپ کے لیے جانا تھا۔ اس لیے انتظار اسے بہاولپور لے جانے کے بجائے وہیں کرائے کے فلیٹ میں لے گئے۔

اور یہ فلیٹ پر دوسرا دن تھا جب مہمانوں کی آمد ہوئی۔ سردار حسین اپنی زوجہ کے ساتھ۔ ڈاکٹر عامر اپنی بیٹی کے ساتھ۔

انتظار مہمانوں سے خیر سگالی مسکراہٹ کے ساتھ ملے۔ اب بیٹے کی خواہش ڈاکٹر عامر کا داماد بننے کی تھی تو سردار حسین کو مناسب الفاظ میں منع تو کرنا تھا اور ملتے ملتے مناسب بہانہ مل گیا۔

''ملک صاحب! ارسل ماشاء اللہ ہمارا بچہ ہے مگر ہماری عندلیب نا سمجھ ہے، وہ کیسے ارسل کا خیال رکھ پائے گی۔'' جگر تبدیل ہونا کوئی معمولی مسئلہ نہ تھا اور انہیں یہ بھی بتایا گیا تھا کہ انتقالِ اعضا والے مریض اکثر بیمار رہتے ہیں اور ساری زندگی ادویات کھانی پڑتی ہیں۔

انتظار سردار حسین کو دیکھنے لگے۔ ارسل کی بیماری نے غالباً انہیں رشتے کے لیے ہچکچاہٹ میں مبتلا کر دیا تھا۔

''سردار صاحب بجا فرماتے ہیں تو کیوں نہ آپ بخت کے لیے سوچیں۔ میرے ارسل کا دوست ہے۔ میرے پاس ہی پلا بڑھا ہے۔ میڈیکل کا اسٹوڈنٹ ہے۔ آپ کی بیٹی کو خوش رکھے گا اور آپ کی بیٹی کو اپنے آنگن میں بیٹی کی طرح کام کرتے دیکھنے کی خواہش بھی پوری ہوگی۔''

سردار حسین نے گہری نظروں سے زوجہ کو دیکھا۔ کوئی جواب تو نہ دیا مگر گہری سانس لیتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔

اور کچھ دیر بعد ڈاکٹر عامر اور جویریہ بھی تشریف لے آئے اور ارسل جو سردار حسین اور ان کی زوجہ کو سلام کر کے اندر کمرے میں گم ہو گیا تھا اب مہمانوں کے سامنے چپک کر بیٹھا تھا۔

دونوں کے باپ سامنے بیٹھے تھے مگر وہ لڑکا اور لڑکی دھیمی آواز میں انہیں فراموش کر کے اپنی باتوں میں گم تھے۔ ڈاکٹر عامر طویل سانس بھر کر رہ گئے۔ انہیں اس رشتے کے لیے کئی قسم کے تحفظات تھے۔ اپنے پروفیشنل کیریئر میں انہوں نے کئی ٹرانسپلانٹ کے مریض دیکھے تھے۔ کچھ مریض ایسے تھے جو ٹرانسپلانٹ کے پچاس سال بعد بھی نارمل بڑھاپا گزار رہے تھے اور کچھ ایسے بھی جو سال چھ مہینے میں ہی منتقل عضو کے متعلق یا دیگر بیماریوں میں مبتلا ہو جاتے اور وہ اپنی بیٹی کیسے اس شخص کے حوالے کر سکتے تھے۔ مگر بیٹی کو سمجھانا بھی بے حد مشکل تھا۔ گو کہ ان کے پاس ویٹو پاور تھی۔ سختی سے بیٹی کو منع کر سکتے تھے مگر یہ سب ساری زندگی ان کا وتیرہ نہ رہا تھا تو اب کس طرح کرتے۔ چنانچہ صبر و شکر سے بیٹی کے اچھے مستقبل کی دعائیں مانگنے لگے۔ یوں بھی جویریہ اب چھوٹی بچی نہ تھی۔ میڈیکل کی اسٹوڈنٹ تھی۔ اب اچھا برا سمجھ سکتی تھی اور اس نے یہ فیصلہ یقیناً سوچ سمجھ کر کیا ہوگا۔

سردار حسین نے جانے کی اجازت مانگی۔ انتظار نے

اٹھیں۔ دونوں کمرے کی طرف آئے تھے۔ کب تک یہ سوئی آرام سے چلے جا رہے گا۔

"ملک صاحب! تم جیسے زردار نے شمار کر دیے وارد بچے نہ ان سے ملی تھی۔" سوال بھی مجسم ہوئے اور ماحول کچھ ذرا سا اور بے ترتیبی سی چھا گئی تھی۔

"دیکھو۔ یہ میرے پاس آ کر بیٹھو۔" افتخار نے جویریہ کو پاس بلایا۔

جویریہ اپنی جگہ سے اٹھی اور افتخار کے ساتھ والے صوفے پر بیٹھ گئی۔ ازل چہرے پر مسکراہٹ سجائے خوش سے جویریہ کو دیکھے گا۔ آج بھی اس نے بالوں کو صاف سا لپیٹا ہوا تھا اور ازل کی نگاہیں صاف میں لپٹے بالوں میں الجھی ہوئی تھیں۔

"بہت پیاری لگتی ہے۔" افتخار نے مسکراتے ہوئے جویریہ کے سر پر ہاتھ پھیرا اور مسکراتے ہوئے اپنا وعدہ یاد دلانے لگی۔

"ڈاکٹر صاحب! آپ سے مجھے ڈر لگتا ہے [illegible] پتہ نہیں آپ واقف ہوں گے۔ میں چاہتا ہوں جب تم [illegible] میری ایک خواہش ہے بچے [illegible] کا [illegible] کر کے اس کا قصہ ایک [illegible] سے منسوب ہو جائے۔" افتخار [illegible] کہہ رہے تھے۔

ازل [illegible] سے جویریہ کو دیکھا [illegible] [illegible] [illegible] جا چکی تھی۔

☆☆☆

یونیورسٹی کی کلاس کا پہلا دن تھا۔ [illegible] [illegible] ابھی چند دنوں بعد آیا تھا اسی لیے [illegible] زیادہ دلچسپی سے کلاس اٹینڈ نہیں کی۔ کلاس کے بعد [illegible] [illegible] جویریہ نظر آئی اور وہ اس کے قریب چلا آیا۔

"کیا۔ بیٹھ جاؤں؟" جویریہ حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔

"کیا تم دوستوں میں کوئی کمی ہوئی ہے؟"

[illegible] چپ رہ گیا۔ کیا [illegible]۔

"ہونا تو یہی چاہیے [illegible] زندگی کا [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] آپ سے [illegible] [illegible] اور دوست [illegible]

تمہارا چہرہ کتنا [illegible] ہے۔" جویریہ کچھ رکی اور [illegible] جھکائے کھڑا رہا۔ [illegible] کی ہمت نہ ہوئی۔ اس کی وجہ سے ازل جس [illegible] میں لاحق ہو گیا تھا اب وہ کسی کا سہارا نہیں چاہتا تھا۔

کافی دیر سے ازل اٹھ کے ہوئے تھی نے چار سو لا چھوڑا سناٹا سا بس ڈالا جاں نے جیسے ہو کا عالم تھا۔ ازل کو فیصلہ کرنے لگا۔ صبح ازل نے اس کو [illegible] کیا۔

کسی بدقسمتی کی کہ وہ اپنے دوست کی پاداری بھی نہ کر سکا تھا۔ شکست خوردہ سا جلتا ہوا باہر نکلا۔ ازل کے کمرے سے باہر نکلیں کی آواز آ رہی تھی۔ وہ خود ہی رکا اور پھر کمرے میں داخل ہوا۔ [illegible] [illegible] بیٹھے تھے۔ سلام کرنے کے بعد اس نے کتابیں رکھیں اور بچے کو آواز دی۔

"مجھے تم سے بات کرنی تھی۔" [illegible]

[illegible] پھولوں کے لیے اپنے کمرے میں [illegible] [illegible] اب [illegible] بیٹھ گئے۔

[illegible] ہاتھ پکڑ کر [illegible]۔

"[illegible] تم سے بہت [illegible] ہے۔ [illegible] سکا تھوڑی کے [illegible] کا انتظام کرا۔ [illegible]" [illegible] اس کا کچھ سا [illegible] کمرے میں چلا گیا اور [illegible] [illegible] [illegible]۔

پھر بھی [illegible] [illegible] [illegible] لیے [illegible] بھی نہ رہا تھا۔ کیا وقت آیا تھا۔ بے بسی کے آنسو آنکھوں میں پھیلتے گئے۔ [illegible] جاری رکھا اس کے قصے میں [illegible] بھی رکھی۔

اسی شام وہ ایک بیگ لیے بس اسٹینڈ پہ گاڑی کے انتظار میں کھڑا تھا۔ منا کی اذان کے وقت جا کر بیٹھا تو کھڑکی کے پار دیکھ رہا تھا اور [illegible] ان سے جا رہا تھا۔

"میری بدقسمتی تھی کہ اس کی وجہ سے بھی اس کو [illegible] بچا [illegible] [illegible] سے [illegible] رکھا۔ [illegible] [illegible] کو آج تم اسے [illegible] رکھ دیتے ہو۔"

☆☆☆

بہار [illegible] نے ایک [illegible] کی ترتیب رکھی۔ ازل [illegible] کی طرف [illegible]۔ [illegible] کا سال [illegible] [illegible] [illegible] زندگی [illegible]

دروازے پر دستک ہوئی اور انتظار اندر آئے۔ ارسل شرمندہ ہونے لگا۔

''ابو! مجھے بلا لیتے۔'' اب انتظار ارسل کو اپنے کمرے میں بلانے کے بجائے اس کے کمرے میں چلے آتے۔

''کوئی بات نہیں، تم آؤ یا میں آؤں کیا فرق پڑتا ہے... دیکھیے... ماشاء اللہ تمہارے چہرے پر سرخی آنے لگی ہے۔ ورنہ پیلا چہرہ دیکھ کر تو میرا دل ہولتا تھا۔'' انتظار خوش تھے کہ ان کا بیٹا ان کے ساتھ ہے۔

''تمہارا دوست بخت.....'' انتظار لمحے بھر کو رکے۔

''شاید تم دوست بھی خفا ہو مگر اس خفگی کو طول کیوں دے رہے ہو۔'' انتظار ناواقف تھے اس لیے یہ کہہ رہے تھے۔ لمحے بھر کو ارسل کے ذہن میں آیا اگر وہ بھی ناواقف ہوتا تو کیا ہوتا۔ بخت اسے نہ بتاتا تو اسے کونسا فرشتوں نے آکر آگاہ کرنا تھا۔ یہ بھی تو اس کی شرمندگی کی علامت تھی مگر جو وہ کر گزرا تھا ارسل کو کتنی تکلیف اٹھانا پڑی تھی۔ جان بھی جاسکتی تھی۔ تو کیا یہ قابلِ معافی فعل تھا۔ اسے معاف کردینا چاہیے؟

''خفگی ختم کردو بیٹے۔ اسے بلالاؤ۔ وہاں کیسے اپنا حساب کتاب چلا رہا ہوگا۔ پیسوں کا انتظام نہ ہوگا۔ میں نے کچھ پیسے بھیجنے بھی چاہے مگر اس نے نہ لیے اور میں شرمندہ ہوں۔ اس سے تلخ باتیں نہیں کرنی چاہیے تھیں اور مارنا بھی نہیں چاہیے تھا۔ میری سفارش کرو، اسے لے آؤ۔''

اور ارسل سوچ رہا تھا کہ آخر وہ کسی کو بتا کیوں نہیں رہا کہ بخت نے اس کے ساتھ کیا ستم کیا۔ کیا وہ اپنے دوست کی پردہ پوشی کر رہا تھا؟ کیا واقعی وہ اب بھی اس کے لیے دوست تھا؟

''ابو! بڑی خفگی ہے۔ سوچتے ہیں مگر منگنی کے بعد۔''

''منگنی میں نہیں بلاؤ گے اپنے دوست کو؟ ایک زمانہ تھا تم اس کے بغیر ایک نوالہ کھانا بھی گوارا نہیں کرتے تھے اور اب اسے منگنی میں نہیں بلاؤ گے؟'' انتظار حیران تھے۔

''ابو! زمانے گزرنے اور بدلنے میں کہاں دیر لگتی ہے۔ ابھی نہیں۔'' ارسل کا لہجہ اٹل تھا۔

☆☆☆

منگنی کا جوڑا گلابی رنگ کا تھا۔ ہلکا گلابی اور تیز گلابی کا امتزاج۔ کلیوں والی فراک۔ جویریہ تو جیسے پری لگ رہی تھی۔ قیمتی پتھروں کا سیٹ۔ ایسے لگتا تھا یہ پتھر جویریہ کی خوبصورتی کو نہیں بلکہ جویریہ ان کی خوبصورتی بڑھا رہی تھی۔

سیاہ ڈنر سوٹ کے ساتھ گلابی ٹائی لگائے، ٹائی گلابی اس لیے کہ جویریہ کے سوٹ کے ساتھ میچ ہو، ارسل شہزادہ ہی لگ رہا تھا اور وہ دونوں جیسے پرفیکٹ کپل۔

''دیکھیے ڈاکٹر صاحب! برسوں پرانی شناسائی نے آئندہ زندگی کی کیسی بنیاد رکھی۔ آج ہم رشتے دار بنتے جا رہے ہیں۔'' اسٹیج کے سامنے والی کرسی پر انتظار اور ڈاکٹر عامر ساتھ ساتھ بیٹھے تھے۔

''بجا فرمایا۔'' اثبات میں سر ہلاتے ہوئے ڈاکٹر عامر مسکرادیے اور اسٹیج پر بیٹھا ارسل جویریہ کے کان میں سرگوشی کر رہا تھا۔

''تم نے آج بالوں کو موباف میں کیوں نہیں لپیٹا؟''

''اف ارسل! آج کی تیاری خاص تیاری ہے۔ موباف کیجوئل ڈریس کا حصہ ہے۔'' جویریہ نے قدرے منہ بنایا تھا۔

''تمہیں معلوم بھی ہے کہ مجھے تمہارے موباف میں لپٹے بال کتنے اچھے لگتے ہیں مگر پھر بھی تم نے میری پسند کو اہمیت نہیں دی۔ مجھ سے بات مت کرنا۔'' ارسل روٹھنے لگا۔

''جیسے تمہاری مرضی۔ ساری زندگی پینڈو کے پینڈو ہی رہنا۔'' وہ بھی جویریہ تھی۔ حساب اسی وقت برابر کیا۔

''پینڈو۔'' ارسل قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔ ''اور تم پینڈو کی بیوی۔''

''بیوی نہیں منگیتر وہ بھی متوقع منگیتر۔'' جویریہ منہ پھلائے کہہ رہی تھی۔ ارسل ہنستا ہی چلا گیا۔

''میں انگوٹھی نہیں پہنوں گی کوئی اور لڑکی دیکھو۔''

''کونسی کیا وہ سبز سوٹ والی ٹھیک ہے۔ قصہ تو سن لیا ہوگا تم نے۔ ایک زمانے میں میں نے اس سے شادی کی فرمائش بھی کی تھی۔'' چہرے سے مسکراہٹ جدا نہ ہوتی تھی اور وہ سامنے بیٹھی عندلیب کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔

''ہائے، مجھے نہ پتا تھا تم اتنے دل پھینک ہو۔ جاؤ اسی کو انگوٹھی پہنادو۔''

ارسل کے منہ سے ایک بار پھر ہنسی کا فوارہ ابل پڑا۔ جویریہ نے منہ دوسری طرف پھیر لیا اور سامنے بیٹھے انتظار بیٹے کو یوں ہنستے دیکھ کر نہال ہوتے رہے۔

''اچھا سنو۔''

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایت اللّٰہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللّٰہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دستر خوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی،

جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

"میں نے بہت تلاش کیا تھا۔" بخت نے مسکرا کر دوسری طرف رخ کیا۔

"تمہارے لیے ہاں صرف تمہارے لیے یہ دل دھڑکتا ہے۔" ارسل نے شرما کر کہا تھا۔

اور گلابی لباس میں ملبوس جو زمین کی رنگت میں بھی گلابی پن جھلک رہا تھا۔

☆☆☆

نہر بڑی تنگ تھی وہ درخت اب بوڑھا اور سالخوردہ ہو چکا تھا۔ ایک زمانہ اس نے بخت کے لوگوں کو جب وہ نہر کے کنارے ستانے یا تفریح کے لیے آتے سایہ مہیا کیا تھا۔ آج بھی بخت اسی درخت کے سائے کے نیچے بیٹھا تھا۔ نہر بخت میں پانی رواں تھا۔ برسوں کے بعد سوکھی پڑی نہر میں پانی آ گیا تھا اور گاؤں کے کسان بے انتہا خوش تھے۔ وہ اس پانی کو اپنی خوشیوں سے تعبیر کر رہے تھے۔

نہر کے کنارے بیٹھا بخت پانی کی روانی کو دیکھ رہا تھا۔ کبھی کبھار پانی پر کنکر بھی اچھال دیتا، نہر کے پانی میں ارتعاش پیدا ہوتا۔ ایک دائرہ سا بنتا اور پھیلتے پھیلتے غائب ہو جاتا۔

کسی بچے کا رونے کی آواز آئی وہ پھر کسی کے بچے کی۔ وہ [illegible] ہو کر اب اس نے [illegible] تھا۔ کوئی اس کے پاس آ کر بیٹھا [illegible] سے اس نے اپنے پہلو میں دیکھا اور چونک اٹھا۔

آنے والی کوئی اور نہیں ارسل تھی۔

بخت چار برس کی [illegible] پاس بیٹھی ارسل کو دیکھ رہا تھا۔ [illegible]

"میں نے کہا تھا نا [illegible] اور آپ بخت کے [illegible] پانی سے [illegible] اس نہر کو [illegible]"

بخت اسے [illegible] چند لمحے [illegible] اب [illegible] آنکھیں [illegible] چاہتا تھا مگر [illegible] تھا۔ کتنا گناہگار [illegible] حالت ہوتی ہے [illegible] چکا تھا۔

"دل چاہتا ہے کہ تمہیں اس نہر میں دھکا دے دوں [illegible] تمہارا کیا [illegible] کیا اس نہر میں [illegible]"

ارسل [illegible] نہر کے پانی [illegible] بیٹھا تھا۔ اب اس نے [illegible] بخت کی طرف دیکھا۔

بخت نے پیچھے ہٹتے ہوئے بھی ارسل کی گہری آنکھوں کا ارتکاز محسوس کر لیا۔ اس لیے تو اس کا جھکا ہوا سر اور جھک گیا تھا اور ارسل کی انگلی ساکت ہو گئی۔

"کیا بات ہے میری طرف دیکھو بھی [illegible] بات بھی نہیں کرو گے آپ کہاں سے [illegible] آئی تھی جب تم [illegible] سے [illegible]" بخت نے چہرہ اٹھا کر دیکھا۔ [illegible] آنکھیں ارسل کے چہرے پر مرکوز کیں۔ آنکھوں سے آنسو بہنے میں دیر نہ لگی۔ بخت رو دیا اور ارسل اسے روتے دیکھ رہا۔

"رو رہے ہو [illegible] بہتر ہے تم رو کے دیکھو تو میں تمہیں معاف [illegible] کر پاؤں گی۔" بخت کے رونے میں شدت آ گئی اور اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر باہر نکالا۔ [illegible]

"یار ارسل [illegible] مجھے اس نہر میں [illegible] مجھے معاف کر دو۔" ارسل [illegible] سے بخت کے ہاتھ میں [illegible]

"تم [illegible] کرو گے [illegible]" بخت نے [illegible] اس سے [illegible] اپنے [illegible] ارسل [illegible] بخت کے [illegible] سے [illegible] بخت کے گال پر [illegible]

"بے وقوف!"

[illegible]

"میں [illegible] ہوں ارسل۔ تم نے [illegible] احسان کیا [illegible] اور [illegible] ایک [illegible] اور [illegible] سب [illegible] احسان [illegible] نہیں [illegible] ان کے لیے [illegible] کو [illegible] ارسل اس کو لے جاؤ۔"

کیا اب اس کے پاس کوئی [illegible] کیا تھا کہ وہ بخت کو معاف کر دے۔

[illegible]
آج کر لیتے ہیں
کل کر لیتے ہیں
[illegible] کر لیتے ہیں